اسلامی عقائد و مسائل

تالیف و ترتیب

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

تقریظاتِ جلیلہ

علامہ محمد احمد مصباحی | علامہ عبد الستار سعیدی

علامہ جمیل احمد نعیمی | مفتی محمد الیاس رضوی

مفتی نظام الدین رضوی | علامہ عبد المبین نعمانی

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

دار أهل السنة

للتحقيق والطباعة والنشر

اسلامی عقائد و مسائل

تالیف و ترتیب
ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالی

تقریظاتِ جلیلہ

علامہ محمد احمد مصباحی - علامہ عبد الستار سعیدی
علامہ جمیل احمد نعیمی - مفتی محمد الیاس رضوی
مفتی نظام الدین رضوی - علامہ عبد المبین نعمانی
صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

دار اہل السنۃ
لتحقیق الکتب والطباعۃ والنشر

موضوع: عقائد اسلامیہ

عنوان: اسلامی عقائد و مسائل

مؤلف: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

تعدادِ صفحات: ۷۶۸

سائز: ۱۸ × ۲۴

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: "ادارۂ اہلِ سنّت" کراچی۔

: idarakutub@gmail.com

: 00971 55 942 1541

www.facebook.com/darahlesunnat

آن لائن

۱۴۴۲ھ / ۲۰۲۱ء

ISBN:
978-969-7833-10-8

ترتیب و تحقیق

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

معاونینِ کرام

حضرت علّامہ مفتی محمد عباس رضوی - مفتی محمد یونس علی

مفتی محمد کاشف محمود ہاشمی— مفتی محمد امجد حسین اعوان

مفتی محمد فاروق صدیقی - مفتی محمد فرمان شاذلی

شرفِ انتساب

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اپنی اس سعی کو دنیائے اسلام کی عظیم ہستی، شیخ المشائخ، استاذ علی الاِطلاق، ملک المدرّسین، جامع منقول و معقول، رئیس المناطقہ، استاذِ مَن حضرت علّامہ عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نامِ نامی سے منسوب کرتا ہوں، جنھوں نے تقریبًا ۷۰ سال تک علوم اسلامیہ کی تدریس کے لیے وہ کردار ادا کیا، جو تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آپ نے درسِ نظامی (عالم کورس) کو ایک نئی جلا بخشی، آپ نے محقق علماء، نامور مدرّسین، فقہاء اور محدثین کی کئی جماعتیں تیار کیں۔ آپ کے اندازِ تدریس نے قوم و ملّت کو بیش بہا چمکتے ہیرے عطا کیے۔ آپ نے دینی اور ملّی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، آپ نے دو قومی نظریہ کے فروغ، اور اسلامی اَقدار کے تحفظ کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ کے جلائے ہوئے چراغ صدیوں تک نسلِ نَو کے لیے رَوشنی کا اہتمام کرتے رہیں گے[1]، ان شاء اللہ ع

گر قبول افتد زَہے عزّ و شرَف

اللہ تعالی حضرت کے درَجات بلند فرمائے، اور اِن کے فیوض وبرکات سے ہمیں اور جمیع امّتِ مسلمہ کو متمتّع فرمائے، آمین، بجاه سيّد المرسَلين، عليه وعلى آله وأصحابه أفضلُ الصّلاة والتسليم.

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

۰۲ ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ/۰۶ جولائی ۲۰۱۹ء

(۱) استاذ العلماء کے مزید تفصیلی حالات کے لیے "ذکرِ عطائی حیات استاذ العلماء" (مطبوعہ استاذ العلماء اکیڈمی، خوشاب) کا مطالعہ کیجیے۔

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاة والسّلام على سيّد الأنبياء والمرسَلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، ومَن تبعَهم بإحسانٍ إلى يوم الدّين، أمّا بعد:

یوں تو عقائد و مسائل کے موضوع پر مختلف زبانوں میں، متعدّد تالیفات دستیاب ہیں، اور انٹرنیٹ (Internet) پر بھی کافی مواد موجود ہے، لیکن یا تو وہ کتب بہت طویل ہیں، یا پھر ان کا لب ولہجہ مشکل ہونے کے باعث، اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے طلبہ کے لیے ان کا پڑھنا اور سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود اس کتاب کی تالیف کا سبب یہ ہوا، کہ اگست ۲۰۱۴ء میں جب پہلی بار میرا انگلینڈ جانا ہوا، اور وہاں کچھ احباب سے ملاقات کے دَوران، وہاں کے چند مسائل پر گفتگو ہوئی، جن میں سے ایک اہم ترین مسئلہ یہ بھی تھا، کہ ہمارے نوجوان جب تک اسکول لائف میں اپنے گھروں پر رہتے ہیں، اپنے محلّے کی مسجد یا اسلامک سینٹر کی طرف سے کچھ نہ کچھ عملی، اور نظریاتی طور پر مصروفیت سے منسلک رہتے ہیں، لیکن جیسے ہی یہ نوجوان کالجز، اور یونیورسٹیز تک پہنچتے ہیں، یا کسی دوسرے شہر یا ملک جا کر تعلیم حاصل کرتے ہیں، جہاں وہ گھر اور اپنے محلّے کی مسجد کے ماحول سے دُور ہو جاتے ہیں، وہاں مختلف خیالات کے حامل (بدمذہب) طلبہ بھی ہوتے ہیں، جو اپنے اپنے عقائد ونظریات میں کافی مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ، اپنے عقائد کی مکمل معلومات بھی رکھتے ہیں، جبکہ ہمارے نوجوان یا تو اپنے عقائد ونظریات کو مکمل طور پر جانتے نہیں، اور اگر جانتے بھی ہوں تو دلائل کی تفصیل سے واقف نہیں ہوتے۔

اس کا نقصان یہ ہوتا ہے، کہ ہمارا نوجوان اُن بدمذہبوں کی صحبت میں اٹھتا بیٹھتا ہے، ان کے ساتھ میل جول رکھتا ہے، نتیجۃً وہ لوگ آہستہ آہستہ اسے گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ اسے میٹھا زہر کچھ اس طرح دیتے ہیں کہ "دیکھو یار! تم لوگ جو عید میلاد النبی مناتے ہو، یا نبئ کریم ﷺ

کے لیے علمِ غیب مانتے ہو، یا حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ایسا ایسا عقیدہ رکھتے ہو، یا غیر اللہ سے توسّل کرتے ہو، یا صحابۂ کرام واولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ایسا ایسا نظریہ رکھتے ہو، وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب چیزیں قرآن وحدیث میں کہاں ہیں؟ یہ تمام باتیں تو اسلامی تعلیمات کے مُنافی ہیں!"۔

چونکہ ہمارا نوجوان اپنے عقیدے اور نظریہ کی دلیل سے اکثر اوقات واقف نہیں ہوتا، لہٰذا بدمذہبوں کی طرف سے یہ سب خرافات سن کر، حیران وپریشان ہو جاتا ہے، نتیجۃً کبھی تذبذب میں پڑ جاتا ہے، اور کبھی بدمذہبوں کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، والعیاذ باللہ تعالی!۔

جب میں نے وہاں کے مسائل دیکھے، نیز کچھ احباب نے یہ مطالبہ کیا، کہ ایک ایسی کتاب جس میں اسلامی عقائد ومسائل کو قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں، دلائل کے ساتھ مختصر مختصر ذکر کر دیا جائے؛ تاکہ علماء وائمۂ کرام، مساجد میں آنے والے نوجوانوں کو اس کتاب کے ذریعے عقائدِ اسلامیہ، قرآن وحدیث کے دلائل کی رَوشنی میں سکھائیں، اور ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جائے، کہ ہمارے عقائد ونظریات قرآن کریم، حدیث پاک اور تعلیماتِ اَسلاف کے عین مطابق ہیں۔

اس مختصر کتاب میں اسلامی عقائد ونظریات کو قرآن، حدیث اور اقوالِ علماء سے ثابت کرنے میں جس قدر دلائل پیش کیے گئے ہیں، ان کے حوالہ جات بھی مکمل ذکر کر دیے ہیں؛ تاکہ قارئینِ کرام اور بالخصوص کالجز اور یونیورسٹیز جا کر، اپنے عقائد ونظریات میں دلائل سے ناواقفیت کی بناء پر، شکوک وشبہات میں مبتلا ہو کر، تذبذب کا شکار ہونے والے نوجوان، اپنے عقیدہ اور نظریہ کی حفاظت، اور اس میں پختگی پیدا کر سکیں، اور اگر انہیں کبھی کوئی شیطان دھوکا وفریب دینا چاہے، تو یہ اس کے وسوسے سے بچ کر اسے بتا سکیں، کہ ہمارا ہر ہر عقیدہ، قرآن وحدیث سے ثابت شدہ، اور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔

میری تمام احباب سے التماس ہے، کہ اپنے اپنے شہروں، محلّوں، مساجد اور گھروں میں اس کتاب کو کلّی یا جزئی طور پر ضرور رائج کیجیے؛ کہ اس مختصر اور آسان کتاب کے مضامین کا سمجھنا عوام کے لیے دلچسپی کا باعث بھی ہو گا، اور اس سے ان کے عقائد ونظریات کی بھرپور تائید وحفاظت بھی ہو گی۔

ان شاء اللہ العزیز! آگے چل کر اس کتاب کا عربی زبان میں بھی ترجمہ کرنے کا ارادہ ہے، مگر چونکہ فی الحال اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے، امام اہل سنّت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی بعض کتب کی خدمت میں لگا رکھا ہے، لہذا کسی اَور کام کی فرصت نہیں مل پارہی، جب اللہ چاہے گا تب وہ کام بھی ہو جائے گا!۔

میری تمام احباب سے گزارش ہے، کہ اپنی قوم وملّت کے نوجوانوں سے ہمدردی کے جذبے کے تحت، اگر کوئی صاحب آگے بڑھ کر، اس کتاب کا انگریزی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کر دیں، تو آپ کی بڑی نوازش ہوگی، اور یہ کام صدقۂ جاریہ کی شکل میں آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت بھی ہوگا، ان شاء اللہ!۔ اللہ تعالی حضور پُرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے، ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے!۔

میں اپنے تمام اساتذہ واکابر حضرات کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے بصورت تقریظاتِ جلیلہ، اپنے کلماتِ طیّبات، حَوصلہ افزائی اور خُوب دعاؤں اور اِصلاحات سے نوازا۔ اللہ تعالی ان سب حضراتِ مقدّسہ کا سایۂ عاطفت قائم ودائم رکھے، اور انہیں درازئ عمر، بخیر وصحت وعافیت واِکرام عطا فرمائے!۔

آخر میں "ادارۂ اہل سنّت" کراچی کی پوری ٹیم کے لیے نذرانۂ تشکر پیشِ خدمت ہے، جن کی انتھک محنت اور کوشش کی برکت سے، یہ کتاب زیورِ وجود وتکمیل سے آراستہ ہو پائی! اللہ تعالی ان سب حضرات کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین یاربَّ العالمین، بجاه حبيبِك المصطفى طه الأمين! وصلّى الله تعالى على خير خلقِه، سيِّدنا ومولانا محمدٍ، وعلى آله وأصحابه أجمعين، والحمد لله ربّ العالمين!.

دعاگو ودعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

۱۲ ربیع الأنور ۱۴۴۲ھ/۳۰ اکتوبر ۲۰۲۰ء

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین

تقریظاتِ جلیلہ

تقریظ

جامع معقول و منقول، عمدۃ المحققین، خیر الاذکیاء

حضرت علّامہ محمد احمد مصباحی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً

مولانا محمد اسلم رضا تحسینی تحصیل علوم سے فراغت کے بعد، مسلسل تحقیق و تصنیف اور اہم دینی وعلمی کتب کی اِشاعت سے وابستہ ہیں، ان کی تحقیقی واِشاعتی خدمات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ رب تعالی نے انہیں بحث وجستجو کا ذَوقِ سلیم عطا فرمایا ہے۔ اکابرِ اہلِ سنّت سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، اور ان کے رشحاتِ قلم کی علمی تحقیق، اور معیاری اِشاعت کے لیے شب و روز کمربستہ رہتے ہیں۔

"اسلامی عقائد و مسائل" ان کی نئی قلمی پیش کش ہے، جس میں انہوں نے قابلِ تحسین محنت وکاوِش سے کام لیا ہے۔ میں نے چند باتیں خاص طور سے محسوس کیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) ان کی کوشش یہ ہے، کہ عقائد و مسائل عام فہم زبان میں بیان ہوں؛ تاکہ کم سواد لوگ بھی اُس سے بآسانی مستفید ہوں۔

(۲) عقائد و مسائل کو کثیر ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے؛ تاکہ تلاش میں سہولت ہو، اور جس موضوع پر کسی کو جستجو ہو، اُس عنوان کے تحت وہ اپنے مطلوب تک جلد پہنچ سکے۔

(۳) ہر بحث سے متعلق شروع میں چند تعارُفی سطریں ہیں، پھر آخر میں "خلاصۂ کلام" کے عنوان سے حاصلِ بحث مرقوم ہے۔

(۴) جہاں تک ہو سکا اپنے مَطالب کے اِثبات میں، قرآنِ کریم، احادیث وآثار، اور اقوالِ علماء سے دلائل پیش کیے ہیں۔

(۵) حوالے کے لیے مستند کتابوں کو لیا ہے، اور حاشیہ میں مکمل حوالے درج کر دیے ہیں۔ اس طرح مَراجع ومَصادر کی جانب مُراجعت آسان ہوگئی ہے۔

(۶) ہر مبحث کے آخر میں کچھ ایسی کتابوں کا ذکر کیا ہے، جو مزید بحث وتحقیق کے شائقین کے لیے مرجع بن سکیں، اور ان میں خاطر خواہ تفصیل دستیاب ہو جائے۔

(۷) مقصد یہ ہے کہ اسکول اور کالج کے طلبہ کم وقت میں، اپنے عقائد ومسائل کو دلائل کے ساتھ جان کر، ان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مدارس کے طلبہ اور عام لوگ بھی اس سے بخوبی مستفید ہو سکتے ہیں، اور خطباء ومقرّرین بھی اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

میں مولانا موصوف کو ان کے نیک جذبات، بہتر خدمات، خصوصًا زیر نظر علمی وقلمی کاوِش پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالی ان سے مزید دینی وعلمی خدمات انجام دِلائے، انہیں شرفِ قبول سے نوازے، اور ہمارے دوسرے بھائیوں اور عزیزوں کو بھی، بے کراں دینی جذبات اور نیک خدمات سے سرفراز فرمائے اور ہمیں بھی! وهو المستعانُ وعليه التُكلان، آمين يا أرحَم الرّاحمين، بجاه حبيبِك سيِّد المرسَلين، صلِّ وسلِّم عليه وعليهم وعلى آله وصحبه أجمعين.

محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
ضلع اعظم گڑھ، یو- پی- ہند

المجمَع الإسلامي
۲۴/۲/۲۰۱۹ء

تقریظ

استاذالاساتذہ، جامع منقول ومعقول، شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت علّامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

اِسلام کی بنیادی معلومات حاصل کرنا اہم فرائض میں سے ہے، سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے"[1]۔ لہٰذا بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے، کہ بنیادی اسلامی عقائد، ارکانِ اسلام، حلال وحرام، دل سے متعلق اوصاف (اَخلاقِ حمیدہ ورذیلہ) اور اپنے پیشہ وغیرہ سے متعلقہ، ضروری مسائل کا علم حاصل کریں۔

آج جہاں کفر وگمراہی کا طوفان ہر صاحبِ بصیرت کے لیے پریشان کُن ہے، وہیں مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کی دین سے ناواقفیت، اور بنیادی عقائد سے ناشناسائی بھی، خون کے آنسو رُلاتی ہے۔ بدمذہب لوگ خالی الذہن نوجوانوں کو بآسانی اپنے گمراہ کُن عقائد کا گرویدہ کر لیتے ہیں، اور "سوادِ اعظم" و "جماعت" سے دُور کر کے "فرقہ پرستی" میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اِسی صورتِ حال کے پیشِ نظر، سَبّاحِ بحرِ تحقیق وتدقیق، سَیّاحِ بادیۂ تصنیف وتالیف، سَبّاقِ میدانِ فصاحت وبلاغت، حضرت علّامہ مفتی محمد اَسلم رضا میمن شیوانی تحسینی مدظلہ العالی نے، "اسلامی عقائد ومسائل" کے نام سے ایک مفید ومدلّل کتاب ترتیب دی ہے۔ اِس سے قبل بھی موصوف کی مختلف موضوعات پر متعدّد کتب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں۔

راقم الحروف کے لیے بوجوہ، کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ تو ممکن نہیں، البتہ چیدہ چیدہ مقامات کے سرسری مطالعہ سے وُثوق ہوا ہے، کہ مرتّب نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے، عرق

---

(١) "سنن ابن ماجه" المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ر: ٢٢٤، صـ٤٧.

ریزی سے کام لے کر، عقائد کو دلائل سے مزیّن کیا ہے، نیز ان کی تحقیق وتخریج نے کتاب کے حُسن میں مزید اِضافہ کر دیا ہے!۔

اللہ کریم اِس کاوِش کو ثمر آور فرمائے، اور اِس میں شریک تمام داعیانِ خیر کو اجرِ جزیل سے نوازے، آمین!۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ناظم تعلیمات وشیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۱۳فروری ۲۰۱۹ء

سخنِ جمیل

یادگارِ اَسلاف حضرت علاّمہ جمیل احمد نعیمی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

بانئ اسلام صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نیز صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، مجتہدین ذوی الاحترام سے لے کر آج تک، اسلام کو نہ صرف کافروں اور مشرکوں سے خطرہ رہا، بلکہ سب سے بڑا خطرہ منافقین سے رہا اور ہے، جس پر قرآنِ عظیم وحدیث رسول کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم شاہد عدل ہیں، بلکہ صحابۂ کرام اور اہلِ بیتِ عظام کے دَور سے لے کر آج تک، کافروں اور مشرکوں کے جوابات علمائے کرام دیتے رہے ہیں۔ جتنا نقصان اسلام اور اسلامی اَقدار کو، منافقین کی شرارتوں اور خباثتوں سے پہنچا اور پہنچ رہا ہے، اتنا کسی اَور چیز سے کبھی نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لَولاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے صدقے، ہمیں ان دوچہرے والوں سے مامون ومحفوظ رکھے، آمین!۔

عقائد ونظریاتِ اسلام پر علماء نے بے شمار چھوٹی اور بڑی کتابیں تحریر فرمائیں، اللہ تعالی اپنی رحمتِ کاملہ، اور اپنے محبوبِ مکرّم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے وسیلۂ جلیلہ، نیز اولیائے کرام -رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین- کے طفیل، ہمارے عزیز محترم فاضلِ جلیل، عالمِ نبیل، عالم باعمل، صوفئ باصفاء، رئیس التحریر علاّمہ محمد اسلم رضا میمن شیوانی تحسینی، مدیر "ادارۂ اہلِ سنّت "کراچی پاکستان، مفتئ حنفیہ سرکاری فتوی سینٹر ابوظبی (امارات) کو جزائے خیر عطا فرمائے، کہ انہوں نے موجودہ دَور کے فتنوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، عقائد ونظریات پر عظیم اور ضخیم کتاب تحریر فرمائی؛ کیونکہ قرآنِ عظیم وحدیث رسولِ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی رَوشنی میں، اعمال کے مقابلے میں ایمانیات وعقائد کو اَہمیت حاصل ہے۔ اگر ایمان کی دَولت ہے تو اعمال بھی بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول ہیں، اگر ایمان کی دَولت سے محروم ہے، تو کوئی عمل خالقِ کائنات کی بارگاہ میں مقبول ومنظور نہیں، اس پر قرآنِ عظیم شاہد ہے: ﴿إِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾[1] "مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے"۔

---

(۱) پ۳۰، سورة العصر: ۳.

احقر اس عظیم وضخیم کتاب پر علاّمہ موصوف کو دل کی گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے، اس شعر پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہے ع

ہے نام باقی کتابوں سے اے امیر! اولاد سے تو ہے بس یہی دو پشت چار پشت

۱۹ جُمادی الآخرہ ۱۴۴۰ھ / ۲۵ فروری ۲۰۱۹ء

علاّمہ جمیل احمد نعیمی ضیائی چشتی صابری غفر لہ
استاذ الحدیث وناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی

تقریظِ غیر منقوط

استاذ الاساتذہ، جامع منقول و معقول

حضرت علّامہ مفتی محمد الیاس رضوی صاحب اشرفی حفظہ اللہ تعالیٰ

حالِ دلِ مسلم در حالِ کلکِ اسلم

أحمدُه وأصلِّي وأسلِّم على رسوله الأكرَم وعلى آله

حاکموں[1] کے حاکم اللہ مالک الملک کی حد سے دُور، حمدِ اکمل اور لاکھوں کروڑوں کامل درود و سلام، اس کے رسولِ مکرّم سرکارِ دوعالم کے واسطے، اور اس کی کُل آل اور سارے ہمدموں کے لیے۔

اکمل حمد اور کامل درود و سلام کو آگے رکھ کر، اس کے ورادِلِ مسلم محرّر کی ہے صدا، کہ سامع اس کے سماع سے دل کو مسرور اور اِدراک کو معطّر کرے۔

رسولِ مکرّم دو عالَم کے سردار آئے — دس اور دو ماہِ سوم کے سوموار آئے

ہوگئے دُور دکھ ہر اِک دل کے — مَداوا وہ لے کر سرکار آئے

اٹھی ہے وہ دُھوم رسول کے کرم کی — ہر سُو سے سائل سلسلہ وار آئے

ہے کلامِ رسول عالی وہادی — کہ لے کر وحیٔ کردگار آئے

حسد و مکّاری دِکھلاوے کے محل ٹوٹے — رُک گئے کل سے، عالی کردار آئے

اللہ کرے دُور ہو ہم سے عملِ سُوء — در وِلائے رسولِ اکرم صالح کار آئے

---

(۱) حضرت کی تحریر غیر منقوط ہونے کے باعث پُر تکلّف ضرور ہے، مگر لُطف و دلچسپی سے خالی نہیں، لہذا پڑھیے اور محظوظ ہوں!۔

اس طرح ہو ہر اِک اسلام کا خواری
کہ ہر اک وارِ مسلم سے گَل[1] کی ہار[2] آئے

الٰہی ہو دُور ہم سے ہر اِک گمراہی
اسلام کی راہ رہے گر سو مار آئے

اے مَلِک اے سلام! ہو عطا ہم کو کمال
رکھ سالم در اَوامر[3] گر صد کار آئے

سُوئے ہَما[4] رسولِ اللہ وہ اسلام لائے
عدل ہو ہر کسی سے گر دُلار[5] آئے

در والے، عدل والے اور مالدار
دل والے کُل ملے اُس دم کہ دُوار آئے

مُردہ گئے سُوئے رسول اک گھڑی کو
صدا آئی درِ رسول سے روح دار آئے

ہر اِک مسلم کے دل کی صدا ہے
گھر گھر مَولود ہو گر عَدو کو عار آئے

اللہ ہو گورِ مسلم[6] در مصرِ طٰہٰ
اسی کا ہی ہمّ[7] صد اِصرار آئے

گلِ داوَدی مکرّم علّام محمد اسلم دادی[8] -سلّمہ اللہ الوالی- کا حکم اس اِصرار سے ہوا، کہ دُوری کی ساری راہ مسدود ہو کر رہ گئی، وہ حکم اس طرح ہے کہ علّام مودود -سلّمہ اللہ الودود- کے علمی لآلی اور گوہروں سے مرصَّع کلامی و عملی مسائل کا گلکدہ اِک مطوّل رسالہ کا حال لکھوں، گو کم سے کم ہو، سو اس عالی کرم کا حکم کس طور ٹالوں!

---

(۱) پاسا، پاسے کا دیوتا، فساد، جھگڑا، لڑائی، کسی قسم کی سب سے بری چیز۔ (قائد اللغات)۔

(۲) شکست، ہزیمت۔ (قائد اللغات)۔

(۳) احکام۔ (قائد اللغات)۔

(۴) جمع متکلّم۔ (فیروز اللغات)۔

(۵) لاڈلا، عزیز، پیارا۔ (قائد اللغات)۔

(۶) محرّر کا تخلص۔

(۷) خواہش، ارادہ، قصد۔ (قائد اللغات)۔

(۸) اس میں "یا" نسبت کی ہے، اور "داد" "بمعنی" "تحسین" ہے۔ (قائد اللغات)۔

کہ اِک اسلامی ملکِ اصلی سے دوسرے اسلامی ملک کی راہ طے کی، مگر دُور ہو کر، دُور رہ کر اس کی روح اس وَلولہ کو لئے لک لو کا[1] سے دمک رہی ہے، کہ کلامِ الٰہی، کلامِ ہادیٔ عالم، اور کلامِ ائمہ کرام، وعلمائے اسلام کو اہلِ اسلام واہلِ وداد کے واسطے محکم سعی سے آگے لائے۔ الحمد للہ اس کا عالی حوصلہ اور عمدہ سعی کارآمد ہوئی۔

معلوم ہو کہ رسالہ مطوّلہ اگلے علمی وعملی علمائے اسلام کے گل داموں سے اِک معطّر گلکدہ ہے، کہ مکرّم علّام محمد اسلم دادی -سلّمہ اللہ الہادی- کے کلکِ علمی سے صادر، کلامی وعملی مسائل سے مرصّع ہے۔ اس کو دو۲ کم اسّی (۷۸) کلامی وعملی گوہروں سے محکم وعمدہ سعی سے سلک کر کے، اور لاحاصل ولاطائل کلام سے دُور رکھ کر، ہر کلامی وعملی گوہر، اور لؤلؤ کو کلامُ اللہ -علا- اور کلام رسول -اللّهم صلِّ وسلِّم لرسولك وآله دَوماً- اور کلامِ ائمۂ کرام، وعلمائے اسلام -رحمہم اللہ- سے مرصّع ومعمور، اور معطّر کر کے ہر مسلم کہ ومہ کے آگے رکھا۔

سو مسلم اسے دام سے حاصل کرے، اور اس کا مطالعہ کر کے دل کو محکم کرے، اس کے علاوہ اسے در اسکول ومدرسہ عام کرے؛ کہ مکرّم ومودود علّام محمد اسلم -سلّمہ اللہ الودود- کا رسالہ مطوّلہ لامحالہ گمراہ گروہوں، اور ٹولوں کی گمراہی سے اِک محکم حصار ہے، اور کلامی مسائل اور اعمال کی اصلاح کا اِک علمی کوہسار ہے۔

سعد ہو کہ رسالۂ مطوّلہ کی آمد در سلسلہ صد سالہ عرس اعلی اطہر، امام احمد -رحمہ اللہ الاحد- ہوئی، کہ آں اسی کے مہرِ علمی کا اِک لمعہ، اور گل دام عملی کی اِک مہک ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ الصمد اس رسالۂ مطوّلہ کو ور سے ور کرے، اور اس کے محرّر اور اس کے کُل ہمدموں، سارے مددگاروں، اور ہر اِک کی آل واولاد کی آلام سے رکھوالی رکھے، اور کُل کے "ادارہ دار الاہل"[2] کو علا (عُلو) عطا کرے، اور اسے سحر ومَسا اسلم اور دائماً سالم رکھے!۔

---

(۱) لاکھ لو، سو ہزار لو۔ (قائد اللغات)۔

(۲) دار اہل السنۃ، تحریر میں مضاف الیہ کو حذف کر کے مضاف پر الف لام داخل کیا ہے۔

اللہ -علا اسمہ- کی عطا اور کرم سے، اسلام اور ہر مسلم کے لئے، "ادارہ دار الاہل" اس طرح دائمی کار آمد ہو، کہ اس سے اسلامی علومِ کلامی و عملی کا دھارا ہر گاہ ہر سُوساری رہے، اور اسی امر کی رُو سے اس کے مؤسِّس کا وصال دار العمل سے سُوئے دار السلام ہو، کہ اس کے دل کی دعا "اللّٰھم لی و لا علیّ" ہے۔

مآل اس طرح ہے کہ کہاں کمال اِصرار، اور کہاں اِک کم علم و عمل! مگر حکم کے آگے سر رکھ کر اس مطوّل علمی رسالۂ کلامی و عملی مسائل کے گلکدہ کا حال در سطور معدودہ لکھا، کہ ممدوح و مؤسِّس "ادارہ دار الاہل" کے دل اور روح کو مسرور و معطّر کرے۔ والسلام

محمد الیاس رضوی اشرفی

بانی و مہتمم جامعہ "نضرۃ العلوم" کراچی

رکن رکین نصابی و امتحانی بورڈ

"تنظیم المدارس اہلِ سنّت پاکستان"

۲۵ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ / ۲۵ مارچ ۲۰۱۹ء

تقریظ

محقق مسائل جدیدہ، سراج الفقہاء

حضرت علاّمہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً

کتاب **"اسلامی عقائد و مسائل"** مسلمانانِ اہلِ سنّت و جماعت کے عقائد و مسائل کا انتخاب ہے، جو کتاب و سنّت کے دلائل کے ساتھ، عام فہم انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے زیادہ تر عقائد و مسائل "بہارِ شریعت" میں بیان کیے گئے ہیں، مگر اختصار کے پیش نظر ان کے دلائل کتاب و سنّت سے نقل نہیں کیے گئے۔ مؤلّفِ کتاب نے ان عقائد و مسائل کو اپنے الفاظ میں دلائل کے ساتھ جمع کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کچھ بدمذہب فرقے، ہم اہل سنّت و جماعت کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں۔ ان کے یہاں بات بات پر بدعت اور شرک کی رَٹ لگائی جاتی ہے، اور فرقۂ ناجیہ اہلِ سنّت و جماعت کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ کتاب و سنّت کی رَوشنی میں اپنے عقائد و مسائل کو (جو بدمذہبوں کی نگاہ میں کھٹکتے ہیں) پیش کر دیا جائے؛ تاکہ اَربابِ انصاف پر عیاں ہوجائے، کہ یہ عقائد و مسائل بدعت یا شرک نہیں، بلکہ اسلام کی اہم تعلیمات کا حصہ ہیں۔ مؤلّف نے شاید عجلت میں بعض مشمولات کے دلائل کتاب و سنّت سے نہیں نقل کیے ہیں، خدا کرے اس کی تکمیل بھی وہ فرما دیں۔ عقائد کا ثبوت کتابُ اللہ سے ہوتا ہے، یا سنّتِ رسول اللہ سے، یا اِجماعِ امّت سے۔ الحمد للہ ہم اہلِ حق کے عقائد انہیں بنیادوں پر قائم ہیں۔ اس کے بر خلاف جو فرقے ہم کو بدعتی یا مشرک کہتے ہیں، ان کے عقائد نہ کتابُ اللہ سے ثابت ہیں، نہ سنّتِ رسول اللہ سے، نہ اِجماعِ امّت سے، نہ سلَف و خلَف سے، مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ

(۱) نماز میں گائے، بیل، گدھے کا خیال آئے تو نماز ہو جائے گی، اور اگر حضور سیّد عالَم ﷺ کا خیال آجائے، تو وہ نمازی کو شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا[۱]۔

(۲) حضور کو جیسا علمِ غیب حاصل ہے، ایسا علم تو ہر بچے، بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے[۲]۔

ہے[۲]۔

(۳) شیطان کا علم رسول اللہ سے زیادہ ہے[۳]۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کے بعد یا آپ کے زمانے میں کوئی نبی پیدا ہو، تو اس سے آپ کی "خاتمیت" میں کوئی فرق نہ آئے گا[۴] وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے عقائدِ باطلہ، جو اِن بدمذہبوں نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں، کتاب وسنّت، اِجماعِ امّت اور سلَف وخلَف سب کے خلاف ہیں۔ پھر بھی وہ خود کو پکّے "مُوَحّد" اور "محمدی" سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے یہ عقائد کتاب وسنّت سے متصادِم ہیں۔ بقول اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ: ؏

کرے مصطفیٰ کی اِہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جُرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی؟ اَرے ہاں نہیں! اَرے ہاں نہیں!

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، یکسو ہو کر اس کا مطالعہ کیجیے، تو آپ پر عیاں ہو جائے گا، کہ ہمارے عقائد کی بنیاد کتابُ اللہ وسنّت رسول اللہ پر ہے۔ دلائل تو ہمارے کثیر ہیں، مگر مؤلّفِ کتاب نے اختصار سے کام لیا ہے۔ ان شاء اللہ کچھ دنوں بعد راقم الحروف کی اسی موضوع پر، ایک الگ حیثیت سے دوسری کتاب منظرِ عام پر آنے والی ہے، اس میں آپ کچھ زیادہ دلائل کا نظارہ کر سکیں گے!۔

---

(۱) "صراطِ مستقیم" فصل سوم ۳ در ذکر مخلات عبادت، ہدایتِ ثانیہ در ذکر مخلات عبادات، ص۸۶۔

(۲) "حفظ الایمان" ص۱۳۔

(۳) "براہینِ قاطعہ" ص۵۵۔

(۴) "تحذیر النّاس" ص۳۴۔

کتاب کے مؤلّف حضرت مولانا محمد اسلم رضا میمن تحسینی -دام مجدُہ- ہیں، جو الحمد للہ بڑے ذہین، علم وتحقیق سے شغف رکھنے والے، جد وجہد کے خوگر، صالح وسعید ہیں۔ اس بندۂ بے مایہ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں، اور اسی لیے اس کتاب پر تاثر لکھنے کی فرمائش کی، حالانکہ یہ عاجز مکتبِ فقہ کا ایک اَدنی طالبِ علم ہے، باقی جو کچھ ہے، خدائے غفور ورحیم کا فضل واحسان ہے۔ ہم نے بس مولانا موصوف کی فرمائش کے احترام میں کتاب کے عناوین، اور ان کے ضروری مَباحث سنے، اور اپنے تاثرات اِملا کرائے۔

خدائے پاک اس کتاب کو شرف قبول بخشے! اور مولانا موصوف کے فیضانِ علمی کو خوب عام فرمائے! آپ کے علم وفضل، تحقیق وتدقیق اور عمر واقبال میں برکتیں عطا فرمائے! آمین بجاه حبيبك النّبي الأمين، عليه الصّلاة والسّلام.

محمد نظام الدین رضوی

خادم درس واِفتاء جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۵ رجب ۱۴۴۰ھ / ۱۳ مارچ ۲۰۱۹ء

تقریظ

مصلحِ قوم وملّت، رہبرِ شریعت

حضرت علّامہ محمد عبد المبین صاحب نعمانی مصباحی حفظہ اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمده، ونصلّي ونسلّم على رسوله الكريم، وآله وصحبه أجمعين إلى يوم الدّين.

اسلام ایک پاکیزہ اور اعتدال پسند مذہب ہے، اور یہی خداوند قدّوس کا پسندیدہ اور مقبول دین ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾[1] "بے شک اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے!"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[2] "اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا، وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں زیاں کاروں (نقصان اٹھانے والوں میں) سے ہے"۔ اور سورۂ مائدہ میں ہے: ﴿وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾[3] "اور تمھارے لیے میں نے اسلام کو دین پسند کیا!"۔

اور حدیثِ پاک میں بھی آیا ہے: «رضيتُ بالله ربّاً، وبالإسلام دِيناً، وبمحمدٍ رسولاً»[4] "میں اللہ سے راضی ہوا کہ وہ رب ہے، اور اسلام کو پسند کیا دین ہونے کی حیثیت سے، اور سرکار محمد مصطفی

---

(۱) پ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۔

(۲) پ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۸۵۔

(۳) پ۶، سورۂ المائدہ، آیت ۳۔

(٤) "سنن أبي داود" كتاب الوتر، باب في الاستغفار، ر: ١٥٢٩، صـ٢٢٥.

ﷺ سے رسول ہونے کے لحاظ سے"۔ اور مذہب اسلام اصلاً مذہبِ حق اہلِ سنّت وجماعت ہے، اس کے علاوہ جتنے فرقے اور جماعتیں ہیں، سب ناقابلِ اعتبار ہیں، حق صرف اہلِ سنّت میں سمٹ آیا ہے۔

محبِّ گرامی حضرت مولانا محمد اسلم رضا تحسینی مصباحی نے بڑا اہم کام کیا ہے، کہ عقائد ومسائل اور معمولاتِ اہلِ سنّت کو، ضخیم کتابوں سے اخذ کرکے آسان لب ولہجے میں، ایک ایسی کتاب لکھ دی ہے، جس میں عقائد بھی ہیں اور معمولاتِ اہلِ سنّت بھی، اور شرعی اَہم مسائل بھی، جو عام خواندہ مسلمانوں اور کم استعداد ائمۂ مساجد کے لیے ایک عظیم الشان تحفہ ہے۔ جو حضراتِ ائمہ اپنے عوام اور مقتدیوں کو جمعہ کی تقریر میں، کچھ دین کی باتیں بتانا چاہتے ہیں، وہ اس مجموعہ **"اسلامی عقائد ومسائل"** کو خطبۂ جمعہ سے پہلے پڑھ لیا کریں، تو مقتدی حضرات کا اس سے بہت فائدہ ہوجائے گا۔ گویا یہ ایک درسی اور اہم دینی معلومات کی کتاب ہے، جو گھروں، مسجدوں اور خانقاہوں میں رکھی اور پڑھی جانے کے لائق ہے!۔

اس کتاب کا انگریزی، ہندی، گجراتی، اور بنگالی زبان میں بھی ترجمہ بہت ضروری ہے، اس کا ایک ایک باب نہایت مفید اور انقلاب آفریں ہے!۔

میں نے فہرستِ مضامین دیکھ کر یہ کلمات سپردِ قلم کر دیے ہیں، بالاستیعاب کتاب دیکھنے کی نَوبت نہ آسکی، اور نہ اس کے لیے فرصت میسر آئی۔ دعا ہے کہ مولا عزّوجلّ اس کتاب کو عام کرے، اور اہلِ سنّت کے لیے مفید بنائے!۔ آمین بجاہ سیّد المرسَلین، علیہ وآلہ وصحبہ الصّلاۃ والتسلیم.

محمد عبد المبین نعمانی قادری

۴ شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ / ۱۱-۴-۲۰۱۹

رکن المجمع الاسلامی، ملّت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

ومہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، ضلع مئو (یوپی، ہند)

نقد و نظر

صدر "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" کراچی پاکستان

صاحبزادہ حضرت سیّد وجاہت رسول قادری صاحب علیہ الرحمۃ

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاة والسّلام على سيّد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أمّا بعد:

خرم دل آنکہ ہمچو حافظ جامے ز مئے الست گیرد

"وہ شخص بڑا خوش دل ہے کہ جو حافظ کی طرح

"اَلَستُ بِرَبِّکُم" کی شراب کا جام ہاتھ میں لے"

قرآن حکیم میں جگہ جگہ تعلیم و تعلّم اور علمِ نافع کے حصول پر زور دیا گیا ہے، جس سے علم کی اَہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ علماء نے علم کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ "علم کا لُغوی معنی ہے، حقیقتِ شَے کا اِدراک"[1]۔ اسی طرح عالِم کا اِجمالی معنی ہوا "موصوف بالعلم"[2]۔ لیکن اگر ہم اس کی تفصیل کریں گے تو اس کا مطلب ہوگا: "علم پر عمل پیرا ہو کر اس کی نشر و اِشاعت اور مستحق تک اِبلاغ کرنے والا۔

اسلام میں علم کی اَہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں، کہ سب سے پہلی وحی علم کی فضیلت پر تشریف لائی:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴾[3].

---

(۱) "المنجد" عربی-اردو، مطبوعہ دار الاشاعت، کراچی، جولائی ۱۹۷۵ء، ص:۶۷۷۔

(۲) ایضًا۔

(۳) پ۳۰، سورۂ علق، آیت ۱ تا ۴۔

"اِقرَأ" کا مطالبہ اس لیے ہوا کہ اَعلمِ کائنات -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے ذریعے تحریر وکتابت کی اَہمیت دنیا پر رَوشن ہوجائے، اور علم کو سینوں سے نکال کر کتابوں کی امانت میں دینے کی راہ کھل جائے۔

پھر ذرا آیتِ کریمہ کی ترتیبِ جمیل ملاحظہ ہو! "نعمتِ تخلیق" عام ہے، جس میں تمام انسان اور تمام مخلوق برابر کے شریک ہیں، اس لیے اس نعمت کو محض رب تعالی کی طرف منسوب کیا گیا، لیکن اس کے فوراً بعد ہی کلمۂ خطاب "اِقرَأ" کو دُہرا کر "نعمتِ علم" کو نہ رب تعالی کی طرف منسوب کیا گیا، نہ "ربِ کریم" کی طرف، بلکہ "رب الاَکرم" سے اسے نسبت دی گئی؛ تاکہ معلوم ہوجائے کہ "علم نافع وحقیقی" کی نعمت وہ نعمت ہے، جو از حد کرم والے رب العالمین کا کرم وانعام ہے، اس لیے یہ سب سے بڑا کرم ہے، اور یہی سب سے عظیم نعمت ہے۔

تو اب یہ بات واضح ہوئی کہ زمانے میں وہی فضل واِکرام والا ہے جو صاحبِ علم وتقوی ہے، اسی بنیاد پر معلّمِ کائنات، اَعلمِ ہر دوسرا -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- نے "العلم نور" فرمایا، یعنی جو شَے اس نور کے دائرے میں آگئی وہ روشن ومنکشِف ہوگئی، اور جس سے یہ مرتسم ہوگیا، اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی (١)۔

اس نور کا سب سے عظیم چراغ سیّدِ عالَم نورِ مجسّم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی ذاتِ گرامی ہے، آپ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- اللہ تعالی کے نور سے روشن ہوئے، آپ سے آپ کے صحابۂ کرام، ان سے تابعین، تبع تابعین، ان سے ائمۂ امّت درجہ بدرجہ، یہاں تک کہ عبدِ مصطفی امام احمد رضا خاں، حنفی، قادری، برکاتی روشن ہوئے۔ اُنہی سے درجہ بدرجہ ہمارے زمانے کے عالم جلیل، فاضل نبیل، علّامہ مفتی محمد اَسلم رضا میمن تحسینی -سلّمہ الباری- روشن وتاباں ہوئے، فالحمد للہ علی ذلك!.

قرآنِ حکیم ہمارے علم ودانش کی بنیاد ہے، اگر ایک طرف علمِ حقیقی ونافع کی بڑی فضیلت ہے، تو دوسری طرف اس کے حامل کا بھی بڑا رُتبہ اور قدر ومنزلت ہے۔ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ "علم" "رب اکرم کی عظیم نعمت، اور "فوق كلِّ ذي علم عليم" اَعلمِ عالَم، محمد رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کا وِرثہ

---

(١) "ملفوظاتِ اعلی حضرت" حصہ دُوم ٢، ص ٥٤۔

ہے، اور تحقیق و تصنیف اسی علم کے اِبلاغ کی ایک سنجیدہ کاوِش، اور اَنفُس وآفاق نورِ حقیقت و معرفت سے منوّر کرنے کی ایک صالح کوشش ہے۔

اس تمہید سے بتانا یہ مقصود ہے، کہ محقّق کا صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ بصیرت اور صاحبِ تقویٰ ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے، کہ دَورِ جدید میں برصغیر پاک و ہند وبنگلہ دیش میں نوجوان علماء میں، ایسی ہی صاحبِ علم ونظر، محقّق اور باکرامت وباصلاحیت ہستی، زیرِ نظر کتاب کے مصنّف، محشّی وعزیزی علّامہ مولانا مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی -حفظہ اللہ الباری- کی ہے۔

میکدۂ علم و عرفان کے ساقی، ہوشمند اور عشقِ رسول -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی شمعِ فَروزاں، حضرت رضا بریلوی کی محفل کے فیض یافتہ، حضراتِ قدسیہ کی نظرِ عنایت کے صدقے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دانشِ نورانی سے خوب نوازا ہے، یہی وجہ ہے کہ تبحرِ علمی، استحضارِ علمی، زُود نَویسی، قوّتِ حافظہ اور اسلوبِ تحقیق وتحریر میں وہ اپنے ہم عمر ہم عصر علماء میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

فقیر ہیچمدان کی نظر سے ان کی نگارشات گزرتی رہتی ہیں، لیکن زیرِ نظر کتاب "اسلامی عقائد ومسائل" کی ورق گردانی شروع کی، تو ناچیز کو اندازہ ہوا کہ مصنّف ممدوح صرف ایک جیّد عالم اور مفتی ہی نہیں، بلکہ وہ ایک اچھے اور باذَوق ادیب بھی ہیں۔

اپنی علالت کے باعث پوری کتاب کا مطالعہ نہ کر سکا، جس کا فقیر کو افسوس ہے! لیکن ان کے درج ذیل مقالات نہایت عُمق نگاہی سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی:

(۱) عقیدۂ توحید، (۲) تحفظِ ناموسِ رسالت، (۳) اختیارات وتصرّفاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، (۴) عظمت وعدالتِ صحابہ۔

تو راقم نے محسوس کیا، کہ ان کی تحریر بڑی خوبیوں کا مجموعہ ہے، حسنِ زبان وبیان، سلاست ورَوانی، فصاحت وبلاغت، شستگی وشگفتگی، معلومات کی فراوانی، نکتہ آفرینی، تجزیہ نگاری، نفسِ موضوع سے متعلق تمام

علوم و مآخذ سے آگاہی، دلائل و براہین کا نظم و ضبط، اصل مَراجع و مآخذ سے براہِ راست استفادہ، تطبیقِ اقوال کے بعد قولِ فیصل کا اِصدار، پھر آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے پوری گفتگو کا نہایت جامع اور آسان زبان میں خلاصہ۔

یہ وہ خصوصیات ہیں جو زیرِ نظر کتاب کو مستند، موقّر اور قابلِ اعتماد بنا رہی ہیں، مثلاً عقیدۂ توحید کے خلاصہ میں مصنّفِ موصوف کی جامعیت، اور اِظہارِ بیان کی صلاحیت ملاحظہ فرمائیں:

"قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ توحید دینِ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، اور توحید وہی ہے جس کو اللہ کے حبیب ﷺ نے بیان فرمایا، ورنہ تو شیطان بھی توحید کا عقیدہ رکھتا تھا اور رکھتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس نے لوگوں کو شرک، کفر اور نِفاق میں ڈال دیا، لیکن خود اپنے زعم میں مُوحّد رہا، اور اس کی خود ساختہ توحید کا عالَم یہ رہا، کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو بھی سجدۂ تعظیمی تک نہ کیا، (اور ﴿ اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ ٭۫ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴾[1] کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا)، اور آج بھی اس کے کارندے انبیاء واولیاء کی شان میں گستاخیاں کر کے سمجھتے ہیں، کہ ہم نے توحید کا حق ادا کر دیا، حالانکہ وہ تو ان بزرگوں کی بارگاہ میں گستاخیاں کر کے، شرک وکفر کے فتوے لگا کر، پہلے ہی رب تعالی کی ناراضگی مول لے چکے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں ایسی خود ساختہ توحید سے اپنی پناہ میں رکھے، اور اُس توحید پر کاربند رکھے، جو اللہ کے حبیب ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے ہمیں تعلیم فرمائی ہے"[2]۔

واضح رہے کہ کسی طویل مضمون کا خلاصہ چند سطروں میں، وہ بھی سلیس زبان میں بیان کرنا، صاحبِ تحریر کی صلاحیتوں کا بڑا امتحان ہوتا ہے، مگر ہمارے ممدوح اس منزل سے بڑی کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں۔

مصنّفِ موصوف کے اسلوبِ تحقیق وتصنیف کی چند نمایاں خصوصیات، جو اَحقر کے ملاحظہ میں آئیں، اور جن سے قارئین کرام کو حضرت اسلم رضا کی زیرِ نظر تصنیف کے بلند معیار کا اندازہ ہوگا، وہ یہ ہیں:

---

(۱) "منکر ہوا، اور غرور کیا، اور کافر ہوگیا"۔ پ۱، البقرۃ: ۳٤.

(۲) "اسلامی عقائد ومسائل" عقیدۂ توحید، ص۸۹۔

مقصدیت: حضرت مصنّف نے عقیدۂ توحید کے ابتدائی کلمات میں، کتاب کی مقصدیت کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ موصوف کی زیرِ نقد و نظر تصنیف، مقصدی لٹریچر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو لایعنی باتوں، اور اِفراط و تفریط سے مبرّا دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب کے ہر باب میں ہمارے ممدوح اپنے قاری کو کوئی نہ کوئی صالح پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

ان کی تحریر کا مقصد اللہ تعالیٰ کی وَحدانیت وعظمت، انبیاء ورسولانِ کرام -علیہم الصلوات والسلام-، بالخصوص افضل الانبیاء، خاتم النبیین -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کی عِصمت وعظمت اور توقیر وتعظیم، صحابۂ کرام، تابعین، ائمۂ عظام، اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور علمائے امّت کے مقام ومرتبے کا پاس ولحاظ، اور ان کے فضائل ومَناقب اور شعائرِ اسلام کی حکمت واِفادیت، نیز اَہمیت کا اس اسلوب میں بیان، کہ قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر ان حضرات مقدّسہ سے محبت کے ساتھ اُس کے دل میں، اُسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی رغبت وشَوق بھی پیدا ہو، بدلتے ہوئے زمانہ وحالات کے ساتھ دین، مذہب ومسلک پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہو، اور علم، حکمت ودینِ متین کو فروغ حاصل ہو۔

للّٰہیت: اِخلاص اور للّٰہیت ان کے گفتار وکردار کی طرح، ان کے تحریری اسلوب سے بھی نمایاں ہے۔ وہ اپنے امام احمد رضا محدِّث بریلوی کے تتبع میں، حصولِ تعلیم کا مقصد خدارَسی، رسول شناسی اور اُسوۂ حسنہ پر عمل کو قرار دیتے ہیں۔

علومِ اسلامیہ پر گہری نظر: علوم اسلامیہ پر ممدوح کی گہری نظر ہے، وہ مختلف اقوال کو نقل کرنے، اور ان میں تمیز کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ وہ جَوہر ہے جو دَورِ جدید کے نَوآموز ونوخیز علماء ومفتیان کرام میں کم نظر آتا ہے، اس کی وجہ ان کا علمی ذَوق اور علمائے سَلَف، بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا -رحمہم اللہ- کی کتبِ فن سے ان کا شغف ہے، جس میں دَورِ طالبِ علمی سے ان کی مشغولیت رہی ہے۔

اللہ تعالی نے تحقیق و جستجو کے ذَوقِ سلیم سے ان کو نوازا ہے، وہ اپنے اَسلافِ کرام کے تحقیقی، علمی و فنّی ذخائر کے مُحافظ ہیں، اور ہمہ وقت نادِر و نایاب مخطوطات (قلمی نسخوں) کی بازیابی، اور انہیں عربی سے اردو، اور اردو سے عربی میں منتقل کرنے کے لیے شب وروز کوشاں رہتے ہیں۔ ان کے تصنیفی اور اِشاعتی کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے، جو فی الوقت اَحقر کا موضوع نہیں۔

"اسلامی عقائد و مسائل" ان کی نئی تحریری کاوِش ہے، جو بہت سی معنوی وصُوری خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ راقم کی صحت و بے بضاعتی اجازت نہیں دیتی، ورنہ حق تو یہ ہے کہ ان کی اس تصنیف کی فنّی اور علمی خوبیوں پر ایک مبسوط مقالہ لکھا جائے۔ خوفِ طوالت کے پیش نظر اس تصنیف کی چند ایک اہم خوبیوں کی نشاندہی کر کے اپنی گفتگو کو سمیٹتا ہوں:

(۱) ہیچمدان سمجھتا ہے کہ مصنّف ممدوح اپنی اس کاوِش میں کامیاب رہے ہیں؛ کہ نوجوان طبقے کے زیادہ سے زیادہ اَفراد، جس میں جدید تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد، بلکہ طلباء واساتذہ سبھی شامل ہیں، جو اس کتاب سے یکساں استفادہ کرسکیں۔

(۲) عقائد و مسائل کے ذیلی عنوانات میں تقسیم ایک اچھی سہولت ہے، جو ہر سطحِ علم کے قارئین کرام کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

(۳) ہر بحث سے متعلق ابتدائیہ، تفصیل اور اختتامیہ میں خلاصۂ کلام نے، قاری کو مسئلہ کے اِفہام وتفہیم اور نتائج اخذ کرنے میں بڑی سہولت فراہم کر دی ہے۔

(۴) اپنے مَطالب کے اِثبات میں قرآنِ حکیم، احادیثِ مبارکہ، آثار وسیر اور اقوالِ ائمہ پیش کر کے، ایک طرف قاری کے اطمینانِ قلب کے لیے مستند ماخذ و مواد کا ذخیرہ مہیا کر دیا ہے، دوسری طرف اپنے مَوقف کے قوی و مدلّل ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے، کہ یہ سارے نکات محض عقیدت وجذبات میں ڈُوب کر نہیں، بلکہ عمیق مطالعے کے بعد بیان کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا مخالف کے لیے تردید کی کوئی راہ نہ رہی، اور اس کے پاس اب قبولِ حق کے سوا کوئی چارہ نہیں! سچ فرمایا حضرت حافظ شیرازی نے، ع

بتے چوں ماہ زانو زد، مئے چوں لعل پیش آور   تو گوئی تائبم حافظ ز ساقی شرم دار آخر

"ماہ ایسا محبوب، لعل ایسی شراب، عشق حقیقی آگے دھرے مؤدّب بیٹھا ہے
اور اے حافظ! تو کہتا ہے کہ میں تائب ہوں! ذرا ساقی سے تو شرم کر!"

(۵) مولانا موصوف کا ایک کمالِ علمی یہ بھی نظر آیا، کہ تشنگانِ علم اور اہلِ ذَوق وتشنہ لب حضرات کی سیرابی کے لیے، کچھ ایسے مَراجع کا بھی ذکر کر دیا ہے، جن کے مطالعے سے وہ اپنے ذَوق کی تسکین اور مزید مطالعہ کی تشنگی بجھا سکتے ہیں۔

آخر میں یہ ہیچمدان احقر سیّد وجاہت رسول قادری نوری رضوی -غُفر له ولوالدَیه- عرض کرتا ہے، کہ پروردگارِ عالَم گلستانِ علومِ رضا کے اس گلِ سَرسبد، مولانائے محترم کی ذات، اور ان کے قلم وقرطاس کو سدا بہار شفتگی عطا فرمائے! اور ان کی زیرِ نظر کتاب اور جملہ نگارشات کو بارگاہِ الٰہی، اور اس کے حبیبِ لبیب رسول مکرّم -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم- کے دربارِ عالی میں شرفِ قبول عطا فرمائے! اور ہمارے ممدوح محترم کے علم وعمل اور فکر ونظر میں مزید بالیدگی وعشقِ حقیقی کا جمال عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وآخِر دعوانا أن الحمدُ لله ربّ العالمين، وصلّى الله تعالى على خَيرِ خلقِه سيّدنا ومولانا محمّدٍ، وعلى آله وأصحابه وبارَك وسلَّم.

دیگر ز شاخ سروِ سہی بلبل صبور   گل بانگ زد کہ چشم بداز روئے گل بدور!

سیّد وجاہت رسول قادری تاباں

صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی پاکستان

۲۵ فروری ۲۰۱۹ء

اسلامی عقائد و مسائل

(۱) عقیدۂ توحید

دینِ اسلام میں عقیدۂ توحید پہلا اور بنیادی رکن ہے، اسلامی نظریۂ حیات اسی تصوّر کو انسان کے رگ وپَے میں اتارنے، اور اس کے قلب وباطن میں جاگزیں کرنے سے درست ثابت ہوتا ہے۔ تصوّرِ توحید کی اَساس تمام معبودانِ باطلہ کی نفی، اور ایک خدائے لم یزل کے اِقرار وتصدیق پر ہے، عقیدۂ توحید ہی پر ملّتِ اسلامیہ کے قیام، بقا اور عُروج کا انحصار ہے، یہی توحید امّتِ مسلمہ کی قوّت وطاقت کا سرچشمہ، اور اسلامی مُعاشرے کی رُوحِ رواں ہے، یہ توحید ہی ہے جس نے ملّتِ اسلامیہ کو ایک لڑی میں پرَو کر ناقابلِ تسخیر قوّت بنادیا ہے، یہی توحید سلطان وخلیفہ کی قوّت وشَوکت اور مَردِ مؤمن کی ہیبت وشان وشَوکت ہے، اس دَورِ زوال میں ضرورت اس امر کی ہے، کہ وہ ملّتِ اسلامیہ جو باطنی قوّت سے خالی ہوچکی ہے، اس کے دل میں عقیدۂ توحید کا صحیح تصوّر، قرآن وسنّت کی رَوشنی میں اَز سرِ نواُجاگر کیا جائے؛ تاکہ مرد مؤمن پھر سے "لَا" اور "اِلّا" کی دودھاری تلوار سے مسلّح ہوکر، ہر باطل قوّت کا مقابلہ کرسکے۔ بقول شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال: ؎

تا دو تیغِ لَا و اِلّا داشتیم ما سِوَ اللہ را نشان نگزاشتیم

"نفی واِثبات کی تلوار جب تک ہمارے ہاتھ میں تھی، ہم نے اللہ تعالی کے لیے ہر غیر اور باطل کا نام ونشان تک مٹادیا تھا"

الغرض عقیدۂ توحید دینِ اسلام کی اَساس وبنیاد ہے، اِس کی درستگی کے بغیر انسان اللہ ﷻ کی رحمت، اور حضور نبیٔ کریم ﷺ کی سچی محبت وشَفاعت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ توحید تمام عقائد کی جڑ اور اصل الاصول ہے، دیگر اعمالِ صالحہ دین کی فروع وشاخیں ہیں، تنے اور شاخوں کی بقا، جڑ کی مضبوطی کے بغیر ممکن نہیں، صِرف شاخوں اور پتّوں سے درخت کا وجود قائم نہیں رہتا۔ جس طرح دل ودماغ انسان کی اصل ہے، اور آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ پاؤں فُروع ہیں، اِسی طرح دین اِسلام کی اصل وبنیاد عقائدِ سلیمہ ہیں، اور اعمالِ صالحہ

اس کی شاخیں ہیں۔ دین اِسلام کا پہلا اور بنیادی رُکن توحید ہے، اللہ تعالی اپنی تمام صفاتِ اُلوہیت (اللہ ہونے) اور کمالاتِ حقیقیہ سے متّصف ہے، اور اپنی اُن صفات وکمالات میں یکتا اور واحد ولاشریک ہے۔

توحید کا لُغوی معنی

توحید کا معنی ہے ایک کو ماننا، اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا۔ ائمۂ لُغت نے توحید کی تعریف اس طرح کی ہے کہ توحید "الوَحدۃ" سے باب تفعیل کا مَصدر ہے، اس سے مراد کسی کو ایک ویکتا قرار دینا ہے۔ لفظِ توحید کی نسبت جب اللہ تعالی کی طرف کی جائے، تو اس سے مراد یہ اعتقاد رکھنا ہے، کہ اللہ تعالی اپنی ذات، صفات اور افعال، اسماء اور اَحکام میں واحد ویکتا ہے، اِن میں اُس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ کوئی اس کے مشابہ وبرابر"[1]۔

توحید کا شرعی مفہوم

شریعت کی اِصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ "اللہ تعالی اپنی ذات، صفات اور جملہ اَوصاف وکمالات میں یکتا وبےنظیر وبے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی (برابر) یا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم پلّہ یا ہم مرتبہ نہیں"۔

امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ (۳۲۱ھ) عقیدۂ توحید کی شرح کرتے ہوئے، اس کے شرعی مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ "ہم اللہ ربّ العزّت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے، اُسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ "اللہ تعالی کی ذات یکتا ویگانہ ہے، اُس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شَے اُس کی مثل نہیں، کوئی چیز اللہ تعالی کو کمزور یا عاجز نہیں کر سکتی، اُس کے سِوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، وہ قدیم ہے جس کے وجود کی کوئی ابتداء نہیں، وہ زندہ جاوید ہے جس کے وجود کی کوئی انتہاء نہیں، اُس کی ذات کو فنا اور زوال نہیں، اُس کے ارادے کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اُس کی حقیقت فکرِ انسانی کی رَسائی سے بلند وبالا ہے، اِنسانی عقل اُسے سمجھنے سے قاصر ہے، مخلوق کے ساتھ اُس کی کوئی مُشابہت نہیں، وہ اَزَل (ہمیشہ) سے زندہ ہے، جسے کبھی مَوت نہیں، وہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے، جو نیند سے پاک ہے، وہ تمام کائنات کا خالق ہے، حالانکہ اسے اس کی کوئی حاجت

---

(۱) انظر: "كتاب العين" حرف الحاء، باب الثلاثي المعتل، الحاء والدال ...إلخ، ٣/ ٢٨١.

نہیں، اور وہ سب کا رازق ہے بغیر کسی تکلیف کے، بغیر کسی خَوف و خطر کے وہ مَوت دینے والا ہے، وہ بغیر کسی مَشقّت کے دوبارہ زندہ کرنے والا ہے، اللہ تعالی مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی، اپنی صفاتِ کاملہ سے متّصف تھا، اُس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہیں کی، جو اُسے پہلے سے حاصل نہیں تھی، جس طرح اَزَل میں وہ صفاتِ اُلوہیت (اللہ ہونے) سے متّصف تھا، اسی طرح اَبد (ہمیشہ ہمیشہ) تک بلا کمی وبیشی اِن صفات سے متّصف رہے گا، اُس نے اپنے لیے خالق اور باری کا نام، مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں کیا، اللہ تعالی کو رُبوبیت کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی، جب کوئی مَربوب یعنی پرورِش پانے والا نہیں تھا، اُسے خالق کی صفت اُس وقت بھی حاصل تھی، جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہیں تھا، جس طرح وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا، انہیں زندہ کرنے کے بعد کہلایا، حالانکہ وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اِس نام کا مستحق تھا، اِسی طرح مخلوق کی پیدائش سے پہلے بھی وہ خالق کے نام کا مستحق تھا؛ یہ اس لیے ہے کہ وہ ہر ممکن چیز پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز اُس کی محتاج ہے، ہر کام اس کے لیے آسان ہے، وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اُس کی مثل کوئی چیز نہیں، وہی سننے والا دیکھنے والا ہے، اُس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے، اُس نے مخلوق کے لیے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار، پہلے سے مقرّر اور معیّن کر دیا ہے، اُس نے اُن کی مَوت کے اَوقات مقرّر کر دیے ہیں، مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اُس سے کوئی شَے پوشیدہ نہیں تھی، اُسے ان کی پیدائش سے پہلے ہی علم تھا، کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔ اُس نے انہیں اپنی اِطاعت کا حکم دیا، اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع فرمایا، ہر چیز اُس کی مَشیئت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے، ہر چیز پر اسی کی مشیئت اور اسی کا ارادہ نافذ ہوتا ہے، بندوں کی اپنی کوئی مشیئت وارادہ نہیں، مگر وہ جو اُن کے لیے چاہے، لہذا وہ جو اُن کے لیے چاہے وہی ہوتا ہے، وہ جو نہ چاہے نہیں ہوتا، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور مُعاف کرتا ہے، وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ ورُسوا اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے، تمام لوگ اُسی کی مشیئت کے اندر، اُس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں، نہ کوئی اُس کا مدِّمقابل ہے نہ کوئی شریک، اُس کے فیصلے کو رَد کرنے والا کوئی نہیں، اُس کے

حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں، کوئی اس کے حکم پر غالب آنے والا نہیں، ہم اِن تمام باتوں پر ایمان لا چکے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُسی کی طرف سے ہے"[1]۔

انتہائی سادہ دلیل

انتہائی سادہ دلیل جو پیش کی جاسکتی ہے، وہ قرآن میں بیان ہوئی ہے، اگر سادہ الفاظ میں سمجھنا ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ "اگر دو ۲ یا زیادہ خدا ہوتے، تو ان کی رائے میں کبھی نہ کبھی ضرور اختلاف ہوتا، اس طرح کائنات کے نظام میں خلل واقع ہوتا، لیکن کائنات کے نظام میں خلل نہ ہونا، اور ایک ہی انتظام کا نظر آنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا مالک ایک ہے، اور وہ خداوند تعالی کی ذاتِ اقدس ہے"۔

عقیدۂ توحید، قرآن وحدیث کی رَوشنی میں

(۱) قرآنِ کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾[2] "اگر آسمان وزمین میں اللہ تعالی کے سوا اَور خدا ہوتے، تو ضرور آسمان وزمین تباہ ہو جاتے، تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو، ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں"۔

اللہ تعالی کو ذات میں واحد ماننا

(۲) توحید کے معنی ہیں خالق و مالکِ کائنات کو ایک ماننا، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[3] "یقیناً کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ "اللہ تین ۳ خداؤں میں سے تیسرا ہے" اور خدا تو صرف ایک خدا ہے، اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے، تو جو اُن میں کافر مریں گے، انہیں ضرور درد ناک عذاب پہنچے گا"۔

---

(۱) "العقيدة الطحاوية" صـ۸- ۱۲.

(۲) پ۱۷، الأنبياء: ۲۲.

(۳) پ٦، المآئدة: ۷۳.

اللہ تعالی کو صفات میں یکتا ماننا

(۳) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾[1] "سب خوبیاں اللہ تعالی کو ہیں، جو مالک ہے سارے جہان والوں کا، بہت مہربان رحمت والا، روزِ جزاء کا مالک ہے"۔

(۴) اسی طرح ایک اَور مقام پر ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾[2] "اللہ ہے جس کے سِوا کوئی معبود نہیں، وہ آپ زندہ اور اَوروں کو قائم رکھنے والا ہے"۔

(۵) مزید فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۞ وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۞ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾[3] "سب خوبیاں اللہ تعالی کو ہیں، جس نے آسمان اور زمین بنائے، اور اندھیریاں اور رَوشنی پیدا کی، اِس پر کافر لوگ اَوروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں، وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک میعاد (مخصوص مدّت تک) کا حکم رکھا، اور اس کے ہاں ایک مقرّر وعدہ ہے، پھر تم لوگ شک کرتے ہو! وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا، اسے تمہارا چُھپا اور ظاہر سب معلوم ہے، وہ تمہارے کام جانتا ہے، اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی اپنے ربّ کی نشانیوں میں سے نہیں آتی، مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں"۔

---

(۱) الفاتحة: ۱-۳.

(۲) پ۳، البقرة: ۲۵۵.

(۳) پ۷، الأنعام: ۱-٤.

اللہ تعالی ہمیشہ سے ہے، اُس سے پہلے کچھ نہیں تھا

(۱) حضرت امام بخاری اپنی مشہور ومعروف کتاب "صحیح بخاری" میں، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ "نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں، کچھ لوگ یمن کے آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «اقْبَلُوا البُشرى يا أهْلَ اليمَنِ!» "اے اہلِ یمن! بِشارت قبول کرو!" انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے قبول کی، اور ہم آپ کی خدمت میں دین سمجھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں، اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس دنیا سے پہلے کیا تھا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «كانَ اللهُ ولَمْ يكُنْ شيءٌ قبلَه، وكان عَرْشُه علَى الماءِ، ثمّ خلقَ السّماوات والأرْضَ، وكتبَ في الذِّكرِ كلَّ شيءٍ»[1] "اللہ تعالیٰ ہی تھا، اس سے پہلے کچھ نہیں تھا، اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور لَوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھ دی"۔

اللہ تعالی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، وہ سب سے آخر ہے، اس کے بعد کچھ نہیں

(۲) "صحیح مسلم شریف" میں حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: «اللهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ وَرَبَّ الأرضِ وَرَبَّ العَرشِ العظيم، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الحَبِّ وَالنَّوَى، وَمُنْزِلَ التَّورَاةِ وَالإنجيلِ وَالفُرقان، أعُوذُ بِكَ مِن شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أنتَ آخِذٌ بِنَاصِيتِه، اللّهمّ أنتَ الأوَّلُ فَلَيسَ قَبلَكَ شَيءٌ، وَأنتَ الآخِرُ فَلَيسَ بَعدَكَ شَيءٌ، وَأنتَ الظَّاهِرُ فَلَيسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأنتَ البَاطِنُ فَلَيسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنَّا الدَّينَ، وَأَغْنِنا مِنَ الفقْرِ»[2].

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى المَآءِ﴾ [هود: ۷] ﴿وَهُوَ رَبُّ العَرْشِ العَظِيمِ﴾ [التوبة: ۱۲۹]، ر: ۷٤۱۸، صـ۱۲۷٦.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع، ر: ٦۸۸۹، صـ۱۱۷۹.

"اے اللہ آسمانوں کے ربّ! زمین کے ربّ! ہر چیز کے ربّ! دانے اور گٹھلی کو چیر کر اس میں سے اُگانے والے، توریت، انجیل اور فرقان کو نازل فرمانے والے! میں ہر اُس چیز کی بُرائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، جو تیرے قابو میں ہے! تُو ہی سب سے پہلے ہے، تجھ سے پہلے کچھ نہیں! تُو ہی سب سے آخر ہے، تیرے بعد کچھ نہیں! تُو ظاہر ہے اور تجھ سے زیادہ ظاہر کچھ نہیں! تُو باطن ہے اور تجھ سے زیادہ پوشیدہ کچھ نہیں، ہمارا قرض اتار دے! اور ہمیں فقیر سے غنی کر دے!"۔

عقائد متعلقہ ذات وصفاتِ الٰہی جَلَّ جَلالُہٗ

عقیدہ(۱): اللہ جَلَّ جَلالُہٗ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ افعال میں نہ اَحکام میں، نہ اسماء میں۔ واجبُ الوجود ہے، یعنی اس کا وجود ضروری ہے، اور عدم (نا ہونا) مُحال ہے، یعنی اس کا موجود نہ ہونا ممکن نہیں۔ قدیم ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، اَزَلی کے بھی یہی معنی ہیں، باقی ہے یعنی ہمیشہ رہے گا، اور اِسی کو اَبدی بھی کہتے ہیں، وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے [۱]۔

عقیدہ(۲): وہ بے پرواہ ہے، کسی کا محتاج نہیں، اور تمام جہان اُس کا محتاج ہے [۲]۔

عقیدہ(۳): اُس کی ذات کا اِدراک عقلاً مُحال (ناممکن) ہے، یعنی اس کی ذات کا عقل کے ذریعہ اِحاطہ نہیں کیا جاسکتا؛ کہ جو چیز سمجھ میں آتی ہے، عقل اُسے گھیرے ہوتی ہے، اور اللہ تعالی کا کوئی اِحاطہ نہیں کر سکتا، البتہ اُس کے افعال کے ذریعہ سے، اِجمالاً اُس کی صفات، پھر اُن صفات کے ذریعے، معرفتِ ذات حاصل ہوتی ہے [۳]۔

عقیدہ(۴): اُس کی صفات نہ اس کا عَین ہیں نہ غیر، یعنی صفات اُسی ذات کا نام ہو اَیسا نہیں، اور نہ اُس سے کسی طرح کسی اعتبار سے وُجود میں جُدا ہو سکیں، یعنی کسی بھی طَور پر صفاتِ الٰہی ذاتِ الٰہی سے جُدا

---

(١) "منح الروض" صـ١٤، ١٥. "المعتقَد المنتقَد" الباب ١ في الإلهيّات، تفصيل ما يجب لله تعالى، صـ٧٦.

(٢) المرجع نفسه، صـ١٤.

(٣) "التفسير الكبير" سورة الأنعام، تحت الآية: ١٠٣، ٥/ ١٠٠.

ہو کر نہیں پائی جاسکتیں؛ کیونکہ وہ صفات نفسِ ذات کی مقتضٰی ہیں، اور عینِ ذات کو لازم ہیں[۱]۔ یعنی ضروری ہے کہ اس کی ذات کے ساتھ ہی پائی جائیں، اس کی صفات اس کی ذات سے جدا نہیں ہوسکتیں۔

بلا تشبیہ اسے یوں سمجھیں، کہ پھول کی خوشبو پھول کی صفت ہے، جو پھول کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے، مگر اس خوشبو کو ہم پھول نہیں کہتے، نہ ہی اسے پھول سے جُدا کہہ سکتے ہیں۔

عقیدہ(۵): جس طرح اُس کی ذات قدیم اَزَلی (ہمیشہ ہمیشہ سے) اَبَدی (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) ہے، اس کی صفات بھی قدیم اَزَلی اَبَدی ہیں[۲]۔

عقیدہ(۶): اُس کی صفات نہ مخلوق ہیں، نہ اس کی قدرت کے تحت داخل ہیں[۳]۔

مذکورہ عقیدہ کی وضاحت

اللہ تعالی کی صفات نہ عینِ ذاتِ باری تعالیٰ ہیں (اس طَور پر کہ ذات وصفات مفہوم و معنی کے اعتبار سے بالکل ایک ہی چیز ہوں، ایسا نہیں)؛کیونکہ صفاتِ الٰہی ذاتِ الٰہی پر زائد ہوتی ہیں، تو دونوں بالکل ایک نہ ہوئیں، لہذا صفاتِ باری تعالی ذاتِ باری تعالی کا عَین نہ ہوئیں۔ اسی طرح صفاتِ باری تعالی ذاتِ باری تعالی کا غیر بھی نہیں (اس طَور پر کہ ذات وصفات میں سے کوئی بھی ایک، دوسرے کے بغیر موجود نہ سکے)۔

صفات تو ذات کے بغیر اس لیے نہیں پائی جاسکتیں؛ کہ صفات ذات کے تابع ہوتی ہیں، اور تابع متبوع کے بغیر موجود نہیں ہوسکتا، اور ذاتِ باری تعالی اپنی صفات کے بغیر اس لیے نہیں پائی جاتی، کہ اس صورت میں ذاتِ باری تعالی کا صفاتِ کمال کے بغیر ہونا لازم آئے گا، اور یہ مُحال ہے، لہٰذا صفاتِ باری تعالی ذاتِ باری تعالی کا غیر بھی نہ ہوئیں۔ مختصراً اس عقیدے کو یوں بھی کہا جاتا ہے کہ "صفاتِ باری تعالی، نہ عینِ ذات ہیں، نہ غیرِ ذات"۔

---

(۱) "المسايرة" صـ۳۹۲. و"شرح العقائد النَّسَفية" صـ٤٧، ٤٨.

(۲) "منح الروض" صـ۲۳.

(۳) "الفقه الأكبر" صـ۹۱. و"المعتقد المنتقد" الباب ١ في الإلهيات، مسألة، صـ١٢٥.

عقیدہ(۷): اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سِوا، سب چیزیں حادِث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں، پھر مَوجود ہوئیں[1]۔

عقیدہ(۸): صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادِث بتائے، گمراہ بددین ہے[2]۔

عقیدہ(۹): جو شخص عالَم (کائنات) میں سے کسی شَے کو قدیم (ہمیشہ سے) مانے، یا اُس کے حادِث ہونے میں شک کرے، کافر ہے[3]۔

عقیدہ(۱۰): نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا، نہ اُس کے لیے بیوی۔ جو اُسے باپ یا بیٹا بتائے، یا اُس کے لیے بیوی ثابت کرے، کافر ہے، بلکہ جو اِن باتوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن بھی کہے، گمراہ بددین ہے[4]۔

عقیدہ(۱۱): وہ حَی ہے، یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اُس کے دستِ قدرت میں ہے، جسے جب چاہے زندہ کرے، اور جب چاہے مَوت دے[5]۔ ﴿هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾[6] "وہ خود زندہ ہے اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے"۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ﴾[7] "اور وہی زندگی اور موت دیتا ہے"۔

---

(۱) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ٢٤.

(۲) "المعتقَد" الباب ١ في الإلهيّات، مسألة، صـ١٢٥. و"منح الروض" صـ٢٥.

(۳) "الشفا" فصل في بيان ما هو من المقالات كفر، الجزء ٢، صـ٢٨٣.

(٤) المرجع نفسه، فصل في بيان ما هو من المقالات كفر، الجزء ٢، صـ٢٨٣. و"مجمع الأنهُر" كتاب السير و الجهاد، ٢/ ٥٠٤. و"البحر الرائق" كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ٥/ ٢٠٢.

(٥) "الشفا" فصل في بيان ما هو من المقالات كفر، الجزء ٢، صـ٢٨٣. و"مجمع الأنهُر" كتاب السير و الجهاد، ٢/ ٥٠٤. و"البحر الرائق" ٥/ ٢٠٢.

(٦) پ٣، البقرة: ٢٥٥.

(٧) پ١٨، المؤمنون: ٨٠.

عقیدہ(۱۲): وہ ہر ممکن پر قادِر ہے، کوئی ممکن اُس کی قدرت سے باہر نہیں[1]۔

عقیدہ(۱۳): جو چیز مُحال (ناممکن) ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات سے پاک ہے، کہ اُس کی قدرت اُسے شامل ہو؛ کیونکہ مُحال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہوسکے، اور جب مقدور ہوگا تو موجود ہوسکے گا، پھر مُحال نہ رہا۔

اسے یوں سمجھو کہ دوسرا خدا مُحال (ناممکن) ہے، یعنی نہیں ہوسکتا، تو یہ اگر زیرِ قدرت ہو تو موجود ہوسکے گا، تو مُحال نہ رہا، اور اس کو مُحال نہ ماننا وَحدانیت کا انکار ہے۔

اسی طرح باری تعالی کا فنا ہونا مُحال (ناممکن) ہے، اگر یہ تحتِ قدرت ہوتا تو ممکن ہوتا، اور جس کا فنا ہونا ممکن ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ تو ثابت ہوا کہ مُحال پر قدرت ماننا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اُلُوہیت (اللہ ہونے) سے ہی انکار کرنا ہے[2]۔

عقیدہ(۱۴): ہر مقدور (یعنی تحت قدرت) کے لیے ضروری نہیں کہ موجود بھی ہوجائے، البتہ اس کا ممکن ہونا ضروری ہے، اگرچہ کبھی موجود نہ ہو[3]۔

عقیدہ(۱۵): اللہ تعالی ہر کمال وخوبی کا جامع ہے، اور ہر اُس چیز سے پاک ہے جس میں عیب ونَقص ہو، یعنی عیب ونَقص کا اُس میں ہونا مُحال (ناممکن) ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہونہ نَقص، وہ بھی اُس کے لیے مُحال ہے، مثلاً جُھوٹ، دَغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عُیوب، اللہ تعالی پر قطعًا مُحال ہیں۔ اور یہ کہنا کہ "اللہ تعالی کو جُھوٹ پر قدرت ہے، اس طَور پر کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے" مُحال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عَیب دار بتانا ہے، بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے، اور یہ سمجھنا کہ "خدا اگر مُحالات (ناممکن)

---

(۱) "حاشية الصاوي" سورة البقرة، تحت الآية: ۲۰، ۱/ ۲۰. و"التفسير الكبير" سورة الكهف، تحت الآية: ۲۵، ۷/ ٤٥٤. و"المسايَرة" صـ۳۹۱.

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب السیر، رسالہ "سبحان السُّبوح عن عیب کذب مقبوح" ۱۵/۳۲۲۔

(۳) "بہارِ شریعت" "عقائدِ متعلقہ ذات وصفاتِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ"، ج۱، حصہ۱، ص۶۔

پر قادر نہ ہوگا، تو اس کی قدرت ناقص ہوجائے گی" باطلِ محض ہے، غلط سوچ ہے؛ کیونکہ اس میں قدرت کی کیا کمی ونقص ہے؟! نقص تو اُس مُحال (ناممکن) کا ہے، جس میں تعلّقِ قدرت کی صلاحیت ہی نہیں[1]۔

عقیدہ (۱۶): (۱) حیات، (۲) قدرت، (۳) سننا، (۴) دیکھنا، (۵) کلام، (۶) علم، (۷) اِرادہ، یہ سب اللہ تعالی کی صفاتِ ذاتیہ ہیں، مگر کان، آنکھ، زبان سے اُس کا سننا، دیکھنا، کلام کرنا نہیں؛ کیونکہ یہ سب اَجسام ہیں، اور اللہ تعالی جسم وجسمانیت سے پاک ہے۔ ہر پست سے پست آواز سنتا ہے، ہر باریک سے باریک کو دیکھتا ہے، اگرچہ وہ چیز خورد بین سے بھی محسوس نہ ہو، بلکہ اُس کا دیکھنا اور سننا انہیں چیزوں پر منحصر نہیں، وہ ہر موجود کو دیکھتا ہے، اور ہر موجود کو سنتا ہے[2]۔

عقیدہ (۱۷): دیگر صفات کی طرح اُس کا کلام بھی قدیم (ہمیشہ سے) ہے، حادِث (ایجاد کردہ) ومخلوق نہیں۔ جو کوئی قرآنِ عظیم کو مخلوق مانے، ہمارے امامِ اعظم ودیگر ائمہ رضی اللہ تعالی عنہم نے اُسے کافر کہا، بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی اُس کی تکفیر ثابت ہے[3]۔

عقیدہ (۱۸): اللہ تعالی کا کلام آواز سے پاک ہے، اور یہ قرآنِ عظیم جسے ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے ہیں، کتابی صورت میں لکھتے ہیں، اُسی کا کلامِ قدیم بلاصَوت ہے، مگر یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادِث ہے، یعنی ہمارا پڑھنا حادِث ہے اور جسے ہم نے پڑھا وہ قدیم ہے، ہمارا لکھنا حادِث ہے اور جسے ہم

---

(۱) "المسامَرة شرح المسايرة" صـ۳۹۳. و"فتاوی رضویہ" کتاب السیر، رسالہ "سبحان السبّوح عن عیب کذب مقبوح" ۱۵/۳۲۰-۳۲۲۔

(۲) "الفقه الأكبر" صـ۶۷- ۷۷. و"المسامَرة شرح المسايرة" صـ۳۹۱، ۳۹۲. و"الحديقة النَديّة" الباب ۲، الفصل ۱ في تصحيح الاعتقاد، ۱/ ۲۵۳-۲۵۶.

(۳) "الفقه الأكبر" صـ۹۹. و"منح الروض الأزهر" صـ۱۰۰. و"الحديقة النَديّة" الباب ۲، الفصل ۱ في تصحيح الاعتقاد، ۱/۲۵۸. و"المعتقَد المنتقد" الباب ۱ في الإلهيّات، الفِرق المخالفة في صفة الكلام ...إلخ، صـ۱۰۹. و"فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۵/۳۷۹-۳۸۴۔

نے لکھا وہ قدیم ہے، ہمارا سننا حادِث ہے اور جسے ہم نے سنا وہ قدیم ہے، ہمارا حفظ کرنا حادِث ہے اور جسے ہم نے حفظ کیا وہ قدیم ہے، یعنی متجلّی قدیم اور تجلّی حادِث ہے۔ متجلّی یعنی کلامِ الٰہی قدیم ہے، تجلّی یعنی ہمارا پڑھنا، سننا، لکھنا، یاد کرنا یہ سب حادِث (اللہ تعالی کا ایجاد کردہ ہے) ہے[1]۔

عقیدہ (۱۹): اللہ تعالی کا علم ہر شَے کو گھیرے ہوئے (کوَر کیے ہوئے) ہے، یعنی جزئیات، کُلّیات، مَوجودات، مَعدومات، ممکنات، مُحالات، سب کو اَزَل (ہمیشہ ہمیشہ سے) جانتا تھا، اور اب بھی جانتا ہے، اور اَبَد (ہمیشہ ہمیشہ) تک جانے گا۔ اشیاء بدلتی ہیں، مگر اُس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطرات اور وَسوسوں پر بھی اُسے خبر ہے، اُس کے علم کی کوئی انتہا نہیں[2]۔

عقیدہ (۲۰): اللہ تعالی غیب وشہادت، یعنی پوشیدہ وظاہر سب کچھ جانتا ہے۔ علمِ ذاتی اُس کا خاصّہ ہے، جو شخص علمِ ذاتی (چاہے پوشیدہ ہو یا ظاہر) غیرِ خدا کے لیے ثابت کرے، وہ کافر ہے۔ علمِ ذاتی کے یہ معنی ہیں، کہ بے خدا کے دیے خود حاصل ہو[3]۔

عقیدہ (۲۱): وہی اللہ ہر شَے کا خالق ہے، ذَوات ہوں یا اَفعال، سب اُسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں[4]۔

عقیدہ (۲۲): حقیقۃً روزی پہنچانے والا وہی اللہ ہے، ملائکہ وغیرہم وسیلہ وذریعہ ہیں[5]۔

عقیدہ (۲۳): ہر بھلائی بُرائی اللہ تعالی نے اپنے علمِ اَزَلی کے مُوافق مقدّر فرمادی ہے، جیسا ہونے والا تھا، اور جو جیسا کرنے والا تھا، اللہ تعالی نے اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا۔ تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا وَیسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جَیسا ہم کرنے والے تھے وَیسا اُس نے لکھ دیا۔ زَید کے ذمّہ بُرائی لکھی؛ اس لیے کہ زَید

---

(١) "الفقه الأكبر" صـ٩٣، ٩٤. و "منح الروض الأزهر" صـ٩٤، ٩٥.

(٢) "منح الروض الأزهر" صـ١٦.

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب العقائد والکلام، رسالہ "خالص الاعتقاد" ۵٦۹/۱۸ تا ۵۸۷۔

(٤) "اليواقيت والجواهر" صـ١٨٩.

(٥) "مَعالم التنزيل" سورة النازعات، تحت الآية: ٥، ٤/ ٤٤٢.

بُرائی کرنے والا تھا، اگر زَید بھلائی کرنے والا ہوتا، تو اللہ تعالی اُس کے لیے بھلائی لکھتا۔ تو اُس کے علم یا اُس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کیا[1]۔

تقدیر کے انکار کرنے والوں کو، نبئ کریم ﷺ نے اِس اُمّت کا مجوس بتایا ہے[2]۔

خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے، کہ توحید دینِ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا، اور توحید وہی ہے جس کو اللہ کے حبیب ﷺ نے بیان فرمایا، ورنہ تو شیطان بھی توحید کا عقیدہ رکھتا تھا اور رکھتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس نے لوگوں کو شرک، کفر اور نِفاق میں ڈال دیا ہے، لیکن خود اپنے زعم میں مُوَحّد رہا، اور اس کی خود ساختہ توحید کا عالَم یہ رہا، کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی سجدۂ تعظیمی تک نہ کیا، اور یہ نہ جانا کہ رب تعالی کی نافرمانی کر کے "شرک فی الحکم" میں جا پڑا!۔

آج بھی اس کے کارندے انبیاء واولیاء کی شان میں گستاخیاں کر کے سمجھتے ہیں، کہ ہم نے توحید کا حق ادا کر دیا، حالانکہ وہ تو ان بزرگوں کی بارگاہ میں گستاخیاں کر کے، اور شرک وکفر کے فتوے لگا کر، پہلے ہی رب تعالی کی ناراضگی مول لے چکے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں ایسی خود ساختہ توحید سے اپنی پناہ میں رکھے، اور اُس توحید پر کاربند رکھے جو اللہ کے حبیب ﷺ نے، اللہ تعالی کے حکم سے ہمیں تعلیم فرمائی ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے امام ابو منصور ماتُریدی علیہ الرحمۃ کی (ا) "کتاب

---

(١) "الفقه الأكبر" صـ١٣٠. و"المنهاج في شرح مسلم بن الحجّاج" كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام ...إلخ، الجزء ١، صـ١٥٤.

(٢) "المنهاج في شرح مسلم بن الحجّاج" كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام ...إلخ، الجزء ١، صـ١٥٤.

التوحید"[1]، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (۲) "کلید التوحید"[2]، صوفی محمد عبد الغفّار رضوی، تلمیذ محدّثِ اعظم پاکستان کی کتاب (۳) "نغمۂ توحید"[3]، غزالئ زماں، رازئ دوراں، حضرت علّامہ احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "ضرورتِ توحید"[4] اور علّامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ کا مقالہ (۵) "توحید ورسالت"[5] کا مطالعہ، قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعة من دار الكتب العلميّة، بيروت.

(۲) مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ رضویہ، لاہور۔

(۴) مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔

(۵) مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور۔

(۲) دیدارِ الٰہی

عقیدہ(۱): اللہ تعالیٰ جہت ومکان وزمان وحرکت وسکون وشکل وصورت وجمیع حوادِث (ایجاد کردہ اُمور) سے پاک ہے[1]۔

عقیدہ(۲): دنیا کی زندگی میں اللہ عزّوجلّ کا دیدار، ہمارے نبئ پاک صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے خاص ہے، اور آخرت میں ہر صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے ممکن بلکہ واقع ہے۔ رہا قلبی دیدار یا خواب میں، تو یہ دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام بلکہ اولیاء کے لیے بھی حاصل ہے، امامِ اَعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں سَو۱۰۰بار زیارت ہوئی[2]۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

«رأيتُ ربِّي تبارك وتعالى»[3] "میں نے اپنے رب عزّوجلّ کو دیکھا۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

«قال لي ربِّي جلّ جلاله: نحلتُ إبراهيمَ خلّتي، وكلّمتُ موسى تكليماً، وأعطيتُك يا محمد! كفاحاً[4]»[5]. "مجھے میرے رب عزّوجلّ نے فرمایا، کہ میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، اور موسیٰ سے کلام فرمایا، اور تمہیں مُواجہ بخشا، کہ بے پردہ وحجاب تم نے مجھے دیکھا!"۔

---

(۱) "تفسير ابن كثير" سورة النسآء، تحت الآية: ۷۹، ۸/ ۲۵۳. و"التفسير الكبير" سورة الكهف، تحت الآية: ۷۹- ۸۲، ۷/ ٤۹۲.

(۲) "الفتاوى الحديثية" مطلب في رؤية الله تعالى في الدنيا، صـ۲۰۰. و"منح الروض الأزهر" صـ۱۲٤.

(۳) "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن عباس ...إلخ، ر: ۲۵۸۰، ۱/ ٦۱۱.

(٤) في "مجمع بحار الأنوار": "كفاحاً" أي: "مواجهة ليس بينهما حجاب ولا رسول". [حرف الكاف، كفح، ٤/ ٤۲٤] "کفاح کا معنی آمنے سامنے دیدار ہے، جبکہ درمیان میں کوئی پردہ اور قاصد نہ ہو"۔

(۵) "تاريخ دِمشق" حرف الألف، باب ذكر عروجه إلى السّماء ...إلخ، ر: ۸۰۰، ۳/ ۵۱۷.

عقیدہ(۳): اللہ تعالی کا دیدار بلا کیفیت ہے، یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے، جس چیز کو دیکھتے ہیں اُس سے کچھ فاصلہ مَسافت کا ہوتا ہے، نزدیک کا یا دُور کا، وہ دیکھنے والے سے کسی سَمت میں ہوتی ہے، اوپر یا نیچے، دائیں یا بائیں، آگے یا پیچھے، اللہ تعالی کا دیدار اِن سب باتوں سے پاک ہوگا۔ پھر رہا یہ کہ کیسے ہوگا؟ یہی تو کہا جاتا ہے کہ "کیسے" کو یہاں دخل نہیں، اِن شاء اللہ تعالی جب دیکھیں گے، اُس وقت بتادیں گے کہ کیسے![1]۔

دیدارِ الٰہی، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تعالی قرآنِ مجید میں اہل جنّت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾[2] "کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کو دیکھتے"۔

امام طَبری رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: "فإنّ أهلَ الجنّة ينظرون بِأبصَارِهم يومَ القيامةِ إلى الله"[3] "یقیناً اہلِ جنّت بروزِ قیامت، آنکھوں سے اللہ تعالی کا دیدار کریں گے"۔

امام بغَوی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "قال ابن عبّاس: وأَكثرُ النّاس تنظر إلى ربّها عياناً بِلَا حِجَابٍ. قال الحسنُ: تنظر إِلَى الخالقِ وحقّ لها أن تنضرَ"[4] "حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا، کہ اکثر لوگ اپنے رب تعالی کو بلا حجاب کھلی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ حضرت سیّدنا حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، کہ خالقِ کائنات کو دیکھیں گے، اور وہ اس سے شاد ہوں"۔

---

(۱) "منح الروض الأزهر" صـ۸۳.

(۲) پ۲۹، القيامة: ۲۲، ۲۳.

(۳) "جامع البيان" سورة الأنعام، تحت الآية: ۱۰۳، الجزء ۷، صـ۳۹۱.

(٤) "معالم التنزيل" سورة القيامة، تحت الأية: ۲۳، ٤/ ٤۲٤.

(۲) اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ﴾[1] "بھلائی والوں کے لیے بھلائی ہے، اور اس سے بھی زائد"۔

امام حافظ الدین نسفی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا﴾ آمنوا بِالله ورُسُله ﴿الْحُسْنٰی﴾ المثُوبةُ الحُسنَى، وهي الجنّة ﴿وَ زِیَادَةٌ﴾ رؤيَةُ الربّ ﷻ. كذا عن أبي بكر وحذيفة وابنِ عبّاسٍ وأبي موسى الأشعرِي وعُبادة بنِ الصّامِت رضي الله تعالى عنهم. وفي بعضِ التفاسِيرِ أجمع المفسّرُون على أنّ الزّيادة: النظر إِلَى الله تعالى"[2].

""بھلائی" سے اللہ تعالی اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ "خوبی" سے مراد عمدہ ثواب یعنی جنّت ہے، اور "زائد" سے مراد دیدارِ الٰہی ہے۔ حضرت سیّدنا ابوبکر، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو موسی اور حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ بعض تفاسیر میں اس بات پر مفسرین کا اتفاق نقل کیا ہے، کہ "زیادہ" کی تفسیر اللہ تعالی کا دیدار ہی ہے"۔

امام ابن جریر طبری علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں: "والزّيادة عليها: النظرُ إِلَى الله"[3]، "اس آیت میں ثواب پر "زیادتی" سے مراد، اللہ تعالی کا دیدار ہے"۔

دیدارِ الٰہی، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ میں، بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ، اس انعام اِکرام کی نوید سنائی گئی ہے، چناچہ حضرت سیّدنا صہیب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إذا دخل أهلُ الجنّة الجنّةَ، قال: يقول الله ﷻ: تُريدونَ شيئًا أَزِيدُكم؟

---

(۱) پ۱۱، یونس: ۲۶.

(۲) "مدارك التنزيل" سورة يونس، تحت الأية: ۲۶، ۱/ ۵۳۶، ۵۳۷.

(۳) "جامع البيان" سورة يونس، تحت الأية: ۲۶، الجزء ۱۱، صـ۱۳۷.

فيقولون: أ لم تُبَيِّضْ وُجوهَنا؟ أ لم تُدخِلْنا الجنّةَ، وتُنجِّنا من النّار؟! قال: فيكشف الحِجاب، فما أُعطوا شيئاً أحبَّ إليهم من النّظر إلى ربِّهم ﷻ»[1].

"جب اہلِ جنّت، جنّت میں داخل ہو جائیں گے، تب اللہ تعالی ان سے فرمائے گا، کہ کیا جنّت کے بعد تمھاری کوئی اَور خواہش ہے، جسے پورا کردوں؟ جنّتی عرض کریں گے، کہ اے رب! کیا تُونے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟! کیا تُونے ہمیں جنّت عطا نہیں کردی؟ کیا تُونے ہمیں دوزخ سے نَجات نہیں دی؟ [اب ہم اَور کیا چاہیں گے!] حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں، کہ پھر اللہ تعالی ان کے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دے گا، اور جنّتی اللہ تعالی کا دیدار کر لیں گے، تو انہیں اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوگی"۔

(۲) حضرت سیّدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ہم تاجدارِ رسالت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، کہ اچانک حضور نے چودہویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: «أما إنّكم سترَون ربَّكم كما ترَون هذا القمرَ!»[2] "عنقریب تم اپنے رب تعالی کو اس طرح دیکھوگے، جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو!"۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے، کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں، اور جو خدا ہے اُس تک عقل کی رَسائی نہیں، اور وقتِ دیدار نگاہ اُس کا اِحاطہ کرلے، یہ مُحال (ناممکن) ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ کہ دُنیوی زندگی میں ہمارے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے سِوا، کسی کو بھی اللہ تعالی کا دیدار نہیں ہوا، ہاں قلبی یا خوابی دیدار دیگر انبیاء واولیاء کو بھی نصیب ہوا ہے، اور آخرت میں اہلِ ایمان کو اللہ تعالی کا دیدار، بلا حجاب بلا تشبیہ وبلا کیفیت سَر کی آنکھوں سے ہوگا، ان شاء اللہ تعالی!۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين في الآخرة ربهم ﷻ، ر: ٤٤٩، صـ٩٢.

(٢) المرجع نفسه، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر، والمحافظة عليهما، ر: ١٤٣٤، صـ٢٥٥.

عقیدہ (۴): اللہ تعالی جو چاہے اور جیسا چاہے کرے، کسی کو اُس پر قابو نہیں، اور نہ کوئی اُس کے ارادے سے اُسے باز رکھنے والا ہے۔ اُسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند، تمام جہان پر نگاہ رکھتا ہے، نہ تھکتا ہے نہ اُکتاتا ہے، تمام عالَم (کائنات) کو پالنے والا ہے، ماں باپ سے زیادہ مہربان، حِلم والا ہے۔ اُسی کی رحمت ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ہے، اُسی کے لیے بڑائی اور عظمت ہے، ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے صورت بناتا ہے، گناہوں کو بخشنے والا ہے، تَوبہ قبول کرنے والا ہے، قہر وغضب فرمانے والا ہے، اُس کی پکڑ نہایت سخت ہے، جس سے بے اُس کے چھڑائے کوئی چُھوٹ نہیں سکتا۔ وہ چاہے تو چھوٹی سی چیز کو وسیع ترکردے، اور وسیع ترکو سمیٹ کر رکھ دے، جسے چاہے بلند کرے، اور جسے چاہے پست کردے، ذلیل کو عزّت دے دے، اور عزّت والے کو ذلیل کردے، جسے چاہے راہِ راست پر لائے، اور جسے چاہے سیدھی راہ سے الگ کردے[1]۔

جسے چاہے اپنا قریبی بنالے، اور جسے چاہے مردود کردے، جسے جو چاہے دے اور جو چاہے لے لے، وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا، عدل وانصاف ہے، ظلم سے پاک وصاف ہے، نہایت بلند وبالا ہے، وہ سب کو گھیرے (کَور کیے) ہوئے ہے، اُس کا کوئی اِحاطہ نہیں کرسکتا، نفع وضرر اُسی کے دستِ قدرت میں ہیں، مظلوم کی فریاد کو پہنچتا ہے، اور ظالم سے بدلہ لیتا ہے، اُس کی مشیئت واِرادے کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، مگر اچھے پر خوش اور بُرے سے ناراض ہوتا ہے۔ اُس کی رحمت ہے کہ ایسے کام کا حکم نہیں فرماتا جو طاقت سے باہر ہو۔ اللہ تعالی پر ثواب یا عذاب یا بندے کے ساتھ لُطف، یا اُس کے ساتھ وہ کرنا جو بندے کے حق میں بہتر ہو، اُس پر کچھ واجب نہیں۔ مالک علی الاِطلاق ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے، ہاں اُس نے اپنے کرم سے وعدہ فرمالیا ہے، کہ مسلمانوں کو جنّت میں داخل فرمائے گا، اور عدل کے تقاضے کے مطابق کفّار کو جہنم میں داخل فرمائے گا، اور اُس کے وعدہ ووعید بدلتے نہیں، اُس نے وعدہ فرما لیا ہے، کہ کفر کے سِوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو، جسے چاہے مُعاف فرمادے گا۔

---

(۱) "حاشية الصاوي" سورة البروج، تحت الآية: ۱۶، ۶/ ۲۶۱. و"تفسير الطبَري" سورة هود، تحت الآية: ۱۰۷، ۷/ ۱۱۷. و"المسايَرة" صـ۳۹۱.

﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ﴾[1] ﴿وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا﴾[2] و ﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ﴾[3] و ﴿وَ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾[4] و ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[5] و ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾[6] و ﴿اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا﴾[7].

عقیدہ (۵): اللہ تعالی کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں، چاہے ہمیں معلوم ہوں یا نہ ہوں، اور اُس کے فعل کے لیے کوئی غرض نہیں؛ کیونکہ غرض اُس فائدہ کو کہتے ہیں، جو فاعل کی طرف لَوٹے۔ نہ اُس کے فعل کے لیے کوئی غایت ہے؛ کیونکہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے۔ اور نہ اُس کے افعال علّت وسبب کے محتاج ہیں۔ اُس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق عالَمِ اَسباب میں مسبَّبات کو اَسباب سے مربوط کر دیا ہے، آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے، آگ جلاتی ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے۔ وہ چاہے تو آنکھ سُنے، کان دیکھے، پانی جلائے، آگ پیاس بجھائے، نہ چاہے تو لاکھ آنکھیں ہوں، تب بھی دن کو پہاڑ نہ سُوجھے، کروڑ آگیں ہوں، ایک تنکے پر داغ نہ آئے[8]۔

کس قہر کی آگ تھی جس میں حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو کافروں نے ڈالا ...! کوئی پاس نہ جاسکتا تھا، گوپھن (مثل توپ) میں رکھ کر آپ کو پھینکا، جب آگ کے مقابل پہنچے، حضرت سیّدنا جبریلِ امین

---

(۱) پ۳، البقرة: ۲۵۵.

(۲) پ۵، النساء: ۱۲٦.

(۳) پ۲٦، الأحقاف: ۳۳.

(٤) پ۲٦، ق: ۳۸.

(٥) الفاتحة: ۱.

(٦) الفاتحة: ۲.

(۷) پ۲۲، الفاطر: ٤۱.

(۸) "المسامَرة" صـ۲۱٥، ۲۱٦.

عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام حاضر ہوئے اور عرض کی: اے ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام! کچھ حاجت ہے؟ فرمایا: ہے مگر تم سے نہیں، عرض کی: پھر اُسی سے کہیے جس سے حاجت ہے! فرمایا: «علمه بِحالِي كفانِي عن سُؤالِي!» "اپنی حاجت کے اظہار کی وہاں کیا حاجت ہے؟!" ارشادِ خداوندی ہوا: ﴿يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ﴾[1] "اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا!" اس ارشاد کو سُن کر رُوئے زمین پر جتنی آگیں تھیں سب ٹھنڈی ہوگئیں؛ کہ شاید مجھ ہی سے فرمایا جاتا ہو! اور یہ آگ تو ایسی ٹھنڈی ہوئی کہ علماء فرماتے ہیں، کہ اگر اس کے ساتھ ﴿وَّ سَلٰمًا﴾ کا لفظ نہ فرمادیا جاتا، کہ "ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا!" تو اتنی ٹھنڈی ہوجاتی، کہ اُس کی ٹھنڈک حضرت ابراہیم کو اِیذاء دیتی[2]۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام دار قُطنی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی تالیف (۱) "رؤية الله"[3]، امام ابن نحاس عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کا رسالہ (۲) "رؤية الله"[4]، امام احمد رضا رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا رسالہ (۳) "منبّه المنية بوصول بوصول الحبيب إلى العرش والرؤية"[5]، مفتی نذیر احمد سیالوی کا رسالہ (۴) "دیدارِ الٰہی کی شرعی حیثیت"[6] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) پ۱۷، الأنبياء: ٦٩.

(۲) "التفسير الكبير" سورة الأنبياء، تحت الآية: ٦٩، ٨/ ١٥٨. و"معالم التنزيل" سورة الأنبياء، الأنبياء، تحت الآية: ٦٥، ٣/ ٢٥٠. و"بہارِ شریعت" عقائد متعلقۂ ذات وصفاتِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ، جزءِ اوّل، ۱/۲-۲۷۔

(۳) مطبوعة من دار المنار، أردن.

(٤) مطبوعة من الدار العلميّة، دهلي.

(۵) "فتاوی رضویہ" جلد۱۸، ص۴۰۱ تا ۴۱۳، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(٦) مطبوعہ جامعہ معینیہ امینیہ، فیصل آباد۔

(۳) شرک کی حقیقت

دَورِ حاضر کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ یہ بھی ہے، کہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت، بات بات پر بلاوجہ، سادہ لَوح مسلمانوں پر کفر وشرک کے باطل فتوے لگادیے جاتے ہیں، اور مشرک سازی کے اس شَوق میں، قرآن وحدیث کے اصول بھی پسِ پشت ڈال دیے جاتے ہیں!۔

مسلمان کو مشرک کہنے والے، یہ ناعاقبت اندیش لوگ، شرک کی حقیقت سے بھی نابلد ہیں، بلکہ صرف اپنے مذموم مقاصد کی خاطر، رسولِ اکرم ﷺ کی امّت کی اکثریت کو، مشرک بنانے کی کوشش میں مشغول رہتے ہیں۔

ان لوگوں کو اتنا بھی احساس نہیں، کہ دینِ اسلام تو شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے آیا ہے، مگر یہ لوگ خوفِ خدا سے عاری ہوکر، دن رات مسلمانوں پر ہی بے دریغ فتوے بازی کا بازار گرم کیے رہتے ہیں۔

مشرک سازی کی مذمّت

شاید نادان لوگ یہ سمجھتے ہوں، کہ اس طرح مسلمانوں کو مشرک بناکر، ہم دینِ اسلام کی کوئی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں، ہرگز نہیں! بلکہ یہ لوگ اُلٹا اپنے لیے جہنم خرید رہے ہیں؛ کیونکہ جس طرح شرک کرنا بہت بڑا ظلم وجرم ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو مشرک قرار دینا بھی حرام، اور بہت بڑا جرم ہے۔

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إذا قال الرّجلُ لأَخيه: يا كافر! فقَدْ باءَ به أحدُهما»[1] "جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا، تو یہ کلمہ

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الأدب، باب من كفّر أخاه بغير تأويل فهو كما قال، ر: ٦١٠٣، صـ١٠٦٤. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر، ر: ٢١٥، صـ٤٦، ٤٧.

دونوں میں سے کوئی ایک ضرور لے کر اٹھے گا"۔اس حدیث پاک سے واضح ہے، کہ مسلمانوں کو بلاوجہ کافر و مشرک قرار دینا، خود کافر اور مشرک بننا ہے۔

قابلِ صد افسوس یہ کہ کچھ لوگ، مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کا راگ اَلاپنے میں، ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں، حالانکہ شرک وکفر کا موضوع انتہائی اہم اور نازک ہے، شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، یا صفات، یا اس کی عبادت میں کسی کو اس کے برابر سمجھا جائے۔اس مختصر سی تعریف سے شرک کی حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔

اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لیے ادنی سے ادنی ذاتی علمِ غیب، قدرت، تصرّف وغیرہ تسلیم کرے، تو یہ یقیناً شرک قرار پائے گا؛ کیونکہ کائنات میں، کسی کو بھی، ذاتی طور پر، اللہ تعالیٰ کے دیے بغیر، کوئی اختیار، کوئی قدرت، کوئی تصرُّف اور کوئی علمِ غیب، بلکہ کوئی بھی چیز، ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

شرک کی تین ۳ قسمیں ہیں: (ا) شرک فی العبادۃ، (۲) شرک فی الذات، (۳) شرک فی الصفات۔

شرک فی العبادۃ

شرک فی العبادۃ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ، کسی اَور کو بھی عبادت کے لائق سمجھے، جیسے مشرکینِ مکّہ، جنہوں نے خانۂ کعبہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے، جن کی وہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔

شرک فی الذات

شرک فی الذات یہ ہے، کہ کسی کو اللہ تعالیٰ جیسا مانے، جیسے مجوس جو دو ۲ خداؤں کو مانتے ہیں۔

شرک فی الصفات

شرک فی الصفات یہ ہے، کہ کسی ذات وشخصیت میں، اللہ تعالیٰ جیسی صفات مانے۔

الحمد للہ مسلمان ہر قسم کے شرک سے محفوظ ہے، وہ نہ شرک فی العبادۃ میں مبتلا ہے، نہ وہ شرک فی الذات میں مبتلا ہے، اور نہ ہی وہ شرک فی الصفات میں مبتلا ہے؛ کیونکہ مسلمان نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی

کی عبادت کرتا ہے، نہ اُس کے سوا کسی کو اِس لائق جانتا ہے، نہ ہی اللہ تعالی جیسا کسی کو مانتا ہے، اور نہ ہی اس کی صفات جیسی صفات کسی کے لیے تسلیم کرتا ہے۔

واضح رہے کہ شرک کی تیسری قسم "شرک فی الصفات" کا بغور سمجھنا انتہائی ضروری ہے، شرک فی الصفات کی تعریف یہ بیان ہوئی، کہ جیسی صفات اللہ تعالی کی ہیں، ایسی ہی صفات کسی اَور میں تصوّر کرنا، شرک فی الصفات ہے۔

دراصل شرک فی الذات اور شرک فی العبادۃ کو سمجھنا تو آسان ہے، لیکن شرک فی الصفات کو، ڈھیک سے نہ سمجھنے کے باعث، کئی لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے ؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ قرآنِ مجید کے مَعانی ومَطالب کو، غلط طور پر سمجھنے کے باعث، خارجیوں (ایک گمراہ فرقہ) نے، حضرت سیّدنا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو مشرک کہا، ان پاک مقدّس نُفوس پر شرک جیسا بہتانِ عظیم باندھنا، اور اس کے نتیجے میں خود گمراہ ہوئے۔

آیئے ہم **"شرک فی الصفات"** کو قرآنِ مجید کے اصول کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں؛ تاکہ نورِ قرآن کی برکت سے، شیطانِ لعین کے وار سے محفوظ رہ سکیں؛ کیونکہ شیطانِ لعین اور اس کے گمراہ ساتھیوں کی پوری کوشش ہوتی ہے، کہ مسلمان کسی بھی طرح قرآنِ کریم کے صحیح اصول کو نہ سمجھ سکے؛ تاکہ یہ گمراہ لوگ، اپنے اس قول سے (کہ جو الفاظ اللہ تعالی کی صفات کے لیے استعمال ہوئے، وہ بندوں کے لیے استعمال کرنا شرک کہلاتا ہے) مسلمان کے دل ودماغ میں، اس فتنے کو شرک فی الصفات کا نام دے کر راسخ کرا سکیں، حالانکہ قرآنِ مجید میں کئی مثالیں موجود ہیں، جن میں اللہ تعالی اور اس کے محبوبین کے درمیان، بظاہر لفظاً شرکت پائی جاتی ہے، مگر اس سے شرک لازم نہیں آتا؛ کیونکہ وہ صفات اللہ تعالی کے لیے ذاتی طور پر ہیں، اور بندوں میں اللہ تعالی کی عطا سے پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ ذیل میں ہم قرآنِ کریم سے چند مثالوں کے ذریعے، شیطانِ لعین اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے مکر وفریب کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

(۱) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾[1] "بے شک اللہ تعالی آدمیوں پر بہت مہربان رحم والا ہے"۔ ایک اَور مقام پر ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾[2] "بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول، جن پر تمھارا مَشقّت میں پڑنا گراں (مشکل بار) ہے، وہ تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں، مسلمانوں پر کمال مہربان رحم فرمانے والے ہیں!"۔

غور کیجیے! ایک طرف فرمایا جارہا ہے، کہ اللہ تعالی رؤف ورحیم ہے، دوسری طرف فرمایا جارہا ہے، کہ رسولِ کریم ﷺ بھی رؤوف ورحیم ہیں، اس سے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ ابھی تو آپ نے کہا کہ شرک فی الصفات نام ہے صفات میں برابری کا، تو یہ صفات تو ایک جیسی ہوگئیں؟! اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی برابری نہیں؛ کیونکہ اللہ عزّوجلّ کا رؤوف ورحیم ہونا ذاتی طور پر ہے، اور حضور اکرم ﷺ کا رؤوف ورحیم ہونا اللہ تعالی کی عطا سے ہے۔ جب اللہ تعالی نے انہیں یہ مقام ومرتبہ دیا، تو یہ فرق ہوگیا، پھر برابری نہ رہی، اور جب برابری نہ رہی، تو شرک بھی نہ ہوا!!۔

(۲) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾[3] "اے حبیب! آپ فرمادیجیے کہ خود سے غیب نہیں جانتے، جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں، مگر صرف اللہ!"۔

ایک اَور مقام پر ربّ العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا * اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾[4] "غیب کا جاننے والا اللہ، اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔

---

(١) پ٢، البقرة: ١٤٣.

(٢) پ١١، التوبة: ١٢٨.

(٣) پ٢٠، النمل: ٦٦.

(٤) پ٢٩، الجنّ: ٢٦، ٢٧.

دونوں آیتیں قرآنِ کریم کی ہیں، ان دونوں آیتوں کا مطلب مفسّرین نے یہ بتایا، کہ حقیقی طور پر غیب جاننے والا صرف وصرف اللہ تعالی ہے، اللہ کی عطا کے بغیر کوئی کچھ نہیں جانتا، اور جب اللہ تعالی عطا فرمائے، تو اللہ کے حبیب ﷺ بھی، اللہ کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔

اللہ تعالی بھی غیب جانتا ہے، اور رسولِ کریم ﷺ بھی غیب جانتے ہیں، لیکن دونوں میں برابری نہیں؛ کیونکہ اللہ تعالی کا علم ذاتی ہے، اور حضور نبیٔ کریم ﷺ کا علم اللہ کی عطا سے ہے، جب یہ فرق ہو گیا، تو دونوں میں برابری ہرگز ہرگز نہ ہوئی!!۔

(۳) اللہ ربّ العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾[1] "یہ اس لیے کہ مسلمانوں کا مددگار اللہ تعالی ہے"۔

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾[2] "تو بے شک اللہ تعالی ان کا مددگار ہے، اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں"۔

ایک اہم بات

یاد رکھنا چاہیے کہ شرک ہونے یا نہ ہونے میں، زندہ، فوت شدہ، نزدیکی اور دُوری کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیونکہ اگر دُور سے پکارنا ہی شرک ہو، تو کیا کسی بُت کو قریب سے پکارنا شرک نہیں ہوگا؟! اسی طرح جو لوگ فرعون کو "الٰہ" سمجھ کر اسے پکارتے تھے، وہ بھی مشرک ہی تھے، اگرچہ فرعون زندہ اور ان کے قریب تھا، اور وہ فرعون کو ماتحت الاَسباب ہی پکارتے تھے۔

دراصل شرک کا تعلّق عقیدے اور نظریے سے ہے، جسے پکار رہا ہے، اسے الٰہ، معبود اور خدا یقین کرتا ہے تو یہ شرک ہے، چاہے دُور سے پکارے یا نزدیک سے، ماتحتَ الاَسباب ہو یا مافوقَ الاَسباب،

---

(۱) پ۲٦، محمد: ۱۱.

(۲) پ۲۸، التحريم: ٤.

زندہ ہو یا وفات شدہ۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾[۱] "کسی کو اللہ کے ساتھ خدا سمجھ کر مت پکارو!"۔

(۴) اللہ تعالی کا ارشادِ عظیم ہے: ﴿يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ﴾[۲] "جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے، اور جسے چاہے بیٹے دے"۔

جبکہ دوسرے مقام کو دیکھیے، کہ حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے حضرت مریم رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تشریف لانے کا واقعہ، خود قرآنِ کریم یوں ذکر فرماتا ہے: ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾[۳] "(جبریل نے کہا کہ) میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں؛ تاکہ میں تجھے ایک ستھرا اور پاکیزہ بیٹا دُوں!"۔

ایک طرف تو فرمایا جا رہا ہے، کہ بیٹا اور بیٹی اللہ تعالی ہی دیتا ہے، جبکہ دوسری طرف حضرت جبریلِ امین فرماتے ہیں کہ "میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں نیک صالح بیٹا عطا کروں!۔ لہذا حقیقی طور پر عطا کرنے والا تو اللہ تعالی ہی ہے، مگر جبریلِ امین جو عطا کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالی کی عطا اور اسی کی مرضی سے دے رہے ہیں۔

(۵) اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا﴾[۴] "اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے، ان کی موت کے وقت"۔

جبکہ قرآنِ کریم ہی میں، ایک اَور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿قُلۡ يَتَوَفّٰىكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ﴾[۵] "اے حبیب! آپ فرما دیجیے کہ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ، جو تم پر مقرّر ہے، پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے!"۔

---

(۱) پ۲۰، القصص: ۸۸.

(۲) پ۲۵، الشُّورى: ٤٩.

(۳) پ١٦، مريم: ١٩.

(٤) پ٢٤، الزمر: ٤٢.

(٥) پ٢١، السجدة: ١١.

سوال یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآنِ مجید فرماتا ہے، کہ موت حضرت ملک الموت علیہ السلام دیں گے! جبکہ دوسری طرف قرآنِ کریم ہی میں بیان ہوتا ہے، کہ موت دینے والا اللہ تعالی ہے! لیکن در حقیقت دونوں آیتوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ حقیقی طور پر موت دینے والا تو اللہ تعالی ہی ہے، حضرت ملک الموت علیہ السلام اللہ تعالی کی عطا سے، اس کے اذن سے یہ کام کرتے ہیں۔

شرک کی حقیقت، حدیث نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرتِ سیّدنا عُقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «وإنّي والله! ما أخافُ عليكم أنْ تشركوا بعدِي»[۱] "خدا کی قسم! مجھے تم لوگوں پر یہ اندیشہ نہیں، کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے"۔

علمائے اسلام نے اس حدیث پاک کا یہی مفہوم بیان کیا، کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی امّت شرک پر جمع نہیں ہوگی، اللہ تعالی نے اس امّت کو شرک سے محفوظ رکھا ہے۔ لیکن آج کل کے مشرک سازوں نے، اس حدیث پاک کے خلاف امّتِ مسلمہ کی اکثریت (اہلِ سنّت وجماعت) کو مشرک قرار دینے کا، مکروہ دھندا اپنا رکھا ہے۔

(۲) حضرتِ سیّدنا شدّاد بن اَوس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إنّ أخوَفَ ما أتخوّف على أمّتي: الإشراكُ بالله، أمَا إنّي لستُ أقول يعبدون شمساً، ولا قمراً، ولا وَثَناً، ولكنْ أعمالاً لغير الله، وشهوةً خفيّةً»[۲] "مجھے اپنی امّت پر سب سے زیادہ شرک کا ڈر ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج، چاند اور بتوں کو پوجنے لگیں گے، بلکہ وہ غیر اللہ کے لیے عمل کریں گے (یعنی نیک کاموں میں رِیاکاری ودِکھلاوا کریں گے)، اور پوشیدہ طور پر گناہوں کی خواہش کریں گے"۔ یعنی انہیں اپنے کاموں میں، لوگوں کے دیکھنے کی پرواہ تو ہوگی، مگر یہ احساس نہیں ہوگا کہ اللہ دیکھ رہا ہے!!۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب الصّلاة على الشهيد، ر: ١٣٤٤، صـ٢١٤، ٢١٥.
"صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبيّنا ﷺ وصفاته، ر: ٥٩٧٦، صـ١٠١٥.

(۲) "سنن ابن ماجه" كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة، ر: ٤٢٠٥، صـ٧١٨.

(۳) حضرتِ سیّدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إنّ ما أتخوّف عليكم رجلٌ قرأ القرآنَ، حتّى إذا رُئِيَتْ بهجتُه عليه، وكان ردئاً للإسلامِ، غيّره إلى ما شاء اللهُ، فانْسلخ منهُ ونبذَه وراءَ ظَهْرِه، وسعَى على جارِه بِالسَّيفِ، ورماهُ بِالشّركِ!» قال: قلتُ: يا نبِيَّ الله! أيّهما أوْلَى بالشّركِ، المرْمِيُّ أَمِ الرَّامِي؟ قال: «بلِ الرَّامِي!»[1].

"مجھے تم پر ایک ایسے شخص کا اندیشہ ہے، جو خوب قرآن پڑھے گا، یہاں تک کہ جب اس پر قرآن کی رَونق نمایاں ہو، اور وہ اسلام کا سہارا ہو، ایسے میں وہ بدل جائے گا، وہ اپنی پہلی حالت کو چھوڑ کر اسے پسِ پشت ڈال دے گا، اور اپنے (مسلمان) ہمسائے پر تلوار اٹھائے گا، اس پر شرک کا فتوی جڑے گا۔ (راوی کا بیان ہے کہ) میں نے عرض کی: یا نبیَ اللہ! دونوں میں سے شرک کا زیادہ سزاوار کون ہوگا؟ جس پر فتوی لگا وہ، یا فتوی لگانے والا؟ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فتوی لگانے والا!"۔

(۴) نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس خارجی گروہ کو شرارِ خَلق فرمایا، کہ وہ مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے، اس گروہ سے متعلّق حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: «إنّهمُ انْطلَقُوا إلى آياتٍ نزلَتْ فِي الكُفّارِ، فجعلُوها علَى المؤمنِينَ»[2] "(خارجی لوگ ایسے گمراہ ہیں کہ) جو آیات کافروں کی مذمّت میں نازل ہوئیں، انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں"۔

---

(۱) "صحيح ابن حِبّان" كتاب العلم، ذكر ما كان يتخوف صلى الله تعالى عليه وسلم على أمته جدال المنافق، ر: ۸۱، صـ۵۹، ٦٠.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم ...إلخ، صـ١١٩٤.

شرک کی حقیقت، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام سعد الدّين التفتازاني رحمه الله تعالى: "الإشرَاكُ هو إثباتُ الشَّرِيك في الألُوهِيّة، بمعنى وُجُوبِ الوُجُود كَمَا للمَجوس، أو بمعنى استِحْقاق العبادة كما لِعبَدةِ الأصنام"[1] "امام سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "شرک کے معنی ہیں: اُلوہیت (خدائی) میں دوسرے کو شریک کرنا، یعنی غیرِ خدا کو واجبُ الوجود (لازم الوجود)، یا مستحقِ عبادت جاننا"۔

حضرت شیخ عبد الحق محدّثِ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "بالجملہ شرک بر سہ قسم است: (۱) در وجود، (۲) ودر خالقیت، (۳) ودر عبادت"[2]۔ "شرک تین ۳ طرح کا ہے: (۱) ایک یہ کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو واجب الوجود (لازم الوجود) ٹھہرائے۔ (۲) دوسرا یہ کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو حقیقۃً خالق جانے۔ (۳) تیسرا یہ کہ غیر اللہ کی عبادت کرے، یا اللہ تعالی کے سوا کسی کو عبادت کے لائق جانے"۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالی سب کچھ دے سکتا ہے، مگر اُلوہیت نہیں دے سکتا، یعنی کسی کو خدا نہیں بنا سکتا؛ کیونکہ اُلوہیت مستقل ہے، اور عطائی چیز مستقل نہیں ہو سکتی۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالی نے کسی کو صفتِ اُلوہیت عطا فرمائی، وہ مشرک اور ملحِد ہے۔ مشرک اور مؤمن کے مابین یہ واضح فرق ہے، کہ مشرکین غیر اللہ کے لیے اُلوہیت (خدائی) کے قائل ہیں، جبکہ اہلِ ایمان کسی مقرّب سے مقرّب ترین، حتی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حق میں بھی، اُلوہیت کے قائل ہرگز ہرگز نہیں۔

جو لوگ اللہ تعالی کے سوا کسی اَور کو پوجتے ہیں، یا اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق سمجھتے ہیں، یا اللہ عزّ وجلّ کی خدائی میں کسی کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہ مشرک ہیں، جیسے ہندو لوگ بتوں اور مورتیوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اور بتوں کو خدا کی خدائی میں شریک سمجھتے ہیں، لہذا وہ لوگ مشرِک ہیں۔

---

(۱) "شرح العقائد النَّسَفية" مبحث الأفعال كلّها بخلق الله تعالى، صـ۷۸.

(۲) "أشِعَة اللمعات" كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل ۱، ۱/ ۷۸، ۷۹.

نیز جس طرح کسی مشرک کو مسلمان نہیں کہہ سکتے، اسی طرح کسی مسلمان کو مشرک نہیں کہہ سکتے، مسلمان کو مشرک وبدعتی کہنا گمراہی وبدّ دینی ہے۔ کچھ لوگ انبیاء اور اولیاء کی شان میں گستاخیاں کر کے سمجھتے ہیں، کہ ہم نے توحید کا حق ادا کر دیا، حالانکہ وہ تو ان بزرگوں کی بارگاہ میں گستاخیاں کر کے، اور لوگوں شرک وکفر کے فتوے لگا لگا کر، پہلے ہی رب تعالی کی ناراضگی مول لے چکے ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں ایسی خود ساختہ شیطانی توحید سے اپنی پناہ میں رکھے! اور اُس توحید پر ہمیں کاربند رکھے، جو اللہ کے حبیب ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے ہمیں تعلیم فرمائی ہے!۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، علاّمہ محمد یحیی انصاری اشرفی کا رسالہ (۱) "حقیقتِ شرک"[۱]، (۲) حضرت علاّمہ محمد نعیم اللہ خاں قادری کا رسالہ (۳) "شرک کی حقیقت"[۲]، حضرت علاّمہ غلام مرتضی ساقی مجدّدی کا رسالہ (۴) "شرک کیا ہے؟ اور مشرک کون؟"[۳] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

(۱) مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور۔

(۲) مطبوعہ مکتبہ فیضان عطار، گوجرانوالہ۔

(۳) مطبوعہ اویسی بک اسٹال، گوجرانوالہ۔

(۴) ایمان اور کفر کا بیان

ایمان اسے کہتے ہیں کہ سچے دل سے ان سب باتوں کی تصدیق کرے جو ضروریاتِ دین ہیں۔ اور کسی ایک بھی ضروریٔ دینی کے انکار کو کفر کہتے ہیں، اگرچہ باقی ضروریات کی تصدیق کرتا ہو۔

ضروریاتِ دین وہ دینی مسائل ہیں جنہیں ہر خاص وعام جانتا ہو، جیسے اللہ عزّوجلّ کی وَحدانیت، انبیاء کی نبوّت، جنّت ونار کا وجود، اور حشر ونشر وغیرہ[۱]، مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم آخری نبی ہیں، حضور صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا[۲]۔

عوام سے مراد وہ مسلمان ہیں، جو طبقۂ علماء میں شمار نہ کیے جاتے ہوں، مگر علماء کی صحبت سے شرفیاب ہوں، اور مسائلِ شرعیہ سے ذَوق رکھتے ہوں[۳]، نہ کہ وہ جو کوردِہ[۴] اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں، جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے؛ کیونکہ ایسے لوگوں کا ضروریاتِ دین سے ناواقف ہونا، اس ضروری (دینی) کو غیر ضروری نہیں کر دے گا۔ البتہ ایسے لوگوں کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے، کہ ضروریاتِ دین کے منکِر نہ ہوں، اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے، ان سب پر اِجمالاً ایمان لائے ہوں[۵]۔

---

(۱) "المسامَرة والمسايَرة" الكلام في متعلق الإيمان، صـ۳۳۰.

(۲) "الهندية" كتاب السير، الباب في أحكام المرتدين، ۲/ ۲٦۳.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الوضوء، ۱/۱۸۱۔

(۴) چھوٹا گاؤں، غیر معروف گاؤں، جاہلوں کی بستی۔

(۵) "بہارِ شریعت" ایمان وکفر کا بیان، ج۱، حصہ۱، ص۱۷۲، ۱۷۳۔

عقیدہ(۱): اصلِ ایمان صرف تصدیق (ماننے) کا نام ہے[1]، اعمالِ بدن تو اصلاً ایمان کا جزء نہیں[2]۔

رہااِقرار، تواِس میں یہ تفصیل ہے، کہ اگر تصدیق کے بعد اسے اظہار کا موقع نہ ملا، توعند اللہ (اللہ کے نزدیک) مؤمن ہے، اور اگر موقع ملا اور اُس سے مطالبہ کیا گیا، اور اِقرار نہ کیا تو کافر ہے، اور اگر مطالبہ نہ کیا گیا تو اَحکامِ دنیا میں کافر سمجھا جائے گا، نہ اُس کے جنازے کی نماز پڑھیں گے، نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، مگر عند اللہ مؤمن ہے، اگر کوئی امر خلافِ اسلام ظاہر نہ کیا ہو[3]۔

عقیدہ(۲): مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے، کہ زبان سے کسی ایسی چیز کا انکار نہ کرے، جو ضروریاتِ دین سے ہے، اگرچہ باقی باتوں کا اِقرار کرتا ہو، اگرچہ وہ یہ کہے کہ صرف زبان سے انکار ہے، دل میں انکار نہیں[4]؛ کیونکہ بلااِکراہِ شرعی (بغیر شرعی مجبوری کے) مسلمان، کلمۂ کفر صادر نہیں کر سکتا، وہی شخص ایسی بات منہ پر لائے گا، جس کے دل میں ایمان کی اتنی ہی وقعت ہے، کہ جب چاہا اِنکار کر دیا۔ اور ایمان تو ایسی تصدیق ہے جس کے خلاف کی اصلاً گنجائش نہیں[5]۔

عقیدہ(۳): جس چیز کی حِلّت، نصِ قطعی سے ثابت ہو (یعنی جس چیز کا حلال ہونا ایسی صریح، واضح اور یقینی دلیل سے ثابت ہو، جس میں تاویل وتوجیہ کی کوئی گنجائش نہیں) اُسے حرام کہنا، اور جس چیز

---

(۱) "المسامَرة والمسايَرة" الإيمان، صـ۳۲۸، ۳۲۹.

(۲) "شرح العقائد النَّسَفية" مبحث الإيمان، صـ۱۲۰- ۱۲٤.

(۳) "شرح العقائد النَّسَفية" مع شرحه "النِّبراس" صـ۲٥۰.

(٤) "المسامَرة" صـ۳۳۷- ۳٥۷.

(٥) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ۱۲۱.

کی حُرمت (حرام ہونا) یقینی ہو، اسے حلال بتانا کفر ہے، جبکہ یہ حکم ضروریاتِ دین سے ہو، یا انکار کرنے والا اس حکمِ قطعی سے آگاہ ہو[1]۔

عقیدہ(۴): شرک کے معنی ہیں: "غیرِ خدا کو واجبُ الوجود (لازمُ الوجود)، یا مستحقِ عبادت ماننا، یعنی اُلوہیت (خدائی) میں دوسرے کو شریک کرنا[2]، یہ کفر کی سب سے بدترین قسم ہے۔

اس کے سِوا کوئی بھی بات، اگرچہ کیسی ہی شدید کفر ہو، حقیقۃً شرک نہیں، ولہٰذا شریعتِ مطہّرہ نے اہلِ کتاب کفّار کے اَحکام، مشرکین کے اَحکام سے جُدا فرمائے ہیں، کتابی کا ذبیحہ حلال، مشرک کا مُردار، کتابیہ سے نکاح ہو سکتا ہے، مشرکہ سے نہیں ہو سکتا۔

فرمایا: ﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ٘ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾[3] "آج تمھارے لیے پاک چیزیں حلال ہوئیں، اور کتابیوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے، اور تمھارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے، اور تمھارے لیے حلال ہیں مسلمان پارسا عورتیں، اور اہلِ کتاب میں سے پارسا عورتیں"۔

عقیدہ(۵): کبیرہ گناہ کا مرتکِب بھی مسلمان ہے[4] اور جنّت میں جائے گا، چاہے اللہ عَزَّوَجَلَّ محض اپنے فضل سے اس کی مغفرت فرما دے، یا حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شَفاعت کے بعد، یا اپنے کیے کی کچھ سزا پاکر، اُس کے بعد کبھی جنّت سے نہ نکلے گا[5]۔

---

(۱) "منح الروض الأزهر" استحلال المعصية، صـ۱۵۲.

(۲) "شرح العقائد النَّسَفية" مبحث الأفعال كلّها بخلق الله تعالى، صـ۷۸.

(۳) پ۶، المائدة: ۵. وانظر: "تفسير الخازن" المائدة: ۵، ج۱، ص ۴۶۷، ۴۶۸.

(۴) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ۲۲۱.

(۵) المرجع نفسه، صـ۱۱۷، ۲۲۱.

مسئلہ: جو کسی کافر کے لیے اُس کے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے، یا کسی مردہ مُرتَد کو مرحوم یا مغفور کہے، یا کسی مُردہ ہندو کو بیکنٹھ باشی (جنّتی) کہے، وہ خود کافر ہے[1]۔

رئیس المتکلّمین حضرت علاّمہ نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ "أحسنُ الوِعاء لآداب الدُّعاء" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جو کافر مرا (والعیاذ باللہ تعالی) اس کے لیے دعائے مغفرت حرام ہے، قال الله عزّوجلّ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾[2] "نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں، کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں، اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں، جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ (یعنی چچا) کی بخشش چاہنا، وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدے کے سبب، جو اُس سے کر چکا تھا، پھر جب ابراہیم کو کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو اس سے تعلق توڑ لیا، بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والا متحمل ہے"۔

وقد ثبتَ في الصّحيحَين[3] أنّ سببَ نزول هذه الآية قولُه ﷺ لأبي طالب: «لأستغفرنَّ لك ما لم أُنْهَ عنك». علاّمہ شِہاب الدّین قرافی مالکی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں، کہ کفّار کے لیے

---

(۱) "بہار شریعت" حصہ۱، ج۱، ص۱۸۵۔

(۲) پ۱۱، التوبة: ۱۱۳، ۱۱٤.

(۳) أي: في "صحيح البخاري" كتاب تفسير القرآن، باب قوله: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ ر: ٤٦٧٥ صـ٨٠٢، ٨٠٣. و"صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب الدليل على صحة إسلام ...إلخ، ر: ١٣٢، صـ٣٣، ٣٤.

دعائے مغفرت کفر ہے، کیونکہ آیۂ کریمہ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَكَ بِهٖ﴾[1] میں (معاذاللہ) کذبِ قولِ الٰہی چاہتاہے"[2]۔

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس بات کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "اگر کفّار کی مغفرت، اور ان کا دوزخ سے نَجات پانا، شرعًا جائز مانتا ہے، تو بے شک مُنکِرِ نصوصِ قاطعہ ہے، یعنی آیاتِ قرآن کا انکاری ہے۔ اور اگر کفّار کا نجات پانا جائز نہ مان کر، اُن کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے، تب بھی ایسا کرنا کم از کم حرام وناجائز تو ہے ہی؛ کیونکہ اس سے آیاتِ قرآن کا انکار لازم آتا ہے، بلکہ عند التفتیش اسے دو۲ سخت آفتوں کا سامنا ہے: شرعًا ناممکن مان کر اب جو کفّار کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے تو (۱) آیا واقعی وُقوع چاہتا ہے؟ (یعنی واقعی کفّار کی مغفرت چاہتا ہے؟) (۲) یا یونہی لفظِ بے معنی بک رہا ہے؟ اوّل صورت میں حق سبحانہ وتعالی سے اُس کی خبر کی تکذیب چاہنا (یعنی وہ یہ چاہتا ہے، کہ اللہ تعالی خود اپنی ہی بات کا اُلٹ کرے)۔ اور صورتِ دُوم ۲ عبث واستہزاء (یعنی فضول ومسخرہ پن) ہے، اور مذکورہ دونوں صورتوں کا پہلو (معاذاللہ) جانبِ کفر جھکتا ہے۔ بہر حال صورتِ سابقہ (اوّل) یقینًا کفر، اور ثانی اشدّ حرام سخت کبیرہ ہے، جس سے توبہ وتجدیدِ اسلام ونکاح لازم ہے"[3]۔

عقیدہ(۶): مسلمان کو مسلمان، اور کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اگرچہ کسی خاص شخص کی نسبت یہ یقین نہیں کیا جاسکتا، کہ اس کا خاتمہ ایمان، یا (معاذاللہ) کفر پر ہوا، تاوقتیکہ اس کے

---

(۱) پ٥، النساء: ١١٦.

(۲) "الحلبة" مطلب صفة الصّلاة، ٢/ ١٩٠، ١٩١.

(۳) "احسن الوِعاء لآداب الدعاء" مع شرح "ذیل المدّعا لاحسن الوِعاء" فصل ۷، فائدہ جلیلہ، ص۱۰۰-۱۰۲، بالتصرّف.
و"جدّ الممتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل، ٢/ ٤٦٠، ٤٦١.

خاتمے کا حال، دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو۔ مگر اس مطلب یہ نہیں کہ جس شخص نے قطعًا کفر کیا ہو، اس کے کُفر میں شک کیا جائے؛ کیونکہ قطعی کافر کے کفر میں شک کرنا بھی آدمی کو کافر بنا دیتا ہے[۱]۔

خاتمہ پر بنیاد روزِ قیامت، اور ظاہر پر مدارِ حکمِ شریعت ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ کوئی کافر، مثلاً یہودی یا نصرانی یا بُت پرست مر گیا، تو یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کفر پر مرا، مگر ہم کو اللہ ورسول کا حکم یہی ہے کہ اُسے کافر ہی جانیں۔ اس کی زندگی میں اور مَوت کے بعد، تمام وہی مُعاملات اس کے ساتھ کریں جو کافروں کے لیے ہیں، مثلاً میل جول، شادی بیاہ، نمازِ جنازہ، کفن دفن۔

جب اس نے کفر کیا تو فرض ہے، کہ ہم اسے کافر ہی جانیں، اور خاتمے کا حال علمِ الٰہی پر چھوڑیں۔ جس طرح جو ظاہراً مسلمان ہو، اور اُس سے کوئی قول وفعل خلافِ ایمان واقع نہ ہو، تو فرض ہے کہ ہم اسے مسلمان ہی مانیں، اگرچہ ہمیں اس کے خاتمے کا بھی حال معلوم نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ "میاں! جتنی دیر اسے کافر کہوگے، اتنی دیر اللہ اللہ کرو؛ کیونکہ یہ ثواب کی بات ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کب کہتے ہیں کہ کافر کافر کا وظیفہ کرلو ...؟! مقصود یہ ہے کہ اُسے کافر جانو، اور پوچھا جائے تو قطعًا کافر کہو، نہ یہ کہ صلحِ کُلّی بن کر اس کے کُفر پر پردہ ڈالو۔

تنبیہِ ضروری

حدیث پاک میں آتا ہے: «ستَفترِقُ أمّتِي ثلاثاً وسبعِينَ فِرقةً، كلُّهم في النّارِ إلّا واحدةً» "یہ امّت تہتّر ۷۳ فرقے ہوجائے گی، ایک فرقہ جنّتی ہوگا، باقی سب جہنمی"، صحابہ نے عرض کی: مَن هُم يَا رَسُولَ الله؟ "وہ ناجی (جہنم سے نَجات پانے والا) فرقہ کون ہے یارسول اللہ؟" فرمایا: «ما أنا عليهِ وأصحَابِي»[۲] "وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں" یعنی سنّت کے پیروکار۔

---

(۱) "الشفا" القسم ٤، الباب ٣، فصل في تحقيق القول في إكفار المتأولين، الجزء ٢، صـ١٦٩، ١٧٠.

(۲) "سنن الترمذي" كتاب الإيمان، باب ما جاء في افتراق ...إلخ، ر: ٢٦٥٠، ٤/ ٢٩٢.
و"سنن ابن ماجه" كتاب الفتن، باب افتراق الأمم، ر: ٣٩٩٣، ٤/ ٣٥٣.

دوسری روایت میں ہے، فرمایا: «هُم الجَمَاعَةُ»[1] "وہ جماعت ہے" یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ ہے۔ جسے سوادِ اعظم فرمایا، اور فرمایا کہ جو اس سے الگ ہوا، جہنم میں گیا[2]۔ اسی لیے اس ناجی جماعت کا نام "اہلِ سنّت وجماعت" ہوا۔ اُن گمراہ فرقوں میں بہت سے پیدا ہو کر ختم ہو گئے۔

کفر کی اَقسام

کلماتِ کفریّہ دو۲ قسم کے ہیں: (۱) لُزومِ کفر، (۲) اِلتزامِ کفر۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: **کفرِ التزامی** یہ ہے کہ "ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا صراحۃً خلاف کرے"۔ یہ قطعاً اِجماعاً کفر ہے، اگرچہ نامِ کفر سے چڑے، اور کمالِ اسلام کا دعوٰی کرے۔ کفرِ التزامی کے صرف یہی معنی نہیں، کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اِقرار کرتا ہو، جیسا کہ بعض جُہّال سمجھتے ہیں، یہ اِقرار تو بہت طوائفِ کفّار (کفّار کے فرقوں) میں بھی نہیں پایا جائے گا! ہم نے دیکھا ہے کہ بہت سے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں۔ بلکہ کفرِ التزامی کے یہ معنی ہیں کہ "جو انکار اس سے صادر ہوا، یا جس بات کا اس نے دعوٰی کیا، وہ بعینہٖ کفر و مخالفِ ضروریاتِ دین ہو"[3]۔

اور **کفرِ لُزومی** یہ ہے کہ "جو بات اس نے کہی، وہ عینِ کفر تو نہیں، مگر منجر بکفر (یعنی کفر کی طرف لے جانی والی) ہوتی ہے" یعنی مآلِ سخن (بات کے نتیجہ) ولازمِ حکم کو، ترتیبِ مقدّمات وتتمیمِ تقریبات کرتے چلیے، تو انجامِ کار، اس سے کسی ضروریِ دین کا انکار لازم آئے۔

جیسے روافض (شیعہ) کا خلافتِ حقّہ راشدہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر، وامیر المؤمنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما سے انکار کرنا، جو کہ تضلیلِ (گمراہی) جمیع صحابہ - رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین - کی طرف مؤدّی (یعنی لے جانے والا) ہے، اور وہ قطعاً کفر ہے۔ مگر انہوں نے

---

(۱) "السنّة" لابن أبي عاصم، باب فيما أخبر به النبيُّ صلى الله عليه وسلم أنّ أمته ...إلخ، ر: ٦٣، صـ٢٢.

(۲) "سنن الترمذي" كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ر: ٢١٧٣، ٤/ ٦٨.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الردّ والمناظرۃ، رسالہ "سبحان السُّبوح عن عیبِ کذبٍ مقبوح" ج۲۰، ص۱۷۲، بالتصرّف۔

صراحۃً اس لازم کا اِقرار نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے ہیں [بچتے ہیں]، اور بعض صحابہ یعنی حضراتِ اہلِ بیتِ عِظام وغیرہم چند اکابر کرام -علی مولاهم وعليهم الصّلاة والسّلام- کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے ہیں، اور خلافتِ صدیقی وفاروقی پر ان کے توافُقِ باطنی سے انکار رکھتے ہیں۔

اس قسم کے کفر میں علمائے اہلِ سنّت مختلف ہو گئے، جنہوں نے مآلِ مقال (بات کا انجام) ولازمِ سخن کی طرف نظر کی، حکمِ کفر فرمایا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں، بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے[1]۔

صدر الشریعہ حضرت علّامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، کہ اقوالِ کفریّہ دو ۲ قسم کے ہیں: (۱) ایک وہ جن میں کسی صحیح معنی کا بھی احتمال (یعنی پہلو) ہو۔ (۲) دوسرے وہ کہ ان میں کوئی ایسے معنی نہیں بنتے جو قائل کو کفر سے بچائیں۔ اس میں اوّل کو لُزومِ کفر کہا جاتا ہے، اور قسمِ دُوم کو اِلتزامِ کفر۔

لُزومِ کفر کی صورت میں بھی فقہائے کرام نے حکمِ کفر دیا، مگر متکلّمین (یعنی علمِ عقائد کے ماہر علماء) اس سے سُکوت کرتے ہیں (یعنی خاموشی اختیار فرماتے ہیں)، اور فرماتے ہیں کہ جب تک اِلتزام کی صورت نہ ہو، قائل کو کافر کہنے سے سُکوت کیا جائے گا، اور احوَط (یعنی زیادہ احتیاط) یہی مذہبِ متکلّمین ہے[2]۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ، کہ سچے دل سے ان تمام باتوں کی تصدیق کرنا، جو ضروریاتِ دین سے ہیں، اسے ایمان کہتے ہیں۔ یا یوں سمجھیے کہ جو حکم یا خبر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب تعالی کے پاس سے لائے، ان سب کو حق جاننا، سچے دل سے ماننا، اور ان پر اس طرح یقین رکھنا، کہ ذرّہ برابر اس میں شک نہ رہے، یہ ایمان کہلاتا ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک بات کو بھی نہ ماننا، یا انکار کرنا کفر ہے، اگرچہ ایسا شخص باقی تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق بھی کرتا ہو۔

---

(۱) ایضًا۔

(۲) "فتاوی امجدیہ" "کتاب السیر، ج۴، ص ۵۱۲، ۵۱۳، بالتصرّف۔

ضروریاتِ دین وہ مسائلِ دین ہیں، جنہیں ہر خاص وعام جانتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی وَحدانیت، انبیاء کی نبوّت، جنّت ودوزخ کا وجود، اور حشر ونشر وغیرہا۔ مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی آخری نبی ہیں، نبوّت حضور اقدس پر ختم ہوگئی، اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔

وہ مسلمان جو دُور دراز دیہات، جنگلوں اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں، جو کلمہ بھی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے، ان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے، کہ وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی دینی ضرورت کے انکاری نہ ہوں، اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے۔ یا بالفاظِ دیگر: اس بات پر اِجمالاً ایمان لائے ہوں، کہ اسلام سچا دین ہے، اور اس کا ہر حکم سچا، اس کی ہر بات، ہر خبر سچّی اور اس کے تمام فرمان سچے ہیں۔

مسلمان بھائی بہنیں، چھوٹے اور بڑے خُوب یاد رکھیں! کہ نَجات اس بات پر منحصر ہے، کہ ایک ایک عقیدہ اہلِ سنّت وجماعت کا ایسا پختہ ہو، کہ آسمان وزمین ٹل جائیں، مگر وہ نہ ٹلے۔ یہی دِینی تصلُّب (پختگی ومضبوطی) ہے، اور یہ تصلُّب دین میں محمود ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ہر وقت خَوف بھی لگا رہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں، کہ جسے سَلبِ ایمان (یعنی ایمان ضائع ہونے) کا خَوف نہ ہو، مَرتے وقت اُس کا ایمان سَلب ہو جائے گا[1]۔ ہر مسلمان کو اتنا تو ہونا ہی چاہیے، کہ صحت وتندرستی کے وقت خَوف غالب ہو، اور مَرتے وقت رَجاواُمید رہے، کہ وہ ربِ کریم اپنے فضلِ عمیم سے مغفرت ونَجات بخشے گا!۔

مسئلۂ تکفیر کی وضاحت

فقہائے کرام لُزومِ کفر کی بنیاد پر تکفیر کرتے ہیں، عام طور پر فتاوی میں لُزومِ کفر کی بنیاد پر حکمِ کفر جاری کیا جاتا ہے۔ مگر متکلّمین (یعنی علمِ عقائد کے ماہر علماء) التزامِ کفر کے بغیر تکفیر نہیں کرتے، ان کے

---

(١) "الزهد والرقائق" لابن المبارك، باب فضل ذكر الله ﷻ، صـ٥٤١. و"ملفوظات اعلی حضرت" حصہ ۴، ص۴۹۔

نزدیک، جب تک کسی کے قَول میں، تاویل کے ساتھ، صحتِ معنی کا اَدنی پہلو بھی موجود ہو، اس کی تکفیر سے گریز کرنا واجب ہے۔

محض عوام کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، انہیں کسی کے خلاف بھڑکا دینا، علمائے حق کا طریقہ نہیں، بلکہ یہ بدمذہبوں کا شِعار ہے۔ اہلِ سنّت وجماعت کا یہ طرۂ امتیاز ہے، کہ وہ کسی کی تکفیر میں حد درجہ محتاط رہتے ہیں، اور جب تک کفر واضح ورَوشن نہ ہوجائے، حکمِ تکفیر سے گریز کرتے ہیں۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے، اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" کے رَد میں "الكوكبة الشِّهابية في كفريات أبي الوهابية" کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا، اس میں آپ نے اسماعیل دہلوی کے ستر ۷۰ کفریات شمار فرمائے، لیکن کسی تاویل واحتمال کے باعث اس کی تکفیرِ کلامی [1] سے گریز فرمایا۔

کسی پر کفر یا گمراہی کا حکم لگانے کا، یہ معنی مراد لینا کہ "مسلمان کو کافر یا گمراہ بنا دیا" جو آج کے آزاد خیال بیان کرتے ہیں، یہ معنی سراسر غلط ہے۔ کوئی کسی کے فتوی کی بنیاد پر کافر یا گمراہ نہیں ہوتا، بلکہ اس نے ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کیا ہوتا ہے، جو اس کے اسلام سے خروج کا سبب بنتا ہے، اگر علماء اس کے بارے میں فتوی جاری نہ بھی کریں، تب بھی وہ اپنے اس کفریہ عقیدے کی بنیاد پر، خود بخود دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ حضرات جنھوں نے اِفتاء کی باقاعدہ تربیت نہیں لی، یا وہ جو باقاعدہ عالم دین نہیں، ان حضرات کو کسی بھی قسم کا فتوی دینا جائز نہیں، خاص طَور پر کفر کے فتوے جاری کرنے کی شرعًا ہرگز اجازت نہیں؛ کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں۔

---

(۱) امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اسماعیل دہلوی کو بر مذہبِ فقہاء کافر مانتے اور کافر کہتے ہیں، اس میں آپ کو کوئی شک وشبہ نہیں، اور علّامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے بھی اسماعیل دہلوی کی یہی تکفیرِ فقہی کی ہے، لہذا دونوں حضرات اس بارے میں ایک ساتھ ہیں۔ [حضرت مفتی نظام الدین صاحب رضوی]

تنبیہِ ضروری

یہ کہنا کہ "اگر کسی کے کلام میں، ننانوے ۹۹ باتیں کفر کی، اور ایک بات اسلام کی ہو تو" ...الخ، اس بارے میں امام اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اس فرقۂ بے دین کا مکر سوم ۳ یہ ہے، کہ "فقہ میں لکھا ہے: جس میں ننانوے ۹۹ باتیں کفر کی ہوں، اور ایک بات اسلام کی، تو اس کو کافر نہ کہنا چاہیے"۔

اوّلاً: یہ مکرِ خبیث سب مکروں سے بدتر وضعیف ہے، جس کا حاصل یہ ہے، کہ جو شخص دن میں ایک بار اذان دے، یا دو ۲ رکعت نماز پڑھ لے، اور ننانوے ۹۹ بار بُت پُوجے، سنکھ پُھونکے، گھنٹی بجائے، وہ مسلمان ہے!؛ کیونکہ اس میں ننانوے ۹۹ باتیں کفر کی ہیں، تو ایک اسلام کی بھی ہے، یہی کافی ہے!۔ حالانکہ مؤمن تو مؤمن، کوئی بھی عاقل اسے مسلمان نہیں کہہ سکتا!۔

ثانیاً: اس کی رُو سے سِوا دہریے کے (جو سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکِر ہو) تمام کافر، مشرک، مجوس، ہندو، نصاریٰ، یہود وغیرہم، دنیا بھر کے کفّار سب کے سب مسلمان ٹھہر جاتے ہیں؛ کیونکہ اَور باتوں کے منکِر سہی، آخر وجودِ خدا کے تو قائل ہیں!۔ ایک یہی بات سب سے بڑھ کر اسلام کی بات ہے، بلکہ تمام اسلامی باتوں کی اصل الاصول ہے، خصوصاً کفّار فلاسفہ وآریہ وغیرہم، جو کہ بزعمِ خود توحید کے بھی قائل ہیں، اور یہود ونصاریٰ تو بڑے بھاری مسلمان ٹھہریں گے؛ کیونکہ یہ تو توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کے بہت سے کلاموں، اور ہزاروں نبیوں، اور قیامت وحشر وحساب، وثواب وعذاب، وجنّت ونار وغیرہ، بکثرت اسلامی باتوں کے بھی قائل ہیں۔

ثالثاً: اس کے رد میں قرآنِ عظیم کی وہ آیتیں، جو اوپر گزریں کافی ووافی ہیں، جن میں باوصفِ کلمہ گوئی ونماز خوانی، صرف ایک ایک بات پر حکمِ تکفیر فرما دیا، کہیں ارشاد ہوا: ﴿ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ﴾[1]

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ۷٤.

"وہ مسلمان ہو کر، اس کلمے کے سبب کافر ہو گئے"۔ کہیں فرمایا: ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾[1] "بہانے نہ بناؤ! تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد!"۔

حالانکہ اس مکرِ خبیث کی بناء پر، جب تک ۹۹ سے زیادہ کفر کی باتیں جمع نہ ہو جاتیں، صرف ایک کلمہ پر حکمِ کفر صحیح نہ تھا۔ ہاں شاید اس کا یہ جواب دیں، کہ خدا کی غلطی یا جلد بازی تھی، کہ اس نے دائرۂ اسلام کو تنگ کر دیا، کلمہ گویوں، اہلِ قبلہ کو دھکے دے دے کر، صرف ایک ایک لفظ پر اسلام سے باہر نکالا، اور پھر زبردستی یہ کہ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا﴾ عذر بھی نہ کرنے دیا، نہ عذر سننے کا قصد کیا!!۔

کلام الٰہی میں فرض کیجیے کہ اگر ہزار باتیں ہوں، تو ان میں سے ہر ایک بات کا ماننا، ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص ۹۹۹ مانے اور صرف ایک نہ مانے، تو قرآن عظیم فرما رہا ہے، کہ وہ ان ۹۹۹ کے ماننے سے مسلمان نہیں، بلکہ صرف اس ایک کے نہ ماننے سے کافر ہے، دنیا میں اس کی رسوائی ہوگی، اور آخرت میں اس پر سخت تر عذاب ہوگا، جو اَبَدالآباد تک کبھی موقوف ہونا تو دُور! ایک آن کو ہلکا بھی نہ کیا جائے گا! نہ یہ کہ ۹۹۹ کا انکار کرے اور ایک کو مان لے تو مسلمان ٹھہرے! یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں، بلکہ بشہادتِ قرآن عظیم خود صریح کفر ہے۔

اصل بات یہ ہے، کہ فقہائے کرام پر ان لوگوں نے جیتا اِفتراء (کھلا جھوٹ) اٹھایا، انہوں نے ہرگز کہیں ایسا نہیں فرمایا، بلکہ ان گمراہوں نے بہ خصلتِ یہود ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾[2] "یہودی بات کو اس کے ٹھکانوں سے پھیرتے ہیں"، تحریف وتبدیل کر کے کچھ کا کچھ بنا لیا!۔

فقہاء نے یہ نہیں فرمایا، کہ جس شخص میں ننانوے ۹۹ باتیں کفر کی، اور ایک بات اسلام کی ہو، وہ مسلمان ہے۔ حاشا للہ! بلکہ امّت کا اِجماع ہے، کہ جس میں ننانوے ۹۹ ہزار باتیں اسلام کی، اور ایک بات کفر کی ہو، وہ

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ٦٦.

(۲) پ٥، النساء: ٤٦.

یقیناً قطعاً کافر ہے۔ ۹۹ قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب کی پڑ جائے، سب پیشاب ہو جائے گا۔ مگر یہ جاہل کہتے ہیں، کہ ننانوے ۹۹ قطرے پیشاب میں، ایک بوند گلاب کا ڈال دو، سب طیّب وطاہر ہو جائے گا۔

حاشا! کہ فقہاء تو فقہاء، کوئی ادنٰی تمیز والا بھی ایسی جہالت بکے! بلکہ فقہائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ "جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو، جس میں سو ۱۰۰ پہلو نکل سکیں، ان میں ۹۹ پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں، اور ایک پہلو اسلام کی طرف، تو جب تک ثابت نہ ہو جائے، کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہے، ہم اسے کافر نہ کہیں گے؛ کیونکہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے! کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو!"۔ اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ "اگر واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوئے کفر ہے، تو ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا، وہ عند اللہ کافر ہی ہوگا"[1]۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام ابن حجر مکّی ہیتمی رحمہ اللہ کی کتاب "الإعلام بقواطع الإسلام"[2] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب العقائد والکلام، رسالہ "تمہید ایمان بآیات قرآن" ۱۸/۳۱۱، ۳۱۲، ملتقطاً وبتصرّف۔

(۲) مطبوعة من مكتبة الحقيقية، إستانبول.

(۵) آیاتِ متشابہات کاحکم

آیاتِ متشابہات کے بارے میں، اللہ تعالی قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[۱] "وہی ہے جس نے تم پر کتاب اُتاری، اس کی کچھ آیات صاف معنی رکھتی ہیں، وہ کتاب کی اصل ہیں، اور دوسری وہ آیات جن کے معنی میں اِشتباہ ہے، وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اِشتباہ والی آیات کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کے لیے، اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ تعالی ہی کو معلوم ہے، اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے! سب ہمارے رب تعالی کے پاس سے ہے، اور نصیحت تو عقل والے ہی مانتے ہیں!۔

مسائل واَحکام تین ۳ قسم کے ہیں:

(۱) ایک ضروریاتِ دین[۲] (وہ مسائلِ دین جنہیں ہر خاص وعام مسلمان جانتا ہو)، اُن کا انکار کرنے والا، بلکہ اُن میں ادنٰی شک کرنے والا بالیقین کافر ہے، ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

(۲) دُوم ضروریاتِ مذہب اہلِ سنّت[۳]۔ ان کا انکاری بدمذہب گمراہ ہے۔

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۷.

(۲) "ان کا ثبوت قرآنِ عظیم، یا حدیثِ متواتر، یا اِجماع قطعیات الدلالات، واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے، جن میں نہ شبہ کی گنجائش ہے، نہ تاویل کو راہ"۔["فتاوی رضویہ" کتاب العقائد والکلام، جلد۱۸ص۲۵۸]

(۳) "ان کا ثبوت بھی دلیلِ قطعی سے ہوتا ہے، مگر ان کے قطعیُ الثبوت ہونے میں ایک نوع شبہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے"۔["فتاوی رضویہ" کتاب العقائد والکلام، جلد۱۸ص۲۵۸]

(۳) سوم وہ مسائل جو علمائے اہلِ سنّت میں مختلَف فیہ (اختلافی) ہوں، اُن میں کسی طرف تکفیر وتضلیل (گمراہی کی نسبت) ممکن نہیں۔ یہ اَور بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال سے کسی قول کو راجح جانے، چاہے تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجّح نظر آیا، چاہے تقلید سے، کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء، یا اپنے معتمَد علیہم کا قول پایا۔ کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں پائی جاتی ہیں۔

مثلاً اللہ عزّوجلّ کے لیے "ید و عین" (ہاتھ وآنکھ) کا مسئلہ، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾[1] "ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔ نیز فرمایا: ﴿ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴾[2] "اور اس لیے کہ تُو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو"۔

"ید" کہتے ہیں ہاتھ کو، "عین" کہتے ہیں آنکھ کو۔ اب جو یہ کہے کہ "جیسے ہمارے ہاتھ اور آنکھ ہیں، ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزّوجلّ کے لیے بھی ہیں"، وہ قطعًا کافر ہے۔ اللہ عزّوجلّ کا ایسے "ید و عین" سے پاک ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔

اور جو یہ کہے کہ "اس کے "ید و عین" بھی ہیں تو جسم ہی، مگر مثلِ اَجسام کے نہیں، بلکہ وہ مُشابہتِ اَجسام سے پاک ومنزَّہ ہیں"، وہ گمراہ بددین ہے؛ کیونکہ اللہ عزّوجلّ کا جسم وجسمانیات سے مطلقًا پاک ومنزَّہ ہونا، ضروریاتِ عقائدِ اہلِ سنّت وجماعت میں سے ہے۔

اور جو یہ کہے کہ "اللہ عزّوجلّ کے لیے "ید وعین" ہیں، مگر وہ مطلقًا جسمیّت سے بَری ومبرّا ہیں، وہ اللہ تعالی کی صفاتِ قدیمہ ہیں، جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے، نہ اُن میں تاویل کریں"، ایسا شخص قطعًا مسلم سُنّی صحیح العقیدہ ہے، اگرچہ یہ عدمِ تاویل کا مسئلہ اہلِ سنّت میں اختلافی مسئلہ ہے، متاخرین نے اس میں تاویل اختیار کی۔ پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے؛ کیونکہ وہ اِجراء علی الظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں، جس کا

---

(۱) پ۲٦، الفتح: ۱۰.

(۲) پ۱٦، طه: ۳۹.

حاصل صرف اتنا ہے کہ ﴿اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾(۱) "ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے ربّ تعالی کے پاس سے ہے"(۲)۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید اُتارا ہے ہدایت فرمانے، اور بندوں کو جانچنے آزمانے کو، ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾(۳) "اسی قرآن سے بہتوں کوگمراہ فرمائے،اور بہتیروں کوراہ دکھائے"۔

اس ہدایت وضلالت کابڑامنشا،قرآن عظیم کی آیتوں کادو۲قسم ہوناہے:

(۱) آیات محکمات، جن کے معنی صاف بے دِقّت ہیں، جیسے اللہ تعالی کی پاکی وبے نیازی وبے مثالی کی آیتیں۔

(۲) دوسری آیات متشابہات،جن کے معنی میں اِشکال ہے،یاتوظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا، جیسے حروفِ مقطعات ﴿الٓمّٓ﴾ وغیرہ۔یا جوکچھ سمجھ میں آتاہے،وہ اللہ عزّوجلّ پر مُحال (ناممکن)ہے،جیسے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾(٤) "وہ بڑامہربان،اس نے عرش پراِستواء فرمایا"۔ یا ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾(٥) "پھراس نے عرش پراِستواء فرمایا"۔

پھر جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھاپن)وگمراہی تھی،وہ توان کواپنی طرح کاپا کر،ان کے ذریعہ سے بے علموں کوبہکانے،اور دین میں فتنے پھیلانے لگے کہ "دیکھوقرآن میں آیاہے کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے!عرش پرچڑھاہواہے!عرش پرٹھہرگیاہے!"،اور آیاتِ محکمات جوکتاب کی اصل جڑتھیں،اُن کے ارشاددل سے بُھلادیے،حالانکہ قرآنِ عظیم میں تواِستواء آیاہے،اوراس کے معنی چڑھنا،بیٹھنا،ٹھہرنا،کچھ

---

(١) پ٣، آل عمران: ٧.

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب العقائدوالکلام،رسالہ "رماح القہّار علی کفرالکفّار"، ۵۵۱/۱۸،بتصرّف۔

(٣) پ١، البقرة: ٢٦.

(٤) پ١٦، طه: ٥.

(٥) پ٨، الأعراف: ٥٤.

ضروری نہیں، یہ تو تمھاری اپنی سمجھ ہے، جس کا حکم خدا پر لگا رہے ہو ﴿مَّآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾[۱] "اللہ تعالی نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری"۔

اگر بالفرض قرآن مجید میں یہی الفاظ چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا آتے، تب بھی قرآن ہی کے حکم کے مطابق فرضِ قطعی تھا، کہ انہیں ان ظاہری معنی پر نہ سمجھو! جو اِن لفظوں سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں؛ کیونکہ یہ کام تو اَجسام کے ہیں، اور اللہ تعالی جسم نہیں۔ مگر یہ لوگ اپنی گمراہی سے اسی معنی پر جم گئے، انہیں کے لیے قرآن مجید نے فرمایا: ﴿الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ﴾[۲] "ان کے دل پھرے ہوئے ہیں"۔

جو لوگ علم میں پکّے ہیں، اور اپنے ربّ کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے، وہ سمجھ گئے کہ آیاتِ محکمات سے قطعًا ثابت ہے، کہ اللہ تعالی مکان وجہت وجسم واَعراض سے پاک ہے، بیٹھنے، چڑھنے سے منزَّہ ہے؛ کیونکہ یہ سب باتیں اُس بے عیب عزّوجلّ کے حق میں عیب ہیں، اور وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ان باتوں میں اللہ عزّوجلّ کے لیے اپنی مخلوق عرش کی طرف حاجت نکلے گی، اور وہ ہر محتاجی سے پاک ہے۔ ان باتوں میں مخلوقات سے مُشابہت ثابت ہوگی؛ کیونکہ اٹھنا، بیٹھنا، چڑھنا، اُترنا، سَرکنا، ٹھہرنا، اَجسام کے کام ہیں، اور اللہ تعالی ہر مُشابہتِ خَلق سے پاک ہے۔ تو قطعًا یقینًا اِن لفظوں کے ظاہری معنی، جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں، وہ ہرگز مراد نہیں، پھر آخر کیا معنی مراد لیں؟ اس میں یہ ہدایت والے لوگ دو ۲ روِش ہوگئے[۳]۔

آیاتِ متشابہات میں اہلِ سنّت کے دو ۲ مسلک ہیں:

(۱) سلف صالح کا مسلک تفویض ہے۔ یعنی ہم نہ ان کے معنی جانیں، نہ ان کے بارے میں بحث کریں، جو کچھ ان کے ظاہر سے سمجھ آتا ہے، وہ قطعًا مراد نہیں، اور جو کچھ ان کے رب عزّوجلّ کی مراد ہے، ہم اس پر

---

(۱) پ۱۲، یوسف: ٤٠.

(۲) پ۳، آل عمران: ٧.

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب الردوالمناظرہ، رسالہ "قوارع القہّار علی المجسّمۃ الفُجار" ۲۱/۴۳۹، ۴۴۰، بتصرّف۔

ایمان لاتے ہیں، ﴿اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾(۱) "ہم سب اس پر ایمان لائے! سب ہمارے رب تعالی کے پاس سے ہے"۔

(۲) دوسرا مسلک متاخرین کا ہے، کہ حفظِ دینِ عوام کے لیے معنی مُحال (ناممکن) سے پھیر کر، کسی قریب معنئ صحیح کی طرف لے جائیں، مثلاً اِستواء بمعنیِ اِستیلاء بھی آتا ہے۔ مگر یہ مسلک باطل ہے کہ "آیاتِ معیّت تو تاویل پر محمول ہیں، اور آیتِ اِستواء ظاہر پر"، یہ ہرگز مسلکِ اہلِ سنّت نہیں، عرش پر ہے، دوسری جگہ نہیں، یہ صاف تمکّن کو بتا رہا ہے۔ عرش پر (معاذ اللہ) اس کے لیے جگہ ثابت کی، جب تو اَور مکانات کی نفی کی۔ "فتاوی عالمگیریّہ" و"طریقہ محمدیّہ" و"حدیقۂ ندیّہ" و"تاتارخانیہ" و"خلاصہ" و"جامع الفصولین" و"خزانۃ المفتین" وغیرہا میں تصریح ہے، کہ رب عزّوجلّ کے لیے کسی بھی طرح، کسی بھی جگہ مکان ثابت کرنا کفر ہے(۲)۔

اسی طرح کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالی عرش پر ہے"، اور دلیل میں حدیثِ جاریہ پیش کرتے ہیں، جسے امام مالک نے "موطأ" اور امام ابوداوَد نے "سنن" اور دیگر محدّثین نے اپنی اپنی کتب میں نقل کیا، کہ حضور نبئ کریم ﷺ نے ایک باندی سے پوچھا: "اللہ کہاں ہے؟" اس نے کہا: آسمان میں ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "میں کون ہوں؟" اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں(۳)۔

"سنن ابی داوَد" کے الفاظ اس طرح ہیں: حضور نبئ کریم ﷺ نے ایک باندی سے پوچھا کہ "اللہ کہاں ہے؟" اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "میں کون ہوں؟ اس نے پہلے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کیا، پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا، یعنی آپ اللہ کے رسول ہیں(۴)۔

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۷.

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب العقائد والکلام، عقائد وکلام ودینیات کا بیان، ۱۸/۱۵۶، بتصرّف۔

(۳) "المَوطّأ" كتاب العتق والولاء، باب ما يجوز من العتق في الرقاب الواجبة، ر: ١٥١١، صـ٤٣٤.

(٤) "السنن" كتاب الأيمان والنذور، باب في الرقبة المؤمنة، ر: ٣٢٨٤، صـ٤٧٧.

ان دونوں روایتوں کے جوابات یہ ہیں کہ: (ا) مذکورہ روایت میں تعارُض ہے، یہ روایت "موطأ امام مالک" میں ان الفاظ سے بھی آئی ہے: «أ تشهدِين أن لا إلهَ إلّا الله؟» قالت: نعم. اور جب دو ۲ روایتوں کے درمیان تعارُض ہو، تو مشہور حدیث لی جاتی ہے، اور اس کے مقابل ضعیف روایت کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

(ا) دوسرا جواب یہ ہے، کہ عربی زبان میں "أين" کا لفظ مکان کی تعیین کے لیے بھی آتا ہے، اور مکانہ کے معنی میں بھی آتا ہے، یعنی بلندی ومرتبہ ومقام کے لیے[1]۔ حدیث پاک میں «أين الله؟» سے مراد اللہ تعالی کا مرتبہ ومقام ہے، نہ کہ جگہ کا سوال۔ اس کے جواب میں جاریہ نے کہا: "في السّماء".

ایک روایت میں "فأشارتْ" کے الفاظ بھی وارد ہیں؛ چونکہ وہ باندی گونگی تھی، بول نہیں سکتی تھی، لہذا اس نے آسمان کی طرف اشارہ کرکے جواب دیا۔

غیر مقلّد وہابی حضرات یہ روایت پیش کرکے کبھی کہتے ہیں کہ "اللہ تعالی عرش پر ہے"، کبھی اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ "اللہ تعالی آسمان میں ہے"۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالی عرش پر نہ ہوا؛ کیونکہ عرش تو آسمانوں سے اوپر ہے، لہذا اُن حضرات کا دعوی خود انہی کی بات سے باطل ہوگیا۔

ہمارے نزدیک یہاں ایسے انداز سے تاویل کی جائے گی، جس طرح ہم اللہ تعالی کے فرمان ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾[2] میں تاویل کرتے ہیں کہ "اللہ تعالی ذات کے اعتبار سے قریب نہیں، بلکہ اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے ہم سے قریب ہے"۔ اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ ایک مقام پر تو تاویل کو مان لیں، اور دوسرے مقام پر انکار کردیں۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالی جسم وجسمانیات (جسم کے تقاضے)، مکان ومکانیات (مکان کے تقاضے)، زمان وزمانیات (زمانے کے تقاضوں) سے پاک ہے، اور جن آیات مبارکہ میں اللہ تعالی کے لیے ہاتھ،

---

(۱) انظر: "المنتقى شرح الموَطّأ" كتاب الأيمان والنذور، باب في الرقبة المؤمنة، تحت ر: ١٤٧٢، ٨/ ٣٢٠.

(۲) پ٢٦، ق: ١٦.

چہرہ، یا قُرب وبُعد کی بات کی گئی ہے، ان آیات میں بھی تاویل کی جائے گی، یعنی دستِ جسم نہیں، بلکہ دستِ قدرت وغیرہ مانا جائے گا۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی قدرت والا ہے، جس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآنِ پاک اُتارا، قرآن کی سب آیتیں یکساں نہیں، بلکہ بعض آیات مُحکَم ہیں، جن کے مَعانی بھی صاف ہیں، اور ان کی مراد بھی واضح ہے، یہ قرآن میں اصل ہیں، جن کی طرف حلال وحرام اور اَحکامِ شرعیہ میں رجوع کیا جاتا ہے، یہی شریعت کی اصل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ آیات متشابہ ہیں، جن کے معنی واضح نہیں، اور ان کی مراد بھی ظاہر نہیں۔

کچھ لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے، جو سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں، وہ محض فتنہ پھیلانے، قرآنِ کریم کو جھٹلانے اور آیاتِ قرآنیہ میں تعارُض دکھانے کی غرض سے، نیز قرآنِ کریم کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کے لیے محکَم آیات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، حالانکہ ان متشابہات کے حقیقی معنی وصحیح مراد، اللہ ورسول کے سِوا کوئی نہیں جانتا [یا اِن کے بتائے سے جانتا ہے]۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام محدّث ابن الجوزی علیہ الرحمۃ کا رسالہ **(۱)** "دفع شُبهة التشبيه"(۱)، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مفصّل اور مدلّل رسالہ **(۲)** "قوارع القهّار على المجسِّمة الفُجّار"(۲)، شیخ محمد سعید فُودَہ کا رسالہ **(۳)** "حسن المحاجة في بيان أنّ الله تعالى لا داخل العالم ولا خارجه"(۳) کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعة من مكتبة الأزهرية للتراث.

(۲) "فتاوی رضویہ" ۲۱/ ۴۳۷تا۴۹۰، مطبوعہ "ادارہ اہلِ سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعة من دار الإمام النووي، عمان.

(٦) مسائلِ تقدیر

تقدیر کی اَقسام

قضا(تقدیر، قسمت، مقدّر، نصیب) کی تین ۳قسمیں ہیں:

مبرَمِ حقیقی: وہ جو علمِ الٰہی میں کسی شے پر معلّق نہیں۔

معلّقِ محض: وہ جس کا کسی شَے پر معلّق ہونا، فرشتوں کے صحیفوں میں ظاہر فرمادیا گیا ہو۔

معلّق شبیہ بہ مُبرم: وہ جس کا کسی شَے پر معلّق ہونا، فرشتوں کے صحائف میں مذکور نہیں، مگر علمِ الٰہی میں وہ معلّق ہے۔

وہ جو مُبرَمِ حقیقی ہے اُس کی تبدیلی ناممکن ہے، اکابر محبوبانِ خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں، توانہیں اس خیال سے واپس فرمادیا جاتا ہے، یعنی روک دیا جاتا ہے۔

وہ جو بظاہر قضائے معلّق ہے، اس تک انبیاء واولیاء کی رَسائی ہوتی ہے، اُن کی دعا سے، اُن کی ہمّت سے ٹل جاتی ہے۔

اور وہ جو متوسّط حالت میں ہے، جسے فرشتوں کے صحیفوں کے اعتبار سے مُبرَم بھی کہہ سکتے ہیں، اُس تک خواصّ اکابر کی رَسائی ہوتی ہے[1]۔

تقدیر سے متعلّق عقیدۂ اہل سنّت

عقیدہ اہلِ سنّت یہ ہے، کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے نہ خود مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ایک حالت ہے، جس کی حقیقت خدا کا ایک راز، اور ایک نہایت گہرا دریا ہے۔ اللہ عزّوجلّ کی بے شمار رحمتیں ہوں امیر المؤمنین سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر، کہ ان دونوں اُلجھنوں کو دو ۲فقروں میں صاف فرما دیا: ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا، کہ کیا مَعاصی (گناہ) بھی بے ارادۂ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے؟ فرمایا:

---

(١) "تفسير الطَبَري" سورة البقرة، تحت الآية: ١٢٤، ١/ ٧٤.

تو کیا کوئی زبردستی اُس پروردگار کی معصیت کر لے گا؟! أ فَيَعصِي قهراً؟! یعنی رب تعالی تو نہیں چاہتا تھا کہ بندے سے گناہ ہو، مگر اس نے پھر بھی کر ہی لیا، تو اس بندے کا ارادہ زبردست پڑا (معاذ اللہ)، گویا خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا، کہ وہ ڈاکوؤں، چوروں کا بہتیرا بندوبست کریں، پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گزرتے ہیں۔

حاشا! وہ ملک الملوک بادشاہِ حقیقی قادرِ مطلق ہرگز ایسا نہیں، کہ اس کے مُلک میں بے اس کے حکم کے، ایک ذرّہ بھی جنبش کر سکے۔ وہ صاحب کہتے ہیں: فكأنّما ألقمنِيْ حَجْراً[1]، مَولی علی نے یہ جواب دے کر، گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا، کہ آگے کچھ کہنے کو باقی ہی نہ رہا![2]۔

جزا وسزا کیوں ہے؟

دوسری بات کہ جزا وسزا کیوں ہے؟ اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا: ابن ابی حاتم، واصبہانی، ولالکائی، وخلعی، حضرت امام جعفر صادق سے، اور وہ اپنے والدِ ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قال: قيل لعليّ بنِ أَبِي طالِب: إنّ هاهنا رجلاً يتكلّمُ فِيْ المشِيئةِ، فقال له عليٌّ: يا عبدَ الله! خلقَكَ اللهُ لما يشاءُ أو لما شِئتَ؟ قال: بل لما يشاءُ، قال: فيُمرِضُك إذا شاء أو إذا شئتَ؟ قال: بل إذا شاءَ، قال: فيُمِيتُكَ إذا شاء أو إذا شِئتَ؟ قال: إذا شاء، قال: فيُدخِلك حَيثُ شاء أو حَيثُ شِئتَ؟ قال: بل حَيثُ يشاء، قال: والله! لو قُلتَ: غيرَ ذلِك، لضربتُ الّذِي فيه عيناك بالسَّيف. ثمّ تلا عليٌّ: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ هو أهلُ التّقوَى وأهلُ المغفِرَةِ.

"حضرت مَولی علی رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی گئی، کہ یہ شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے، مَولی علی نے اس سے فرمایا کہ اے خدا کے بندے! خدا نے تجھے اپنے چاہنے سے پیدا کیا، یا تیرے چاہنے سے؟ اس نے

---

(۱) انظر: "تفسير القُرطبي" سورة الأنبياء، تحت الآية: ۲۳، الجزء ۱۱، صـ۲٤٦.

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب العقائد والکلام، رسالہ "ثلج الصّدر لإيمان القدر" ۱۸/۳۴۲۔

کہا کہ اس نے اپنے چاہنے سے پیدا کیا، پھر فرمایا کہ تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے، یا جب تو چاہے؟ اس نے کہا کہ جب وہ چاہے، پھر آپ نے فرمایا کہ تجھے اس وقت موت دے گا جب وہ چاہے، یا جب تو چاہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب وہ چاہے، آپ نے فرمایا کہ وہ تجھے وہاں ڈالے گا جہاں وہ چاہے، یا جہاں تو چاہے؟ کہا کہ جہاں وہ چاہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر تو اس کے سوا کچھ اَور کہتا، تو میں تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے! وہ تقویٰ کا مستحق، اور گناہ مُعاف فرمانے والا ہے"[1]۔

مسئلہ: قضا وقدَر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے، ان میں زیادہ غَور وفکر کرنا سببِ ہلاکت ہے، حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی اس مسئلہ میں بحث سے منع کیا گیا، ہم اور آپ کس گنتی میں ہیں ...؟! اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالی نے آدمی کو مثلِ پتھر اور دیگر جَمادات کے، بے حس وحرکت نہیں پیدا کیا، بلکہ اس کو ایک طرح کا اختیار دیا ہے، کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے، اس کے ساتھ ہی ساتھ عقل بھی دی ہے کہ بھلے، بُرے، نفع، نقصان کو پہچان سکے، اور ہر قسم کے سامان اور اَسباب بھی مہیا کر دیے ہیں، کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اُسی قسم کے سامان مہیّا ہو جاتے ہیں، اسی بنا پر اُس پر مؤاخذہ یعنی پوچھ گچھ ہو گی۔ اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا، دونوں گمراہی ہیں[2]۔

---

(۱) ایضاً، ص۳۴۳۔

(۲) "المعجم الكبير" ر: ١٤٢٣، ٢/ ٩٥. و"سنن الترمذي" كتاب القدر، باب ما جاء من التشديد ...إلخ، ر: ٢١٤٠، ٤/ ٥١. و"منح الروض الأزهر" صـ٤٢، ٤٣. و"الحديقة النَدية" الباب ٢ في الأمور المهمّة في الشّريعة، الفصل ١ في تصحيح الاعتقاد، ١/ ٢٦٢.

مسئلہ: بُرا کام کرکے تقدیر کی طرف نسبت کرنا، اور مشیئتِ الٰہی کے حوالے کرنا بہت بُری بات ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے، اسے مِن جانب اللہ کہے، اور جو بُرائی سرزَد ہو، اُسے شامتِ نفس تصوّر کرے[1]۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ اللہ تعالی نے تمام کائنات کو بنانے سے پہلے، ہر نیکی اور بدی اپنے اَزَلی اَبدی (ہمیشگی والے) علم کے مطابق لکھ دی ہے، جیسا ہونے والا تھا، اور ہر انسان اپنی مرضی وخوشی سے، جو کچھ کرنے والا تھا، اللہ تعالی نے اپنے علم سے جانا، اور وہی لَوحِ محفوظ پر لکھ دیا، اسی کا نام تقدیر اور قضاء ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ جو کچھ اللہ عزّوجلّ نے لکھ دیا ہے، ہمیں مجبوراً ویسا ہی کرنا پڑتا ہے، اور ہم ویسا کرنے پر مجبور ہیں، بلکہ جیسا کام ہم اپنے ارادہ سے کرنے والے تھے، ویسا اس نے جان لیا اور لکھ دیا، یہی تقدیر ہے۔

فائدہ: امام بَیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (۱) "القضاء والقدر"[2]، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے اس موضوع پر دو۲ مفصَّل اور مدلّل رسالے (۲) "ثلج الصّدر لإيمان القدر"[3]، (۳) "التحبير بباب التدبير"[4] اور علّامہ فیض احمد اویسی صاحب علیہ الرحمۃ کی تالیف (۴) "تقدیر برحق ہے"[5]، کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(١) "الحديقة النَدية" الباب ٢، الفصل ٣ ...إلخ، الصنف ١، القسم ٢ في بيان الأخلاق الذميمة، المبحث ٦، ١/ ٥٠٩.

(٢) مطبوعة من مكتبة العبيكان، الرياض.

(۳) "فتاوی رضویہ" ۱۸/۳۳۳تا۳۴۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچي۔

(٤) ایضًا ۱۸/۳۴۷تا۳۷۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچي۔

(۵) عطاری پبلشرز، کراچي۔

(۷) مسئلۂ اِمکانِ کذبِ باری تعالی

مسئلۂ اِمکانِ کذبِ باری تعالی، اور خُلفِ وعید کا آسان مفہوم یہ ہے، کہ کچھ گمراہ فرقے کہتے ہیں کہ "اللہ تعالی جھوٹ بول سکتا ہے، لیکن اس نے کبھی جھوٹ بولا نہیں"[1] (معاذ اللہ)۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے، کہ اگر جُھوٹ کو اللہ تعالی کی قدرت وتحتِ اختیار نہ مانا جائے، تو یہ اُس کی قدرت کا نَقص اور توہینِ رُبوبیت ہے۔

ہم اہلِ سنّت وجماعت کا کہنا ہے کہ "جُھوٹ ایک نقص وعیب ہے، جبکہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر ایمان ہے، کہ اللہ تعالی کی ذات بے عیب ہے، اس کی سب صفات کامل واکمل ہیں، جس طرح کسی اچھی صفت کا سَلب (کمی) اللہ تعالی سے مُحال (ناممکن) ہے، اسی طرح (معاذ اللہ) کسی بُری صفت کا اللہ تعالی کے لیے ثابت ہونا بھی مُحال ہے۔

ہم اہلِ سنّت وجماعت ماتُریدیّہ واَشعَریّہ، اور ہمارے علاوہ معتزلہ کا بھی اِجماع اس بات پر ہے کہ "جُھوٹ ایک نقص وعیب ہے، نیز قرآنِ کریم سے ثابت ہے، کہ اللہ تعالی ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ومنزّہ ہے۔

اللہ ربّ العزت ہر نقص وعیب سے پاک ہے

(۱) قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا﴾[2] "اللہ کو پاکی اور برتری ہے، ان کی باتوں سے بڑی برتری"۔ مزید ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ﴾[3] "پاکی ہے تمھارے رب کو، عزّت والے رب کو، ان کی باتوں سے"۔

---

(۱) "فتاوی رشیدیہ" کتاب العقائد، حصہ اوّل، ص۱۱۔ رسالہ "یکروزہ" ص۱۷۔

(۲) پ۱۵، الإسراء: ٤٣.

(۳) پ۲۳، الصافات: ۱۸۰.

(۲) ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾[۱] "وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا، امان بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، عزّت والا، عظمت والا، تکبّر (بڑائی جو اُسی کو لائق ہے) والا، اللہ کو پاکی ہے اُن کے شرک سے!"۔

اِمکانِ کذب کا بُطلان، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ﴾[۲] "اللہ تعالی ہرگز اپنے عہد کا خلاف نہیں کرتا"۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "يدلّ على أنّه سبحانه وتعالى منزَّهٌ عن الكِذب وعدُه ووعِيدُه. قال أصحابنا: لأنّ الكذِبَ صفةُ نقص، والنّقصُ على الله محالٌ"[۳]. "اللہ عزّوجلّ کا فرمانا کہ "اللہ ہرگز اپنا عہد جھوٹا نہیں کرے گا"، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مولیٰ -تعالی سبحانہ- اپنے ہر وعدہ ووعید میں جھوٹ سے منزَّہ (پاک) ہے، ہمارے اصحابِ اہلِ سنّت اس دلیل کے سبب بھی کذبِ الٰہی کو ناممکن جانتے ہیں؛ کہ وہ صفتِ نقص ہے، اور اللہ عزّوجلّ پر نقص مُحال (ناممکن) ہے"۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: "پس ہرگز خلاف نخواہد کرد خدائے تعالی این عہد حکمے خود را زیرا کہ خبر او کلام ازلی اوست، وکذب در کلام نقصانی ست عظیم، کہ ہرگز بصفات او راہ نمی باید"[۴]۔ "اللہ تعالی کی خبر اَزلی (ہمیشہ سے) ہے، کلام میں جھوٹ ہونا عظیم نقص (عیب) ہے، لہٰذا جھوٹ اللہ تعالی کی صفات میں ہرگز راہ نہیں پا سکتا؛ کہ اللہ تعالی تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے، اس کے حق میں خبر کے خلاف ہونا سراپا نقص ہے"۔

---

(۱) پ۲۸، الحشر: ۲۳.

(۲) پ۱، البقرة: ۸۰.

(۳) "التفسير الكبير" سورة البقرة، تحت الآية: ۸۰، ۱/ ۵۶۷.

(۴) "تفسیر عزیزی" سورۃ البقرۃ، زیرآیت: ۸۰، ص۳۱۴۔

(۲) ربّ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾[1] "اللہ تعالی سے زیادہ کس کی بات سچی ہے؟!"۔ امام حافظ الدین نَسَفی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "تمييز، وهو استفهام بمعنى النفي، أي: لا أحدٌ أصدَق منه في إخباره ووعده ووعيده؛ لاستحالة الكذب عليه؛ لقُبحه؛ لكونه إخباراً عن الشيء بخلاف ما هو عليه"[2].
"اس آیت میں اِستِفہامِ انکاری ہے، یعنی خبر، وعدہ اور وعید کسی بات میں کوئی اللہ تعالی سے زیادہ سچا نہیں؛ کیونکہ اس کا جھوٹ تو بِالذات مُحال (ناممکن) ہے؛ کیونکہ جھوٹ بذاتِ خود قبیح (برائی) ہے؛ کہ جھوٹ واقع کے خلاف خبر دینے کا نام ہے"۔

امام ناصر الدین بَیضاوی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "إنكار أن يكونَ أحدٌ أكثرَ صِدقاً منه؛ فإنّه لا يتطرّق الكذبُ إلى خبره بوجه؛ لأنّه نقصٌ، وهو على الله محالٌ"[3].
"اللہ تعالی اس آیت مبارکہ میں فرماتا ہے، کہ اللہ تعالی سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اللہ تعالی کی خبر تک تو جھوٹ کو کسی طرح رَسائی ہی نہیں؛ کہ جھوٹ عیب ہے، اور عیب اللہ تعالی پر مُحال (ناممکن) ہے"۔

(۳) اور فرمایا: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾[4] "اہلِ علم کہتے ہیں، کہ پاکی ہے ہمارے رب تعالی کو، یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا"۔

---

(١) پ٥، النساء: ٨٧.

(٢) "مدارك التنزيل" سورة النسآء، تحت الآية: ٨٧، ١/ ٢٧١.

(٣) "أنوار التنزيل" سورة النسآء، تحت الآية: ٨٧، ١/ ٣٧٧.

(٤) پ١٥، الإسراء: ١٠٨.

اِمکانِ کذب کا بُطلان، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامة سعدُ الدّينِ التّفتازانِي ﷬: "فلأنّ الكذبَ نقصٌ باتفَاقِ العُقلَاءِ، وهو على الله محالٌ"(۱). علّامہ سعد الدّین تفتازانی ﷬ فرماتے ہیں کہ "جھوٹ باتفاقِ عُقلاء عیب ہے، اور عیب اللہ تعالی پر مُحال (ناممکن) ہے"۔

قال الإمام ابنُ الهُمام ﷬: "يستحيل عليه سماتُ النقص، كالجَهل والكذب"(۲). امام ابن ہُمام ﷬ فرماتے ہیں کہ "جتنی نشانیاں عیب کی ہیں، جیسے جَہالت وجُھوٹ، سب اللہ تعالی پر مُحال (ناممکن) ہیں"۔

قال العلّامة ابنِ أبِي شَرِيف ﷬: "لا خِلافَ بين الأشعَريّةِ وغيرِهم، في أنّ كلَّ ما كان وصف نقصٍ في حقّ العِبَادِ، فالبارئُ تعالَى منزَّهٌ عنه، وهو محالٌ عليه تعالى، والكذبُ وصفُ نقصٍ في حقّ العِباد"(۳). علّامہ ابن ابی شریف ﷬ فرماتے ہیں کہ "اَشاعِرہ وغیرہ سب اِس بات پر متفق ہیں، کہ جو کچھ بندوں کے حق میں صفتِ عیب ہے، اللہ تعالی اُس سے پاک ہے، اور وہ اللہ تعالی پر مُحال (ناممکن) ہے، اور جُھوٹ بندوں کے حق میں صفتِ عیب ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ علمائے کِرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ جُھوٹ ایک نقص وعیب ہے، اور اللہ تعالی ہر ایک عیب ونقص سے پاک ومنزَّہ ہے، لہذا اللہ تعالی کے لیے جھوٹ ثابت کرنا، یا اللہ تعالی کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا کفر ہے۔

---

(۱) "شرح المقاصد" المقصد ٥ في الإلهيّات، المبحث ٦، الدليل ٣، الجزء ٤، صـ١٥٨.

(۲) "المسايَرة" صـ٣٩٣.

(۳) "المسامَرة" صـ٢٠٦.

نیز جھوٹ بذاتِ خود دو ۲ باتوں سے خالی نہیں، یا تو وہ نقص وعیب ہے یا نہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جھوٹ ضرور نقص وعیب ہے، اور جب یہ نقص ہے، تو بالاتفاق اللہ عزّوجلّ کے لیے مُحال (ناممکن) ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔

دوسری صورت میں اگر جھوٹ کو نقص وعیب نہ بھی مانا جائے، تب بھی یہ اللہ تعالی کے لیے مُحال ہے؛ کیونکہ اگر جھوٹ نقص نہیں تو کمال بھی نہیں، اور اللہ تعالی نہ صرف نقص وعیب سے پاک ہے، بلکہ وہ ہر اُس شئے سے بھی پاک ہے جو کمال سے خالی ہو، اگرچہ وہ نقص وعیب میں سے نہ بھی ہو؛ کیونکہ اللہ تعالی کی ہر صفت، صفتِ کمال ہے، اور جس میں کوئی کمال ہی نہیں، وہ اللہ تعالی کی صفت کس طرح ہوسکتا ہے ؟!۔

یاد رہے کہ لوگوں کے جھوٹ بولنے پر قادر ہونے، اور اللہ تعالی کے لیے جھوٹ ناممکن ومُحال ہونے سے، یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ لوگوں کی قدرت (معاذاللہ) اللہ تعالی کی قدرت سے بڑھ گئی! یعنی یہ کہنا کہ "بندہ جھوٹ بول سکے، اور اللہ تعالی جھوٹ نہ بول سکے، اس سے لازم آتا ہے کہ انسان کی قدرت (معاذاللہ) اللہ تعالی کی قدرت سے بڑھ گئی"۔ یہ بات سراسر غلط ہے، نیز اگر یہ بات سچی ہو کہ آدمی جو کچھ کر سکتا ہے، اللہ تعالی بھی وہ سب کچھ کر سکے، تو اس سے یہ لازم آئے گا، کہ جس طرح نکاح کرنا، اور بیوی سے ہمبستر ہونا وغیرہ انسان کی قدرت میں ہے، اسی طرح اللہ تعالی بھی (معاذاللہ) یہ سب کر سکے، جبکہ ہمارا سچا پروَردگار سب عیبوں سے بھی، اور مُحال پر قدرت کی تہمت سے بھی پاک ومنزّہ ہے۔ نہ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر ہے، نہ کسی کی قدرت اس کی قدرت کے ہمسر۔ نہ اپنے لیے کسی عیب ونقص پر قادر ہونا، اُس کی شانِ قُدُّوسی کے لائق ہے، بلکہ نقص وعیب ومُحال کی اپنی کوتاہی ہے، کہ قدرتِ الٰہی کے تحت آنے کی اِن میں لیاقت وصلاحیت ہی نہیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے دو ۲ مفصّل اور مدلّل رسائل ہیں، جن میں آپ نے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ کذبِ باری تعالی مُحال (ناممکن)

ہے: (۱) "سبحان السّبّوح عن عيب كذبٍ مقبوح"(۱) اس رسالے میں آپ نے ۶۰ نصوصِ کتبِ تفاسیر وعقائد ذکر کی ہیں، (۲) "دامانِ باغِ سبحان السّبّوح"(۲) اس رسالے میں آپ نے ۳۰ نصوص اور ۳۰ دلائلِ قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ اللہ تعالی کا کذب مُحال بالذات ہے۔

نیز حضرت علّامہ احمد حسن کانپوری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "تنزيه الرّحمن عن شائبة الكذب والنّقصان"(۳)، حضرت علّامہ برکات احمد ٹونکی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "الصمصام القاضب برأس المفتري على الله الكاذب"(۴)، حضرت علّامہ عبد اللہ بہاری ٹونکی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "عُجالة الرّاكب في امتناعِ كذبِ الواجب"(۵) کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۲۰/۹۱تا۱۸۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچي۔

(۲) ایضًا ۲۰/۱۸۸تا۱۹۸، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچي۔

(۳) مطبوعہ مطبع اسلامیہ، لاہور۔

(۴) مطبوعہ، "مرآۃ التصانیف" ۱/۹۲۔

(۵) مطبوعہ مطبع اسلامیہ، لاہور۔

(۸) عقیدۂ رِسالت

توحید کے بعد دینِ اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ، عقیدۂ رسالت ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں رسول اسے کہتے ہیں، جو اللہ تعالی کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچائے۔ رسالت کا عقیدہ درحقیقت اس تہذیب کی بقا اور جان ہے، جسے دینِ اسلام نے قائم کیا۔ جو حضرات کرام منصبِ رسالت پر سرفراز کیے گئے، اللہ تعالی کی طرف سے انہیں غیر معمولی علم، تدبّر، قوّتِ فیصلہ اور نورِ بصیرت عطا کیا گیا، انہوں نے جو دعوت پیش کی، علم ودلیل کے ساتھ پیش کی۔ اسی لیے رسول اور فلسفی میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے، کہ فلسفی جو کچھ کہتا ہے وہ عقل وظن کی بنیاد پر کہتا ہے، جبکہ انبیاء ورُسل جو کچھ کہتے ہیں، وہ وحیٔ الٰہی کی بنیاد پر کہتے رہے۔

اللہ تعالی کے متعدّد رسول دنیا کی تمام اقوام میں تشریف لائے، اور ان سب نے دینِ اسلام ہی کی دعوت وتعلیم دی، جبکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ وہی تعلیم دینے کے لیے سب سے آخر میں تشریف لائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ﴾[1] "یقیناً ہر امّت میں ہم نے ایک رسول بھیجا، کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو! تو اُن میں سے کسی کو اللہ تعالی نے راہ دکھائی، اور کسی پر گمراہی ٹھیک اُتری۔ تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!"۔

تمام انبیاء ورُسل اس لیے دنیا میں تشریف لائے؛ کہ اللہ تعالی کے دین کی سربلندی وغلبہ قائم ہو، اور لوگوں کے لیے حجّت نہ رہے کہ ہمیں کچھ پتا نہیں تھا، کہ اے اللہ تیری عبادت، اِطاعت اور فرمانبرداری

(۱) پ۱٤، النحل: ۳٦.

کیسے کرنی ہے! اس لیے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾[1] "رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے ہوئے بھیجے گئے؛ تاکہ رسولوں کے بعد اللہ تعالی کے ہاں، لوگوں کو کوئی عُذر باقی نہ رہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے!"۔

انبیاء سب بَشر تھے اور مَرد تھے، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ کوئی عورت۔ وہ کھاتے پیتے تھے، بیمار اور تندرست ہوتے تھے، زندہ رہتے اور وفات بھی پاتے۔ مگر یہ حضراتِ مقدّسہ اللہ تعالی کی مخلوق میں سب سے افضل واکمل ہیں۔ جب تک تمام انبیاء ورُسل پر ایمان نہ رکھا جائے، کوئی بھی شخص صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا۔

رسول اور نبی کے معنی

علّامہ سعد الدّین تفتازانی (٧٩٣ھ) "شرح المقاصد" میں فرماتے ہیں کہ "رسول کے معنی فرستادہ، بھیجا ہوا اور قاصد کے ہیں۔ نبی "نبأٌ" سے مشتق ہے، جس کے معنی خبر کے ہیں، اس اصول سے نبی کے معنی خبر دینے والا قرار پایا۔ بعض کے نزدیک نبی کا مادّہ نبوّۃ سے ہے، جس کے معنی بلند مرتبہ، عالی مقام کے ہیں"[2]۔

رسول اور نبی میں فرق

علّامہ عبد القاہر بن طاہر الاِسفرائینی (٤٢٩ھ) "الفَرق بین الفِرق" میں فرماتے ہیں کہ "رسول اور نبی کے مابین فرق سے متعلق علماء نے فرمایا، کہ نبی وہ ہے جس پر اللہ تعالی نے فرشتے کے ذریعے وحی نازل فرمائی، اور خَرقِ عادت معجزات کے ذریعے اس کی تائید فرمائی۔ جبکہ رسول وہ ہے جسے جدید شریعت، اور اس سے ماقبل شریعت کے بعض اَحکام منسوخ کرنے کی خصوصیت عطا فرمائی ہو"[3]۔

---

(١) پ٦، النساء: ١٦٥.

(٢) "شرح المقاصد" المقصد ٦ في السمعيّات، الفصل ١ في النبوّة، المبحث ١، الجزء ٥، صـ٥.

(٣) "الفَرق بين الفِرق" الباب ٥، الفصل ٣ من فصول هذا الباب ...إلخ، صـ٢٠٦.

رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت تمام انسانوں پر بالعموم، اور ایمان والوں پر بالخصوص فرض ہے، حضور اقدس ﷺ کی رسالت تمام جہان والوں پر عام ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَيۡرًا لَّكُمۡ ﴾(۱) "اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے، تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کی خاطر!"۔

مزید ارشاد فرمایا: ﴿قُلۡ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا﴾(۲) "اے حبیب! آپ فرمادیجیے، کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالی کا رسول ہوں!"۔

حضور اقدس ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: «وكان النّبيُّ يُبعَثُ إلى قومه خاصَّةً، وبُعِثتُ إلى النّاسِ عامَّةً»(۳) "سب نبی اپنی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے، جبکہ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ قریش کے ایک معزّز خاندان بنوہاشم میں پیدا ہوئے، حضور غارِ حرا میں تھے، کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام حضور اقدس کے پاس، ربِ ذوالجلال کا کلام وپیغام لے کر حاضر ہوئے۔ حضور اقدس کی بعثت کے بعد نبوّت ورسالت کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔

ختم الرسل

لہذا ہمارا ایمان ہے، کہ حضور اقدس اللہ تعالی کے آخری نبی ورسول ہیں، جو کوئی حضور اقدس ﷺ کے بعد نبوّت ورسالت کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے۔ سورۂ اَحزاب کی آیت ۴۰ میں اللہ تعالی کا

---

(۱) پ٦، النسآء: ١٧٠.

(۲) پ٩، الأعراف: ١٥٨.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب التيمّم، باب، ر: ٣٣٥، صـ٥٨.

ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[۱] "محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ تعالی کے رسول اور سب نبیوں کے خاتم (آخر) ہیں"۔

خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنے آخری نبی ورسول ہونے کی صراحت فرمائی: «إِنّ الرّسالةَ والنّبوَّةَ قد انقطعَتْ، فلا رسولَ بَعدِي ولا نَبِيّ»[۲] "رسالت ونبوّت کا سلسلہ منقطع ہو چکا، لہذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ کوئی نبی"۔

ان آیات واحادیث مبارکہ سے ہمیں یہ رَہنمائی ملتی ہے، کہ حضور اقدس ﷺ صرف اپنے ملک، اپنے زمانے اور اپنی قوم کے لیے ہی نہیں، بلکہ قیامت تک پوری کائنات کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہذا رسالت پر ایمان لانے کے لیے ضروری، کہ حضور اقدس ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے اللہ تعالی کا آخری رسول مانا جائے، اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ رسول جو کچھ بتائیں وہ حق ہے، جو کچھ کہیں وہ سچ ہے، اور وہ جو جو اَحکام شریعت بتائیں وہ قابلِ اتّباع ہیں۔

اتباعِ رسول

ان کے بتائے ہوئے تمام اَحکامِ شریعت پر عمل ضروری ہے، چاہے ان باتوں کا تعلق عبادات ومُعاملات ہو، یا تہذیب ومُعاشرت، اَخلاق وکردار یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس لیے کہ یہی اُسوۂ کامل ہے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: «كلُّ أمَّتِي يدخُلونَ الجنّةَ إلَّا من أَبى» "میری ساری امّت جنّت میں داخل ہوگی، سوائے اس کے جس نے انکار کیا" عرض کی گئی کہ انکار کا کیا مطلب

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ٤٠.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الرؤيا، باب ذهبت النبوّة وبقيت المبشّرات، ر: ٢٢٧٢، صـ٥٢٢.

ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: «من أطَاعَنِي دخل الجنّةَ، ومن عصانِي فقد أَبى»[1]
"جس نے میری اطاعت کی وہ جنّت میں داخل ہوگا، اور جس نے میری نافرمانی کی وہ انکاری کیا"۔

ہر وہ عمل جو حضور اقدس ﷺ کے قول وفعل سے صحیح طَور پر ثابت ہو، وہ سنّت ہے، جس کا اتّباع ضروری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾[2]
"جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو، اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو!"۔

اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾[3] "اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس میں جھگڑو مت؛ کہ پھر بُزدِل ہوکر رہ جاؤ گے، اور تمہاری بندھی ہوئی (مجتمع) ہوا (قوّت) جاتی رہے گی"۔

اللہ ورسول کی اطاعت ہی میں دنیا وآخرت کی کامیابی ہے، جو کوئی اس اطاعت سے منحرف ہوا، وہ غلط راہوں پر چل نکلا، جس کے لیے نہ دنیا میں کوئی کامیابی ہے نہ آخرت میں۔

بعثتِ حضور کا مقصد

عقیدۂ رسالت کو سمجھنے کے لیے، آخری نبی کی بعثت (بھیجے جانے) کا مقصد سمجھنا ضروری ہے، سورۃ التوبہ: آیت ۳۳، سورۃ الفتح: ۲۸، سورۃ الصف: ۹ میں اللہ تعالی نے رسول پاک کی بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ "وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول، ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اسے سب اَدیان پر غالب کردے"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ر: ۷۲۸۰، صـ۱۲۵۲.

(۲) پ۲۸، الحشر: ۷.

(۳) پ۱۰، الأنفال: ٤٦.

اس وقت دنیا میں کسی بھی دِین کے پیروکار کے پاس، اللہ تعالی کا عطاکردہ دِین، اپنی اصل حالت میں موجود نہیں، سِوائے امّتِ محمدیّہ کے۔ اب اس امّت کی ذمہ داری ہے، کہ دِین اسلام کی اس اَمانت کو اَطرافِ عالَم میں پہنچائے۔ اس ضمن میں متعدّد احادیثِ کریمہ کتبِ حدیث میں موجود ہیں، بطورِ نمونہ یہاں "صحیح مسلم شریف" کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے، قال رسولُ الله ﷺ: «إنّ اللهَ زوَى لِي الأرضَ، فرأيتُ مَشارِقَها ومَغارِبَها، وإنّ أمّتِي سيبلغ ملكُها ما زُوِيَ لِي منها»[1] نبئ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالی نے میرے لیے تمام رُوئے زمین کو سمیٹ دیا، تومیں نے اس کے مَشارِق ومَغارِب دیکھ لیے، عنقریب میری امّت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹی گئی!"۔

نبوّت سے متعلّق عقائد

مسلمان کے لیے جس طرح ذات وصفاتِ باری تعالی کا جاننا ضروری ہے، کہ کہیں کسی ضروری کا انکار، یا مُحال (ناممکن) کو مان کر کافر نہ ہوجاؤں، اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے، کہ نبی کے لیے کیا جائز ہے، کیا واجب اور کیا مُحال ہے؛ کیونکہ واجب کا انکار اور مُحال کا اقرار مُوجبِ کفر (کفر کا سبب) ہے، اور بہت ممکن ہے کہ آدمی نادانی سے خلافِ اسلام عقیدہ رکھے، یا ایسی بات زبان سے نکالے اور ہلاک ہو جائے۔

عقیدہ(۱): انبیاء سب بَشر تھے اور مَرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ کوئی عورت[2]۔

عقیدہ(۲): اللہ عزّوجلّ پر واجب نہیں کہ وہ نبی بھیجے، اُس نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے[3]۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الفِتن، باب هلاك هذه الأمّة بعضهم ببعض، ر: ۷۲۵۸، صـ۱۲۵۰.

(۲) "الجامع لأحكام القرآن" سورة يوسف، تحت الآية: ۱۰۹، الجزء ۹، صـ۱۹۳.

(۳) "شرح المقاصد" المقصد ٦، المبحث ۱ في تعريف النّبي والرّسول، ۳/ ۲٦۸. "المعتمَد المستند" الباب ۲ في النبوّات، صـ۱۹۷.

عقیدہ(۳): نبی ہونے کے لیے اُس پر وحی آنا ضروری ہے، چاہے فرشتے کے ذریعے آئے یا بلاواسطہ[1]۔

آسمانی کتابیں

عقیدہ(۴): بہت سے نبیوں پر اللہ تعالی نے صحیفے اور آسمانی کتابیں اُتاریں، اُن میں سے چار ۴ کتابیں بہت مشہور ہیں: (۱) "تورات" حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر، (۲) "زَبور" حضرت سیّدنا داوٗد علیہ الصلاۃ والسلام پر، (۳) "اِنجیل" حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر، (۴) اور "قرآنِ عظیم" جو سب سے افضل کتاب ہے، سب سے افضل رسول، حضور پُر نور، احمدِ مجتبیٰ، محمدِ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

کلامِ الٰہی میں بعض کا بعض سے افضل ہونا، اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے لیے اس میں ثواب زائد ہے، ورنہ اللہ عزوجل ایک، اُس کا کلام ایک، اُس میں افضل ومفضول کی گنجائش نہیں[2]۔

پچھلی کتابوں میں تبدیلیاں

عقیدہ(۵): سب آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں، اور سب کلامُ اللہ ہیں، اُن میں جو کچھ ارشاد ہوا سب پر ایمان ضروری ہے۔ مگر سابقہ کتابوں کی حفاظت اللہ تعالی نے اُمّت کے سپرد کی تھی، اُن سے اُس کا حفظ نہ ہوسکا، کلامِ الٰہی جیسا اُترا تھا اُن کے ہاتھوں میں ویسا باقی نہ رہا، بلکہ اُن کے شریروں (شرپسند لوگوں) نے تو یہ کیا، کہ اُن میں تحریفیں (تبدیلیاں) کر دیں، یعنی اپنی خواہش کے مطابق گھٹا بڑھا دیا[3]۔

لہٰذا جب کوئی بات، اُن کتابوں کی ہمارے سامنے پیش ہو، تو اگر وہ ہماری کتاب (قرآنِ کریم) کے مطابق ہے، تو ہم اُس کی تصدیق کریں گے، اور اگر مخالف ہے تو یقین جانیں گے، کہ یہ اُن کی تحریفات سے

---

(۱) "نسيم الرياض" القسم ۱ في تعظيم العلي الأعلى لقدر النّبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ۳/ ۳٤٤.

(۲) "تفسير الخازن" سورة البقرة، تحت الآية: ۲۵۵، ۱/ ۱۹۵. "تکمیل الایمان" ص۶۳۔

(۳) المرجع السابق، تحت الآية: ۲۸۵، ۱/ ۲۲۵. سورة الحجر، تحت الآية: ۹، ۳/ ۹۵.

ہے، اور اگر مُوافقت مخالفت کچھ معلوم نہیں، تو حکم ہے کہ ہم اس بات کی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب (انکار)، بلکہ یوں کہیں کہ "آمنتُ بالله وملائِكتِهِ وكتبِهِ ورسلِهِ"[1] "اللہ تعالی، اُس کے سب فرشتوں، اُس کی سب کتابوں اور اُس کے سب رسولوں پر میرا ایمان ہے"۔

قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالی کے ذمّہ ہے

عقیدہ(۶): چونکہ یہ دین اسلام ہمیشہ رہنے والا ہے، لہٰذا قرآنِ عظیم کی حفاظت اللہ تعالی نے اپنے ذِمّہ رکھی، ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾[2] "یقیناً ہم نے قرآن اُتارا، اور یقیناً ہم اس کے ضرور نگہبان ہیں"۔

لہٰذا اس میں کسی بھی حرف یا نقطہ کی کمی بیشی مُحال (ناممکن) ہے، اگرچہ ساری دنیا بھی اس کے بدلنے پر جمع ہو جائے۔ تو جو یہ کہے کہ "اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں یا ایک حرف بھی، کسی نے کم کر دیا، یا بڑھا دیا، یا بدل دیا"، تو ایسا شخص قطعاً کافر ہے؛ کیونکہ اس نے اُس آیت کا انکار کیا جو ہم نے ابھی لکھی[3]۔

قرآن کریم کی سچائی پر دلیل

عقیدہ(۷): قرآنِ مجید خود کتابُ اللہ ہونے پر اپنے آپ دلیل ہے، کہ وہ خود اعلان کے ساتھ کہہ رہا ہے: ﴿ وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَ قُوۡدُهَا النَّاسُ

---

(۱) "تفسير ابن كثير" سورة العنكبوت، تحت الآية: ٤٦، ٦/ ٢٥٦.

(۲) پ١٤، الحجر: ٩.

(۳) "الشفا" فصل في بيان ما هو من المقالات كفر، الجزء ٢، صـ٢٨٩. و"منح الروض الأزهر" فصل في القراءة والصلاة، صـ١٦٧.

وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾[1] "اگر تمہیں اس کتاب میں کوئی شک ہو، جو ہم نے اپنے سب سے خاص بندے (محمد ﷺ) پر اُتاری، تو اُس کی مثل کوئی چھوٹی سی سُورت تو لے آؤ! اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو! تو پھر اگر نہ لاسکو، اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے! تو اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں! جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے"۔

لہٰذا کافروں نے اس کے مقابلہ میں جی توڑ کوششیں کیں، مگر اس کی مثل ایک سطر نہ بنا سکے نہ قیامت تک بنا سکیں گے۔

مسلمانوں کا بچّہ بچّہ قرآن پاک یاد کرلیتا ہے

مسئلہ: اگلی کتابیں صرف انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کو زبانی یاد ہوا کرتی تھیں، قرآنِ عظیم کا معجزہ ہے کہ مسلمانوں کا بچّہ بچّہ اسے یاد کرلیتا ہے[2]۔

وحی اور اِلہام کا فرق

عقیدہ(۸): وحیٔ نبوّت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص ہے، جو اسے کسی غیرِ نبی کے لیے مانے وہ کافر ہے۔ نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جائے وہ بھی وحی ہے، اُس کے جھوٹے ہونے کا احتمال نہیں۔ ولی کے دل میں بعض اوقات سوتے یا جاگتے میں کوئی بات اِلقاء ہوتی ہے، اُسے اِلہام کہتے ہیں، اور شیطانی اِلقاء کاہن، ساحر اور دیگر کفّار وفُسّاق کے لیے ہوتا ہے۔

---

(۱) پ۱، البقرة: ۲۳، ۲٤.

(۲) "تفسير الخازن" سورة القمر، تحت الآية: ۱۷، ٤/ ۲۰٤. "تفسير روح البيان" سورة العنكبوت، تحت الآية: ٤٦، ٦/ ٤٨١.

محنت اور کوشش سے نبوّت حاصل نہیں کی جاسکتی

عقیدہ(۹): نبوّت کَسبی نہیں، کہ آدمی عبادت ورِیاضت (اور محنت وکوشش) کے ذریعے حاصل کرسکے، بلکہ محض عطائے الٰہی ہے، کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ہاں دیتا اُسی کو ہے جسے اس منصبِ عظیم کے قابل بناتا ہے، جو قبلِ حصولِ نبوّت ہی تمام بُرے اَخلاق سے پاک، اور تمام اَخلاقِ فاضلہ سے مزیَّن ہوکر، جملہ مَدارجِ ولایت طے کرلیتا ہے، اور اپنے نَسَب وجسم وقول وفعل وحَرکات وسَکنات میں، ہر ایسی بات سے پاک وصاف ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو۔ اُسے عقلِ کامل عطا کی جاتی ہے، جو اَوروں کی عقل سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے، کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل نبی کے لاکھویں حصّہ تک بھی نہیں پہنچ سکتی[1]۔

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾[2] "اللہ تعالی خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے"۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾[3] "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ تعالی بڑے فضل والا ہے"۔

جو نبوّت کو کَسبی مانے کہ "آدمی اپنے کَسب وریاضت (محنت وکوشش) سے منصبِ نبوّت تک پہنچ سکتا ہے"، وہ کافر ہے[4]۔

عقیدہ(۱۰): جو شخص نبی سے نبوّت کا زوال (چھن جانا) جائز جانے، وہ کافر ہے[5]۔

---

(١) "المسايَرة والمسامَرة" شروط النبوّة، صـ٢٢٦. "اليواقيت والجواهر" صـ٢٢٤.

(٢) پ٨، الأنعام: ١٢٤.

(٣) پ٢٧، الحديد: ٢١.

(٤) "اليواقيت والجواهر" صـ٢٢٤. "المعتقَد المنتقَد" الباب ٢ في النبوّات، النبوّة ليست كسبيةً، صـ٢٠٩، ٢١٠.

(٥) "المعتقَد المنتقَد" الباب ٢ في النبوّات، صـ٢١٢.

عقیدۂ عصمت

عقیدہ(۱۱): نبی کا معصوم (گناہوں سے پاک) ہونا ضروری ہے، اور یہ عِصمت نبی اور فرشتے کا خاصّہ ہے؛ کیونکہ نبی اور فرشتے کے سِوا کوئی معصوم نہیں۔ اِماموں کو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی وبددِینی ہے۔ عِصمتِ انبیاء کے یہ معنی ہیں، کہ اُن کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہو لیا، جس کے سبب اُن سے گناہ ہونا شرعاً مُحال (ناممکن) ہے، بخلاف ائمہ واکابر اولیاء، کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں محفوظ رکھتا ہے، اُن سے گناہ ہوتا نہیں، مگر ہو تو شرعاً مُحال (ناممکن) بھی نہیں[1]۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر عیب اور برائی سے پاک ہیں

عقیدہ(۱۲): انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شِرک وکفر اور ہر ایسے امر سے، جو مخلوق کے لیے باعثِ نفرت ہو، قبلِ نبوّت اور بعدِ نبوّت بالاِجماع (بالاتفاق) معصوم ہیں، جیسے کذب وخِیانت وجہل وغیرہا بُری صفات سے۔ نیز یہ حضرات ایسے افعال سے بھی معصوم وپاک ہیں، جو وجاہت اور مُروت کے خلاف ہوں، اور کبیرہ گناہوں سے بھی مطلقاً معصوم ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ جان بُوجھ کر صغیرہ گناہ کرنے سے بھی، قبلِ نبوّت اور بعدِ نبوّت معصوم وپاک ہیں[2]۔

---

(١) "الحبائك في أخبار الملائك" صـ٨٢. "الحديقة الندية" الباب ٢ ...إلخ، الفصل ١ ...إلخ، ١/ ٢٩٠. "منح الروض الأزهر" صـ١٢.

(٢) "الفقه الأكبر" صـ٦١. "الحديقة الندية" الباب ٢ ...إلخ، الفصل ١ ...إلخ، ١/ ٢٨٨. "منح الروض الأزهر" صـ٥٦، ٥٧.

عقیدہ(۱۳): اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر، بندوں کے لیے جتنے اَحکام نازل فرمائے، انہوں نے وہ سب پہنچا دیے۔ جو یہ کہے کہ "کسی حکم کو کسی نبی نے چُھپا رکھا، تقیہ یعنی خَوف کی وجہ سے یا اَور کسی وجہ سے نہ پہنچایا" وہ کافر ہے[1]۔

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے خطا اور بھول ممکن نہیں

عقیدہ(۱۴): اَحکامِ تبلیغیہ میں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے سَہو ونِسیان (خطا اور بھول) مُحال ہے[2]۔

عقیدہ(۱۵): انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے جسم کا، بَرص وجُذام وغیرہ ایسے اَمراض سے جن سے نفرت ہو، اُن سے پاک ہونا ضروری ہے[3]۔

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا علمِ غیب

عقیدہ(۱۶): اللہ عزوجل نے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو، اپنے غُیوب (پوشیدہ باتوں) پر اطلاع دی ہے، زمین وآسمان کا ہر ذرّہ ہر نبی کے پیشِ نظر ہے۔ مگر یہ علمِ غیب انہیں اللہ تعالی کی عطا سے ہے، لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا، اور علمِ عطائی اللہ تعالی کے لیے مُحال (ناممکن) ہے؛ کیونکہ اُس کی کوئی صفت، کوئی کمال، کسی کا دیا ہوا نہیں ہوسکتا، بلکہ ذاتی ہے۔

جو لوگ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام، بلکہ سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے، مطلق علمِ غیب کی نفی کرتے ہیں، وہ قرآنِ عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾[4] "قرآنِ

---

(۱) "الجامع لأحكام القرآن" سورة المائدة، تحت الآية: ٦٧، الجزء ٢، صـ١٤٥.

(٢) "المسامَرة شرح المسايَرة" شروط النبوّة، الكلام على العصمة، صـ٢٣٤، ٢٣٥.

(٣) المرجع نفسه، صـ٢٢٦.

(٤) پ١، البقرة: ٨٥.

عظیم کی بعض باتیں مانتے ہیں، اور بعض کے ساتھ کُفر کرتے ہیں"؛ کیونکہ وہ لوگ آیتِ نفی دیکھتے ہیں، اور اُن آیتوں سے انکار کرتے ہیں جن میں انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو علومِ غیب عطا کیا جانا بیان کیا گیا ہے، حالانکہ نفی واِثبات (ہاں اور نا) دونوں حق ہیں؛ کہ نفی علمِ ذاتی کی ہے، جو اللہ تعالی کے لیے خاص ہے، اِثبات عطائی کا ہے، جو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہی کے شایانِ شان ہے، اور عطائی علمِ غیب اللہ تعالی کے لیے ناممکن ہے[1]۔ اسے کون عطا کرے گا؟ بلکہ وہی سب کو عطا کرنے والا ہے!۔

غیر نبی کو نبی سے افضل ماننا کفر ہے

عقیدہ(۱۷): انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام تمام مخلوق سے، یہاں تک کہ رُسُلِ ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ ولی اللہ کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، وہ کافر ہے[2]۔

نبی کی تعظیم تمام فرائض کی اصل اور جڑ ہے - نبی کی توہین کفر ہے

عقیدہ(۱۸): نبی کی تعظیم فرضِ عین ہے، بلکہ تمام فرائض کی اصل اور جڑ ہے۔ کسی نبی کی ادنی سی

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب بدء الخلق، ر: ٣١٩٢، صـ٥٣٢. "صحيح مسلم" كتاب الفِتن، باب إخبار النّبي ﷺ فيما يكون إلى قيام الساعة، ر: ٧٢٦٣، صـ١٢٥١. "تفسير الخازن" سورة البقرة، تحت الآية:٢٥٥، ١/ ١٩٦. سورة الأنعام، تحت الآية: ٧٥، ٢/ ٢٨. سورة آل عمران. تحت الآية: ١٧٩، ١/ ٣٢٩. سورة النساء، تحت الآية: ١١٣، ١/ ٤٢٩. "تفسير معالم التنزيل" سورة التكوير، تحت الآية: ٢٤، ٤/ ٤٢٢.

(٢) "التفسير الكبير" سورة البقرة، تحت الآية: ٣٤، ١/ ٤٣٠. "الشفا" فصل في بيان ما هو حقه، ٢/ ٢١٩. "منح الروض الأزهر" صـ١٢١.

توہین یا تکذیب بھی کفر ہے[1]۔

قرآن کریم میں مذکور انبیاء کے نام

عقیدہ(۱۹): حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے ہمارے حضور سیّد عالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تک، اللہ تعالی نے بہت سے نبی بھیجے، بعض کا صاف ذکر قرآنِ مجید میں ہے اور بعض کا نہیں، جن کے اسمائے طیّبہ بالتصریح قرآنِ مجید میں ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت سیّدنا آدم، (۲) حضرت سیّدنا نُوح، (۳) حضرت سیّدنا ابراہیم، (۴) حضرت سیّدنا اسماعیل، (۵) حضرت سیّدنا اِسحاق، (۶) حضرت سیّدنا یعقوب، (۷) حضرت سیّدنا یوسف، (۸) حضرت سیّدنا موسیٰ، (۹) حضرت سیّدنا ہارون، (۱۰) حضرت سیّدنا شعیب، (۱۱) حضرت سیّدنا لُوط، (۱۲) حضرت سیّدنا ہُود، (۱۳) حضرت سیّدنا داود، (۱۴) حضرت سیّدنا سلیمان، (۱۵) حضرت سیّدنا ایّوب، (۱۶) حضرت سیّدنا زکریّا، (۱۷) حضرت سیّدنا یحیی، (۱۸) حضرت سیّدنا عیسیٰ، (۱۹) حضرت سیّدنا اِلیاس، (۲۰) حضرت سیّدنا الیسع، (۲۱) حضرت سیّدنا یونس، (۲۲) حضرت سیّدنا ادریس، (۲۳) حضرت سیّدنا ذوالکفل، (۲۴) حضرت سیّدنا صالح، (۲۵) حضرت سیّدنا عزیر، (۲۶) حضور سیّد المرسلین محمد رسول اللہ علیہم الصلوۃ والسلام۔

حضرت آدم کے حضور سجدۂ ملائکہ

عقیدہ(۲۰): حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالی نے بے ماں باپ کے، مٹی سے پیدا کیا، انہیں اپنا خلیفہ بنایا، اور انہیں تمام اَشیاء کے ناموں کا علم دیا۔ ملائکہ کو حکم دیا کہ انہیں سجدہ کریں، سب نے سجدہ کیا، شیطان (جو جنّات کی قسم میں سے تھا، بہت بڑا عابد زاہد تھا، یہاں تک کہ گروہِ ملائکہ میں اُس کا شمار

---

(۱) "جواهر البحار" ۳/ ۲٦۰.

تھا، اُس) نے انکار کیا اور ہمیشہ کے لیے مردود ہوا[1]۔ ﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۞ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۞ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۞ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۞ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۞ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۞ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۞ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ﴾[2].

"جب تمھارے ربّ تعالی نے فرشتوں سے فرمایا، کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا، پھر جب میں اسے ٹھیک بنا لوں، اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکوں، توتم اس کے لیے سجدے میں گرنا، توسب فرشتوں نے سجدہ کیا، ایک ایک نے کہ کوئی باقی نہ رہا، مگر ابلیس نے نہیں کیا، اس نے غرور کیا، اور وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے، جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ کیا تجھے غرور آ گیا؟ یا تو تھا ہی مغروروں میں؟ بولا: میں اس سے بہتر ہوں؛ تونے مجھے آگ سے بنایا، اور اسے مٹی سے پیدا کیا! فرمایا: تو جنّت سے نکل جا؛ کہ تو راندا گیا! اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک!"۔

---

(۱) "تفسیر ابن کثیر" سورة آل عمران، تحت الآیة: ۵۹، ۲/ ۴۱. "حاشیة شیخ زاده علی البیضاوي" سوره الکهف، تحت الآیة: ۵۰، ۵/ ۴۸۶.

(۲) پ۲۳، ص: ۷۱- ۷۸.

سب سے پہلا انسان

عقیدہ(٢١): حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے انسان کا وجود نہیں تھا، بلکہ سب انسان انہی کی اولاد ہیں، اسی لیے انسان کو آدمی کہتے ہیں یعنی اولادِ آدم، اور حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو ابو البشر کہتے ہیں، یعنی سب انسانوں کے باپ[1]۔

سب سے پہلا نبی اور رسول

عقیدہ(٢٢): سب سے پہلے نبی حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہوئے، اور سب سے پہلے رسول جو کُفّار کی طرف بھیجے گئے، حضرت سیّدنا نُوح علیہ الصلاۃ والسلام ہیں، اُنہوں نے ساڑھے نو سَو برس ہدایت (دعوتِ اسلام) فرمائی، اُن کے زمانہ کے کفّار بہت سخت تھے، ہر قسم کی تکلیفیں پہنچاتے، استہزاء (مسخرہ پن) کرتے۔ اتنے عرصہ میں گنتی کے لوگ مسلمان ہوئے، باقیوں کو جب حضرت سیّدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے ملاحظہ فرمایا، کہ وہ ہرگز اصلاح پذیر نہیں، ہٹ دھرمی اور کُفر سے باز نہیں آئیں گے، تب مجبور ہو کر اپنے رب تعالی کے حضور اُن کی ہلاکت کے لیے دعا کی۔ طوفان آیا اور ساری زمین ڈوب گئی، صرف وہ گنتی کے مسلمان اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا جو کشتی میں لے لیا گیا تھا، محفوظ رہے[2]۔ ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ

---

(١) "تفسير الخازن" سورة الأنعام، تحت الآية: ٩٨، ٢/ ٤٠. "تفسير روح المعاني" سورة الكهف، تحت الآية: ٥٠، ٨/ ٤٢٢.

(٢) "مسند الإمام أحمد" ر: ٢١٦٠٢، ٨/ ١٣٠. "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ر: ١٩٣، صـ١٢٢. "العقائد النَّسَفية" صـ١٣٦.

سَنَةٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا﴾[1] "بے شک ہم نے نوح کوان کی قوم کی طرف بھیجا، تو وہ اُن میں پچاس سال کم ہزار برس رہے"، یعنی ۹۵۰ سال۔

انبیاء کی تعداد

عقیدہ(۲۳): انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی کوئی تعداد معیّن کرنا جائز نہیں، ان کی تعداد سے متعلق روایات مختلف ہیں، اور تعدادِ معیّن پر ایمان رکھنے میں، کسی نبی کو نبوّت سے خارج ماننے، یا غیرِ نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے، اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ لہٰذا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے[2]۔

سب سے افضل واعلی رسول

عقیدہ(۲۴): انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے مختلف درجے ہیں، بعض کو بعض پر فضیلت ہے، اور سب میں افضل ہمارے آقا ومولیٰ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا مرتبہ حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے، پھر حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام، پھر حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور پھر حضرت سیّدنا نوح علیہ الصلوۃ والسلام کا ہے۔ اِن حضرات کو مرسَلینِ اُولوا العزم (بلند وبالا عزّت، عظمت اور ہمت والے) کہتے ہیں۔ اور یہ پانچوں حضرات باقی تمام انبیاء ومرسَلین، اِنس وملَک وجن، وجمیع مخلوقاتِ

(۱) پ۲۰، العنکبوت: ١٤. انظر: التفصيل في "القرآن" پ٨، الأعراف: ٥٩-٧٢. پ١١، يونس: ٧١-٧٣. پ١٢، هود: ٢٥-٤٨. پ١٨، المؤمنون: ٢٣-٣٠. پ١٩، الشعراء: ١٠٥-١٢٢. پ٢٠، العنكبوت: ١٤-١٥. پ٢٩، نوح: ١-٢٨.

(۲) "المسامَرة شرح المسايَرة" صـ٢٢٥.

الٰہی سے افضل ہیں۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ تمام رسولوں کے سردار اور سب سے افضل ہیں، اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے صدقہ، حضور ﷺ کی اُمّت بھی تمام اُمّتوں سے افضل ہے[1]۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالی کی بارگاہ میں، بڑی عزّت وعظمت والے ہیں

عقیدہ(۲۵): تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالی کے حضور، عظیم وَجاہت وعزّت والے ہیں، انہیں اللہ تعالی کے نزدیک (معاذاللہ) چوہڑے چمار کی مثل کہنا، کھُلی گستاخی اور کلمۂ کفر ہے[2]۔

معجزات انبیاء

عقیدہ(۲۶): نبی کے دعویٰ نبوّت میں سچا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے، کہ نبی اپنے سچے ہونے کا علانیہ دعویٰ فرما کر، مُحالاتِ عادیّہ یعنی جن کاموں کا عادۃً ہونا ممکن نہ ہو، اُن کے ظاہر کرنے کا ذمّہ لیتا ہے، اور انکار کرنے والوں کو بھی اُس کے مثل کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ تعالی اُس کے دعویٰ کے مطابق امرِ مُحالِ عادی ظاہر فرمادیتا ہے، اور منکِرین سب عاجز رہتے ہیں، اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

جیسے حضرت سیّدنا صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی، ﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾[3] "قوم ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو

---

(۱) "التفسير الكبير" سورة البقرة، تحت الآية: ۲۵۳، ۲/ ۵۲۱-۵۲۵. وسورة آل عمران، تحت الآية: ۱۱۰، ۲/ ۵۲۳. "تفسير الطَبَري" سورة الأحقاف، تحت الآية: ۳۵، ۱۱/ ۳۰۳. "تمہید الایمان" ص۱۲۴، ۱۲۵۔

(۲) "تفسير ابن كثير" سورة الأحزاب، تحت الآية: ۶۹، ۳/ ۵۲۳. "الشفا" الباب ۱ في بيان ما هو في حقه ﷺ سبٌّ أو نقصٌ من تعريض أو نص، الجزء ۲ صـ۱۳۳.

(۳) پ۸، الأعراف: ۷۳.

بھیجا، کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو! اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی، یہ اللہ کا ناقہ (اونٹنی) ہے تمھارے لیے نشانی، تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے، اور اسے بُرائی سے ہاتھ نہ لگاؤ؛ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا!"۔

اور حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے عصا کا سانپ ہو جانا، اور یدِ بیضاء یعنی رَوشن وچمکدار ہاتھ، ﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى * فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾[1] "فرمایا: اسے ڈال دے اے موسیٰ! تو موسیٰ نے ڈال دیا، تو جبھی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہوگیا"۔

﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى﴾[2] "اور اپنا ہاتھ اپنے بازُو سے مِلا! خوب سپید نکلے گا، بے کسی مرض کے ایک اَور نشانی"۔

اور حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا مُردوں کو زندہ کرنا، اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا (صحت مند) کر دینا، ﴿وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ[3]﴾[4] "میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے، اور سفید داغ والے کو، اور میں مُردے جِلاتا ہوں اللہ کے حکم سے"۔

اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے تو بہت ہیں[5]۔

(١) پ١٦، طه: ١٩، ٢٠.

(٢) پ١٦، طه: ٢٢.

(٣) پ٣، آل عمران: ٤٩.

(٤) "الشفا" ١/ ٢٥٢، ٢٥٣.

(٥) "شرح العقائد النَّسَفية" مَبحث النبوّات، صـ١٣٥.

جھوٹے دعوے کا پول

عقیدہ(۲۷): جو شخص نبی نہ ہو اور نبوّت کا دعویٰ کرے، وہ دعویٰ کرکے کوئی مُحالِ عادی (ناممکن چیز) اپنے دعوے کے مطابق ظاہر نہیں کرسکتا، ورنہ سچے جھوٹے میں فرق نہیں رہے گا[۱]۔

کرامت واِستِدراج

فائدہ: نبی سے جو بات خلافِ عادت قبلِ نبوّت ظاہر ہو، اُسے "اِرہاص" کہتے ہیں، اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو اسے "کرامت" کہتے ہیں، اور عام مؤمنین سے جو صادر ہو اُسے "معونت" کہتے ہیں۔

گنہگار یا کفّار سے جو اُن کے مُوافق ظاہر ہو، اُسے "اِستِدراج" کہتے ہیں، اور اُن کے خلاف ظاہر ہو تو "اِہانت" ہے[۲]۔

یہاں تک جو عقائد بیان ہوئے، اُن میں تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام شریک ہیں، اب عنقریب بعض وہ اُمور جو ہمارے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں، بیان کیے جائیں گے:

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ اجزائے ایمان میں سے ایک عقیدۂ نبوّت ہے، اس پر یقین ہمارے ایمان کا حصہ ہے؛ کیونکہ ہر نبی اور رسول پر ایمان لانا، مسلمان ہونے کی شرط ہے، البتہ جس نبی اور رسول کا زمانہ پائے اس کا اُمّتی ہوگا۔ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دَور سے لے کر قیامت تک کا زمانہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوّت کا زمانہ ہے۔ جو کسی ایک بھی نبی یا رسول کی نبوّت یا رسالت کا انکار کرے، وہ ایمان سے خارج ہے، لہٰذا مجموعی طَور پر تمام انبیاء کی نبوّت کو تسلیم کرنا لازم فرض ہے۔

---

(۱) "النّبراس" أقسام الخوارق سبعة، صـ۲۷۲.

(۲) المرجع نفسه.

ایک اِصلاحی پہلو

ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ پر نبوّت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا، اب آپ کے بعد کسی قسم کا نبی، مثلاً طفیلی یا ظِلّی (آپ ﷺ کا نائب بن کر) بھی نہیں آسکتا۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ "بالفرض آپ ﷺ کے زمانے میں، یا آپ کے زمانے کے بعد، کوئی نبی پیدا ہو، تب بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا"، ایسا عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے حضرت مجدّد الفِ ثانی علیہ الرحمۃ کی تالیف (۱) "اِثبات النبوّۃ"[۱]، حضرت شیخ عبد الحق محدِّث دہلوی علیہ الرحمۃ کی تالیف (۲) "مدارج النبوّۃ"[۲]، غزالئ زماں، رازئ دَوراں، حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے رسالے (۳) "نبوّت و رِسالت"[۳] اور (۴) "التبشیر برَدِّ التحذیر"[۴] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

خصائصِ مصطفیٰ ﷺ

ہمارے آقا ﷺ تمام مخلوقات کے نبی ہیں

عقیدہ(۱): تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت، خاص کسی ایک قوم کی طرف ہوئی، لیکن ہمارے حضورِ اقدس ﷺ تمام مخلوق اِنس و جن، بلکہ ملائکہ، حیوانات، جَمادات سب کی طرف مبعوث

---

(۱) مطبوعہ شیر ربّانی پبلیکیشنز، لاہور۔

(۲) ایضًا۔

(۳) مطبوعہ نعمان اکیڈمی، خانیوال۔

(۴) مقالاتِ کاظمی، ج۲، ص ۲۸۳۔

ہوئے (بھیجے گئے)۔ جس طرح انسان کے ذمّہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اِطاعت فرض ہے، اسی طرح ہر مخلوق پر حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی فرمانبرداری ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾[1] "اے حبیب تم فرماؤ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالی کا رسول ہوں!"۔

مزید فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا﴾[2] "بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا قرآن پاک اپنے بندہ پر، جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہے"۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ[3]﴾[4] "اے حبیب! ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر ایسی رسالت کے ساتھ، جو تمام لوگوں کو اپنے اِحاطہ میں لیے ہوئے ہے"۔

ہمارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام عالَم کے لیے رَحمت ہیں

عقیدہ(۲): حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ملائکہ واِنس وجن وحُور وغلمان وحیوانات وجمادات، غرض تمام عالَم کے لیے رَحمت ہیں، اور مسلمانوں پر تو نہایت ہی مہربان ہیں[5]، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾[6]

---

(١) پ٩، الأعراف: ١٥٨.

(٢) پ١٨، الفرقان: ١.

(٣) پ٢٢، سبأ: ٢٨.

(٤) "الفتاوى الحديثيّة" مطلب في بعثه صلى الله عليه وسلم إلى الملائكة، صـ٢٨٣. "الخصائص الكبرى" باب فرض طاعته صلى الله عليه وسلم على العالم، ٢/ ٣٤٢. "تکمیل الایمان" ص۱۲۷، ۱۲۸۔

(٥) "روح المعاني" سورة الأنبياء، تحت الآية: ١٠٧، ٩/ ١٥٧.

(٦) پ١١، التوبة: ١٢٨.

"بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول، جن پر تمھارا مشقّت میں پڑنا گِراں (ناگوار) ہے، تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں، مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان ہیں"۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾(۱) "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔

ہمارے آقا ﷺ سب سے آخری نبی ہیں

عقیدہ(۳): حضور خاتم النبیّن ہیں، یعنی اللہ تعالی نے سلسلۂ نبوّت حضور اکرم ﷺ پر ختم فرمادیا، کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد، کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا۔ جو شخص حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں یا حضور ﷺ کے بعد، کسی کو نبوّت ملنا مانے یا جائز جانے، وہ کافر ہے، ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ(۲)﴾(۳) "محمد تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں"۔

ہمارے آقا ﷺ ساری مخلوقاتِ الٰہی میں سب سے افضل واعلی ہیں

عقیدہ(۴): حضور اکرم ﷺ ساری مخلوقاتِ الٰہی میں سب سے افضل واعلی ہیں، کہ اَوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے، حضور ﷺ میں وہ سب جمع کردیے گئے، اور اِن کے علاوہ بھی حضور ﷺ کو وہ کمالات ملے، جن میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، بلکہ اَوروں کو جو کچھ ملا، حضور ﷺ کے طفیل میں، بلکہ

---

(۱) پ۱۷، الأنبياء: ۱۰۷.

(۲) پ۲۲، الأحزب: ٤٠.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ، ر: ٣٥٣٥، صـ٥٩٥. و"سنن الترمذي" كتاب الفِتن، باب ما جاء لا تقوم السّاعة ...إلخ، ر: ٢٢١٩، صـ٥٠٩. و"المعتقَد المنتقَد" الباب ٢ في النبوّات، تكميل الباب في تفصيل ما يجب في الإيمان نبيّنا ﷺ، صـ٢٢٤، ٢٢٥.

حضور ﷺ کے دستِ اقدس سے ملا، بلکہ کمال اس لیے کمال ہوا کہ حضور ﷺ کی صفت ہے، اور حضور ﷺ اپنے رب تعالی کے کرم سے، اپنے نفسِ ذات میں کامل واکمل ہیں، حضور ﷺ کا کمال کسی وصف سے نہیں، بلکہ اس وصف کا کمال ہے کہ کامل کی صفت بن کر، خود کمال وکامل ومکمل ہوگیا، کہ جس میں پایا جائے اس کو کامل بنادے[1]۔

مخلوقات میں حضور اکرم ﷺ کے مثل کوئی نہیں ہوسکتا

عقیدہ(۵): کسی کا حضور اکرم ﷺ کی مثل ہونا مُحال (ناممکن) ہے، جو کسی صفتِ خاصّہ میں کسی کو حضور ﷺ کا مثل بتائے، وہ گمراہ ہے یا کافر ہے[2]۔

ہمارے آقا ﷺ مرتبۂ محبوبیتِ کبریٰ پر فائز ہیں

عقیدہ(۶): حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالی نے مرتبۂ محبوبیتِ کبریٰ سے سرفراز فرمایا؛ کہ تمام مخلوق اللہ تعالی کی رِضا چاہتی ہے، اور اللہ تعالی رِضائے مصطفی ﷺ چاہتا ہے، فرماتا ہے: ﴿وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[3] "اے حبیب! یقیناً عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا، کہ آپ راضی ہو

---

(١) "مسند الإمام أحمد" ر: ٢٢٢٧٢، ٨/ ٢٨٤. "صحيح البخاري" كتاب الصلاة، باب قول النّبي ﷺ: «جعلتْ لي الأرضُ مسجداً وطهوراً» ر: ٤٣٨، صـ٧٦. "صحيح مسلم" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، ر: ٥٢٢، باب المساجد ومواضع الصلاة، صـ٢١٣. و"تفسير الخازن" سورة الأنعام، تحت الآية:٩٠، ٢/ ٣٤. و"المواهب اللدُنية" المقصد ٤، الفصل ٢، ٢/ ٢٥٣. و"الخائص الكبرى" باب اختصاصه ﷺ بعموم الدّعوة ...إلخ، ٢/ ٣٢٠.

(٢) "شرح الشفا" خطبة الكتاب، ١/ ٢٢. و"المعتقَد المنتقَد" الباب ٢ في النبوّات، تكميل الباب في تفصيل ما يجب في الإيمان بنبيّنا ﷺ، تفضيل غير النّبي على نبيٍّ كفرٌ صـ٢٣٨.

(٣) پ٣٠، الضحى: ٥.

جائیں گے!"۔ مزید فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا[1]﴾[2] "اے حبیب! ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا آسمان کی طرف منہ کرنا، توضرور ہم آپ کو پھیر دیں گے اُس قبلہ کی طرف جس میں آپ کی خوشی ہے!"۔

سفرِ معراج

عقیدہ(۷): حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ایک سفرِ معراج بھی ہے، کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، اور وہاں سے ساتویں آسمان اور عرش وکرسی تک، بلکہ بالائے عرش، رات کے ایک مختصر سے حصّہ میں، مع جسم تشریف لے گئے، اور وہ قربِ خاص حاصل ہوا، کہ کسی بشر وفرشتے کو کبھی نہ حاصل ہوا ہے نہ ہو گا۔ اور جمالِ الٰہی بچشمِ سَر دیکھا ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى[3]﴾[4] اور کلامِ الٰہی بلاواسطہ سُنا، اور تمام آسمانوں اور زمین کے اَسرار ورُموز کو بالتفصیل ذرّہ ذرّہ ملاحظہ فرمایا[5]۔

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱٤٤.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب التفسير" سورة الأحزاب، باب قوله: ﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ﴾ ...إلخ، ر:٤٧٨٨، صـ ٨٤٢. و"صحيح مسلم" كتاب الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، ر: ١٤٦٤، صـ٦٢٣. "التفسير الكبير" سورة البقرة، تحت الآية: ١٤٢، ٢/ ٨٢.

(۳) پ۲۷، النجم: ١٧.

(٤) "الدر المنثور" پ۲۷، سورة النجم، تحت الآية: ١٧، ٧/ ٦٤٧.

(٥) "سنن الدارمي" كتاب الرؤيا، باب في رؤية الرب تعالى في النوم، ر:٢١٤٩، ٢/ ١٧٠. و"فتح الباري" كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، تحت ر:٣٨٨٨، ٧/ ١٨٥. وانظر: "الفتاوى الرضوية" كتاب العقائد والكلام، رسالة "منبه المنية بوصول الحبيب إلى العرش والرؤية" ١٨/ ٤٠٥-٤١٠.

تمام مخلوقات حضور اکرم ﷺ کی نیاز مند ہیں

عقیدہ(۸): تمام مخلوق اوّلین وآخِرین، حضور اکرم ﷺ کی نیاز مند ہے، یہاں تک کہ حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام بھی[1]۔

مرتبۂ شَفاعتِ کبریٰ حضور اکرم ﷺ کے لیے خاص ہے

عقیدہ(۹): قیامت کے دن مرتبۂ شَفاعتِ کبریٰ حضور اکرم ﷺ کے لیے خاص ہے، کہ جب تک حضور ﷺ شَفاعت کا دروازہ نہیں کھولیں گے، کسی کو مجالِ شَفاعت نہیں ہوگی[2]، بلکہ حقیقۃً جتنے شَفاعت کرنے والے ہیں، وہ سب حضور ﷺ کے دربار میں شَفاعت لائیں گے[3]، اور اللہ تعالی کے حضور مخلوقات میں صِرف حضور اکرم ﷺ شفیع ہیں[4]۔ اور یہ شَفاعتِ کُبریٰ مؤمن، کافر، مُطیع وگنہگار سب کے لیے ہے، کہ وہ انتظارِ حساب جو سخت جاں گزا ہوگا، جس کے لیے لوگ تمنّائیں کریں گے، کہ کاش اس انتظار کے بجائے ہمیں جہنم میں پھینک دیا جائے۔ اِس بلا سے چھٹکارا، کفّار کو بھی حضور ﷺ کی بدَولت ملے گا، جس پر اوّلین وآخِرین، مُوافقین ومخالفین، مؤمنین وکافرین، سب حضور ﷺ کی حمد کریں گے، اِسی مقام کا نام مقامِ محمود ہے۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنّة منزلة فيها، ر: ١٩٤، صـ١٠٣، ١٠٤. وكتاب فضائل القرآن، باب بيان أنّ القرآن أنزل على سبعة أحرف ...إلخ، ر: ٨٢٠، صـ٣٣٠. "نوادر الأصول" الأصل ٧٣، ص١١٠. والأصل ١١٢، صـ١٤٨.

(٢) "تفسير الطبَري" پ١٥، سورة الإسراء، تحت الآية: ٧٩، ٨/ ١٣١. و"المعتقَد المنتقَد" الباب ٢ في النبوّات، تكميل الباب في تفصيل ما يجب في الإيمان بنبيّنا ﷺ، صـ٢٣٩، ٢٤٠.

(٣) "المعتمَد المستنَد" الباب ٢ في النبوّات، تكميل الباب في تفصيل ما يجب في الإيمان بنبيّنا ﷺ، صـ٢٤٠.

(٤) "سنن الترمذي" كتاب المناقب، باب «سَلُوا اللهَ لِي الوسيلةَ» ر: ٣٦١٣، صـ٨٢٤.

شَفاعت کی اقسام

شَفاعت کی مزید اَقسام بھی ہیں، مثلاً بہت سے لوگوں کو بلاحساب جنّت میں داخل فرمائیں گے، جن میں چار ۴ اَرَب توّے ۹۰ کروڑ کی تعداد معلوم ہے، اِس سے بہت زائد اَور ہیں، جو اللہ تعالی اور رسول ﷺ کے علم میں ہیں۔ بہت سے وہ ہوں گے جن کا حساب ہو چکا ہے، اور مستحقِ جہنم ہو چکے، انہیں جہنم سے بچائیں گے۔ اور بعضوں کی شَفاعت فرماکر جہنم سے نکالیں گے، اور بعضوں کے دَرَجات بلند فرمائیں گے، اور بعضوں سے تخفیفِ عذاب فرمائیں گے[1]۔

شَفاعت بالوجاہۃ، شَفاعت بالمحبۃ

عقیدہ(۱۰): ہر قسم کی شَفاعت حضور اکرم ﷺ کے لیے ثابت ہے۔ شَفاعت بالوجاہۃ، شَفاعت بالمحبۃ، شَفاعت بالإذن، اِن میں سے کسی کا بھی انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے[2]۔

منصبِ شَفاعت حضور اکرم ﷺ کو دیا جا چکا

عقیدہ(۱۱): منصبِ شَفاعت حضور اکرم ﷺ کو دیا جا چکا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: «أُعطِيتُ الشّفاعةَ»[3] "مجھے شَفاعت دے دی گئی ہے"۔ اور اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الرقاق، باب صفة الجنّة والنّار، ر: ٦٥٦٦، صـ١١٣٦. وكتاب الأدب، باب كنية المشرك، ر: ٦٢٠٨، صـ١٠٨١. "سنن الترمذي" أبواب صفة القيامة، باب منه [حديث: «شفاعتي لأجل الكبائر من أمّتي»] ر: ٢٤٣٧، صـ٥٥٦.

(۲) "المعتقَد المنتقَد" الباب ٢ في النبوّات، تكميل الباب في تفصيل ما يجب في الإيمان بنبيّنا ﷺ، صـ٢٤٢-٢٥٠.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب التيمّم، باب، ر: ٣٣٥، صـ٥٨.

﴿وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾[1] "آپ اپنے خاصوں کے گناہوں، اور عام مؤمنین ومؤمنات کے گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے!"۔ شَفاعت اَور کس کانام ہے ...؟! اللّٰھمّ ارزُقنا شفاعةَ حَبِيبِكَ الكَرِيمِ!.

ایمان حضورِ اکرم ﷺ کی محبت کا نام ہے

عقیدہ(۱۲): حضورِ اکرم ﷺ کی محبت مدارِ ایمان ہے، بلکہ ایمان اِسی محبت کا نام ہے، جب تک حضور ﷺ کی محبت ماں باپ، اولاد اور تمام جہان سے زیادہ نہ ہو، آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا[2]۔

اطاعتِ الٰہی بے اطاعتِ حضور ﷺ ممکن نہیں

عقیدہ(۱۳): حضورِ اکرم ﷺ کی اِطاعت عین اطاعتِ الٰہی ہے، اطاعتِ الٰہی بے اطاعتِ حضور ﷺ ممکن نہیں، یہاں تک کہ آدمی اگر فرض نماز میں ہو، اور حضور ﷺ اُسے یاد فرمائیں، فوراً جواب دے اور حاضرِ خدمت ہو! اور یہ شخص کتنی ہی دیر تک حضور ﷺ سے کلام کرتا رہے، بدستور نماز ہی میں ہے، اِس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا، ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ[3]﴾[4].

حضورِ اقدس ﷺ کی تعظیم، ایمان کا حصہ اور رُکنِ ایمان ہے

عقیدہ(۱۴): حضورِ اقدس ﷺ کی تعظیم، یعنی اعتقادِ عظمت، ایمان کا حصہ اور رُکنِ ایمان ہے، اور یہ فعلِ تعظیم ایمان کے بعد ہر فرض سے مقدّم ہے[5]، اِس کی اَہمیت کا پتا اس حدیث پاک

---

(۱) پ۲٦، محمد: ۱۹.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب حبّ الرسول ﷺ من الإيمان، ر: ۱۵، صـ٦.

(۳) پ۵، النساء: ۸۰.

(٤) "صحيح البخاري" كاتب التفسير، ر: ٤٦٤٧، صـ٧٩٦. و"تفسير البيضاوي" سورة الأنفال، تحت الآية: ٢٤، ٣/ ٩٩. و"المعتقَد المنتقَد" الفصل ١ في وجوب طاعته ومحبته ﷺ، صـ٢٥٦.

(۵) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الرّد والمناظرہ، رسالہ "الكوكبة الشهابية في كفريات أبي الوهابية" ۲۰/ ۲۷۔

سے چلتا ہے، کہ غزوہ خیبر سے واپسی میں منزل صہبا، پر نبئ اکرم ﷺ نے نمازِ عصر پڑھ کر، حضرت سیّدنا مَولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر، سر مبارک رکھ کر آرام فرمایا، حضرت سیّدنا مَولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ عصر نہ پڑھی تھی، آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے، مگر اِس خیال سے کہ زانو سرکاؤں تو شاید نیند مبارک میں خلل آئے! زانو نہ ہٹایا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، جب چشمِ اقدس کھلی، حضرت سیّدنا مَولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نماز کا حال عرض کیا، حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا، ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا، حضرت سیّدنا مَولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز ادا کی، پھر ڈوب گیا[1]۔

اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادات نماز، اور وہ بھی صلاۃِ وُسطیٰ نمازِ عصر، حضرت سیّدنا مَولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی نیند پر قربان کردی؛ کیونکہ عبادتیں بھی ہمیں حضور ﷺ ہی کے صدقے ملی ہیں۔

دوسری حدیث[2] اس کی تائید میں یہ ہے، کہ غارِ ثور میں پہلے حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے، اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اُس کے سوراخ بند کیے، ایک سوراخ باقی رہ گیا، اُس میں پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا، پھر حضورِ اقدس ﷺ کو بلایا، تب آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے، اور اُن کے زانو پر سرِ اقدس رکھ کر آرام فرمایا، اُس غار میں ایک سانپ مشتاقِ زیارت رہتا تھا، اُس نے اپنا سر صدیقِ اکبر کے پاؤں پر مَلا، انہوں نے اِس خیال سے کہ حضور ﷺ کی نیند میں خلل نہ آئے پاؤں نہ ہٹایا، آخر اُس سانپ نے آپ کے پاؤں میں کاٹ لیا، جب حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو چہرۂ انور پر گرے، چشمِ مبارک کھلی، عرضِ حال

---

(١) "المعجم الكبير" باب، ر: ٣٨٢، ٢٤/ ١٤٤، ١٤٥. و"مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" كتاب علامات النبوّة، باب حبس الشّمس له ﷺ، تحت ر: ١٤٠٩٦، ١٤٠٩٧، ٨/ ٢٩٧. [قال: الهيثمي: "رواه الطبَراني بأسانيد ورجالُ أحدِها رجالُ الصّحيحِ، عن إبراهيم بن حسن، وهو ثقةٌ وثَّقهُ ابنُ حِبّانَ"].

(٢) "مشکاۃ المصابیح" کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر، فصل ۳، ر: ۶۰۳۴، ج۳، ص۳۳۸، ۳۳۹۔

کیا، حضور ﷺ نے اپنا لُعابِ دَہن زخم پر لگایا، فوراً آرام ہوگیا۔ ہر سال وہ زہر عَود کرتا (اس کی تکلیف تازہ ہوتی)، بارہ ۱۲ برس بعد اُسی زہر کے سبب حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت ہوئی[1] ؏

مَولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز ——— اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے ——— اور حفظِ جاں تو جان فُروضِ غرر کی ہے

ہاں تُو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز ——— پَر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بَشَر کی ہے

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فُروع ہیں ——— اصلُ الاصول بندگی اس تاجوَر کی ہے[2]

خلاصۂ کلام

خصائص سے مراد وہ اَوصاف وکمالات ہیں، جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں، اور کسی دوسرے میں نہ پائے جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی رُشد وہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا، انہیں دیگر انسانوں سے ممتاز کرنے کے لیے، اَن گنت اَوصاف وکمالات سے متّصف فرمایا، یہ اَوصاف وکمالات ان کے خصائص کہلاتے ہیں۔ نبئ آخر الزمان، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دنیا میں بھیجا، اور انہیں بھی خاص اَوصاف وکمالات سے متّصف فرمایا، جو آپ ﷺ کے خصائص میں شمار کیے گئے ہیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام جلال الدّین سُیوطی علیہ الرحمۃ کی تالیف (۱) "الخصائص الکبری"[3]، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ (۲) "تجلّي اليقين بأنّ

(۱) "تفسير الخازن" سورة التوبة، ۲/ ۲٤۰. و"روح البيان" سورة التوبة، ۳/ ٤۳۲، ٤۳۳.

(۲) "حدائقِ بخشش" حصہ اوّل، ص: ۲۰۳ تا ۲۰۵۔

(۳) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

نبيَّنا سيّدُ المرسَلين"[۱]، علّامہ محمود احمد رضوی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۳) "خصائصِ مصطفی"[۲] اور حضرت علّامہ مفتی محمد امین صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیف (۴) "البرہان"[۳] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

فضائلِ دُرود وسلام

عقیدہ(۱): حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، جس طرح اُس وقت تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِس عالَم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے، اب بھی ان کی تعظیم اُسی طرح فرضِ اعظم ہے، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آئے، تو بکمالِ خشوع وخضوع وانکسار باادب سُنے، اور نامِ پاک سُنتے ہی درود شریف پڑھنا واجب ہے[۴] "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلاَنَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ وَصَحْبِهِ الْعظَامِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ".

علاماتِ محبت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے، کہ ان کا ذکر بکثرت کرے، اور درود شریف کی کثرت کرے، اور نامِ پاک لکھے تو اُس کے بعد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھے، بعض لوگ براہِ اختصار صلعم وغیرہ لکھتے ہیں، یہ محض ناجائز ہے[۵]۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" ۱۳۱/۱۹تا۱۴۱، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) مطبوعہ مکتبہ رضوان، لاہور۔

(۳) مطبوعہ تحریک تبلیغ الاسلام، فیصل آباد۔

(٤) "الشفا" الباب ٢ في محبته صلی اللہ علیہ وسلم، فصل في علامة محبته صلی اللہ علیہ وسلم، الجزء ٢، صـ١٧. و"فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ۶۷۳/۴۔ و"انور البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ" ۲۰۱/۸۔

(٥) "حاشية الطحطاوي على الدر" مقدّمة الكتاب، ١/ ٦. و"فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ۶۷۲/۴۔

محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے، کہ آپ ﷺ کے آل واَصحاب، مہاجرین وانصار، اور جمیع متعلقین ومتوسلین سے محبت رکھے، اور حضور ﷺ کے دشمنوں سے عداوت رکھے، اگرچہ وہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا کُنبہ کے ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو ایسا نہ کرے، وہ اِس دعوئ محبت میں جھوٹا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے حضور ﷺ کی محبت میں، اپنے سب عزیزوں، قریبوں، باپ، بھائیوں اور وطن کو چھوڑا؟! اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ ورسول عزّوجلّ وﷺ سے بھی محبت ہو، اور اُن کے دشمنوں سے بھی اُلفت ہو؟! ایک کو اختیار کر! کہ ضِدّین یعنی دو ٢ مخالف چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں، چاہے جنّت کی راہ پر چل یا جہنم کو جا!!(١)۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ٍاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾(٢) "اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو، اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کریں! اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں!۔ اے حبیب! آپ فرمائیے، کہ اگر تمھارے باپ، اور تمھارے بیٹے، اور تمھارے بھائی، اور تمھاری عورتیں، اور تمھارا کنبہ (خاندان)، اور تمھاری کمائی کے مال، اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے، اور تمھاری پسند کے مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول، اور اس کی راہ میں لڑنے (جہاد) سے زیادہ پیاری ہوں، تو راہ تکتے رہو! یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا حکم لائے! اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا!"۔

---

(١) "الشفا" الباب ٢ في محبته ﷺ، فصل في علامة محبته ﷺ، الجزء ٢، صـ١٨.

(٢) پ١٠، التوبة: ٢٣، ٢٤.

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[1] "تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر، کہ وہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کُنبے (خاندان) والے ہوں، یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایمان نقش فرما دیا، اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی، اور انہیں باغوں میں لے جائے گا، جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی، یہ اللہ تعالی کی جماعت ہے، سنتے ہو! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے!"۔

نیز علامتِ محبت یہ بھی ہے، کہ شانِ اقدس میں جو الفاظ استعمال کیے جائیں، ادب میں ڈوبے ہوئے ہوں، کوئی ایسا لفظ جس میں ادنیٰ بے ادبی کی بُو بھی ہو، کبھی زبان پر نہ لائے، اگر حضور ﷺ کو پکارے تو نامِ پاک کے ساتھ (یا محمد) نہ پکارے؛ کیونکہ یہ جائز نہیں، بلکہ یوں کہے: "یا نبيَّ الله! یا رسولَ الله! یا حبیبَ الله!". اگر مدینہ طیّبہ کی حاضری نصیب ہو، تو روضہ شریف کے سامنے، چار ۴ ہاتھ کے فاصلہ سے دست بستہ، جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے ویسے کھڑا ہو کر، سَر جھکائے ہوئے، صلاۃ وسلام عرض کرے، بہت قریب نہ جائے، نہ اِدھر اُدھر دیکھے، اور خبردار... !خبردار... ! آواز کبھی بلند نہ کرنا، کہ عمر بھر کا سارا کیا دھرا اکارت (ضائع) ہو جائے گا[2]۔

---

(۱) پ۲۸، المجادلة: ۲۲.

(۲) "المسلك المتقسط" باب زیارة سیّد المرسَلین ﷺ، فصل، صـ۵۰۸. و "فتاوی رضویہ" کتاب الحج، رسالہ "انور البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ" ۸/۶۰۲، ۶۰۳۔

محبت کی یہ نشانی بھی ہے، کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اَقوال وافعال واحوال علمائے کرام سے دریافت کرے، اور اُن کے مطابق عمل کرے[۱]۔

عقیدہ(۲): حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کسی قول وفعل، عمل وحالت کو، جو بنظرِ حقارت دیکھے، وہ کافر ہے[۲]۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب کی عطا سے، سارے جہاں کے حاکم ہیں

عقیدہ(۳): حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالی کے نائبِ مطلق ہیں، تمام جہان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اختیار میں اور زیرِ حکم کر دیا گیا ہے، جو چاہیں کریں، جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لے لیں، تمام جہان میں اُن کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہان اُن کا محکوم ہے، اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں اپنا مالک نہ جانے، سنّت کی لذّت ومٹھاس سے محروم رہے گا[۳]۔

دنیا وآخرت حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصّہ ہے

تمام زمین اُن کی مِلک ہے، تمام جنّت اُن کی جاگیر ہے، ملکوت السماواتِ والارض حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زیرِ فرمان ہیں، جنّت ونار کی کنجیاں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دستِ اقدس میں دے دی گئی ہیں، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا وآخرت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا کا ایک حصّہ ہے،

---

(۱) "الشفا" الباب ۲ في محبته صلی اللہ علیہ وسلم، فصل في علامة محبته صلی اللہ علیہ وسلم، الجزء ۲، صـ۱۷.

(۲) "فتاوى قاضي خانْ" كتاب السير، باب ما يكون كفراً من المسلم وما لا يكون، الجزء ٤، صـ٤٦٨.

(۳) "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن عَمرو بن العاص رضي الله عنهما، ر: ٦٩٠٢، ٢/ ٦٤٤. و"جواهر البحار" ٣/ ٦٠. و"نسيم الرياض" القسم ١ في تعظيم العُلى الأعلى لقدر النّبي، ٢/ ٢٨١. و"الجوهر المنظَّم" صـ٤٢. و"اشعۃ اللمعات" ۳۱۵/۴۔ و"فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۲۵۷/۱۱۔

اَحکامِ تشریعیّہ، یعنی اَحکام حلال وحرام کے اختیارات حضور ﷺ کے قبضہ میں کر دیے گئے ہیں، کہ جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں، اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کردیں، اور جو فرض چاہیں مُعاف فرمادیں[1]۔

فائدہ: سب سے پہلے مرتبۂ نبوّت حضور اکرم ﷺ کو ملا۔ روزِ میثاق تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے حضور ﷺ پر ایمان لانے، اور حضور ﷺ کی مدد کرنے کا عہد لیا گیا، اور اِسی شرط پر یہ منصبِ اَعظم انہیں دیا گیا۔ حضور ﷺ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے نبی ہیں، اور تمام انبیاء حضور ﷺ کے اُمّتی ہیں، سب نے اپنے اپنے عہدِ کریم میں حضور ﷺ کی نِیابت میں کام کیا۔ اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو اپنی ذات کا مظہر بنایا، اور حضور ﷺ کے نُور سے تمام عالَم کو منوّر فرمایا، اسی طَور پر ہر جگہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں[2]۔

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند البصريين، حديث أبي المليح عن أبيه رضي الله عنه، ٢٠٣٠٩، ٧/ ٢٨٣، ٢٨٤. "صحيح البخاري" كتاب الجزية والموادعة، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب، ر: ٣١٦٧، صـ٥٢٧. وكتاب جزاء الصيد، باب لا يحل القتال بمكّة، ر: ١٨٣٤، صـ٢٩٦. "صحيح مسلم" كتاب الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، ر: ٤٨٩، صـ٢٠٢. "المرقاة" كتاب الصلاة، باب السجود وفضله، الفصل ١، ر: ٨٩٦، ٢/ ٦١٥. "الفتاوى الرضوية" كتاب السير، ١١/ ١٨٨. ورسالة "الأمن والعُلى لناعتِي المصطفى بدافع البلاء" ١٩/ ٢٠٩-٢١١. ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ پ٩، الأعراف: ١٥٧. وانظر: رسالة "منية اللبيب أنّ التشريع بيد الحبيب" ١٩/ ٢٢٨.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل النّبي ﷺ، ر: ٣٦٠٩، صـ٨٢٣. "تفسير الطَبَري" سورة آل عمران، تحت الأية: ٨١، ٣/ ٣٣٠. "الخصائص الكبرى" باب خصوصية النّبي ﷺ بكونه أوّل النّبيين في الخَلق ...إلخ، فائدة في أنّ رسالة النّبي ﷺ ...إلخ، ١/ ١-١٠.

ضروری مسئلہ

انبیائے کرام علیہم السلام کی لغزش کا بلاوجہ ذکر سخت حرام ہے

انبیائے کرام علیہم السلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں، اُن کا ذکر تلاوتِ قرآن وروایتِ حدیث کے سِوا حرام اور سخت حرام ہے!!۔ اَوروں کو اُن سرکاروں میں لَب کُشائی کی ہرگز اجازت نہیں، اللہ عزّوجلّ اُن کا مالک ہے، جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے، وہ اُس کے پیارے بندے ہیں، اپنے رب تعالیٰ کے لیے جس قدر چاہیں تواضُع (عاجزی) فرمائیں، دوسرا کوئی اُن کلمات کو ہرگز سند نہیں بناسکتا! اور جو اُن لغزشوں کا ذکر انبیائے کرام کے لیے کرے تو مردودِ بارگاہ ہوگا!۔

پھر اُن کے یہ افعال جن کو زَلّت ولغزش سے تعبیر کیا جائے، ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہیں، ہزاروں فائدوں اور برکتوں کو لانے والی ہوتی ہیں، ایک ہمارے باپ حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لغزش کو دیکھیے! اگر وہ نہ ہوتی، جنّت سے نہ اُترتے، دنیا آباد نہ ہوتی، نہ کتابیں اُترتیں، نہ رسول آتے، نہ جہاد ہوتے، لاکھوں کروڑوں نیکیوں کے اجر وثواب کے دروازے بند رہتے، اُن سب کا فتحِ باب ایک لغزشِ آدم کا نتیجہ مبارکہ وثمرۂ طیّبہ ہے۔ بالجملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی لغزش تو صدّیقین کی حَسَنات سے بھی افضل واعلیٰ ہے۔

خلاصۂ کلام

درود وسلام پڑھنے کا حکم قرآنِ مجید میں دیا گیا ہے، جب درود وسلام بھیجنے کی نسبت اللہ عزّوجلّ کی طرف ہو، تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثناء اور تعریف وتوصیف، اور ان پر اپنی رحمتِ مخصوصہ نازل فرمانا ہے۔ اور جب درود وسلام پڑھنے کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو، تو اس سے مراد، فرشتوں کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دُعائے رحمت کرنا ہے۔ اور جب درود وسلام کی نسبت اہلِ ایمان کی طرف کی جائے، تو اس کا مفہوم یہ ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثناء اور تعریف وتوصیف بیان کی جائے، اور آپ کے لیے رحمت کی دعا کی جائے۔

درود وسلام پڑھنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے

زندگی میں کم از کم ایک بار درود وسلام پڑھنا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "نامِ پاک حضور پُرنور سیّد عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف جلسوں میں جتنی بار لے یا سنے، ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے، اگر نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا، اور سخت وعیدوں میں گرفتار ہوگا۔ ہاں اس میں اختلاف ہے، کہ اگر ایک ہی جلسہ میں چند بار نامِ پاک لیا یا سُنا، تو ہر بار واجب ہے یا ایک بار کافی؟ اور ہر بار مستحب ہے؟ بہت علماء قولِ اوّل کی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ہزار بار اسم شریف پڑھے، تو ہر بار درود شریف بھی پڑھتا جائے، اگر ایک بار بھی چھوڑا گنہگار ہوا۔ "مجتبیٰ" و "دُر مختار" وغیرہما میں اس قول کو مختار واصح کہا۔ "دُر مختار" میں ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے، کہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کیا جائے، تو سامع اور ذاکر دونوں پر، ہر بار درود وسلام عرض کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اصح مذہب پر مختار قول یہی ہے، کہ ہر بار درود وسلام واجب ہے، اگرچہ مجلس ایک ہی ہو۔

دیگر علماء نے بنظر آسانیٔ اُمّت، قولِ دُوم ۲ اختیار کیا، ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ایک بار درود، ادائے واجب کے لیے کفایت کرے گا، زیادہ کے ترک سے گنہگار نہ ہوگا، مگر ثوابِ عظیم وفضلِ جسیم سے بے شک محروم رہا۔ "کافی" و "قنیہ" وغیرہما میں اسی قول کی تصحیح کی، "ردالمحتار" میں ہے کہ اسے زاہدی نے "مجتبیٰ" میں صحیح قرار دیا ہے، لیکن "کافی" میں ہر مجلس میں ایک ہی بار درود کے وُجوب کو صحیح کہا ہے، جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے؛ تاکہ مشکل اور تنگی لازم نہ آئے۔ البتہ مجلسِ واحد میں تکرارِ درود، مستحب ومندوب ہے، بخلاف سجدۂ تلاوت کے۔ "قنیہ" میں ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی بار درود پڑھنا کافی ہے، جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ابن ہُمام نے "زاد الفقیر" ("فتح القدیر") میں اسی قول پر جزم کیا ہے۔

بہرحال مناسب یہی ہے، کہ ہر بار ﷺ کہتا جائے؛ کہ ایسی چیز جس کے کرنے میں بالاتفاق بڑی بڑی رحمتیں برکتیں، اور نہ کرنے میں بلاشبہ بڑے فضل سے محرومی ہے، اور ایک مذہبِ قوی پر گناہ ومعصیت ہے، توعاقل کا کام نہیں کہ اُسے ترک کرے، وباللہ التوفیق!"[۱]۔

ایک اصلاحی پہلو

درود وسلام کی جگہ عوام وجہّال، جو "صلعم" یا "ع" یا "م" یا "ص" یا "صللم" لکھ دیتے ہیں، یہ محض مہمل وجہالت ہے، جیسے زبان سے درود وسلام کے عوض، یہ مہمل کلمات کہنا درود نہیں، یونہی ان مہملات کا لکھنا، درود لکھنے کا کام نہیں دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے[۲]۔ چنانچہ حتّی المقدور درود شریف پورا لکھا جائے، اگر کسی مجبوری کے باعث پورا لکھنا ممکن نہ ہو، توزبان سے درود وسلام عرض کرے، لیکن مخفّف کلمات سے مکمل اجتناب کرے! باادب بانصیب، بےادب بےنصیب!۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، حضرت محمد بن سلیمان جزولی علیہ الرحمۃ کی تالیف (۱) "دلائل الخیرات"[۳]، امام شمس الدّین سَخاوی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۲) "القول البديع في الصّلاة على الحبيب الشَّفيع"[٤]، حضرت علّامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۳) "سعادة الدارَين في الصّلاة على سيّد الكونَين"[٥]، حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الصّلاۃ، باب صفۃ الصّلاۃ، ۴/۶۷۲۔

(۲) ایضاً، کتاب الجنائز، ۷/۱۷۶۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ سلطانیہ، فیصل آباد۔

(٤) مطبوعة من دار الكتاب العربي، بيروت.

(۵) مطبوعہ مرکزِ اہلِ سنّت برکاتِ رضا، گجرات ہند۔

رسالہ (۴) "درودِ تاج پر اعتراضات کے جوابات"[1]، اور حضرت مفتی محمد امین صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۵) "آبِ کوثر"[2] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ بزمِ سعید، ملتان۔

(۲) مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور۔

(۹) عصمتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے[۱]، اور یہ عصمت، نبی اور فرشتے کا خاصّہ ہے، کہ نبی اور فرشتے کے سِوا کوئی معصوم نہیں ہو سکتا[۲]۔ اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا، گمراہی وبددِینی ہے۔ عصمتِ انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہوچکا ہے، جس کے سبب ان سے گناہ صادِر ہونا شرعاً ممکن نہیں[۳]۔ بخلاف ائمہ واکابر اولیاء، کہ اللہ عزّوجلّ انہیں محفوظ رکھتا ہے، ان سے گناہ ہوتا نہیں، مگر ہو تو شرعاً ناممکن بھی نہیں[۴]۔

عِصمتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ۞ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی﴾[۵] "اور وہ (نبی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جوانہیں کی جاتی ہے"۔

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سیّدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ﴾[۶] "ہم گروہِ انبیاء کے لیے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں"۔

---

(۱) "منح الرَّوض الأزهر" صـ١٦٩.

(۲) المرجع نفسه صـ٥٤.

(۳) المرجع السابق صـ١٤٤-١٩٣-٣٣٧.

(٤) "شرح المقاصد" المقصد ٦، الفصل ٤، المبحث ٢، الجزء ٥، صـ٢٤٩. و"الفتاوى الحديثيّة" مطلب: في أنّ الإلهام ليس بحجّة على ما هو الأرجَح عند الفقهاء، صـ٤٢٢. "بہارِ شریعت" عقائدِ متعلقِ نبوّت، حصہ اوّل، ج۱، ص۳۸، ۳۹۔

(٥) پ٢٧، النجم: ٣، ٤.

(٦) پ١٢، يوسف: ٣٨.

(۳) اور فرمایا: ﴿ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ﴾[1] "میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا، کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں، خود اس کے خلاف کرنے لگوں"۔

(۴) مزید فرمایا: ﴿ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾[2] "اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں، میں تو ربّ العالمین کا رسول ہوں"۔

عِصمتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «ما منكُم من أحَدٍ، إلَّا وقَد وُكِّلَ به قرِينُه من الجِنِّ» "ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے، جسے قرین کہا جاتا ہے"، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: کیا آپ کے ساتھ بھی ہے یا رسولَ اللہ؟! ارشاد فرمایا: «وإِيَايَّ، إلَّا أنّ اللهَ أعانَني عليه فأَسلَمَ، فلا يَأمُرُني إلَّا بِخَيرٍ» "ہاں میرے ساتھ بھی ہے، مگر اللہ تعالی نے میری مدد کی اور میرا قرین مسلمان ہوگیا، لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے"[3]۔

(۲) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «ما من بَنِي آدم مولودٌ إلَّا يمسّهُ الشّيطانُ حين يُولَد، فيستهِلُّ صارخاً مِن مَسِّ الشّيطَانِ، غيرَ مريمَ وابنِهَا» ثُمَّ يَقُولُ أبو هُرَيْرَةَ: ﴿ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾[4] "ہر

---

(۱) پ۱۲، هود: ۸۸.

(۲) پ۸، الأعراف: ٦١.

(۳) "صحيح مسلم" كتاب صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان ...إلخ، ر: ۷۱۰۸، صـ۱۱۲۵.

(٤) پ۳، آل عمران: ٣٦.

بچے کو وقتِ ولادت شیطان چُھوتا ہے، جس سے بچہ روتا ہے، مگر حضرت عیسی علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم رضی اللہ تعالی عنہا کو، وقتِ ولادت وہ چُھو بھی نہ سکا"[1]۔

اس حدیث پاک کی شرح میں امام قاضی عیاض بن موسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "فإنّ الأنبياء معصومون من الشّيطان بكلّ وجه"[2] "یقیناً تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہر حال میں شیطان کے شر سے محفوظ ہیں"۔

امام نووی علیہ الرحمۃ اس قول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "هذهِ فضِيلةٌ ظاهِرةٌ، وظاهرُ الحديثِ اختصَاصُها بعيسَى وأمِّه، وأشار القاضِي عياضٌ أنّ جميعَ الأنبياء يشاركون فِيها"[3]. "حضرت عیسی اور ان کی والدہ علیہما السلام کی فضیلت تو ظاہر ہے، اور اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو اس فضیلت کی خصوصیت انہی دونوں کے ساتھ ہے، اور امام قاضی عیاض نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ یہ فضیلت تمام انبیائے کرام کے لیے بھی ہے"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ [مريم: ١٦]، ر: ٣٤٣١، صـ٥٧٨.

(۲) "إكمال المعلم بفوائد مسلم" كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، تحت ر: ٢٣٦٦، ٧/ ٣٣٨.

(۳) "شرح النووي على صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، تحت ر: ٢٣٦٦، الجزء ١٥، صـ١٢٠. و"الديباج على صحيح مسلم بن الحجّاج" تحت ر: ٢٣٦٦، ٥/ ٣٥٠. و"السراج المنير شرح الجامع الصّغير" حرف الكاف، ٣/ ٨٧.

عِصمتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

"فقہِ اکبر" میں ہے کہ "تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام صغیرہ کبیرہ گناہوں، اور کفر وبُری باتوں سے پاک ہیں"[1]۔

علّامہ سعد الدّین تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "یقیناً انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام جھوٹ سے پاک ہیں، خاص طور پر ان باتوں میں جن کا تعلق اَحکامِ شریعت اور اصلاحِ امّت سے ہے، نیز انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام وحی سے پہلے اور بعد، بالِاجماع کفر سے معصوم ہیں"[2]۔

علّامہ قاسم بن قُطلوبغا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "جُمہور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد بھی، کفر سے معصوم ہیں"[3]۔

امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "مسلمان ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں، کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کبیرہ گناہوں سے مطلقاً، اور گناہِ صغیرہ کے عمداً ارتکاب، اور ہر ایسے امر سے جو خَلق کے لیے باعثِ نفرت ہو، اور مخلوقِ خدا ان کے باعث ان سے دُور بھاگے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت ومُروت اور معزّزین کی شان ومرتبہ کے خلاف ہیں، قبل نبوّت اور بعد نبوّت، بالِاجماع معصوم ہیں"[4]۔

---

(١) "الفقه الأكبر" صـ١٦٩.

(٢) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ٢١٥، ملتقطاً.

(٣) "شرح المسايرة" صـ٢٢٧.

(۴) "فتاوی رضویہ" "کتاب العقائد والکلام، رسالہ: "اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفی والآل والاصحاب" ۱۸/۲۴۰۔

خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث اور اَقوالِ علماء کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ عصمت ایک صفتِ خاصّہ ہے، جو اللہ تعالی نے اپنے خاص بندوں، یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کو عطا فرمائی ہے، لہذا وہ گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے قبل وبعد اعلانِ نبوّت، پاک ومنزّہ ہیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام فخر الدّین رازی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا رسالہ (۱) "عصمة الأنبياء"[۱]، اور حضرت علّامہ مفتی نظام الدّین رضوی صاحب کے رسالہ (۲) "عصمتِ انبیاء"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعہ مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، وکاروان پبلی کیشنز، لاہور۔

(۲) مطبوعہ دار العلوم اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

(۱۰) حیاتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام

حیات بعد الوفات کے عقیدہ پر اِجماعِ اُمّت ہے، آج تک کسی سنّی مسلمان عالمِ دین نے، قبر کی زندگی کا انکار نہیں کیا، اور یہ حیاتِ قبر درجہ بدرجہ ہر انسان کو حاصل ہوتی ہے، یہی حیات قبر کے سوال وجواب، ثواب وعِقاب جیسی کاروائی کی بنیاد بھی قرار پاتی ہے۔ اگر حیات بعد الوفات نہ ہو، تو یہ سارے اُمور بے کار ہو کر رہ جائیں۔ قبر کی زندگی کا سب سے اعلیٰ اور اُونچا مقام، حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، بالخصوص ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیات بعدِ از وفات، سب سے ممتاز اور سب سے اَرفع واعلی ہے[1]۔

اِس بات پر بھی پوری اُمّتِ محمدیہ -علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام- کا اتفاق ہے، کہ حیاتِ بَرزخی کو جسدِ عُنصری سے ایک خاص تعلق حاصل ہوتا ہے، اِس پر بھی اتفاق ہے کہ قبر کی زندگی غیب کی چیز ہے، جس پر بِن دیکھے ایمان لانا مؤمن کی شان ہے، اور اہلِ علم ودانش جانتے ہیں کہ عقیدۂ حیات الانبیاء، حیاتِ قبر کے عقیدہ کی ایک مخصوص شاخ اور ایک امتیازی شعبہ ہے۔ تمام اہلِ اسلام اس بات پر بھی مجتمع اور متفق ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس اور جسدِ اَطہر کے درمیان ایک خاص تعلق ہے، جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ممتاز اور اعلیٰ قسم کی حیات اُخروی حاصل ہے۔ الغرض اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا، جس نے اِس تعلق کا انکار کیا ہو۔

امام جلال الدین سُیوطی (ت ۹۱۱ھ) رسالہ "إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" میں فرماتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور تمام انبیاء کا اپنی قبروں میں زندہ رہنا، ہمارے نزدیک یقینی طَور پر معلوم ہے، جس پر ہمارے پاس ایسے دلائل وشواہد موجود ہیں، جو تواتُر کی حد کو پہنچ چکے ہیں، اور امام بَیہقی نے بھی ایک رسالہ "حیاۃ الانبیاء" کے نام سے لکھا ہے"[2]۔

---

(۱) "روح المعاني" سورة الأحزاب، تحت الآية: ٤٠، ١١/ ٥٢، ٥٣.

(۲) "الحاوي للفتاوي" رسالة "أنباء الأزكياء بحياة الأنبياء" ٢/ ١٧٨.

عقیدۂ حیاتِ انبیاء، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت (اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص کے طَور پر) ملتا ہے، ان تمام آیات کا شمار یہاں مشکل بھی ہے اور باعثِ طوالت بھی، اس لیے اختصار کے ساتھ دو۲ آیتوں کے ذکر پر اِکتفاء کیا جاتا ہے:

(۱) اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾[۱] "اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں خبر نہیں"۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ اس آیت پاک کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "فذهب جماعةٌ من العلماء إلى أنّ هذه الحياةَ مختصٌ بالشّهداء، والحقُّ عندي عدمُ اختصاصِها بهم، بل حياةُ الأنبياء أقوَى منهم وأشدُّ ظهوراً، أثارها في الخارج حتّى لا يجوز النكاح بأزواج النّبي ﷺ بعد وفاته بخلاف الشهيد"[۲]. "بعض علماء کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں جس حیات کا ذکر ہے، وہ صرف شہداء کو ملتی ہے، لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے، کہ انبیاء کو حیاتِ شہداء سے بھی بڑھ کر حیات ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شہید کی بیوی سے نکاح جائز ہے، مگر نبی کی وفات کے بعد ان کی زوجہ سے نکاح جائز نہیں"۔

(۲) ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾[۳] "اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے ربّ تعالی کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں"۔

امام جلال الدین سُیوطی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "والأنبياءُ أَولی بذلك، فهُمْ أَجَلُّ وأَعْظَمُ، وما نَبِيٌّ إلّا وقَدْ جمع مع النُّبوةِ وصْفَ الشّهادةِ، فيدخلُونَ في

---

(۱) پ۲، البقرة: ١٥٤.

(۲) "التفسير المَظهري" سورة البقرة، تحت الآية: ١٥٤، ١/ ١٧٠.

(۳) پ٤، آل عمران: ١٦٩.

عُمُومِ لفظِ الآيَةِ"[1]. "اس آیت مبارکہ میں جس حیات کا ذکر ہے، انبیائے کرام اس کے زیادہ لائق ومستحق ہیں؛ کیونکہ ان کا مقام ومرتبہ شہدائے کرام سے بہت بلند وبالا ہے، اور ہر نبی وصفِ نبوّت کے ساتھ وصفِ شہادت سے بھی متّصف ہوتا ہے، توانبیائے کرام بھی اس آیتِ کریمہ کے عموم میں داخل ہیں"۔

(۳) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ﴾[2] "آپ ان پیغمبروں سے پوچھ لیجیے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیے تھے، کہ ان کی عبادت کی جائے؟!"۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حیاتِ انبیاء پر استدلال کرتے ہوئے، مفسّرین فرماتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نے شبِ معراج مسجدِ اقصی میں نماز کے بعد، حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کی کہ "انبیائے کرام سے حضور پوچھ لیں!"[3]۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعدِ وفات صالحین سنتے ہیں، بلکہ جواب بھی دیتے ہیں؛ کیونکہ حضور سے فرمایا گیا کہ "آپ اپنے سے پہلے انبیاء سے پوچھیں!" اور پوچھا اُسی سے جاتا ہے جو سُنے اور جواب دے"[4]۔

(۴) ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىٕهٖ﴾[5] "یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی، تو تم اس کے ملنے میں شک نہ کرو!"۔

---

(۱) "الحاوي للفتاوي" كتاب البعث، رسالة "أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" ۲/ ۱۸۰.

(۲) پ۲۵، الزخرف: ٤٥.

(۳) "الدرّ المنثور" الزخرف، تحت الآية: ٤٥، ۷/ ۳۸۱، ۳۸۲. و"تفسير البَغَوي" الزخرف، تحت الآية: ٤٥، ٤/ ١٤١.

(۴) "نورالعرفان" الزخرف، زیرِ آیت: ۴۵، ص۷۸۵۔

(۵) پ۲۱، السجدة: ۲۳.

شاہ عبد القادر صاحب دہلوی (ت ۱۲۴۲ھ) اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "شک نہ کر اس کے ملنے میں، یعنی کتاب کے یا حضرتِ موسیٰ کے، کہ معراج میں ان سے ملے تھے"[1]۔ اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں، لہٰذا اِقتضاءُ النص سے حیاتُ الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں اصولِ فقہ کا یہ مسلّمہ قاعدہ واصول بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے، کہ جو حکم اقتضاءُ النص سے ثابت ہو، وہ اِنفرادی حالت اور قوّتِ استدلال میں عبارۃُ النص کے مثل ہوتا ہے۔

یقین جانو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات کے ساتھ، ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے[2]۔ حضور کی اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی موت، صرف وعدۂ خدا کی تصدیق کو، ایک آن کے لیے تھی، ان کا انتقال صرف نظرِ عوام سے چُھپ جاناہے۔ حضرت سیّدنا اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «الأنبياءُ أحيَاءٌ في قُبورِهم يُصَلُّون»[3] "انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز بھی پڑھتے ہیں"۔

حدیثِ مذکور کا محدّثین کے ہاں مقام

متعدّد محدّثین وعلمائے کرام نے، اس روایت کے صحیح ہونے پر صراحت فرمائی ہے، ان میں سے بعض کا ذکر ملاحظہ کیجیے:

---

(۱) "مُوضّح القرآن" السجدۃ، زیرِ آیت: ۲۳، ص ۵۴۰۔

(۲) "حياة الأنبياء" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلّون، ر: ۱، صـ۶۹. "الاعتقاد" للبَيهقي، فصل، صـ۳۰۵. "الحاوي للفتاوي" كتاب البعث، رسالة "أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" ۲/ ۱۸۰.

(۳) "مسند البزّار" مسند أبي حمزة أنس بن مالك، ۱۳/ ۲۹۹. "مسند أبي يعلى" مسند أنس بن مالك، ثابت البُناني عن أنس، ۳/ ۱۴۰. "حياة الأنبياء" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلّون، ر: ۱، صـ۶۹.

امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رواه أبو يعلى والبزّار، ورجال أبي يعلى ثِقاتٌ"(١). "اسے ابو یعلی اور بزّار نے روایت کیا، اور ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں"۔

علّامہ مُناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وهو حديثٌ صحيح"(٢) "یہ حدیث صحیح ہے"۔

قاضی شوکانی نے کہا: "وقد ثبتَ في الحديث: «أنّ الأنبياءَ أحياءٌ في قبورهم» رواه المُنذري، وصحّحه البيهقي"(٣). "حدیث پاک سے ثابت ہو چکا، کہ حضرات انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اسے امام مُنذری نے روایت کیا، اور امام بَیہقی نے اس کو صحیح کہا"۔

دوسری جگہ یوں تحریر کیا: "لأنّه ﷺ حيٌّ في قبره، وروحُه لا تفارِقُه؛ لما صحّ أنّ الأنبياءَ أحياءٌ في قبورهم، كذا قال ابن الملقَّن وغيره"(٤). "کیونکہ حضور نبئ کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ ﷺ کی روح مبارک آپ سے جدا نہیں ہوتی؛ کیونکہ صحیح حدیث میں ہے، کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں، جیسا کہ محدّث ابن ملقَّن وغیرہ نے بھی فرمایا"۔

اس حدیث پاک سے علمائے کرام اور محدثینِ عظام کا استدلال

امام جلال الدین سُیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حياةُ النّبي ﷺ في قبره هو وسائرِ الأنبياء، معلومةٌ عندنا علماً قطعيّاً؛ لما قام عندنا من الأدلّة في ذلك، وتواترتْ [به] الأخبارُ"(٥) "نبی ﷺ اور تمام انبیاء کا اپنی قبروں میں زندہ رہنا، ہمارے نزدیک یقینی طَور پر معلوم ہے، جس پر ہمارے پاس ایسے دلائل وشواہد موجود ہیں، جو تواتُر کی حد کو پہنچ چکے ہیں"۔

---

(١) "مجمع الزوائد" كتاب فيه ذكر الأنبياء، باب ذكر الأنبياء ﷺ، ر: ١٣٨١٢، ٨/ ٢١١.

(٢) "فيض القدير" حرف الهمزة، تحت ر: ٣٠٨٩، ٣/ ١٨٤.

(٣) "نَيل الأوطار" أبواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين وإقامتها في القُرى، ٣/ ٢٩٥.

(٤) "تحفة الذاكرين" فضل الصلاة على النبي ﷺ، صـ٤٦.

(٥) "الحاوي للفتاوي" رسالة "أنباء الأزكياء بحياة الأنبياء" ٢/ ١٧٨.

علّامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لحياته ﷺ في قبره، يصلّي فيه بأذان وإقامة"[1]
"نبیٔ اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور اذان واِقامت کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں"۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قُرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إنّ الموتَ ليس بعدم محض، وإنّما هو انتقالٌ من حالٍ إلى حال، ويدلّ على ذلك أنّ الشّهداءَ بعد قتلِهم وموتِهم أحياءٌ عند ربّهم يُرزَقون، فرحِين مستبشرِين، وهذه صفةُ الأحياء في الدّنيا، وإذا كان هذا في الشّهداء، كان الأنبياءُ بذلك أحقَّ وأولى، مع أنّه قد صحَّ عن النّبي ﷺ: «أنّ الأرضَ لا تأكلُ أجسادَ الأنبياء» ...وقد أخبرنا النبيُّ ﷺ بما يقتضي أنّ اللهَ تعالى يردُّ عليه روحَه، حتّى يردَّ السّلامَ على كلِّ مَن يسلِّم عليه ...إلى غير ذلك مما يحصل من جملته القطعُ، بأنّ موتَ الأنبياء إنّما هو راجعٌ إلى أن غيبوا عنّا، بحيث لا نُدرِكهم، وإن كانوا مَوجودِين أحياء، وذلك كالحال في الملائكة؛ فإنّهم مَوجودُون أحياء، ولا يراهم أحدٌ"[2].

"موت فنا کا نام نہیں، بلکہ وہ تو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے، اس کا ثبوت یہ ہے، کہ شہداء اپنے قتل وموت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، روزی دیے جاتے ہیں، ہشّاش بشّاش رہتے ہیں، اور یہ صفت دنیا میں زندوں کی ہے، اور جب یہ حال شہداء کا بھی ہے، تو انبیائے کرام بدرجہ اَولیٰ اس حیات کے مستحق ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، کہ حضرات انبیائے کرام کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی، اور حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خبر دی، کہ اللہ عزّوجلّ آپ کی روح کو آپ کی طرف لَوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ حضور نبیٔ اکرم ﷺ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ تو اس سے قطعی طور پر نتیجہ یہ حاصل ہوا، کہ انبیائے کرام کی موت صرف اس قدر

---

(۱) "شرح الزرقاني على المواهب" المقصد ۷: في ما ورد في آي التنزيل من عظيم قدره ورفعة ذكره، النوع ۳: في وصفه تعالى له بالشهادة وشهادته له بالرسالة، ۸/ ۳۵۸.

(۲) "التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة" الفصل ٦، باب في قول الله تعالى ...إلخ، صـ٤٥٩، ٤٦٠.

ہے، کہ وہ ہم سے غائب ہیں، ہم ان کا اِدراک نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں، جیسے فرشتے بھی زندہ ہیں موجود ہیں، لیکن کوئی بھی انہیں دیکھ نہیں سکتا"۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فقد تبيّن لك -رحمك الله!- من الأحاديث السّابقة، حياةُ النبيِّ وسائرِ الأنبياء، وقد قال الله ﷻ في الشّهداء: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٦٩]، والأنبياءُ أَولى بذلك؛ فهُم أجلُّ وأعظَم، وقلَّ نبيٌّ إلّا وقد جمعَ مع النبوّة وصفَ الشّهادة، فيدخلون في عموم لفظِ الآية، فثبتَ كونُه ﷺ حيّاً في قبره بنصّ القرآن، إمّا مِن عموم اللّفظ، وإمّا من مفهوم الموافقة"(١).

"اللہ تعالی تم پر رحم فرمائے! جب سابقہ احادیث سے ظاہر ہو چکا، کہ نبئ اکرم ﷺ اور دیگر حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام زندہ ہیں، اور اللہ تعالی نے بھی شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے، ان کو مُردہ گمان بھی نہ کرنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں"، اور انبیائے کرام شہداء سے زیادہ اس حیات کے حقدار ہیں، ان کی عظمت وجلالت سب سے زیادہ ہے، نیز اکثر انبیائے کرام نے نبوّت کے ساتھ وصفِ شہادت بھی پایا، لہذا وہ قرآن کریم کے اس لفظ کی عمومیت میں بھی داخل ہیں، تو ثابت ہوا کہ نبئ مکرّم ﷺ بنصِ قرآنی، اپنی قبر میں زندہ ہیں، یا تو عمومِ لفظ کے سبب، یا پھر مفہومِ مُوافِق کے سبب"۔

علّامہ حسن بن عمّار شُرُنبُلالی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "ومما هو مقرَّرٌ عند المحقِّقين: أنّه ﷺ حيٌّ يُرزَق ممتعٌ بجميع الأعمال والعبادات، غير أنّه حجبَ عن أبصارِ القاصرين

(١) "سُبل الهدى والرَّشاد" جُماع أبواب حكم من سبه ...إلخ، الباب ١١ في حياته في قبره ...إلخ، تنبيهات، ١٢/ ٣٦٢.

عن شريف المقامات"(۱). "محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے، کہ مصطفی جان رَحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم زندہ ہیں، اور آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عبادات سے لذّت بھی پاتے ہیں، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ اُن آنکھوں سے پردے میں ہیں، جو اُن مقدّس مقامات تک پہنچنے سے قاصر ہیں"۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہیے، کہ شہید کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے، اس کی اَزواج کی دوسری شادی ہو سکتی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ترکہ تقسیم نہیں ہوا، اور آپ کی اَزواج مطہّرات کو دوسروں کے لیے حرام کر دیا گیا ہے؛ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ، حیاتِ شہداء سے کہیں عالی وبلند وبالا ہے(۲)۔

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ "امام محمد ابن الحاج مکّی "مدخل" میں، اور امام احمد قسطلانی "مَواہب لدُنیہ" میں، اور ائمۂ دین -رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین- فرماتے ہیں: "لا فرقَ بين مَوتِه وحياتِه ﷺ، في مُشَاهَدتِه لِأمّتِه ومعرِفتِه بأحوالهم، ونِيّاتِهم، وعزائِمِهم، وخواطِرهم، وذلك عنده جليٌّ لا خَفاءَ بِه"(۳). "اپنی امّت کا مشاہدہ کرنے سے لے کر، ان کے اَحوال، نیتوں، عزائم اور خیالات کی معرفت کے اعتبار سے، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیات وممات میں کوئی فرق نہیں، یہ سب آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نزدیک واضح ہے، اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے"(۴)۔

---

(۱) "مَراقي الفلاح" كتاب الحج، باب الجنايات، فصل في زيارة النبي ﷺ ...إلخ، صـ۲۷۲.

(۲) "واللہ آپ زندہ ہیں" ص۳۹تا۸۵، ملتقطاً۔

(۳) "المدخل" زيارة سيّد الأوّلين والآخرين ﷺ، ۱/ ۲۵۹. "المواهب اللدنية" المقصد العاشر، الفصل ۲ في زيارة قبره الشريف ....إلخ، ۳/ ۵۹۵.

(۴) "فتاوی رضویہ" کتاب الحج، رسالہ "انور البِشارۃ فی مسائل الحج والزِّیارۃ" ۸/۶۰۰، ۶۰۱۔

عقیدۂ حیاتِ انبیاء، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

حیاتِ انبیاء ثابت شدہ حقیقت ہے، اور اس پر اِجماعِ اُمّت بھی ہے، اب ہم اپنے اس دعویٰ کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں:

(۱) امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مرَرتُ على موسٰى، وهو يصلِّي في قبره»[۱] "میرا گزر حضرتِ موسیٰ پر ہوا، تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے"۔

(۲) ابن ماجہ اپنی "سنن" میں حدیث پاک نقل کرتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا ابو دَرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أكثِرُوا الصّلاةَ عليَّ يومَ الجمعةِ؛ فإنّهُ مشهودٌ تشهَدهُ الملائكةُ، وإنّ أحداً لن يصلّيَ عليَّ إلَّا عرِضَت عليَّ صلاتُه حتّى يفرُغَ منهَا» "جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے دُرود بھیجو؛ کہ یہ وہ دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور جو کوئی مجھ پر دُرود بھیجتا ہے، اس کا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ توقّف کرلے"۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی، کہ آپ کے وِصال کے بعد بھی؟ فرمایا: «وبعدَ المَوتِ؛ إنّ اللهَ حرّمَ على الأرضِ أن تأكُلَ أجسادَ الأنبياءِ، فنبِيُّ الله حيٌّ يرزَقُ»[۲] "ہاں بعدِ مَوت بھی! اللہ تعالی نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، تو اللہ کا نبی زندہ رہتا ہے، اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے"۔

(۳) امام بَیہقی اپنے رسالہ "حیاۃ الانبیاء" میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں: حضرت سیّدنا اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الأنبِياءُ أحياءٌ في قبورِهِم يصلّونَ»[۳] "انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز بھی پڑھتے ہیں"۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام، ر: ٦١٥٨، صـ١٠٤٤.

(۲) "سنن ابن ماجه" كتاب الجنائز، باب في ذكر وفاته ودفنه ﷺ، ر: ١٦٣٧، صـ٢٧٥.

(۳) "حياة الأنبياء" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلّون، ر: ١، صـ٦٩.

(۴) حضرت سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: «إنّ رسولَ الله ﷺ في آخر نفَسِه حرّكَ شفتيه مرّتَين، فألقيتُ سمعِي فسمعتُه يقول خفيةً: أمّتي أمّتي!»[۱] "رحمتِ عالمیان ﷺ زندگی کے آخری لمحات میں اپنے لب ہائے مبارک کو جنبش دے رہے تھے، میں نے اپنے کانوں کو نزدیک کرکے سنا، تو آپ آہستہ آہستہ فرمارہے تھے: **میری امّت میری امّت!**"۔

(۵) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، سرکارِ اَبدقرار ﷺ نے ارشاد فرمایا: «ألا! إنّي لَكم بمكانِ صدقِ حياتي، فإذا مُتُّ لا أزال أُنادي في قبري: يا ربّ أمتي أمتي! حتّى ينفخَ في الصُّور النفخة الأولى، ثمّ لا تزال لي دعوةٌ مجابة، حتّى ينفخَ في الصُّور النفخة الثانية»[۲] "خبردار! میں تمھارے لیے اپنی دنیاوی زندگی میں بھی ایک مقام رکھتا ہوں، اور جب میں دنیا سے چلا جاؤں گا، تو اپنی قبر میں پکار تا رہوں گا: "**یا ربّ! میری امّت میری امّت!**" یہاں تک کہ پہلی بار صور پھونکی جائے، پھر میری دعا قبول ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ دوسری بار صُور پھونکی جائے"۔

عقیدۂ حیاتِ انبیاء، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

نبئ کریم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کے بارے میں، ائمۂ اسلام کے ارشادات اتنے کثیر ہیں، جن کا اِحاطہ مشکل ہے، ذَیل میں چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں: ملّا علی قاری رحمہ اللہ حدیث شریف: «فنبِيُّ الله حيٌّ يرزَقُ» کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "نبیُ اللہ سے جنسِ انبیاء بھی مراد ہوسکتی ہے (جو تمام انبیاء کو شامل ہے)، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف کامل ترین فرد (نبئ اکرم ﷺ) مراد ہوں، پہلا احتمال ظاہر ہے؛ کیونکہ نبئ اکرم ﷺ نے حضرت سیّدنا موسیٰ کو، اسی طرح حضرت سیّدنا ابراہیم کو قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا"[۳]۔

---

(١) "درّة الناصحين" المجلس ١٦: في وفاة النّبي عليه الصلاة والسلام، صـ٦٤.

(٢) "كنز العمّال" حرف القاف، كتاب القيامة من قسم الأقوال، الباب الأوّل، الشفاعة، ر: ٣٩١٠٨، ١٤/ ١٧٨. و"نوادر الأصول" الأصل ٢٨٣ في طنين الأذن، ر: ١٩٣٩، صـ٦٨٦.

(٣) "مرقاة المفاتيح" كتاب الصّلاة، باب الجمعة، تحت ر: ١٣٦٦، ٣/ ٤٦٠.

شیخِ محقق عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "(تدفین کے وقت) نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی قبرِ انور سے، سب سے آخر میں نکلنے والے صحابی، قُثم بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا، کہ میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو قبر میں دیکھا کہ آپ ہونٹ ہلا رہے ہیں، میں نے سننے کے لیے کان قریب کیا، تو سُنا کہ فرما رہے ہیں: «رَبِّ أُمَّتِيْ! رَبِّ أُمَّتِيْ!»[1] "اے اللہ میری امّت کو بخش دے! اے اللہ میری امّت کو بخش دے!"۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "جب قبر شریف میں اتارا، لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا، آہستہ آہستہ اُمّتی اُمّتی! فرماتے تھے"[2]۔

امام قُرطبی علیہ الرحمۃ اپنی "تفسیر" میں حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ "ایک دیہاتی نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تدفین کے تین ۳ روز بعد حاضر ہوا، اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی قبرِ انور پر گِرا دیا، روضۂ اقدس کی خاکِ پاک اپنے سَر پر ڈالی اور کہا: یا رسولَ اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم! آپ نے فرمایا اور ہم نے سنا، اور آپ پر جو نازل ہوا اُس میں یہ بھی ہے: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾[3] ...الآیۃ. "اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے حبیب! تمھارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ تعالی سے معافی چاہیں، اور رسول ان کی شَفاعت فرمائے، تو ضرور اللہ کو بہت تَوبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"۔ اور میں اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہوئے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، لہٰذا آپ اللہ تعالی سے میری مغفرت کی دعا فرمائیے! قبرِ انور سے ندا آئی، کہ تمھاری بخشش ہوگئی"[4]۔

---

(۱) "مدارج النبوّۃ" قسم چہارم ۴، باب ۳، جزء ۲، ص ۴۴۲۔

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب المناقب والفضائل، رسالہ "نفی الفَیٔ عمّن استنار بنورہ کلّ شیٔ" ۱۹/۷۰۳۔

(٣) پ٥، النسآء: ٦٤.

(٤) "الجامع لأحكام القرآن" النسآء، تحت الآية: ٦٤، ٥/ ٢٥٥.

علّامہ ابن الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "وقد قال علماؤنا -رحمة الله عليهم-: إنّ الزّائرَ يُشعِرُ نفسَهُ بأنّه واقِفٌ بينَ يدَيهِ عليه السلام كما هو في حياته؛ إذ لَا فَرقَ بينَ موته وحياته، أعنِي في مُشَاهَدته لأمّته، ومعرِفَته بأحوَالِهم ونِيّاتِهم وعَزَائِمِهم وخَواطِرِهم، وذلِك عنده جليٌّ لَا خَفَاءَ فيه"[۱]. یعنی "ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روضۂ رسول کی زیارت کرنے والا، یہ خیال کرے کہ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے حاضر ہے، جیسا کہ آپ اپنی زندگی میں موجود تھے، یعنی اپنی امّت کے مشاہدہ کرنے سے لے کر، ان کے اَحوال، نیّتوں، عزائم اور خیالات کی معرفت کے اعتبار سے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات و ممات میں کوئی فرق نہیں، یہ سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک واضح ہے، اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے"۔

قاضی شوکانی (غیر مقلّد) کہتے ہیں کہ "شہداء کے بارے میں قرآنِ پاک کی نص وارِد ہے، کہ وہ زندہ ہیں، رزق دیے جاتے ہیں، اور ان میں زندگی جسم سے متعلق ہے، تو پھر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کتنا اعلیٰ مقام ہوگا! حدیث پاک سے ثابت ہے کہ «الأنبِياء أحياءٌ في قُبورِهِم»[۲] "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں"۔

عظیم مجدّد و مصنّف، امام جلال الدّین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۸۴۹-۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ "امام بَیہقی رحمہ اللہ نے کتاب "الاِعتقاد" میں بیان کیا ہے، کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی رُوحیں وفات کے بعد، پھر سے اُن کے اَجسام میں واپس کر دی گئیں، چنانچہ وہ اپنے رب کے پاس شہیدوں کی طرح زندہ ہیں"[۳]۔

امام قُرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "تذکرہ" میں حدیثِ صعقہ سے متعلق، اپنے شیخ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ "موت محض عدم کو نہیں کہتے، بلکہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے، اس پر دلیل یہ ہے، کہ شہداء اپنے قتل و مَوت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، انہیں روزی دی جاتی ہے، ہشّاش

---

(۱) "المَدخل" زيارة سيّد الأوّلين والآخرين، ۱/ ۲۵۸، ۲۵۹.

(۲) "نَيل الأوطار" كتاب الصّلاة، أبواب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة ...إلخ، ر: ۱۲۰۶، صـ۶۲۳.

(۳) "الحاوي للفتاوي" كتاب البعث، رسالة "أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" ۲/ ۱۸۰.

بشّاش رہتے اور بشارت دیتے رہتے ہیں، اور یہ صفت دنیا میں زندوں کی ہے، اور جب یہ حال شہداء کا ہے، تو انبیائے کرام علیہم السلام بدرجۂ اَولیٰ اس صفت کے مستحق ہیں"[1]۔

یہ بات بھی پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہے، کہ زمین انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی، نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ معراج، انبیائے کرام علیہم السلام سے بیت المقدس اور آسمانوں میں ملاقات کی، اور حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھا، کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو مجھ پر سلام بھیجے گا، میں اس کے سلام کا جواب دوں گا"۔

اس کے علاوہ اَور بھی روایات ہیں، جن کے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مَوت کا حال یہ ہے، کہ وہ ہم سے اس طرح غائب ہیں، کہ ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے، اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں، اور ان کا حال فرشتوں جیسا ہے، کہ وہ زندہ موجود ہیں مگر ہم میں سے کوئی انہیں دیکھ نہیں سکتا، سِوااُن اولیائے کرام کے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کرامات کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے"[2]۔

خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث اور اقوالِ علمائے کرام سے، روزِ رَوشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی، کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام، بالخصوص حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیاتِ حقیقی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، اپنی نورانی قبروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق پاتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، طرح طرح کی نعمتوں سے لُطف اندوز ہوتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، کلام فرماتے ہیں، اور سلام کرنے والوں کا جواب بھی دیتے ہیں، چلتے پھرتے اور آتے جاتے ہیں، جیسے چاہتے ہیں تصرّفات فرماتے ہیں، اپنی اُمّتوں کے اعمال کا مُشاہَدہ فرماتے ہیں، اور فیض حاصل کرنے والوں کو فیوض وبرکات پہنچاتے ہیں، اور بسااَوقات اِس عالَمِ دنیا میں بھی

---

(١) "التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة" الفصل ٦، باب في قول الله تعالى ...إلخ، صـ٤٥٩.

(٢) "الحاوي للفتاوي" كتاب البعث، رسالة "أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" ٢/ ١٨٠.

ان کے ظہور کا مُشاہدہ ہوتا ہے۔ اس اعتقاد ونظریے کو کفر وشرک وبدعت سمجھنا سَراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے امام بَیہقی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "حياة الأنبياء"[۱]، امام جلال الدّین سُیوطی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء"[۲]، غزالیٔ زماں حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "حیات النبی"[۳]، اور حضرت علّامہ مفتی محمد عباس رضوی صاحب کی کتاب (۴) "واللہ آپ زندہ ہیں"[۴] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

❁ ❁ ❁

(۱) مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔

(۲) مطبوعة من دار الفكر، بيروت.

(۳) مطبوعة من مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنوّرة.

(۴) مطبوعہ مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ، لاہور۔

(۱۱) مقامِ مصطفی ﷺ

حضور سیّد المرسلین جناب محمد مصطفی ﷺ کی، کما حقہٗ تعریف وثنا کا حق تو ادا ہو ہی نہیں سکتا، آپ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے؛ کیونکہ حضور نبیٔ کریم ﷺ کے علمی وعملی، خَلقی وخُلقی، حسن وجمال، فضائل وکمال، مَحامد ومَحاسن کا شمار نہیں، قرآن وحدیث مقامِ رسول وعظمتِ رسول کے ذکر سے بھرپور ہیں، خوفِ طوالت کے باعث یہاں مختصراً بیان کیا جاتا ہے:

مقامِ مصطفی ﷺ قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[۱] "اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا"۔ امام بغوی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ سَأَلَ جِبْرِيلَ علیہ السلام عن هذه الْآية ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ قال: قال الله تعالى: «إذ ذُكِرتُ ذُكِرتَ معي»"[۲] "حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے اس آیت ﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ سے متعلق پوچھا، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی، کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: اے حبیب! جب میرا ذکر کیا جائے گا، توساتھ تمھارا بھی ذکر کیا جائے گا"۔

امام حافظ الدین نَسَفی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وَرَفَعَ ذِكرهُ أن قرنَ بذكرِ الله فِي كلِمة الشّهادة، وَالأذان، والإقامة، والخُطب، والتشهُّد، وفي غَيرِ موضع من القرآنِ"[۳]. "آپ کے ذکر کو اس قدر بلند کیا، کہ اللہ تعالی نے اپنے ذکر کے ساتھ کلمۂ شہادت میں آپ کے ذکر کو ملادیا، اسی طرح اذان، اِقامت، خطبات، اور تشہد اور قرآن کے بہت سے مقامات میں"۔

---

(۱) پ۳۰، الانشراح: ٤.

(۲) "معالم التنزيل" الانشراح، تحت الآية: ٤، ٤/ ٥٠٢.

(۳) "مدارك التنزيل" الانشراح، تحت الآية: ٤، ٢/ ٨١٦.

(٢) اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۞ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾(١) "اے حبیب! یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا حاضر وناظر بناکر، اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا؛ تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! اور رسول کی تعظیم وتکریم کرو! اور صبح وشام اللہ تعالی کی پاکی (تسبیح) بیان کرو!"۔

امام جلال الدّین سُیوطی رحمہ اللہ تعالی اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "يعظّموا، وضميرهما لله ولرسوله"(٢). "یہ دونوں ضمیریں ﴿وَ تُعَزِّرُوْهُ﴾ اور ﴿وَ تُوَقِّرُوْهُ﴾ کی، اللہ ورسول کی طرف لَوٹتی ہیں"۔

(٣) مزید فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾(٣) "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو! یقیناً اللہ تعالی سنتا جانتا ہے"۔

علّامہ خازن رحمہ اللہ تعالی اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "من التقديم، أي: لا ينبغي لكم أن يصدرَ منكم تقديمٌ أصلاً. وقيل: لا تقدِّموا فعلاً بين يدَي الله ورسولِه، والمعنى: لا تقدِّموا بين يدَي أمرِ الله ورسولِه ولا نهيِهما، وفيه إشارةٌ إلى احترام رسولِ الله ﷺ والانقياد لأوامره ونواهيه"(٤).

(١) پ٢٦، الفتح: ٨، ٩.

(٢) "الجلالين" الفتح، صـ٤٢٣.

(٣) پ٢٦، الحجرات: ١.

(٤) "لُباب التأويل في مَعاني التنزيل" الحجرات، ٤/ ١٧٥، ملتقطاً.

مطلب یہ ہے کہ "اے مؤمنو! تمہیں یہ لائق نہیں کہ تم سے کسی قسم کی تقدیم صادِر ہو"، اور بعض علماء نے کہا کہ مطلب یہ کہ "اللہ ورسول کے سامنے کسی فعل کو مقدَّم نہ کرو۔ اس میں اشارہ ہے حضور اکرم ﷺ کے احترام کی طرف، اور حضور کی فرمانبرداری کی طرف"۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أنّ الله تعالى لما بيّن محلّ النّبي عليه السلام وعُلوّ درجتِه، بكونه رسولَه الّذي يظهر دينَه، وذكره بأنّه رحيمٌ بالمؤمنين بقوله: ﴿رَّحِيْمٌ﴾[1]. قال: لا تتركوا من احترامه شيئاً، لَا بالفعل ولا بالقول، ولا تغترّوا برأفته، وانظروا إلى رفعةِ درجتِه"[2].

"اللہ تعالی نے جب حضور اکرم ﷺ کا محل ومقام بیان فرمایا، اور حضور کے رُتبہ کی بلندی بیان کی، اس طرح کہ وہ ایسے رسول ہیں کہ ان کا دین غالب ہوگا، اور اپنے قول: ﴿رَّحِيْمٌ﴾ سے یہ بھی بیان فرمایا، کہ حضور ﷺ مؤمنوں کے لیے رحیم (مہربان) ہیں، تو گویا فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے احترام میں قولاً فعلاً کسی طرح کمی نہ کرنا! حضور کی مہربانی پر مغرور بھی نہ ہونا! اور حضور کے بلند مرتبہ کی طرف نظر رکھنا!"۔

(۴) ربِ کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾[3] "اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اِس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے، اور ان کی بارگاہ میں چلّا کر بات نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو! کہ کہیں تمھارے اعمال برباد نہ ہوجائیں، اور تمہیں خبر تک نہ ہو!"۔

---

(۱) پ۱۱، التوبة: ۱۲۸.

(۲) "التفسير الكبير" الحجرات، تحت الآية: ۱، ۱۰/ ۹۱.

(۳) پ۲٦، الحجرات: ۲.

امام جلال الدّین محلّی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "فيها من خصائص النّبي ﷺ تحريمُ رفع الصَّوت عليه، والجهرُ له بالقول، واستدلّ به العلماءُ على المنع من رفع الصَّوت بحضرة قبرِه، وعند قراءة حديثِه؛ لأنّ حرمتَه ميّتاً كحُرمتِه حيّاً"[1].

"اللہ تعالی کا قول: ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ ان آیات میں حضورِ اکرم ﷺ کے بعض خصائص کا ذکر ہے، کہ حضور ﷺ پر آواز بلند کرنا حرام ہے، اور حضورِ اکرم ﷺ سے چلّا کر بولنا بھی حرام ہے۔ علمائے کرام نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ حضور ﷺ کے مزار شریف کے قریب بھی آواز بلند کرنا منع ہے، اور قراءتِ حدیث شریف کے وقت بھی آواز بلند کرنا منع ہے؛ اس لیے کہ حضور ﷺ کی عزّت وعظمت بعدِ وِصال بھی ایسے ہی لازم ہے، جیسے حضور اقدس ﷺ کی دنیاوی حیات میں تھی"۔

(۵) اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾[2] "اے حبیب! یقیناً ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائی ہیں"۔ امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "هو نهرٌ في الجنّة، هو حوضُه ترِد عليه أمّتُه، والكَوثرُ: الخيرُ الكثير من النبوّة والقرآن والشّفاعة ونحوها"[3]. "کوثر جنّت میں ایک نہر اور وہ آپ ﷺ کا حوض ہے، جہاں آپ ﷺ کی امّت حاضر ہوگی۔ اور کوثر کے معنی ہیں کہ آپ کو نبوّت، قرآن، شَفاعت اور اسی کے مثل دیگر چیزوں کے ذریعے خیرِ کثیر عطا کی گئی ہے"۔

---

(۱) "الإكليل في استنباط التنزيل" سورة الحجرات، تحت الآية: ۲، صـ۲٤۱، ملتقطاً.

(۲) پ۳۰، الكوثر: ۱.

(۳) "تفسير الجلالين" سورة الكوثر، صـ۵۰۷.

(٦) نیز اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾[1] "یقیناً تمھاری خصلت بڑی شان والی ہے"۔ امام حافظ الدّین نَسَفی رحمہ اللہ تعالی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وقالت عائشة رضي الله تعالى عنها: كان خلقُه القرآن"[2] "یعنی حضرتِ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ فرماتی ہیں، کہ حضور ﷺ کا خُلق توخود قرآن ہے"۔

(٧) اللہ تعالی نے قرآن مجید میں، مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے چہرۂ انور کا ذکر، بڑی محبت اور اپنائیت کے انداز میں فرمایا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[3] "ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمھارا آسمان کی طرف منہ کرنا، توضرور ہم تمھیں پھیر دیں گے، اُس قبلہ کی طرف جس میں تمھاری خوشی ہے، تو ابھی اپنا منہ پھیر لو مسجد حرام کی طرف!"۔

(٨) ایک اَور مقام پر اپنے حبیب کریم ﷺ کے رُخِ زیبا کا ذکر، استعاراتی اور علامتی طور پر انتہائی دلنشین انداز میں فرمایا، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَالضُّحٰى ۞ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾[4] "چاشت کی قسم! اور رات کی جب پردہ ڈالے!"۔

---

(١) پ٢٩، القلم: ٤.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة جامع الليل ...إلخ، ر: ١٧٣٩، صـ٣٠١. و"مسند الإمام أحمد" مسند نساء، مسند الصّديقة عائشة بنت الصديق رضي الله تعالى عنها، ر: ٢٤٦٥٥، ٩/ ٣٨٠. و"مدارك التنزيل" القلم، تحت الاية: ٤، ٢/ ٧١٢.

(٣) پ٢، البقرة: ١٤٤.

(٤) پ٣٠، الضحى: ١، ٢.

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں، حضرت شاہ عبد العزیز محدِّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "مراد اَز ضحی رُوئے پیغمبر است ﷺ، واز لیل مُوئے اُو؛ کہ در سیاہی ہمچوں شب است"[1]۔ "ضحی" (چاشت) سے مراد حضور نبیٔ کریم ﷺ کا چہرۂ انور ہے، اور "لَیل" (رات) سے مراد حضور کے گیسوئے عنبریں (بال مبارک) ہیں، جو سیاہی میں رات کی طرح ہیں" ع

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحی، تیرے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شب تار میں راز یہ تھا، کہ حبیب کی زُلفِ دوتا کی قسم[2]

علّامہ شہاب الدّین محمود آلوسی علیہ الرحمۃ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے، اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "وَمِنَ النّاسِ مَن فسّر الضُحى بِوَجهِهِ ﷺ [وَ] بِشَعره عليه السلام كما ذكر الإمام، وقال: لا استبعادَ فِيهِ وَهُوَ كما ترى"[3]. "بعض ائمہ نے "ضحی" سے حضور نبیٔ کریم کا چہرۂ انور، اور "لَیل" سے آپ کی مبارک زلفیں مراد لی ہیں، جیسا کہ امام نے اس قول کو ذکر کیا، اور فرمایا کہ یہ معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں"۔

صدر الاَفاضل علّامہ سیّد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ "بعض مفسّرین نے فرمایا کہ چاشت سے اشارہ ہے نورِ جمالِ مصطفی ﷺ کی طرف، اور شب کِنایہ (اشارہ) ہے آپ کے گیسوئے عنبرین (بال مبارک) سے"[4]۔

---

(۱) "تفسیر فتح العزیز" سورۃ الضحی، الآیۃ:۱، ۲، ص۲۱۷۔ و"تفسير روح البيان" الضحى، تحت الآية: ۱، ۲، ۱۰/ ٤٥٣.

(۲) "حدائق بخشش" حصہ اوّل، ص۸۰۔

(۳) "التفسير الكبير" سورة الضحى، تحت الآية: ۱، ۲، ۱۱/ ۱۹۱، ۱۹۲. و"روح المعاني" سورة الضحى، تحت الآية: ۱، ۲، ۱۵/ ۳۷۳.

(۴) "تفسیر خزائن العرفان" سورۃ الضحی، الآیۃ:۱، ۲، ص۱۰۷۲۔

امام حافظ الدین نَسَفی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ بصرُ رسولِ الله ﷺ ما عدلَ عن رؤية العجائب، التي مرّ برؤيتِها ومكن منها ﴿وَمَا طَغٰى﴾ وما جاوَز ما أمرَ برؤيته"[1]. "(آنکھ نہ کسی طرف پھری) حضور نبیٔ کریم ﷺ کی بصر مبارک ان عجائب کے دیکھنے سے، جن کے دیکھنے کا حکم ہوا، مڑی نہیں، بلکہ ان میں مصروف و مشغول رہی، (اور نہ حد سے بڑھی) جس چیز کو دیکھنے کا حکم ہوا اسی کو دیکھا، اس سے تجاوُز نہ کیا"۔

مقامِ مصطفی ﷺ حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ "چند صحابہ نبیٔ کریم ﷺ کے انتظار میں بیٹھے تھے، کہ اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے، جب قریب پہنچے تو انہیں کچھ گفتگو کرتے سنا، کہ ان میں سے بعض نے بڑے تعجب سے کہا، کہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا! دوسرے نے کہا کہ اس سے زیادہ تعجب خیز بات تو یہ ہے، کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا! ایک نے کہا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ ہیں! کسی نے کہا کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اُللہ بنایا، حضورِ اکرم ﷺ صحابہ کے پاس تشریف لائے سلام کیا اور فرمایا:

«قد سمعتُ كلامَكم وعجبَكم إنّ إبراهيم خليلُ الله وهو كذلك، وموسى نجيّ الله وهو كذلك، وعيسى روحه وكلمته وهو كذلك، وآدم اصطفاه الله وهو كذلك، ألا وأنا حبيبُ الله ولا فخر! وأنا حامل لواءِ الحمدِ يومَ القيامة ولا فخر! وأنا أوّلُ شافع وأوّلُ مشفَّع يومَ القيامة ولا فخر! وأنا أوّل مَن يحرك حلق الجنّة فيفتح الله لي فيُدخِلُنِيها، ومعي فقراء المؤمنين ولا فخر! وأنا أكرم الأوّلين والآخرين ولا فخر!»[2].

---

(۱) "مدارك التنزيل" سورة النجم، تحت الآية: ۱۷، ۲/ ٦١٤.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب [«سَلُوا اللهَ لي الوسيلة»] ر: ٣٦١٦، صـ٨٢٤، ٨٢٥. و[قال الترمذي:] "هذا حديثٌ غريب".

"میں نے تمھاری گفتگو اور تمہارا تعجب سنا کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، بلا شبہ وہ ایسے ہی ہیں، حضرت موسی علیہ السلام نجی اللہ ہیں، یقیناً وہ اسی طرح ہیں، حضرت عیسی علیہ السلام کلمۃُ اللہ اور رُوحُ اللہ ہیں، واقعی وہ اسی طرح ہیں، حضرت آدم علیہ السلام صفیُ اللہ ہیں، یقیناً وہ اسی طرح ہیں، سُن لو! میں اللہ کا حبیب ہوں، اور اس پر کوئی فخر نہیں! بروزِ قیامت لواءُ الحمد میرے ہاتھوں میں ہوگا، اور اس پر کوئی فخر نہیں! بروزِ قیامت سب سے پہلا شفیع میں ہوں، اور سب سے پہلے میری شَفاعت قبول ہوگی، اور اس پر کوئی فخر نہیں! سب سے پہلے جنّت کا کُنڈا کھٹکھٹانے والا بھی میں ہی ہوں، اللہ تعالی میرے لیے اس دروازہ کو کھولے گا، پھر مجھے اور میرے ساتھ غریب مسلمانوں کو داخلِ جنّت فرمائے گا، اور اس پر کوئی فخر نہیں! میں اوّلین وآخِرین میں سب سے زیادہ معزّز ومکرّم ہوں، لیکن اس پر بھی کوئی فخر نہیں!"۔

(۲) امام ترمذی علیہ الرحمۃ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "لوگوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ ﷺ! آپ کو نبوّت کب ملی؟ فرمایا: «وآدمُ بَينَ الرُّوحِ والجسدِ»"[1] "جب آدم علیہ السلام رُوح اور جسم کے درمیان تھے"۔

(۳) امام بَیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں ذکر کیا، کہ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک طویل حدیثِ قُدسی مروی ہے، جس میں حضور پُر نور ﷺ کی شان یوں بیان کی گئی کہ: اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا: «وجعلتُك أوّلَ النبيين خَلقاً وآخِرهم مبعثاً، وآتيتُك سبعاً من المثاني لم أُعطِها نبيّاً قبلَك، وأعطيتُك خواتيمَ سورة البقرة من كنز تحت العرش، لم أُعطِها نبيّاً قبلَك، وجعلتُك فاتحاً وخاتماً»[2].

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل النّبي ﷺ، ر: ۳٦۰۹، صـ۸۲۳.
و[قال الترمذي:] "هذا حديثٌ حسنٌ غريب".

(۲) "دلائل النبوة" جُماع أبواب المبعث، باب الدليل على أنّ النبي ﷺ عُرج به إلى ...إلخ، ۲/ ٤۰۳.

"میں نے تخلیق کے اعتبار سے تمہیں تمام انبیاء سے پہلے بنایا، اور بعثت کے اعتبار سے ان سب کے بعد بھیجا، تمہیں سبع مثانی (سورۂ فاتحہ) عطا کی، جو تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی، تمہیں سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کیں، جو تحتِ عرش خزانوں میں سے ہے، یہ آیات تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، اور میں نے تمہیں فاتح وخاتم بنایا ہے"۔

(۴) حضرت سیّدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: «كان رسولُ الله ﷺ ضليعَ الفَم، أشكلَ العَينَين»[۱] "حضور نبیٔ اکرم ﷺ فراخ دہن تھے، اور حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں میں (خوبصورت) سرخ ڈورے تھے"۔

(۵) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «هل تَرَون قبلتِي هاهُنا، فواللهِ! مَا يخفَى عليَّ خُشوعُكم ولاَ رُكوعُكم، إنّي لأرَاكم من وراءِ ظهرِي»[۲] "کیا تم یہی دیکھتے ہو کہ (دورانِ نماز) میرا منہ اُدھر قبلہ رُخ ہے؟ اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا خشوع پوشیدہ ہے نہ تمہارا رکوع، میں تمہیں پسِ پشت بھی اسی طرح دیکھتا ہوں، جیسے اپنے سامنے دیکھتا ہوں!"۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب في صفة فم النبي ﷺ وعينيه، وعقبيه، ر: ٦٠٧٠، صـ١٠٢٩. و"سنن الترمذي" أبوب المناقب، باب [قول ابن سمرة: كان ﷺ ضَلِيعَ الْفَمِ، أَشْكَلَ الْعَيْنين] ر: ٣٦٤٦، صـ٨٣١. [وقال الترمذي]: "هذا حديثٌ حسنٌ صحيح".

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب عظة الإمام الناس في إتمام الصّلاة، وذكر القبلة، ر: ٧٢، صـ٥٩٧. و"صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب الأمر بتحسين الصّلاة وإتمامها والخشوع فيها، ر: ٩٥٨، صـ١٨٢.

(۶) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما روایت کرتے ہیں: «كان رسولُ الله ﷺ يرى بِاللَّيلِ في الظّلمَةِ، كما يرى بِالنّهارِ مِنَ الضّوءِ»[1] "حضور نبئ اکرم ﷺ رات کی تاریکی میں بھی اُسی طرح دیکھتے، جیسے دن کے اُجالے میں دیکھا کرتے"۔

(۷) حضرتِ ثَوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنّ اللهَ زوَى لي الأرضَ، فرأيتُ مَشارِقَها ومَغارِبَها»[2] "یقیناً اللہ تعالی نے میرے لیے زمین سمیٹ دی، حتی کہ میں نے ساری زمین کو یہیں اپنی جگہ سے دیکھ لیا"۔

(۸) امام طَبرانی حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إنّ اللهَ رفع لِي الدّنيا، فأنا أَنظرُ إليها، وإِلَى ما هو كائنٌ فيها إِلَى يومِ القِيامَةِ، كما أَنظُرُ إِلَى كفّي هذه»[3] "اللہ تعالی نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا ہے، تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب ایسے دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں"۔

مقامِ مصطفی ﷺ اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال القاضي عياض رحمه الله: "فاعلم -نوّر اللهُ قلبي وقلبك! وضاعَفَ في هذا النّبي الكريم حُبّي وحُبّك!- أنّك إذا نظرتَ إلى خِصال الكمال التي هي غيرُ مكتسبةٍ، وفي جِبلّة الخلقة، وجدتَه ﷺ حائزاً لجميعها، محيطاً بشتّاتِ محاسِنها، دون خلافٍ بين

---

(۱) "دلائل النبوة" جُماع أبواب مغازي رسول الله ﷺ ...إلخ، باب ما جاء في رؤية النبي ﷺ أصحابه وراء ظهره، ٦/ ٧٥.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الفِتن وأشراط السّاعة، باب هلاك هذه الأمّة بعضهم ببعض، ر: ٧٢٥٨، صـ١٢٥٠.

(۳) "المعجم الكبير" ر:١٤١١٢، ١٣/ ٣١٨.

نقَلة الأخبار لذلك، بل قد بلغَ بعضُها مَبلغ القطع، أمّا الصورةُ وجمالها، وتناسُب أعضائه في حُسنها، فقد جاءت الآثارُ الصّحيحة والمشهورة الكثيرة بذلك"[١].

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اے طالبِ صادق! جان لے (اللہ تعالی تیرے اور ہمارے دل کو منوّر فرمائے، اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی جتنی دَولت ہمیں نصیب ہوئی ہے، اس سے بدرجہا زیادہ مرحمت فرمائے، آمین!) حضور ﷺ کے مَحاسنِ عالیہ میں کسب کو قطعًا دخل نہیں، بلکہ وہ آپ کی جبلّت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدّسہ میں مَحاسن وکمالات فطری طَور پر اس طرح جمع کردیے گئے ہیں، کہ کوئی کمال اس کے اِحاطے سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث میں جو آپ کے حُسن وجمال کا چرچا ہے، اُن کی صحت میں کلام نہیں، بلکہ بعض آثار تو صحت سے قطعیّت، اور وہاں سے حق ُالیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ہیں، آپ کے حسن وجمال اور تناسُبِ اعضاء کے بیان میں، آثارِ صحیحہ کثیرہ مشہورہ وارد ہیں"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي رحمہ اللہ تعالی: "اعلم أنّ نبيَّنا ﷺ وهو أشرَف المخلوقات وأكمَلهم، فهو في كمالٍ وزيادةٍ أبداً، يترقّى من كمالٍ إلى كمالٍ، إلى ما لا يعلم كنهَه إلّا اللهُ تعالى"[٢]. "امام ابن حجر مکّی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کہ جاننا چاہیے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام مخلوقات میں اشرَف واکمل ہیں، آپ کے کمال وشرافت میں مسلسل ترقی ہو رہی ہے، جس کی حقیقت اللہ تعالی کے سِوا کوئی نہیں جانتا"۔

---

(١) "الشفاء" القسم ١، الباب ٢ في تكميل الله تعالى له المحاسن ...إلخ، فصل، الجزء ١، صـ٤٤.

(٢) "الفتاوى الحديثيّة" مطلب على أنّ نبيَّنا ﷺ، كان أكمَل المخلوقات فهو أبداً يترقّى، صـ٢٥.

حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ؏

حقیقت سے تمھاری جز[۱] خدا اور کون واقف ہے کہے تو کیا کہے کوئی، چُنیں تم ہو چُناں تم ہو[۲]

امام شرف الدّین بُوصیری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ؏

دَعْ ما ادّعتْه النّصارى في نبيِّهم واحكُمْ بما شئتَ مَدحاً فيه واحتكمِ

"اے مسلمانو! جوکچھ نصاری نے اپنے نبی کے حق میں کہا (کہ عیسی علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ کا جز ہیں) یہ تم مت کہنا! اس کے علاوہ جو چاہے حضور کی مدح میں بیان کرو، اور مخالفین کو جواب دیتے رہو"۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ "یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی بَشر کما حقُّہ حضور اکرم ﷺ کا تصوّر کرسکے؛ اس لیے کہ حضور کا رُتبہ کمالِ خاتمیت ہے، جوکسی کو حاصل نہیں"[۳]۔

خلاصۂ کلام

اللہ وحدَہ لاشریک لہ کی مخلوق میں، سب سے بلند وبالا مرتبہ حضور اکرم ﷺ کا ہے، آپ ﷺ کے رُتبے کے برابر کسی کا رُتبہ نہیں، نہ کوئی عبادت ونیک اعمال کی کثرت سے، حضور اکرم ﷺ کی برابری کر سکتا ہے، روز بروز آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے، روزِ محشر بھی آپ ﷺ ہی کی شان تمام مخلوقات سے بلند وبالا ہوگی، اس کا ظہور وشہود مقامِ محمود کے ظہور سے ہوگا، ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[٤] "عنقریب آپ کو آپ کا ربّ تعالی ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب آپ کی حمد (تعریف) کریں"۔

---

(۱) یعنی: سوائے، علاوہ۔ "فیروز اللغات" ص۴۸۷۔

(۲) "سامانِ بخشش" ص۱۰۵۔

(۳) "تفسیر فتح العزیز" پارہ۳۰، ص۲۲۷۔

(٤) پ١٥، الإسراء: ٧٩.

امام ابن جریر طَبری علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "عن أبي هريرة، عن النّبي ﷺ في قوله: ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ قال: «هُوَ المقامُ الذي أشفَع فيه لأمّتي»"[۱] "حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں استفسار کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "یہ وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امّت کی شَفاعت (سفارش) کروں گا"۔

امام بغَوی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "والمقامُ المَحمُودُ هو مقامُ الشّفاعةِ لأمّته؛ لأنّه يحمده فيه الأَوّلُونَ والآخِرُون"[۲]. "مقامِ محمود سے مراد شَفاعت کا مقام ہے، جہاں اپنی امّت کے لیے شَفاعت فرمائیں گے؛ کیونکہ اس پر اوّلین وآخرین تمام لوگ آپ کے مَحامد (خوبیاں) بیان کریں گے"۔

امام حافظ الدین نَسفی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "وهو مقامُ الشّفاعةِ عندَ الجُمهورِ، ويدلّ عليه الأخبارُ، أو هو مقامٌ يُعطَى فيه لواءُ الحمد"[۳]. "یہی مقام شفاعتِ کبریٰ ہے، روایات حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ یا یہ وہ مقام ہے جس میں آپ کو لواء الحمد دیا جائے گا" ؏

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا ۔۔۔ کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے[۴]

اس اعتقاد ونظریے کو بدعت یا باطل سمجھنا، سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

---

(۱) "جامع البيان في تأويل آي القرآن" الإسراء، تحت الآية: ۷۹، ر: ۱۷۰۷۰، الجزء ۱۵، صـ۱۸۲.

(۲) "معالم التنزيل" الإسراء، تحت الآية: ۷۹، ۳/ ۱۳۰.

(۳) "مدارك التنزيل" الإسراء، تحت الآية: ۷۹، ۱/ ۷۲۵.

(۴) "ذَوقِ نعت" ص۲۷۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، قاضی عیاض علیہ الرحمۃ کی کتاب مستطاب (۱) "الشفا بتعریف حقوق المصطفی"[1]، امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۲) "الخصائص الکبری"[2]، حضرت علّامہ محمد انوار اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۳) "انوارِ احمدی"[3]، مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۴) "شانِ حبیب الرحمن"[4]، حضرت علّامہ سیّد محمود احمد رضوی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۵) "شانِ مصطفی"[5] اور حضرت علّامہ منظور احمد فیضی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۶) "مقامِ رسول"[6] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(١) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(٢) المرجع السابق.

(۳) مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، انڈیا۔

(۴) مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی۔

(۵) مطبوعہ مکتبہ رضوان، لاہور۔

(۶) مطبوعہ مکتبہ محمدیہ، فیض آباد۔

(۱۲) حسن وجمالِ مصطفی ﷺ

اللہ تعالی نے اپنے پیارے حبیبِ کریم ﷺ کو، حسنِ سیرت کے جملہ کمالات کے ساتھ ساتھ، لازوال اور لاثانی حسنِ صورت سے بھی متّصف فرماکر دنیا میں بھیجا۔ تاجدارِ رسالت ﷺ کا حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت بھی ایک مکمل باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ مؤرّخین نے اپنی کتابوں میں حضور اقدس ﷺ کے باطنی خصائل وخصائص کے ساتھ ساتھ، ظاہری حسن وجمال کو بھی بڑے اہتمام کے ساتھ موضوعِ سخن بنایا ہے۔ جس طرح آقائے دوجہاں ﷺ کا حسن سیرت سراپا معجزہ ہے، اسی طرح حضور کا حسن وجمال بھی حضور کا عظیم معجزہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ جیسا حسین وجمیل نہ کبھی کوئی دنیا میں آیا نہ کبھی آئے گا، کوئی بھی شخص نہ تو مکمل طور پر حضور اقدس ﷺ کے ظاہر کی عکّاسی کر سکتا ہے، اور نہ ہی اس کی باطنی کیفیت جنابِ محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبی ﷺ کی طرح ہو سکتی ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کو افضل الخلق بناکر دنیا میں بھیجا گیا، سرورِ عالَم ﷺ کے حسن وجمال کی تعریف تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہر وقت کیا کرتے، دربارِ رسالت کے مشہور شاعر حضرت سیّدنا حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، نبیٔ اکرم ﷺ کے حسن وجمال کو انتہائی جامع الفاظ میں یوں بیان فرمایا: ؏

وَأَحسَنُ مِنكَ لَم تَرَ قَطُّ عَينِي ... وَأَجمَلُ مِنكَ لَم تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقتَ مبرَّأً من كلِّ عيبٍ ... كَأنّكَ قد خُلِقتَ كَمَا تَشَاءُ[1]

(۱) "ديوان حسّان بن ثابت" قافية الألف، صـ۲۱.

"رحمت عالم ﷺ سے حسین تر میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں، اور نہ کبھی کسی ماں نے سرکارِ اَبد قرار ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو جنا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی تخلیق ہر عیب ونقص سے پاک ہے، گویا کہ آپ کو رب تعالی نے آپ کی خواہش کے مطابق بنایا ہے"

جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم حضورِ اکرم ﷺ کے رخِ زیبا کی طرف نظر کرتے، تو کوئی چاند کے مشابہ قرار دیتا، کوئی سورج سے تشبیہ دیتا، اور کوئی حضور کو چاند سورج سے بھی زیادہ حسین وخوبصورت قرار دیا کرتا۔

حضور نبئ کریم ﷺ اتنے نفیس وپاکیزہ تھے، کہ جسم اقدس پر مکھی تک نہیں بیٹھتی، اور نہ ہی حضور اقدس ﷺ کے کپڑوں میں جوئیں پڑتیں۔

حضور پُر نور ﷺ اپنے حسن وجمال میں بے مثل وبے مثال ہیں، نہ تو قلم میں اِتنی سکت ہے کہ حسنِ مصطفیٰ ﷺ کو حیطۂ تحریر میں لا سکے، اور نہ زبان میں اتنی صلاحیت وطاقت ہے، کہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کو بیان کر سکے۔ سرکارِ اَبد قرار ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات، محاسنِ ظاہری وباطنی کی جامع ہے۔ تمام کائنات حضور اکرم ﷺ کے حسن وجمال کے پرَتو (طفیل) ہی سے فیضیاب ہے، حضور اقدس ﷺ کی نسبت کے فیضان ہی سے کائناتِ رنگ وبُو میں حسن وجمال کی خیرات تقسیم ہوتی ہے۔ حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم ﷺ پر ایمان، اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا، جب تک اس بات پر ایمان نہ لایا جائے، کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے جسمِ اطہر کو اس شان سے پیدا فرمایا ہے، کہ کوئی انسان حضور اقدس ﷺ جیسا نہ حضور سے پہلے پیدا ہوا، نہ حضور اقدس ﷺ کے بعد کوئی پیدا ہوگا[۱]۔

سرورِ عالم ﷺ کا بے مثل حسن وجمال

حضور نبئ کریم ﷺ بہت خوبصورت انسان ہیں، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے حضور اقدس ﷺ کے حسن وجمال کو بیان کیا، کہ حضور اکرم ﷺ قد مبارک میں نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد، بلکہ

---

(۱) "المواهب اللدُنية" المقصد ٣، الفصل ١ في كمال خلقته وجمال صورته ﷺ وشرفه وكرمه، ٢/ ٥. و"جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ، الجزء ١، صـ٩.

میانہ قد رکھتے تھے۔ سرکارِ دو عالَم ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچدار تھے، نہ بالکل سیدھے، بلکہ کچھ گھنگریالے تھے۔ جسمِ اطہر خوب فربہ نہیں تھا، چہرہ مبارک (بالکل گول نہیں تھا بلکہ اُس) میں تھوڑی سی گولائی تھی، رنگت سفید سرخی مائل تھی، مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، پلکیں دراز، جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں، کندھوں کے سرے اور درمیان کی جگہ گوشت سے پُر تھی، بدنِ اقدس پر زیادہ بال نہیں تھے، ہتھیلیاں اور پاؤں مبارک پُر گوشت تھے۔ جب چلتے تو قدموں کو قوّت سے اُٹھاتے، گویا نیچے اُتر رہے ہوں، جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن کو پھیر کر توجہ فرماتے۔ حضور کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت تھی[1]۔

جو کوئی نبیٔ کریم ﷺ کو اچانک دیکھتا، تو پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا، جُوں جُوں قریب آتا مانوس ہو جاتا، اور محبت کرنے لگتا۔ الغرض نبیٔ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارکہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے، کہ میں نے مصطفی جانِ رَحمت ﷺ جیسا حسین وجمیل کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

حسن وجمالِ مصطفی ﷺ حدیثِ نبَوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا جابر بن سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: «رأيتُ رسولَ الله ﷺ في ليلةٍ إضحيان، فجعلتُ أَنظر إلى رسولِ الله ﷺ وإلى القمر، وعليه حلّةٌ حمراء، فإذا هو عندي أحسن من القمر»[2] "ایک رات چاند پورے جوَبن پر تھا، اور اِدھر حضور اکرم ﷺ بھی تشریف فرما تھے، اُس وقت حضور اقدس ﷺ سرخ دھاری دار چادر میں ملبوس تھے، اُس رات میں کبھی

---

(۱) "الشمائل المحمديّة" للترمذي، باب ما جاء في خَلق رسول الله ﷺ، صـ۱٥، ١٦. و"دلائل النبوّة" للبَيهقي، جُماع أبواب مرض رسول الله ﷺ ووفاته ...إلخ، باب ما جاء في مبلغ سِنّ رسول الله ﷺ يوم توفّي، ٧/ ٢٣٦.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الأدب، باب ما جاء في الرخصة في لبس الحمرة للرجال، ر: ٢٨١١، صـ٦٣٣. [وقال الترمذي]: "هذا حديثٌ حسنٌ غريب". و"سنن الدارمي" باب في حسن النبي ﷺ، ر: ٥٧، ١/ ٤٤.

نبئ کریم ﷺ کے حسنِ طلعت پر نظر ڈالتا، اور کبھی چمکتے ہوئے چاند پر، بالآخر میں نے دیکھا کہ حضور انور ﷺ کا حسن وجمال چاند سے کہیں زیادہ ہے"۔

(۲) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: «كان رسولُ الله ﷺ كأنّما صِيغَ مِن فِضّةٍ»[1] "حضور نبئ اکرم ﷺ (جسمانی حسن وجمال کے لحاظ سے) یوں معلوم ہوتے، کہ گویا چاندی سے ڈھالے گئے ہوں"۔

(۳) حضرت سیّدنا عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: «ما كان أحدٌ أحبَّ إليَّ من رسول الله ﷺ، ولا أجلَّ في عيني منه، وما كنتُ أطيقُ أن أملأَ عيني منه إجلالاً له، ولو سُئلتُ أن أصفَه ما أطقتُ؛ لأنّي لم أكن أملأ عيني منه»[2] "میرے نزدیک مصطفی جانِ رحمت ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں، اور نہ ہی میری نگاہوں میں کوئی شخص حضور اکرم ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل ہے، میں رحمتِ عالم ﷺ کے مقدّس چہرہ کو اُس کے جلال وجمال کے سبب جی بھر کر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا، اگر کوئی مجھ سے سرکارِ دوعالَم ﷺ کے جسمانی اوصافِ حمیدہ بیان کرنے کو کہے، تو میں اس بات کی طاقت نہیں رکھتا؛ کیونکہ (رحمتِ عالم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کی چمک دمک کے سبب) نبئ کریم ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھنا میرے لیے ممکن نہیں تھا"۔

جسمِ اقدس کی معجزانہ لَطافت

نبئ مکرّم نورِ مجسّم کے جسمِ اقدس کا تاریک سایہ نہیں تھا۔ اس بارے میں اہلِ سنّت والجماعت کا مَوقف یہ ہے، کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے بَشری جسمِ اقدس کو ایسا لطیف، نظیف، پاکیزہ، اور مطہّر بنایا، کہ اس میں کسی قسم کی عنصری اور مادّی کثافت باقی نہ رہی، اس لیے چاند، سورج، چراغ وغیرہ

---

(۱) "دلائل النبوّة" للبَيهقي، جُماع أبواب صفة رسول الله ﷺ، باب صفة بعد ما بين منكبي رسول الله ﷺ، ۱/ ۲٤۱.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ...إلخ، ر: ۳۲۱، صـ٦٤، ٦٥.

کی رَوشنی میں، جب حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہوتے، توجسمِ اقدس اس رَوشنی کے لیے حائل نہ ہوتا تھا، اور دیگر اجسامِ کثیفہ کی طرح حضور نبیٔ کریم ﷺ کے جسمِ پاک کا کوئی تاریک سایہ نہ پڑتا[۱]۔

(۴) امام حافظ الدین نَسَفی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں: "قال عثمان رضي الله عنه: «إنّ اللهَ ما أَوقعَ ظلَّكَ عَلَى الأَرضِ؛ لِئَلّا يَضعَ إِنسَانٌ قَدَمَهُ عَلَى ذلك الظلّ»[۲] "حضرت سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، کہ اللہ تعالی نے آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا؛ تاکہ کوئی اس پر قدم نہ ڈال سکے"۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ امام حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: "أخرج الحكيمُ الترمذي عن ذكوان، أنّ رسولَ الله ﷺ لم يكن يُرَى له ظلٌّ في شمسٍ ولا قمر"[۳]. "یعنی حکیم ترمذی نے حضرت سیّدنا ذکوان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، کہ سورج اور چاند کی رَوشنی میں، رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں بنا کرتا تھا۔

پسینہ مبارک کی خوشبو

(۵) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: «ما شَمَمتُ عنبراً قطّ، ولَا مِسكاً، ولَا شَيئاً، أطيَبَ من رِيحِ رسولِ الله ﷺ»[۴] "میں نے حضور اکرم ﷺ (کے پسینے) کی خوشبو سے بڑھ کر، خوشبودار عنبر ومشک یا کوئی اور خوشبو کبھی نہیں سونگھی"۔

---

(۱) "مقالاتِ کاظمی" "مسئلہ ظلّ النبی"، ج۴، ص۶۵، ۶۶۔

(۲) "مدارك التنزيل" سورة النور، تحت الآية: ۱۲، ۲/ ۱۵۳.

(۳) "الخصائص الكبرى" ذكر المعجزات والخصائص في خَلقه الشريف ﷺ، باب الآية في أنّه ﷺ لم يكن يرى له ظلّ، ۱/ ۱۱٦.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب طيب رائحة النبي ﷺ ...إلخ، ر: ٦٠٥٣، صـ١٠٢٧.

عطر کا بدلِ نفیس.......پسینہ مبارک

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جسم اقدس کے مقدّس پسینہ کو محفوظ کرتے، اور وقتاً فوقتاً اسے بطور عطر استعمال میں لاتے؛ کہ اس جیسا عطر کائنات میں دستیاب نہیں۔ چنانچہ حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رَحمت ﷺ اکثر ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے، عموماً ہمارے ہاں قَیلولہ بھی فرماتے، ایک روز حضور اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، اور استراحت فرما رہے تھے، کہ جسمِ اقدس پر پسینے کے شفّاف قطرے موتیوں کی طرح چمکتے، اور جسم اقدس سے جدا ہو کر بستر شریف میں جذب ہو جاتے۔

(۶) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: "وجاءَتْ أمّي بِقَارُورَةٍ، فجعلَتْ تَسْلِتُ الْعَرَقَ فيها، فاسْتَيْقَظَ النَّبيُّ ﷺ فقال: «يا أمَّ سُلَيمٍ! ما هذا الّذِي تَصنَعِينَ؟» قالت: هذا عرقُكَ نجْعَلُه في طِيبِنَا، وهو من أَطْيَبِ الطِّيبِ"[1]. "میری والدہ آئیں اور ایک بوتل میں حضور اکرم ﷺ کے پسینۂ مبارک کو جمع کرنے لگیں، اسی اَثنا میں سرورِ عالم ﷺ بیدار ہو گئے اور میری امی جان کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ یہ تم کیا کر رہی ہو؟ حضرت اُمِّ سُلَیم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ حضور ﷺ کا پسینۂ مبارک ہے، اسے ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے؛ کہ یہ تمام خوشبوؤں سے بہتر خوشبو ہے"۔

چہرۂ انور کی ضیا پاشی

(۷) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور تاجدارِ رسالت ﷺ کے چہرۂ انور کے حسن وجمال کے اوصاف کو، اپنے اَشعار میں کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں: ع

فَلَو سَمِعُوا فِي مِصرَ أَوصَافَ خَدِّهٖ　　لما بَذَلُوا فِي سَومِ يُوسُفَ مِن نَّقدٍ

لَواحِي زُلَيخَا لَو رَأَينَ جَبِينَهٗ　　لَآثَرنَ بِالقَطعِ القُلُوبَ عَلَى الأيدِي

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، ر: ۱۲۳۹۹، ٤/ ۲۷٤.

و"صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب طيب عرق النبي ﷺ ...إلخ، ر: ٦٠٥٥، صـ١٠٢٧.

"اگر مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے رُخسار مُبارک کے اَوصاف، اَہلِ مصر سن لیتے، توحضرت یوسف علیہ السلام کی قیمت لگانے میں سیم وزر نہ بہاتے، اور اگر زُلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں، رسول اللہ ﷺ کی جبینِ انور دیکھ لیتیں، تو ہاتھوں کے بجائے اپنے دِل کاٹنے کو ترجیح دیتیں(۱)"

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ایک بار نبئ کریم ﷺ اپنے نعلینِ مبارک کو اپنے مقدّس ہاتھوں سے سی رہے تھے، اور میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اتفاق سے میری نظر حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف گئی، تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مبارک پیشانی پر پسینے کے چند قطرے اُبھرے ہوئے ہیں، اور پسینے کے اندر ایک نور ہے جو بڑھتا جارہا ہے، میرے لیے یہ منظر ایسا دل کش اور سہانا تھا، کہ میں محبت وسُرور اور حیرت وتعجب میں، پورے اِنہاک کے ساتھ کافی دیر تک، نبئ کریم ﷺ کی مبارک پیشانی کو دیکھتی رہی۔

اچانک نبئ مکرّم ﷺ نے نظر اٹھاکر میری طرف دیکھا، کہ میں حضور اقدس ﷺ کو حیرانگی اور دل جمعی سے دیکھ رہی ہوں، تو ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! کیا بات ہے؟ کیوں اس طرح میری طرف دیکھ رہی ہو؟ حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، کہ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! میں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہیں، اور مجھے پسینے کے ان قطروں میں ایک چمکتا ہوا نور دکھائی دے رہا ہے، جو مجھے بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے، اس خوش نما اور خوب صورت منظر نے، مجھے آپ ﷺ کی طرف محبت وسُرور سے مسلسل دیکھنے پر مجبور کردیا۔ خدا کی قسم! اگر اس حال میں آپ کو ابوکبیر ہذلی (زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر) دیکھ لیتا، تو یقین کرلیتا کہ آپ ہی اُس کے اَشعار کے مصداق ہیں"۔

رحمتِ عالمیان ﷺ نے فرمایا، کہ سناؤ تو سہی اس کے اشعار کیا ہیں؟ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، کہ میں نے ابوکبیر ہذلی کے وہ اَشعار سنائے: ع

وَمُبَرَّأٌ مِن كُلِّ غُبَّرِ حَيضَةٍ وَفَسَادِ مُرضِعَةٍ وَدَاءٍ مُغيِلِ

---

(۱) "شرح الزرقاني على المواهب" تابع كتاب المغازي، الفصل ۳: ...إلخ، ٤/ ۳۹۰.

وَإِذَا نَظَرتُ إِلَى أَسِرَّةِ وَجهِهِ بَرَقَت كَبَرقِ العَارِضِ المُتَهَلِّلِ

"بَری ہے میرا محبوب ہر آلودگیٔ حیض سے، اور حالتِ حمل میں دودھ پلانے کی خرابی سے، اور اُس صحبت کے اثرات سے جو زمانۂ شیر خواری میں کی جائے۔ اور جب میں اس کی پیشانی کے بَل دیکھتا ہوں، تو ایسی چمکتی معلوم ہوتی ہے، کہ گویا چلے ابر میں چاند چمکتا ہو!"

جب مصطفی جانِ رَحمت ﷺ نے یہ اَشعار سماعت فرمائے، تو جو کچھ آپ کے دستِ اقدس میں تھا وہ رکھ دیا، اور حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی پیشانی کو بوسہ دے کر ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اللہ عزوجل تمہیں جزائے خیر عطا کرے! مجھے اتنی خوشی ومسرت کبھی نہیں ہوئی، جس قدر تمہارے اس کلام سے حاصل ہوئی[1] ؏

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے، کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دُور ہے، یہی شمع ہے کہ دُھواں نہیں[2]

(۸) حضرت سیّدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ غزوۂ تبوک سے خود پیچھے رہ جانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں: «فلمّا سلّمتُ على رسولِ الله ﷺ وهو يبرق وجههُ من السُّرور، وكان رسولُ الله ﷺ إذا سُرَّ استنارَ وَجهُه، حتَّى كأنّهُ قطعَةُ قَمَرٍ، وكنّا نعرِف ذلك منه»[3] "جب میں نے حضور نبیٔ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا، تو سرکارِ دوعالَم ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے جگمگا رہا تھا، اور

---

(۱) "تاريخ دِمشق" السيرة النبوية، باب صفة خلقه ...إلخ، ر: ۷۰۲، ۳/ ۳۰۷. "حلية الأولياء" ذكر النساء، الصحابيات، عائشة زوج رسول الله ﷺ، تحت ر: ١٤٦٤، ٢/ ٥٦. "شرح الزرقاني على المواهب" المقصد ٣، الفصل ١، ٥/ ٥٣٥.

(۲) "حدائقِ بخشش" حصہ اوّل، ص۱۰۷۔

(۳) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، ر: ٣٥٥٦، صـ٥٩٧. "صحيح مسلم" كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، ر: ٧٠١٦، صـ١٢٠٤.

حضور اکرم ﷺ جب خوش ہوتے، تو حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک یوں نوربار ہوتا جیسے چاند کا ٹکڑا۔ ہم حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی چمک دمک سے حضور اقدس ﷺ کی خوشی جان لیا کرتے"۔

حضور نبئ کریم ﷺ کو چلتا پھرتا قرآن بھی کہا گیا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور ﷺ کے چہرۂ انور کو کھلے ہوئے اَوراقِ قرآن سے تشبیہ دیا کرتے۔

(۹) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں، کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایامِ مرضِ وفات میں، حضور کے یارِ غار حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے، کہ اچانک آقائے کائنات ﷺ نے اپنے حجرۂ مبارکہ کا پردہ اُٹھاکر، اپنے غلاموں کی طرف نظر فرمائی، تو ہمیں یوں محسوس ہوا «كأنّ وَجهَهُ ورقةُ مُصحَف»[1] "کہ گویا حضور اکرم ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کریم کا ورق ہے"۔

لُعاب دہن سے شفایابی

(۱۰) غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دُوں گا، جس کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوگا، جب دوسرا دن چڑھا تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا کہ علی کہاں ہیں؟ صحابۂ کرام نے عرض کی کہ یا رسولَ اللہ! وہ اپنے خیمے میں ہیں، ان کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں، رسول پاک نے فرمایا کہ علی کو لے آؤ! صحابۂ کرام حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہاتھ پکڑ کر لائے، اور انہیں مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے پاس بٹھادیا، حضور اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی آنکھوں پر لگایا، تو اسی وقت

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحقّ بالإمامة، ر: ٦٨٠، صـ١١١. و"صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر ...إلخ، ر: ٩٤٤، صـ١٧٩.

ان کی ساری تکلیف دُور ہوگئی، سرکارِ دوعالَم ﷺ نے جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا، کہ جاؤ اللہ کا نام لے کر جہاد کرو! پھر اللہ تعالی نے حضرت سیّدنا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- کے ہاتھوں پر خیبر کی فتح دی[1]۔

دستِ اقدس

مصطفی جانِ رَحمت ﷺ کے دستِ اقدس اِنتہائی نرم وملائم تھے، دستِ اقدس سے ہمہ وقت خوشبوئیں لپٹی رہتیں، مصافحہ کرنے والا ٹھنڈک محسوس کرتا، انگشت ہائے مبارکہ قدرے طویل تھیں، چاند کی طرف اُٹھتیں تو وہ بھی دولخت ہوجاتا۔

(۱۱) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: «مَا مَسستُ حَرِيراً وَلاَ دِيبَاجاً أَلْيَنَ مِن كَفِّ النَّبِيِّ ﷺ»[2] "میں نے کبھی ریشم اور دیباج کو بھی، حضورِ اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک سے زیادہ نرم وملائم نہیں پایا"۔

دستِ شفا سے ٹوٹی ہوئی پنڈلی جڑ گئی

(۱۲) حضرت سیّدنا بَراء بن عازِب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں، کہ حضرت عبد اللہ بن عتیک، دشمنِ رسول ابو رافع یہودی کو جہنم رسید کرکے واپس آرہے تھے، کہ اُس کے مکان کے زینے سے گر گئے، جس سے اُن کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو نبئ کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اپنا پَیر کھولو!" وہ کہتے ہیں: «فبسطتُ رِجلي فمسحَها، فكأنّها لَم أشتكِهَا قطّ!» "میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا، تو حضورِ اکرم ﷺ نے اس پر اپنا دستِ شفا پھیرا، دستِ کرم پھیرتے ہی میرا پاؤں ایسے ٹھیک ہوگیا، جیسے کبھی ٹوٹا ہی نہیں تھا"[3]۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب القرشي الهاشمي أبي الحسن رضي الله تعالى عنه، ر: ٣٧٠١، صـ٦٢٤.

(٢) المرجع نفسه، باب صفة النبي ﷺ، ر: ٣٥٦١، صـ٥٩٧.

(٣) المرجع السابق، كتاب المغازي، باب قتل أبي رافع عبد الله بن أبي الحقيق، ر: ٤٠٣٩، صـ٦٨٣.

الغرض حضور رحمت عالم ﷺ سرتاپا نورِ مجسّم ہیں، سرورِ عالم ﷺ کے عُلوِ مرتبت، رُوحانی کمالات وخصائص، اور باطنی فضائل ومَحامد کے علاوہ، حضور ﷺ کا بے مثل حسن وجمال بھی نبئ کریم ﷺ کا معجزہ ہے، جس کا ذکر کم وبیش سیرت کی تمام کتب میں موجود ہے، ؏

سر تا بقدم ہے تنِ سلطان زَمن پھول
لب پھول، دَہن پھول، ذَقن پھول، بدن پھول[1]

حسن وجمالِ مصطفی ﷺ اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال القاضي عياض رحمه الله: "فاعلم -نوَّر اللهُ قلبي وقلبَك! وضاعَفَ في هذا النّبي الكريم حُبِّي وحبَّك!- أنّك إذا نظرتَ إلى خِصال الكمال التي هي غيرُ مكتسبةٍ، وفي جِبلّة الخلقة، وجدتَه ﷺ حائزاً لجميعها، محيطاً بشتّاتِ محَاسِنها، دون خلافٍ بين نقَلة الأخبار لذلك، بل قد بلغَ بعضُها مَبلغَ القطع، أمّا الصّورةُ وجمالُها، وتناسُب أعضائه في حُسنِها، فقد جاءت الآثارُ الصّحيحة والمشهورة الكثيرة بذلك"[2].

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اے طالبِ صادق! (اللہ تعالی تیرے اور ہمارے دل کو منوّر فرمائے، اور عشقِ مصطفی ﷺ کی جتنی دَولت ہمیں نصیب ہوئی ہے، اس سے بدرجہا زیادہ مرحمت فرمائے، آمین!) جان لو کہ حضور ﷺ کے محاسنِ عالیہ میں کسب (اپنی کوشش) کو قطعًا دخل نہیں، بلکہ وہ آپ کی جِبلّت میں پیدائشی طور پر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ مقدّسہ میں محاسن وکمالات فطری طَور پر اس طرح جمع کر دیے گئے ہیں، کہ کوئی کمال اس کے اِحاطے سے باہر نہیں رہا۔ بے شمار احادیث میں جو آپ کے حُسن وجمال کا چرچا ہے، اُن کی صحت میں کلام نہیں، بلکہ بعض آثار تو صحت سے قطعیّت، اور وہاں سے حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے ہیں، آپ کے حسن وجمال اور تناسُبِ اعضاء کے بیان میں، آثارِ صحیحہ کثیرہ مشہورہ وارد ہیں"۔

---

(۱) "حدائق بخشش" حصہ اوّل، ص۷۸۔

(۲) "الشفاء" القسم ۱، الباب ۲ في تكميل الله تعالى له المحاسن ...إلخ، فصل، الجزء ۱، صـ٤٤.

قال العلّامة علي القاري رحمه الله: "إنّ جمالَ نبيّنا ﷺ كان في غايةِ الْكَمَال -إلى أنْ قال-: لكنّ اللهَ سترَ عن أَصحابِهِ كثيراً من ذلك الجمالِ الزَاهِر، والكمالِ البَاهِر؛ إذ لو برزَ إليهم لَصَعُبَ النّظَرُ إليه عليهم"(۱). "علّامہ علی قاری رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا حسن وجمال اَوجِ کمال پر تھا (یہاں تک فرمایا کہ) لیکن ربِ عزّوجلّ نے حضور نبیٔ کریم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا میں سے، بہت کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی مخفی رکھا، اگر سرکارِ دوعالَم ﷺ کا حسن وجمال پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا، تو حضور ﷺ کے روئے تاباں کی طرف آنکھ اُٹھانا بھی مشکل ہوجاتا!"۔

وقال القاري رحمه الله أيضاً: "وقال بعضُ الصوفيّة: أكثرُ النَّاسِ عرفوا اللهَ عزّوجلّ وما عرفوا رسولَ الله ﷺ؛ لأنّ حجابَ البَشَريّةِ غَطَّتْ أبصارَهُم"(۲). "علّامہ علی قاری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں، کہ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ اکثر لوگوں نے اللہ عزّوجلّ کا عرفان تو حاصل کر لیا، لیکن حضور تاجدارِ رسالت ﷺ کا عرفان انہیں حاصل نہ ہو سکا؛ اِس لیے کہ بشریت کے حجاب نے اُن کی آنکھوں کو ڈھانپ رکھا ہے"۔

وقال العلّامة علي القاري رحمه الله أيضاً: "ومِن ثَمَّ نقل القُرطُبي عن بعضِهم: أنّه لم يظهر تمامُ حُسنه ﷺ، وإلّا لَمَا أطَاقَت أعيُنُ الصّحابةِ النّظَرَ إليه"(۳). "علّامہ علی قاری رحمہ اللہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ "اسی طرح امام قُرطبی نے بعض علماء سے نقل کیا، کہ ہمارے لیے حضور اکرم کا مکمل حسن وجمال ظاہر نہیں ہوا؛ (کیونکہ اگر حضور کا تمام حسن وجمال ظاہر ہوتا) تو صحابۂ کرام کی آنکھیں حضور کو دیکھنے پر قادِر نہ ہوتیں"۔

سرکار مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ع

(۱) "جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب تعطر رسول الله ﷺ، الجزء ۲ صـ۹.

(۲) المرجع نفسه، باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ، الجزء ۱ صـ۱۰.

(۳) المرجع السابق.

حقیقت سے تمھاری جز[1] خدا اور کون واقف ہے — کہے تو کیا کہے کوئی چنیں تم ہو چناں تم ہو[2]

امام شرف الدّین بُوصیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: ؏

دَعْ ما ادّعتْه النّصارى في نبيِّهم — واحكُمْ بما شئتَ مَدحاً فيه واحتكمِ[3]

"اے مسلمانو! جوکچھ نصاری نے اپنے نبی کے حق میں کہا (کہ عیسی علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ کا جز ہیں) تم یہ مت کہنا! اس کے علاوہ جو چاہو حضور کی مدحت میں بیان کرو، اور مخالفین کو جواب دیتے رہو!"

قال الإمام القسطلاني رحمه الله تعالى: "اعلم أنّ من تمام الإيمان به ﷺ، الإيمانُ بأنّ اللهَ تعالى جعلَ خَلقَ بدنِه الشّريف على وجهٍ، لم يظهر قبلَه ولا بعدَه، خلقُ آدميٍّ مثلَه"[4]. "امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں، کہ حضور ﷺ پر ایمان لانے کی تکمیل میں سے ہے، کہ اس بات پر بھی ایمان لایا جائے، کہ اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کے بدن شریف کی بناوَٹ، اس طَور پر کی ہے، کہ حضور سے پہلے اور بعد، کسی کی تخلیق اس انداز سے نہیں کی گئی"۔

وقال الإمام القسطلاني رحمه الله تعالى أيضاً: "وهذه التشبيهاتُ الواردةُ في حقِّه ﷺ، إنّما هي على سبيلِ التقريبِ والتمثيلِ، وإلّا فذاتُه أعلى ومجدُه أغلى"[5]. "امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ مزید فرماتے ہیں کہ "اَسلاف کرام نے سرورِ عالَم ﷺ کے اَوصاف حمیدہ کا جو ذکر کیا، یہ بطورِ تمثیل ہے، ورنہ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس، اور آپ کا مقام ومرتبہ اس سے بہت بلند وبالا ہے"۔

---

(۱) یعنی: سوائے، علاوہ۔ "فیروز اللغات" ص۴۸۷۔

(۲) "سامانِ بخشش" ص۱۰۵۔

(۳) "بردة المديح" الفصل ۳ في مدح النبي ﷺ، صـ۲۳.

(٤) "المواهب اللدُنية" المقصد ۳، الفصل ۱ في كمال خلقته وجمال صورته ﷺ وشرفه وكرمه، ۲/ ۵.

(٥) المرجع نفسه، ۲/ ٦.

وقال العلّامة محمد بن عبد الباقي الزرقاني رحمه الله: "وَلِذا قال عليٌّ: يقول ناعتُه -أي: عند العجز عن وصفه-: لم أرَ قبلَه ولا بعدَه مثلَه"[1]. "علّامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "مولاعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ آپ ﷺ کی تعریف بیان کرنے والا، جب آپ کی تعریف کرنے کی طاقت نہیں پاتا، تو بالآخر کہتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پہلے اور بعد، حضور جیسا کسی کو دیکھا ہی نہیں"۔

خلاصۂ کلام

جس طرح اللہ ربّ ذوالجلال نے، مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی ذاتِ مقدّسہ کی حقیقت کو اپنی مخلوقات سے مخفی رکھا، اور تجلّیاتِ مصطفیٰ ﷺ کو پردوں میں مستور فرمایا، اسی طرح حضور اقدس ﷺ کے اوصافِ ظاہری کو بھی خود پروَردگارِ عالَم خوب جانتا ہے۔ محدثین، مفسرین اور علمائے حق کا یہ اعتقاد ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ ظاہری کی حقیقت کو، جاننا بھی مکمل طور پر مخلوق کی رَسائی میں نہیں۔ اس ضمن میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین عظام نے جو کچھ بیان فرمایا، وہ بطور مثال ہے۔ امرِواقع یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت کو اُن کے خالق ومالک کے سوا کوئی نہیں جانتا، اقلیم رسالت کے تاجدار، سرکارِ دوعالَم ﷺ مسندِ محبوبیت پر یکتا وتنہا جلوہ فرما ہیں۔ حضور نبیٔ کریم ﷺ کا باطن بھی حسنِ بے مثال کا مرقّع ہے، اور ظاہر بھی اَنوار وتجلّیات کا آئینہ دار ہے۔ جہاں نقطۂ کمال کی انتہاء ہوتی ہے، وہاں سے حسن وجمالِ مصطفیٰ ﷺ کی اِبتداء ہوتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے حسن وجمال کو بے مثل ماننا اِیمان واِیقان کا بنیادی جزء ہے، کسی شخص کا اِیمان اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا، جب تک وہ نبیٔ بے مثال ﷺ کو باعتبارِ صورت وسیرت، اِس کائناتِ ہست وبود کی تمام مخلوقات سے اَفضل واکمل تسلیم نہ کرلے! ع

یا صاحبَ الجمالِ ویا سیِّدَ البشَر　　مِن وَجهِكَ المنيرُ لقَد نُوِّرَ القمَر

لا يُمكنُ الثناءُ كما كان حقُّه　　بعد اَز خدا بزرگ تُوئی قصہ مختصر

---

(۱) "شرح الزرقاني على المواهب اللدُنية" شرح مقدّمة المواهب، ۱/ ۲۰.

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "الخصائص الکبری"، (۲) حضرت علّامہ محمد انوار اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۳) "انوارِ احمدی"[۱]، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۴) "شانِ حبیب الرحمن"[۲]، حضرت علّامہ سیّد محمود احمد رضوی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۵) "شانِ مصطفیٰ"[۳]، حضرت علّامہ منظور احمد فیضی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۶) "مقامِ رسول"[۴]، اور حضرت علّامہ سیّد شاہ تراب الحق علیہ الرحمۃ کی کتاب (۷) "جمالِ مصطفیٰ"[۵] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

---

(۱) مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، انڈیا۔

(۲) مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ رضوان، لاہور۔

(۴) مطبوعہ مکتبہ محمدیہ، فیض آباد۔

(۵) مطبوعہ زاویہ پبلشرز، لاہور۔

(۱۳) مصطفیٰ کریم ﷺ کی بے مثالی

اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ ہے، کہ حضورِ اکرم ﷺ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نُور اور صورت کے اعتبار سے بے مثال بَشَر ہیں۔ اہلِ سنّت وجماعت کا نظریہ اس بارے میں یہ بھی ہے، کہ حضور اکرم ﷺ کی مثل اور نظیر مُحال بالذات (ناممکن) ہے؛ اس لیے کے حضور اکرم ﷺ اوّل مخلوق اور آخری نبی ہیں۔ اب اگر دوسرے محمد کا وجود فرض کرلیں تو اوّل نہ ہوا؛ کیونکہ اوّل الخلق ہو چکی، جس کی واپسی عقلاً مُحال بالذات ہے۔ اگر دوسرا ہو بھی تو اوّل نہیں ہوگا، جب اوّل نہ ہوا تو حضور کی مثل بھی نہ ہوا۔

دوسرے محمد کا وجود حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت کے بھی مُنافی ہے، جس وقت بھی اس کا وجود فرض کریں گے، ہمارے آقا ﷺ کی خاتمیت کا انکار کرنا ہوگا، گویا دوسرے محمد کے وجود نے حضور اکرم ﷺ کے کمالِ خاتمیت کو ختم کردیا، تو جو اپنے مقابل کے کمال کو ختم کردے، وہ اُس کی مثل نہیں ہوگا، بلکہ اس سے افضل ہوگا، لہٰذا دوسرے محمد کا وجود مُحال بالذات (ناممکن) ہے، تو دوسرا محمد، ہمارے آقا حضور نبیٔ کریم ﷺ کے کمالِ خاتمیت کے مُنافی ٹھہرا۔

اور اس سے (معاذ اللہ) کلامِ الٰہی کا جھوٹا ہونا بھی لازم آئے گا؛ کیونکہ اللہ عزّوجلّ نے حضور اکرم ﷺ کو "خاتم النبیین" فرمایا ہے، اگر کسی اَور کو بھی خاتم مان لیا جائے، تو دوسرے کا وجود اس کلامِ الٰہی کی تکذیب کا مُوجِب ہوگا، اور کلامِ الٰہی کا جھوٹا ہونا مُحال ہے، لہٰذا دوسرے محمد کا پیدا ہونا بھی مُحال ہے[1]۔

---

(۱) "خطبات کاظمی" امتناعِ نظیر (حصہ دُوم ۲) ۱۸۱/۴۔

مصطفی کریم ﷺ کی بے مثالی، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾[1] "اے حبیب! آپ اِن لوگوں سے فرما دیجیے، کہ ظاہری صورتِ بشَری میں تو میں تم جیسا انسان ہوں، مگر مجھے اللہ تعالی نے نعمتِ وحی کے ذریعے خصوصیت عطا فرمائی ہے"۔

علّامہ خازِن علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "قال ابن عبّاس رضي الله عنهما: علّمَ اللهُ تعالى رسولَه محمداً ﷺ التواضُع؛ لئلا يزهَى على خَلقه، وأمرَه أن يقرَ فيقول: أنا آدميٌّ مثلُكم، إلّا أنّي خُصّصتُ بالوحي وأكرمَني اللهُ به"[2]. "حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا، کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو تواضُع وانکساری کی تعلیم فرمائی؛ کہ خَلقِ خدا پر فخر نہ کریں، لہذا حکم دیا کہ "اے حبیب! آپ اِن لوگوں سے فرما دیجیے، کہ ظاہری صورتِ بشَری میں تو میں بھی تمھاری طرح آدم کی اولاد ہوں، مگر مجھے اللہ تعالی نے نعمتِ وحی کے ذریعے خصوصیت عطا فرمائی ہے، اور اس طرح میرا اِکرام بڑھایا ہے"۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور اُمّتی ایک جیسے نہیں، برابر نہیں!!۔

امام حافظ الدّین نَسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "هذا جوابٌ لقولهم: ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ ووجهُه: أنّه قال لهم: إنّي لستُ بملَكٍ، وإنّما أنا بشرٌ مثلُكم، وقد أُوحيَ إليَّ دُونكم، فصحّتْ نبوّتي بالوحي إليَّ وأنا بَشَرٌ، وإذا صحّتْ نبوّتي وجبَ عليكم اتّباعِي، وفيما يُوحَى إليَّ أنّ إلهَكم إلهٌ واحد"[3]. "یہ جواب مشرکینِ مکّہ کے اس قول کا ہے، جو انہوں نے کہا تھا کہ "ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہے"، اسی سبب سے ان کے لیے فرمایا، کہ میں فرشتہ نہیں ہوں، بلکہ میں بھی

---

(۱) پ١٦، الكهف: ١١٠.

(۲) "تفسير الخازن" سورة الكهف، ٣/ ٢٢٨.

(۳) "مدارك التنزيل" سورة فصلت، تحت الآية: ٦، ٢/ ٤٩٠.

تمھاری طرح آدم کی اولاد ہوں، فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، جو میرے نبی ہونے کی دلیل ہے، میری نبوّت سچی ہونے کے سبب، تم پر میرا اتّباع لازم ہے، اور جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمھارا خدا ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے"۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور امّتی ایک جیسے نہیں، برابر نہیں!!۔

(۲) حضور اکرم ﷺ سے جس کا تعلق ہو گیا، وہ بھی بے مثال ہو گیا، اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾[1] "اے نبی کی بیبیو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو!"۔

غور کیجیے کہ وہ خواتین جنہیں آقا کریم ﷺ سے نسبتِ زَوجیت حاصل ہوئی، اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرما دیا کہ "تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو"، رب تعالی نے جب ان خواتین کو نسبتِ رسول ﷺ کے سبب دیگر عورتوں سے ممتاز فرما دیا، تو اَب کسی کی کیا جراَت و مجال، کہ وہ خود کو حضور اکرم ﷺ کی مثل کہے؟! یا حضور کو اپنے جیسا سمجھے!! والعیاذ باللہ تعالی!۔

مصطفی کریم ﷺ کی بے مثالی، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے صومِ وِصال[2] سے منع فرمایا، کسی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ تو صومِ وِصال رکھتے ہیں! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أيكم مِثلي؟ إنّي أبيتُ يُطعِمُني ربّي ويَسقينِ»[3] "تم میں سے میری مثل کون ہے؟! میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں، کہ میرا پروَردگار مجھے کھلاتا پلاتا ہے"۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور امّتی ایک جیسے نہیں، برابر نہیں!!۔

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ۳۲.

(۲) یعنی ایک دن کے روزے کو دوسرے دن کے روزے سے ملانا، اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دو۲ روزوں کے درمیان کوئی اِفطار اور سحری نہ ہو، اور جب ایک دن کے روزے سے فارغ ہو، تو مغرب میں اِفطار نہ کرے، بلکہ اس روزے کو بنا سحری کے جاری رکھے، یہاں تک کہ اگلے دن بھی روزہ رکھ لے، اسے صومِ وِصال کہتے ہیں۔

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال، ر: ۱۹٦٥، صـ۳۱٦.

"بخاری شریف" کی ایک روایت یوں ہے، کہ امّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیتے، تو ایسے اعمال وافعال بتاتے جس پر لوگ بآسانی عمل کر سکیں، یہاں پر صحابۂ کرام عرض کرتے: "إنّا لسنا كهيئَتِك يا رسولَ الله"، "یارسولَ اللہ ﷺ ہم آپ کی مثل نہیں ہیں!"[1]۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور امّتی ایک جیسے نہیں، برابر نہیں!!۔

(۲) "بخاری شریف" میں ایک اَور روایت ہے، جس میں رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: «النبيُّ ﷺ نائمةٌ عيناه، ولاَ ينام قلبُه! وكذلك الأنبياءُ تنام أعيُنُهم، ولا تنام قلوبُهم!»[2] "تمھارے نبی کی آنکھیں سوتی ہیں، اور دل جاگتا رہتا ہے، اسی طرح تمام انبیائے کرام کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل جاگتے ہیں"۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور امّتی ایک جیسے نہیں، برابر نہیں!!۔

مصطفی کریم ﷺ کی بے مثالی، اقوالِ علماء کی روشنی میں

حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "ایمان کے مکمل (صحیح) ہونے کے لیے، یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ "رسولِ اکرم ﷺ کے بدن شریف میں، جتنے محاسنِ ظاہرہ وباطنہ جمع ہیں، اتنے کبھی کسی کے بدن میں جمع نہیں ہوئے"[3] ع

محمدٌ بَشَرٌ وليسَ كَالبَشَرِ بَل هُوَ يَاقُوتَةٌ، وَالنّاسُ كَالحَجَرِ

"حضورِ اکرم ﷺ بَشر (حضرت آدم کی اولاد سے) تو ہیں، مگر عام لوگوں کی طرح نہیں، بلکہ لوگوں میں اُن کی مثال ایسی ہے، جیسے یاقُوت کی مثال پتھروں میں"

---

(۱) المرجع نفسه، كتاب الإيمان، باب قول النّبي ﷺ «أنا أعلمكم بالله» ر: ۲۰، صـ۶.

(۲) المرجع السابق، كتاب المناقب، باب كان النّبي ﷺ تنام عينُه ولا ينام قلبُه، ر: ۳۵۷۰، صـ۵۹۹.

(۳) "جمع الوسائل شرح الشمائل" باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ، صـ۱۰.

خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث اور اقوالِ علمائے کرام سے ثابت ہوا، کہ ہمارے نبیٔ مکرّم ﷺ جیسا کوئی نہیں، نہ خلقت میں، نہ خُلق میں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف (۱) "امتناع النظیر"[1] اور حضرت علّامہ ملِک العلماء ظفر الدّین بہاری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "مبین الهُدی في نفي إمكان مثل المصطفى"[2] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ مرکز تحقیقات اسلامیہ، لاہور۔

(۲) یہ خالص مناظراتی تحریر ہے، جو ابھی قلمی صورت میں ہے۔ "ملک العلماء" از: مولانا ساحل شہسرامی۔

(۱۴) مصطفی کریم ﷺ کی نورانیت وبشریت

یقیناً انبیائے کرام بشَر (حضرت آدم کی اولاد) ہیں، اور یہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے، اور اس بات کا مطلقاً اِنکار کفر ہے۔ نبی جنسِ بشر میں آتے ہیں، اور انسان ہی ہوتے ہیں، جن یا فرشتے نہیں ہوتے۔ ہمارے پیارے آقا ﷺ بھی بشر ہیں، عام طَور پر یہ مُغالطہ دیا جاتا ہے کہ "نورانیّت اور بَشریّت دو ۲ متضاد صفتیں ہیں، یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں"، حالانکہ اس بات کا حقیقت سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے، کہ حضورِ اکرم ﷺ حقیقت کے اعتبار سے نُور، اور صورت کے اعتبار سے بے مثال بَشر ہیں، ؏

محمدٌ بَشَرٌ وليس كَالبَشَرِ بَل هُوَ يَاقُوتَةٌ وَالنّاسُ كَالحَجَرِ

"حضور اکرم ﷺ بَشَر (حضرت آدم کی اولاد سے) تو ہیں، مگر عام لوگوں کی طرح نہیں، بلکہ لوگوں میں اُن کی مثال ایسی ہے، جیسے یاقُوت کی مثال پتھروں میں"

مصطفی کریم ﷺ کی نورانیت وبشریت، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تعالی کا ارشادِ پاک ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ﴾[1] "تم فرمادو! کہ ظاہری صورتِ بَشری میں تو میں تم جیسا انسان ہوں، مگر مجھے اللہ تعالی نے نعمتِ وحی سے خصوصیت عطا فرمائی ہے"۔

(۲) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾[2] "یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے آیا: ایک نور اور رَوشن کتاب!"۔

---

(١) پ١٦، الكهف: ١١٠.

(٢) پ٦، المائدة: ١٥.

امام ابن جریر طَبری علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "يعني بالنّور محمداً ﷺ، الذي أنار اللهُ به الحقَّ، وأظهرَ به الإسلامَ، ومحقُّ به الشِّركَ"[1]. "نور سے مراد محمد ﷺ ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالی نے حق کو رَوشن کیا، اسلام کو ظاہر کیا، اور شرک کو مٹایا"۔

امام حافظ الدّین نَسفی علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "النّورُ محمدٌ علیہ الصلاۃ والسلام؛ لأنّه يُهتدَى به"[2]. "نور سے مراد محمد ﷺ ہیں؛ اس لیے کہ اسی نور کے واسطے سے ہدایت ملتی ہے"۔

امام فخر الدّین رازی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وفيه أقوال: الأوّل: أنّ المرادَ بالنُّور محمدٌ، وبالكتاب القرآنُ. والثاني: أنّ المرادَ بالنُّور الإسلامُ، وبالكتاب القرآنُ. والثالث: النُّور والكتابُ هو القرآنُ، وهذا ضعيفٌ؛ لأنّ العطفَ يُوجِب المغايرةَ بين المعطوفِ والمعطوفِ عليه"[3]. "اس آیت مبارکہ میں نُور سے مراد کیا ہے، اس بارے میں علماء کے مختلف اَقوال ہیں: (۱) پہلا قول: "نور سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ہے، اور کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے"۔ (۲) دوسرا قول: "نور سے مراد دینِ اسلام، اور کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے"۔ (۳) تیسرا قول: "نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآنِ کریم ہے"، اور یہ قول ضعیف ہے؛ اس لیے کہ عطف، معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان، اس بات تقاضا کرتا ہے، کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہوں"۔

نیز امام فخر الدّین رازی علیہ الرحمۃ سورۂ بقرۃ کی آیت: ﴿الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وسمّيَ الرّسولُ نوراً ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ

---

(۱) "جامع البيان عن تأويل آي القرآن" المائدة: تحت الآية: ۱۵، الجزء ٤، صـ۲۲۰.

(۲) "مدارك التنزيل" المائدة، تحت الآية: ۱۵، ۱/ ۳۱۳.

(۳) "التفسير الكبير" المائدة: تحت الآية: ۱۵، ٤/ ۳۲۷.

﴿مُّبِيْنٌ﴾ يعني محمد"(۱)۔ "رسول الله ﷺ کو نور کہا گیا ہے" جیسے اس آیت میں: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ "یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے آیا: ایک نور اور رَوشن کتاب" اور یہاں نور سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے"۔

حضرت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کا بشری صورت میں ظاہر ہونا

(۳) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾(۲) "تو اس (مریم) کی طرف ہم نے اپنا رُوحانی (جبریل امین) بھیجا، وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے رُوپ میں ظاہر ہوا"۔

ظاہر ہے کہ حضرت سیّدنا جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام نوری مخلوق ہیں، جب حضرت سیّدہ مریم رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے بشری صورت میں جلوہ گر ہوئے، تو اُس وقت بھی وہ حقیقت کے لحاظ سے نوری ہی تھے، لیکن ان کا ظہور بشرِی لباس میں ہوا، اگر نور وبشر میں تضاد ہوتا، تو حضرت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کبھی بشرِی صورت میں تشریف نہ لاسکتے!۔

مصطفی کریم ﷺ کی نورانیت، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنی "صحیح" میں حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور ﷺ اپنی دعا میں کہا کرتے: «اللّهمّ اجعلْ في قلبي نوراً، وفي بصَري نوراً، وفي سمعي نوراً، وعن يميني نوراً، وعن يساري نوراً، وفوقي نوراً، وتحتي نوراً، وأمامي نوراً، وخَلفي نوراً، واجعلْ لي نوراً»(۳) "اے اللہ! میرے دل اور میری آنکھوں میں نور پیدا فرما،

(۱) "التفسير الكبير" البقرة: تحت الآية: ۲، ۱/ ۲٦۳.

(۲) پ١٦، مريم: ١٧.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه من الليل، ر: ٦٣١٦، صـ١٠٩٨، ١٠٩٩.

میری سماعت میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور، اور میرے لیے ہر طرف نُور ہی نُور کردے!"۔ اور حضور کی دعارَد نہیں ہوتی!۔

(۲) امام بخاری کے استاذ الاستاذ، عبد الرزّاق صنعانی علیہ الرحمۃ اپنے "مصنَّف" میں حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے، ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هو نُورُ نَبِيِّكَ يا جابِرُ! خلَقَهُ اللهُ»[1] "اے جابر! وہ تیرے نبی کا نور ہے، جسے سب سے پہلے اللہ تعالی نے پیدا فرمایا"۔

(۳) امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرَک" میں عتبہ بن عبد السلمی سے، صحیح سند کے ساتھ ایک طویل روایت بیان کی، جس میں حضور نبئ کریم ﷺ کی ولادت کے وقت، والدہ ماجدہ حضرت سیّدہ آمنہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کا بیان مذکور ہے، وہ فرماتی ہیں: «إِنِّي رأيتُ خرج منّي نُورٌ أَضَاءَت منه قُصُور الشَّام»[2] "میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایک نور ظاہر ہوا، جس کے سبب (مکّہ مکرّمہ میں رہتے ہوئے) ملکِ شام کے محلّات مجھ پر رَوشن ہوگئے"۔ جس کی برکت سے ماں کو یہ نورانیت ملی، خود اس بچے کی نورانیت کا کیا عالم ہوگا؟!۔

(۴) امام دارمی، امام ترمذی اپنے "شمائل" میں، امام بَیہقی، اور امام طَبرانی "معجم اوسَط" میں، حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی، وہ فرماتے ہیں: «كَانَ رَسُولُ الله ﷺ أَفلَجَ الثَّنِيَّتَين، إِذَا

---

(۱) الجزء المفقود من "المصنَّف" كتاب الإيمان، باب في تخليق نور محمّد ﷺ، ر: ۱۸، صـ۶۳، ۶٤. و"شرح الزّرقاني على المواهِب" المقصد ۱، أوّل المخلوقات، ۱/ ٥٤، و۸۹.

(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدّمين، ر: ٤۲۳۰، ٤/ ۱٥۸٥. قال الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط مسلم ولم يخرجاه". وقال الذهبي: "على شرط مسلم".

تكلَّم رُئِيَ كالنّورِ يخرج من بَين ثَنَايَاهُ»[1] "حضور اکرم ﷺ کے ثنایا شریف (سامنے کے اوپر والے دو۲ دانت، اور نیچے کے دو۲ دانت) کشادہ تھے، جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو سامنے کے دانتوں سے نور جھلکتا دکھائی دیتا"۔

علّامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "الجملة الشَّرطيَة خبرٌ ثانٍ لِـ"كان"، والتّقييدُ به لِظُهُورِ النّورِ الحِسّيّ والمَعْنَوِيِّ"[2]. "جملہ شرطیہ "کان" کی خبرِ ثانی ہے؛ اور اسے مقیّد بشرط اس لیے کیا، کہ ظاہر ہو جائے کہ وہ نور جو ظاہر ہوتا تھا، وہ حسّی (محسوس ہونے والا) اور معنوی تھا"۔

(۵) امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ حضرت سیّدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: «كَانَ رَسُولُ الله ﷺ إِذَا سُرَّ استنارَ وجهُه، حتّى كأنّه قِطْعَةُ قَمَرٍ، وكنّا نَعْرِفُ ذلك منه»[3] "حضور نبئ کریم ﷺ جب مسرور ہوتے، تو آپ کا چہرہ ایسا چمکتا کہ گویا چاند کا ٹکڑا ہے، ہم اس چمک سے حضور کی خوشی معلوم کر لیتے تھے"۔

(۶) امام دارمی حضرت ابوعبیدہ سے روایت کرتے ہیں: "قلتُ للرُّبَيِّع بِنتِ مُعَوِّذِ بن عَفرَاءَ: صِفِي لنا رسولَ الله ﷺ، فقالت: «يا بُنيّ! لو رأيتَه رأيتَ الشّمسَ طَالِعَةً»"[4]

---

(۱) "سنن الدارمي" بابٌ فِي حُسْنِ النَّبِيِّ ﷺ، ر: ٥٨، ١/ ٤٤. و"شمائل الترمذي" باب ما جاء في خَلق رسول ﷺ، الجزء ١، صـ٦٧. و"دلائل النبوّة" جُماع أبواب صفة رسول الله ﷺ، باب صفة جبين رسول ﷺ وحاجبَيه وأنفه وفمه وأسنانه، ١/ ٢١٥. و"المعجم الأوسَط" باب الألف، من اسمه أحمد، ر: ٧٦٧، ١/ ٢٢٥.

(۲) "جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ، الجزء ١، صـ٦٧.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب صفة النّبي ﷺ، ر: ٣٥٥٦، صـ٥٩٧.

(٤) "سنن الدّارمي" باب في حسن النّبي ﷺ، ر: ٦٠، ١/ ٤٤.

"میں (ابو عبیدہ) نے حضرت ربیع سے گزارش کی، کہ حضور اکرم ﷺ کے اَوصاف بیان کیجیے! انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اگر تم حضور ﷺ کو دیکھ لیتے، تو کہہ اٹھتے کہ گویا سورج نکل آیا ہے"۔

مصطفی کریم ﷺ کی نورانیت، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام عبدالوہّاب شَعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اگر تم یہ اعتراض کرو، کہ ایک حدیث میں آیا: «أوّلُ ما خلق اللهُ نُورِي» "اللہ تعالی نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا"، اور دوسری روایت میں ہے: «أوّلُ ما خلق اللهُ العقلَ» "اللہ تعالی نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا"، ان میں کیا تطبیق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے؛ کیونکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی حقیقت کو کبھی عقلِ اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور کبھی نور سے تعبیر کیا جاتا ہے"[1]۔

قال سيّدُنا عَمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه: "ما كان أحدٌ أحبَّ إليَّ من رسولِ الله ﷺ، ولا أجلَّ في عيني منه، وما كنتُ أطيقُ أنْ أملأَ عيني منه؛ إجلالاً له، ولو سُئلتُ أن أصفَه ما أطقتُ؛ لأنّي لم أكن أملأ عيني منه"[2].

حضرت سیّدنا عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں، اور نہ ہی میری نگاہوں میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ کوئی حسین ہے، میں سرکارِ دوعالَم ﷺ کے مقدّس چہرہ کو، اُس کے جلال وجمال کے سبب، جی بھر کر دیکھنے کی تاب بھی نہیں رکھتا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے حضور اقدس ﷺ کے محامد ومَحاسن بیان کرنے کو کہے، تو میں ایسا نہ کرسکوں؛ کیونکہ (حضور نبی کریم ﷺ کے حُسنِ جہاں آرا کی چمک دمک کے سبب) میں نے حضور اقدس ﷺ کو کبھی آنکھ بھر کر دیکھا ہی نہیں"۔

---

(۱) "اليواقيت والجواهر" المبحث ۳۲، الجزء ۲، صـ۳۳۹.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ...إلخ، ر: ۱۹۲، صـ٦٤، ٦٥.

قال الإمام السّخاوي رحمه الله تعالى: "لا ظلَّ لشخصِه في شمسٍ ولا قمرٍ؛ لأنّه كان نوراً"[1]. "امام سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا سایہ، نہ سورج میں تھا نہ چاند میں؛ کیونکہ آپ نُور ہیں"۔

قال الملّا علي القاري رحمه الله تعالى: "وأمّا نورُه عليه الصلاة والسلام، فهو في غايةٍ من الظّهور شرقاً وغرباً، وأوّلُ ما خلق اللهُ نورَه، وسمَّاه في كتابِه نوراً"[2]. "ملّاعلی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں، کہ نُورِ محمدی شرقاً غرباً خُوب ظاہر ہے، اللہ تعالی نے مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے نُور کو سب سے پہلے پیدا کیا، اور قرآن پاک میں آپ ﷺ کا نام نُور رکھا"۔

وقال أيضاً رحمه الله تعالى: "وقال بعضُ الصوفية: أكثرُ النّاس عرفوا اللهَ عزّ وجلّ، وما عرفوا رسولَ الله ﷺ؛ لأنّ حجابَ البَشَريّة غطّت أبصارَهم"[3]. "آپ رحمہ اللہ تعالی مزید ارشاد فرماتے ہیں، کہ بعض صُوفیہ کرام فرماتے ہیں: اکثر لوگوں نے اللہ تعالی کو پہچانا، مگر حضورِ اقدس ﷺ کو نہ پہچان سکے؛ اس لیے کہ بشریت کے پردہ نے، اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے"۔

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حق سبحانہ اُو را نُور نام وسراجِ منیر دَر غایت انارت خواند، کہ رَوشن وپیدا گشت بوَے طریق قُرب ووصول ورَوشن شُد بجمال وکمال وے ابصار وبصائر چنانکہ فرمود ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾"[4]۔

---

(١) "المقاصد الحسنة" حرف الهمزة، تحت ر: ١٢٦، صـ٧٤.

(٢) "الموضوعات الكبرى" حرف الياء، فصل، تحت ر: ١١٠٥، صـ٢٨١.

(٣) "جمع الوسائل في شرح الشمائل" باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ، الجزء ١، صـ١٠.

(۴) "مدارج النبوّت" قسمِ اوّل فضائل وکمالات، باب ۳، وصل دَر نُور سراج، ج۱، ص ۶۳۔

"حق ﷻ نے حضور اکرم ﷺ کا اسمِ گرامی، انتہائی رَوشن ومنوّر ہونے کی بِنا پر نُور اور سراجِ منیر رکھا ہے؛ اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ سے، قُرب ووِصالِ حق کا طریقہ رَوشن وظاہر ہوا، اور حضور اقدس ﷺ کے جمال وکمال سے آنکھوں میں بینائی اور رَوشنی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے: "یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے آیا: ایک نُور اور رَوشن کتاب!"۔

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "آنحضرت بتمام از فرق تا قدم ہمہ نور بُود کہ دیدۂ حیرت در جمال بکمال وے خیرہ می شُد، مثل ماہ وآفتاب تاباں ورَوشن بُود، واگرنہ نقاب بشریت پوشیدہ بُودے ہیچ کس را مجالِ نظر واِدراکِ حُسنِ اُو ممکن نبودے"[1]۔

"حضور اقدس ﷺ سَر سے قدم تک نُور ہی نُور ہیں، کہ حیرت کی آنکھ آپ کے جمالِ باکمال میں خیرہ رہ جاتی ہے۔ مصطفی جانِ رَحمت چاند اور سورج کی طرح منوّر ورَوشن ہیں، اور اگر حضور نبئ کریم ﷺ بشَریت کی چادر اوڑھے نہ رہتے، تو کسی کو دیکھنے کی طاقت نہ ہوتی، اور آپ ﷺ کے حُسن وجمال کا اِدراک کسی سے ممکن نہ ہوتا"۔

نقل الشاهْ وليُّ الله رحمه الله [في وصفِ نورِ نبيِّنا]: "جَمالي مستورٌ عن أعيُن النّاسِ غيرةً من الله ﷻ، ولو ظهرَ لفعلَ النّاسُ أكثرَ مما فعلُوا حينَ رأَوا يُوسف"[2] "حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (نبئ کریم کے نُور کی توصیف میں) حدیث نقل کرتے ہیں، کہ میرا حُسن وجمال لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے؛ رب تعالی کی غیرت کے سبب، اور اگر ظاہر ہوجائے، تو لوگ اُس سے زیادہ کچھ کر ڈالیں، جتنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھتے وقت کیا تھا" ع

---

(۱) "مدارج النبوّت" قسم اوّل فضائل وکمالات، باب۵، در ذکر فضائل، ج۱، ص۱۰۹، ۱۱۰۔

(۲) "الدر الثمين في مبشّرات النّبي الأمين" الحديث ۱۸، صـ۶۰.

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالَم کو وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو؟![1]

خلاصۂ کلام

جن روایات میں یہ بات آئی، کہ فُلاں چیز پہلے پیدا کی، اور فُلاں چیز پہلے پیدا ہوئی، تو پہلے ہونے کے معنی اس چیز کا اپنی طرح کی چیزوں سے پہلے ہونا ہے، جیسا کہ حضرت علّامہ علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کہ ان میں تاویل یہ کی جائے گی، کہ اُمورِ مذکورہ (قلم، عقل، نور، رُوح، اور عرش) میں سے، ہر ایک اپنی جنس کے اَفراد میں سے پہلے ہے، لہٰذا قلم دوسرے اقلام سے پہلے پیدا کیا گیا، اور حضور سیّدِ عالَم ﷺ کا نور تمام اَنوار سے پہلے پیدا کیا گیا، جیسا کہ نبئ کریم ﷺ کا فرمان ہے: «أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِي»[2] "اللہ تعالی نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا"، ایک روایت میں ہے: «رُوْحِي» "اللہ تعالی نے سب سے پہلے میری رُوح پیدا فرمائی"۔ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے؛ کیونکہ ارواح بھی ایک نور ہیں، گویا یوں کہیے: "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ مِنَ الأَروَاحِ رُوحِي"، "سب سے پہلے اللہ تعالی نے میری رُوح پیدا فرمائی"[3]۔

امام ترمذی حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اکرم ﷺ سے عرض کی گئی، کہ کب سے آپ کے لیے نبوّت ثابت ہے؟ ارشاد فرمایا: «وآدمُ بين الرُّوح والجَسَد»[4] "ابھی آدم علیہ السلام رُوح وجسم کے مابین تھے، میری نبوّت اُس وقت بھی ثابت ہے"۔ اس اعتقاد ونظریے کو بدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

---

(۱) "ذَوقِ نعت" ص۶۳۔

(٢) "شرح الزرقاني على المواهِب" المقصد ١، أوّل المخلوقات، ١/ ٥٤. و"شرح الشِّفا" لعلي القاري، القسم ١، الباب ٣، فصل، ١/ ٥٠٩.

(٣) "المرقاة" كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل ٢، ١/ ٢٩١.

(٤) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل النبي ﷺ، ر: ٣٦٠٩، صـ٨٢٣.

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے چار ۴ مفصّل ومدلّل رسالے ہیں، جن میں آپ نے مصطفی کریم ﷺ کی نورانیت کو دلائل سے ثابت کیا ہے:
(۱) "صِلات الصّفا في نور المصطفى"[۱]، (۲) "نفيُ الفَيءِ عمَّن بنُورِه أنارَ كلَّ شيء"[۲]، (۳) "قمرُ التمام في نفي الظلّ عن سيّد الأنام"[۳]، (۴) "هُدى الحيران في نفي الفَيء عن سيّد الأكوان"[٤]. حضرت علّامہ محمد حسین شوق علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "النّور والضّياء"[٥]، حضرت علّامہ عنایت اللہ چشتی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (٦) "رسالۂ نُور"[٦]، اور حضرت علّامہ پیر محمد قاسم مشوری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۷) "هدية الأبرار في أنّ المصطفى نور الأنوار"[۷] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(١) "فتاوی رضویہ" جلد۱۹، ص۳۳۱تا۳۵۲، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(٢) ایضًا، ص۳۵۵تا۳۶۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) ایضًا، ص۳۶۹تا۳۸۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(٤) ایضًا، ص۳۸۷تا۴۰۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(٥) ہمدرد پریس، ملتان۔

(٦) مطبوعہ کیمرج پرنٹرز، لاہور۔

(۷) مطبوعہ، "مرآۃ التصانیف" ۱/۱۰۴۔

(۱۵) جشنِ عید میلاد النبی ﷺ

مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی بعثت شریفہ، اور آپ کا ظہورِ قدسی، عالمِ انسانیت میں خدا کی وہ عظیم الشان نعمت ورحمت ہے، جس پر خوشی کا اظہار واجب اور ایمانی تقاضا ہے۔ کائنات میں آپ ﷺ کا مرتبہ سب سے افضل وبرتر ہے، آپ ﷺ کی ذات شریفہ وہ ہے، جس کا ذکر آسمانی صحیفوں میں بھی پایا جاتا ہے، انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدّس زبانوں پر بھی آپ ﷺ کے ترانے ہیں، آپ ﷺ کی بعثت کی دعائیں، ان حضراتِ مقدّسہ علیہم السلام کا اہم ترین کام رہا۔

حضور اکرم ﷺ کی شخصیت وہ ہے، جن کی مدد کے لیے ربِ ذو الجلال نے انبیاء ومرسلین سے عہد لیا، اور ان کی رسالت کی شہادت خود ربِ کائنات نے دی۔ ولادتِ حضور ہی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے، جس پر ہزاروں نعمتیں قربان ہیں، اللہ تعالی کے نزدیک بھی آپ ﷺ کی بعثت کی بڑی اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ آپ ﷺ کی آمد کا ذکر موجود ہے۔

جُمہور علمائے کرام کے نزدیک، حضور نبیٔ کریم ﷺ کی تاریخِ ولادت پر، میلاد کی خوشی منانا اور اس کے لیے اہتمام کرنا، مستحب ومستحسن ہے، جبکہ بارہویں شریف کے علاوہ، سال بھر جو ذکرِ ولادت کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں، وہ بھی باعثِ اجر وثواب اور علامتِ ایمان ومحبت ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے ذکرِ ولادت کو "عیدِ میلاد النبی" کے نام سے منانا بھی جائز ہے، اور اس کا ثبوت کثیر احادیث میں موجود ہے۔

افسوس کہ بعض حضرات "میلاد النبی" کے مدِ مقابل "سیرت النبی" کے نام سے تو جلسے کرتے ہیں، مگر جب ذکرِ ولادتِ حضور ﷺ کی باری آتی ہے، تو دُور بھاگ جاتے ہیں، والعیاذ باللہ! اللہ تعالی عقلِ سلیم عطا فرمائے!۔

میلاد شریف کی حقیقت

سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے، کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا حکم کیا ہے؟ اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی خوشی منانا ایک مستحب عمل ہونے کے ساتھ ساتھ، عشقِ رسول اور محبتِ ایمانی کا تقاضا بھی ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص یا چند لوگ شریک ہو کر، بخلوصِ عقیدت و محبت، حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی خوشی، اور اس نعمتِ عظمیٰ کے شکر میں ذکر شریف کے لیے مجلس منعقد کریں، اور اس مجلس ومحفل میں، حالاتِ ولادتِ باسعادت ورضاعت، وکیفیتِ نزولِ وحی، ومرتبۂ رسالت، واحوالِ معراج وہجرت ومعجزات، واَخلاق وعاداتِ کریمہ ﷺ، حضورِ اکرم ﷺ کی بڑائی اور عظمت جو انہیں ان کے رب تعالی نے عطا فرمائی ہے، حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کی تاکید، وہ خاص مُعاملات وفضائل وکمالات، جن سے خالقِ کائنات جلّ جلالہ نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو، خاص اور تمام مخلوق سے ممتاز فرمایا، اور اسی قسم کے حالات وواقعات احادیث وآثارِ صحابہ وکتبِ معتبرہ سے بیان کیے جائیں۔ یہ سب اُمور مستحسن ومستحب ہیں، اور ان کی خوبی دلائلِ قاطعہ وبراہینِ ساطعہ سے ثابت ہے۔

محفلِ میلاد شریف منعقد کرنا، ولادت پاک کی خوشی منانا، اس کے ذکر کی مناسبت سے عمدہ لباس پہننا، خوشبو لگانا، گلاب چھڑکنا، گھروں محلوں کو مزیّن کرنا، مٹھائی تقسیم کرنا، غرض کہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو، وہ سب مستحب اور بہت ہی عمدہ وباعثِ برکات اور رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

حضرت سیّدنا عیسی علیہ الصلاۃ والسلام کی امّت پر، جب آسمان سے خوان نازل ہوا، توانہوں نے اسے عید کا دن قرار دیا۔ قرآن مجید میں یہ سارا واقعہ بیان کیا گیا ہے، پڑھیے اور اس واقعہ سے خوشی منانے کا سلیقہ سیکھیے: ﴿قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾[1] "عیسٰی ابن مریم نے عرض کی: اے اللہ اے ربّ

---

(۱) پ۷، المائدة: ١١٤.

ہمارے! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار؛ کہ وہ ہمارے لیے عید ہو، ہمارے اگلے پچھلوں کی، اور تیری طرف سے نشانی، اور ہمیں رزق دے! اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!"۔

غور فرمائیے! کہ نعمت کا دسترخوان اُترے، تو حال و مستقبل والوں کے لیے عید ہو جائے، اور جانِ نعمت جناب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں، تو پھر ماضی، حال اور مستقبل والوں کے لیے کیوں عید نہ ہو؟! حضرت سیّدنا عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس محبت کے راز کو سمجھنے کی کوشش کیجیے! عید منانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمت کا شکر، اس طرح ادا کیا جائے، کہ اس نعمت کا جب بھی ذکر آئے، تو مُنعِم (نعمت دینے والا) بھی یاد آجائے۔

نبئ کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ بھی، بعض ایّام کو عید قرار دیا ہے۔ اسلام میں عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعہ کے علاوہ، یوم عرَفہ (۹ ذوالحجہ جس دن حجّاج میدانِ عرَفات میں قیام کرتے ہیں) کو بھی عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔

"صحیح البخاری" میں حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، کہ ایک یہودی نے آپ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا، کہ آپ کی کتاب قرآن میں ایک ایسی آیت ہے، کہ اگر وہ ہم یہود پر نازل ہوتی، تو اس دن کو ہم عید کا دن مناتے، آپ نے فرمایا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ وہ کہنے لگا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[1] "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا" آپ نے فرمایا: "قد عرفنا ذلك اليومَ، والمكانَ الّذي نزلتْ فيه علَى النبِيّ ﷺ، وهو قائمٌ بِعرفةَ يومَ جمعة". "ہم اس دن اور اس جگہ کو جانتے ہیں، جہاں یہ آیت حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوئی، اس وقت آپ ﷺ کھڑے تھے، عرفات کا مقام تھا، اور جمعہ کا دن تھا"[2]۔ یعنی اس دن ہماری دو ۲ عیدوں کا اجتماع تھا، ایک جمعہ کا دن، اور دوسرا عرَفہ کا دن"۔

---

(١) پ٦، المائدة: ٣.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، ر: ٤٥، صـ١١.

یوم عرفہ عید کا دن ہے

"سنن ترمذی" حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[1] "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین پسند کیا"، پاس بیٹھے ایک یہودی نے کہا، کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی، تو ہم اس کے نازل ہونے والے دن عید مناتے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا: «فإنّها نزلتْ في يوم عيدَين في يومِ جمعةٍ، ويوم عرفةَ» "ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوئی، اس دن ہماری دو ۲ عیدوں کا اجتماع تھا، ایک جمعہ کا دن، اور دوسرا عرفہ کا دن"[2]۔

جب دینِ اسلام میں ہر جمعہ کو عید کا دن قرار دیا گیا ہے، تو ایک ماہ میں چار ۴ یا پانچ ۵ عیدیں ہوئیں، اس کے باوجود کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کے یومِ ولادت کو عید کا دن منانے پر بے جا اعتراض کرتے ہیں، ان حضرات کو اپنے موقف پر خوب غور وفکر کرنا چاہیے!۔

الغرض جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کا عمل، مسلمانوں کو حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام جیسے اَہم فرائض کی رغبت دلاتا ہے، قلب ونظر میں ذَوق وشوق کی فضاء ہموار کرتا ہے، صلاۃ وسلام بذاتِ خود شریعتِ اسلامیہ میں، بے پناہ نوازشات وبرکات کا باعث ہے، لہذا جُمہور اُمّت نے عید میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد مستحسن قرار دیا، جس کا واضح ثبوت عصرِ حاضر میں دنیا بھر کا منظر نامہ ہے۔

جہاں ایک طرف اس ماہ مبارک میں، ہم اپنے آقا ومولا ﷺ کی ولادت کا جشن مناتے ہیں، وہیں ہم پر لازم ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات پر بھی خوب عمل پیرا ہوں، تبھی ہم حضور اقدس ﷺ سے سچی محبت ثابت کر پائیں گے!! آج کے اس پُر فتن دَور میں، اگر ہم حضور نبئ کریم

---

(١) پ٦، المائدة: ٣.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، ر: ٣٠٤٤، صـ٦٨٥.

ﷺ کی تعلیمات کو اپنے لیے مشعل راہ بنا لیں، تو گھر کی دہلیز سے لے کر، ریاست اور عالَمِ اسلام کی مضبوطی تک کے، تمام مسائل حل ہوسکتے ہیں!!۔

میلادِ مصطفی ﷺ قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[۱] "یقیناً اللہ تعالی نے احسان کیا ایمان والوں پر؛ کہ بھیجا اُن میں رسول انہیں میں سے، جو اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے، اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے"۔

(۲) اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[۲] "اے حبیب! ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے!"۔

(۳) مزید ارشاد ہوا: ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ﴾[۳] "اللہ تعالی اُن پر عذاب نہیں کرے گا، جب تک اے حبیب! آپ ان میں تشریف فرما ہیں!"۔

(۴) مزید ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[٤] "یقیناً تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے، جنہیں تمہارا مشقت میں پڑنا گوارا نہیں، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں، مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں"۔

ان آیاتِ مبارکہ اور مثالوں سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے، کہ حضور پُر نور سیّدِ عالَم ﷺ کا تشریف لانا، اور آپ ﷺ کا وجودِ مسعود بہت بڑی نعمت، اور ہمارے حق میں سراسر رحمت ہے، اور

---

(١) پ٤، آل عمران: ١٦٤.

(٢) پ١٧، الأنبياء: ١٠٧.

(٣) پ٩، الأنفال: ٣٣.

(٤) پ١١، التوبة: ١٢٨.

کونسی نعمت اس سے بڑھ کر ہوگی؟ کہ ان کے سبب ہم کفر وشرک سے محفوظ رہے، دینِ حق وصراطِ مستقیم سے واقف ہوئے، جنّت جیسی عظیم نعمت ملی، دوزخ سے نَجات ملی، اگلی امّتوں سے بلند رُتبہ پایا، بے شمار فضیلتیں، بے پناہ خوبیاں، نیز دِین میں برکتیں، شریعت میں آسانیاں ہمارے لیے خاص ہوئیں، جو اگلی اُمّتوں کو نہ ملیں، یہاں تک کہ نعمتِ الٰہی ہم پر تمام ہوئی، اور ہمارے دِین میں کسی طرح کی تنگی نہ رہی۔

(۵) جبکہ نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے، پروردگارِ عالَم نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾[۱] "اپنے رب تعالی کی نعمتوں کا خُوب چرچا کرو!"۔ لہٰذا ہر نعمت اور خصوصًا سرورِ کونین ﷺ کی آمد پر خوشی اور چرچا کرنا، ہم میں سے ہر ایک کے لیے باعثِ سعادت واجر وثواب ہے۔

(۶) نیز اللہ تعالی خود حکم فرما رہا ہے کہ "جب تم پر اللہ کا فضل ورحمت ہو، تو اس پر تمہیں چاہیے کہ خوشی مناؤ!"، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾[۲] "تم فرماؤ کہ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت، اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں، وہ ان کے سب دھن دَولت سے بہتر ہے"۔ اور فرمایا: ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[۳] "اے حبیب! ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے!"۔

(۷) دوسری آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہوا: ﴿وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾[٤] "انہیں اللہ تعالی کے دن یاد دلائیے!"۔ اللہ تعالی کے دنوں میں سے، جس دن حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی، اس مبارک دن سے بڑھ کر کونسا دن ہوگا! کہ اس دن کے صدقے میں سب دن نصیب ہوئے؟ لہٰذا مسلمانوں کو اس دن کی یاد دلانا، اور میلادِ مصطفی ﷺ کی خوشی منانا، قرآن کریم سے ثابت ہے۔

---

(۱) پ۳۰، الضحی: ۱۱.

(۲) پ۱۱، یونس: ۵۸.

(۳) پ۱۷، الأنبياء: ۱۰۷.

(٤) پ۱۳، إبراهيم: ۵.

میلادِ مصطفی ﷺ حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) امام بَیہقی رحمہ اللہ نے "شُعَب الایمان" میں حضرت سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «التحدُّثُ بنعمةِ الله شُكرٌ، وتَركُهُ كفرٌ»[۱] "اللہ تعالی کی نعمت کا چرچا کرنا شکر ہے، اور اُس کا ترک ناشکری ہے"۔

(۲) "صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ہر پیر کے دن روزہ رکھا کرتے، جب حضور اقدس ﷺ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا، تو فرمایا: «فيه وُلِدتُ وفيه أُنزِلَ عليَّ»[۲] "اسی دن میں پیدا ہوا، اور اسی دن مجھ پر وَحی آئی"۔

(۳) امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "سنن ترمذی" میں حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ مسجدِ نبوی میں، حضرت سیّدنا حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے منبر رکھواتے، جس پر کھڑے ہوکر وہ رسول اللہ ﷺ کی مدح وبڑائی بیان کرتے، آپ کا دفاع کرتے، اس پر حضور ﷺ فرماتے: «إنّ اللهَ يؤيِّد حسّانَ برُوحِ القُدُسِ، ما يفاخرُ أو ينافِحُ عن رسولِ الله»[۳] "یقیناً اللہ تعالی جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعے حسّان کی مدد فرماتا ہے، جب تک وہ رسولِ خدا ﷺ کی طرف سے مدح وبڑائی یا آپ کا دفاع کرتے رہیں"۔

---

(۱) "شعب الإيمان" باب في تعديد نعم الله ﷻ وشكرها، ر: ٤٤١٩، ٤/ ١٦٢٢.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام ...إلخ، ر: ٢٧٥٠، صـ٤٧٨.

(۳) "سنن الترمذي" أبواب الاستئذان، باب ما جاء في ابتداء الشعر، ر: ٢٨٤٦، صـ٦٤٠. [وقال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ حسنٌ صحيح".

میلادِ مصطفیٰ ﷺ اقوالِ علماء کی روشنی میں

مجلسِ مبارک کے فضائل وفوائد کے بارے میں، علمائے دین وفضلائے کاملین کے اقوال "سیرتِ شامی" وغیرہا کتبِ مستندہ ومعتمَدہ میں مندرِج ومرقوم ہیں، یہاں بنظرِ اختصار صرف چند کلماتِ طیّبات پر اقتصار کیا جاتا ہے:

حافظ الحدیث امام ابوالخیر محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "میلاد النبی منانے والوں پر، اِس عمل کی برکات سے فضلِ عظیم ظاہر ہوتا ہے"[1]۔

امام حافظ استاذ القُراء محمد جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس مجلس شریف کی خصوصیات میں سے ہے، کہ وہ تمام سال کے لیے امن وامان ہے، اور حصولِ مقصد کے ساتھ بِشارتِ عاجلہ ہے"[2]۔

امام حافظ الحدیث عماد الدّین ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "جن بڑے بڑے ائمۂ امّت نے اس مجلسِ مبارک کی مدح وثنا کی ہے، ان میں سے حافظ ابوشامّہ، امام نَووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ بھی ہیں۔ کتاب "الباعثُ على إنكار البدَع والحوادث" میں لکھتے ہیں کہ "ایسے افعال اچھے ہیں، لوگوں کو ان کی ترغیب دلانا چاہیے، ان کاموں کا کرنے والا مشکور ومحمود ہے"[3]۔

---

(١) "الأجوِبة المرضيّة فيما سُئل السخاوي عنه من الأحاديث النبويّة" ٣١٦- سُئلت عن أصل المولد الشّريف، ٣/ ١١١٦.

(٢) انظر: "سُبل الهدى والرَّشاد" جُماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب ١٣ في أقوال العلماء في عمل المولد الشريف، ١/ ٣٦٢، نقلاً عن ابن الجَزَري.

(٣) انظر: "سُبل الهدى والرَّشاد" جُماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب ١٣ في أقوال العلماء في عمل المولد الشريف، ١/ ٣٦٣، نقلاً عن ابن كثير. و"الباعث" مقدّمة المؤلّف، فصل في تقسيم الحوادث إلى بدع ...إلخ، صـ٢٣.

علّامہ احمد بن محمد قَسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہمیشہ سے اہلِ اسلام ماہِ مبارک ربیع الاوّل کا اہتمامِ تام رکھتے آئے ہیں، اس میں کھانا کھلانے، اس کی راتوں میں طرح طرح کے صدَقات، خوشی کا اظہار، اور مولد شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے رہے، اور اس کی برکتوں سے اُن پر اللہ تعالی کا فضلِ عمیم ظاہر ہوتا رہا"[۱]۔

سلطانِ عادل ملک مظفر ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ، جن کے بارے میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ماہِ مبارک ربیع الاوّل میں مولد شریف منعقد کیا کرتے، اور اُس کے لیے عظیم الشان محفل ترتیب دیتے۔ وہ ایک بہادر و شجاع، دلیر و عاقل، عالم و عادل، اور نیک خصلت و پاکیزہ باطن بادشاہ تھے، مدّتِ دراز تک سلطنت فرمائی، یہاں تک کہ شہرِ "عکا" میں (کافرانِ فرنگ کا) محاصرہ کیے ہوئے انتقال کیا"[۲]۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "محفلِ میلاد منعقد کرنے والا ثواب پاتا ہے؛ کیونکہ اُس میں رسولِ اکرم ﷺ کی تعظیم، اور ولادتِ باسعادت پر اظہارِ خوشی و شادمانی ہے"[۳]۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "فیوض الحرمین" میں تحریر کرتے ہیں کہ "میں مکۂ معظمہ میں بروز ولادت شریف، مجلس میلاد میں حاضر تھا، لوگ حضورِ اقدس ﷺ پر درود پڑھتے، اور حضور اقدس ﷺ کے وقتِ ولادت اور بعثت سے قبل (اعلانِ نبوّت سے قبل) ظاہر ہونے والے اِرہاصات (یعنی عقلوں کو حیران کرنے والے واقعات) کا ذکرِ خیر کر رہے تھے، اچانک میں نے کچھ انوار دیکھے کہ وہ فوراً بلند ہوئے، میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے انہیں بدن کی آنکھ سے دیکھا، یا صرف رُوح کی آنکھ سے دیکھا، اللہ تعالی کو خوب معلوم ہے، کہ ان

---

(۱) "المواهب اللدُنية" المقصد ۱ في أحاديث سيرة منذ الولادة إلى الوفاة، رضاعه ﷺ، ۱/ ۱۴۸.

(۲) "البداية والنهاية" ثمّ دخلت سنة ثلاثين وستّمئة، الملك المظفّر أبو سعيد كوكبري، ۱۳/ ۱۵۹، ۱۶۰. و"الحاوي للفتاوي" كتاب الصداق، باب الوليمة، رسالة "حسن المقصد في عمل المولد" ۱/ ۲۲۲.

(۳) "الحاوي للفتاوي" كتاب الصداق، باب الوليمة، رسالة "حسن المقصد في عمل المولِد" ۱/ ۲۲۲.

کے مابین کیا کیفیت تھی! پھر میں نے ان انوار میں غور وفکر کیا، تو وہ انوار اُن فرشتوں کی طرف سے پائے جو ایسی مجالس ومَشاہد پر مقرّر ہوتے ہیں، اور وہ انوارِ ملائکہ انوارِ رحمت سے ملے ہوئے دیکھے"[1]۔

نیز کتاب "انتباہ" و"درِ ثمین" وغیرہما میں، اپنے والد شاہ عبد الرحیم رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ "میں ایّامِ مَولِد شریف میں نبیٔ کریم ﷺ کی نیاز کا کھانا کھلایا کرتا تھا، ایک سال بھنے ہوئے چنوں کے سِوا کچھ میسّر نہ آیا، تو میں نے لوگوں میں وہی تقسیم کردیے، حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرّف ہوا، کہ وہ چنے حضورِ اکرم ﷺ کے سامنے رکھے ہیں، اور حضورِ اکرم ﷺ شاد ومسرور ہیں"[2]۔

ان علمائے متقدمین ومتاخرین کے اسماء جو مجلسِ میلاد مبارک خود کرتے

ان کے علاوہ بہت سے علمائے متقدمین ومتاخرین، مجلسِ میلاد مبارک خود کرتے ہیں، اس میں شریک ہوتے ہیں، اسے مستحسن ومستحب ومُوجبِ برکات ومنبعِ خیرات جانتے ہیں، اُن میں سے بعض یہ ہیں: (۱) شیخ عمر بن ملّا مُوصلی (متوفّی ۵۷۰ھ)، (۲) حافظ ابو الخطاب بن دَحیہ (متوفّی ۶۳۳ھ)، (۳) سبطِ امام ابنِ جوزی (متوفّی ۶۵۴ھ)، (۴) حافظ شمس الدین جزری (متوفّی ۶۶۰ھ)، (۵) شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر جعبری (متوفّی ۷۳۲ھ)، (۶) علّامہ سلیمان برسوی (متوفّی ۷۸۰ھ)، (۷) حافظ ابنِ رجب حنبلی (متوفّی ۷۹۵ھ)، (۸) امام سلطان یلدرم بایزید (متوفّی ۸۰۵ھ)، (۹) حافظ زین الدین عراقی (متوفّی ۸۰۸ھ)، (۱۰) علّامہ مجد الدین فیروزآبادی (متوفّی ۸۱۷ھ)، (۱۱) امام شمس الدین بن ناصر الدین دِمشقی (متوفّی ۸۴۲ھ)، (۱۲) حافظ امام ابو الفضل ابنِ حجر عسقلانی (متوفّی ۸۵۲ھ)، (۱۳) سیّد عفیف الدین ایجی شیرازی (متوفّی ۸۵۵ھ)، (۱۴) علّامہ برہان الدین ابو الصفا ابن ابو الوفا شافعی (متوفّی ۸۸۷ھ)، والدِ علّامہ کمال حنفی، (۱۵) شیخ حمد اللہ بن شیخ آق (متوفّی ۹۰۹ھ)، (۱۶) شیخ محمد بن حمزہ عربی واعظ (متوفّی ۹۳۸ھ)، (۱۷) شیخ رکن الدین محمد بن یوسف دِمشقی (متوفّی ۹۴۲ھ)، صاحبِ "سیرتِ شامی"،

(۱) "فيوض الحرمين" المشاهدة ۸، صـ۲٦، ۲۷.

(۲) "الدرّ الثمين في مبشَّرات النبي الأمين" الحديث ۲۲، صـ٦۱.

(۱۸) ملّا علی قاری حنفی (متوفّٰی ۱۰۱۴ھ)، (۱۹) امام حلبی (متوفّٰی ۱۰۴۴ھ)، صاحبِ "سیرتِ حلبیہ"، (۲۰) علّامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (متوفّٰی ۱۱۲۲ھ)، شارحِ "مَواہب"، (۲۱) علّامہ شمس الدین دِمیاطی (متوفّٰی ۱۱۴۰ھ)، (۲۲) امام سیّد جعفر برزنجی (متوفّٰی ۱۱۷۷ھ)، (۲۳) شیخ ابوبکر حجار، (۲۴) شیخ ابوعبد اللہ محمد استاذِ امام ابن ظفر، (۲۵) علّامہ ابوالطیّب محمد بن ابراہیم مالکی، (۲۶) شیخ عبد الوہّاب بن حُسام متّقی، (۲۷) شمس الدین مولیٰ حسن بجری، (۲۸) برہان الدین محمد ناصحی، (۲۹) شیخ شمس الدین احمد بن محمد سیواسی، (۳۰) علّامہ ابوبکر فخر الدین دنقلی، (۳۱) شیخ علّامہ محمد بن عثمان، (۳۲) علّامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان لوٗلوٗی دِمشقی، (۳۳) علّامہ ابوالحسن احمد بن عبد اللہ بکری، وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم۔

خود اِنہی ائمہ وعلمائے ذی وقار، اور ان کے علاوہ بے شمار علمائے کرام، شروع سے آج تک، تمام زمانوں میں جماہیر اکابرِ شریعت ومشایخِ طریقت، خود مجلس میلاد کرتے، اُس میں حاضر ہوتے، اور اُسے مستحب ومستحسن کہتے، لکھتے اور سمجھتے رہے ہیں[1]۔

امامِ جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس مجلسِ میلاد مقدّس سے متعلق لکھتے ہیں کہ "علمائے کرام وصالحین عظام مجلسِ میلاد میں بلا انکار حاضر ہوتے ہیں"[2]۔

میلادِ مصطفی ﷺ پر لکھی گئی بعض کتابیں

علمائے متقدمین ومتأخرین نے خاص اس باب میں، بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) "التنویر في مَولِد البشیر النذیر" علّامہ ابو الخطاب عمر بن حسن، المعروف ابن دَحیہ رحمۃ اللہ علیہ، متوفّٰی (۶۳۳ھ)۔

(۲) "موعد الکرام لمولد النبي علیہ السلام" شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر جعبری رحمۃ اللہ علیہ، متوفّٰی (۷۳۲ھ)۔

---

(۱) "اِذاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام" الباب ا فی اثبات مجلس الملائک والانس، ص۱۶۹، ۱۷۰۔

(۲) "الحاوي للفتاوي" کتاب الصداق، باب الولیمة، رسالة "حسن المقصد في عمل المولد" ۱/ ۲۲۵.

(۳) "النفحة العنبريّة في مولد خير البريّة" صاحب "قاموس" امام مجد الدّین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفّٰی (۸۱۷ھ)۔

(۴) "التعريف بالمولد الشّريف" علّامہ ابن جزری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۸۳۳ھ)۔

(۵) "جامع الآثار في مولد النّبي المختار"، و"اللفظ الرائق في مولد خير الخلائق" حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدّین دِمشقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۸۴۲ھ)۔

(۶) "مورد الصادي في مولد الهادي" امام ابن ناصر الدین محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۸۴۲ھ)۔

(۷) "الدرّ المنظَّم في مولد النّبي المعظَّم"، و"اللفظ الجميل بمولد النّبي الجليل" ابو القاسم محمد بن عثمان لولوی دِمشقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۸۶۷ھ)۔

(۸) "فتح الله حسبي وكفى في مولد المصطفى" برہان الدین ابو الصفا بن ابو الوفا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۸۸۷ھ)۔

(۹) "المولد الجسماني والمورد الرُّوحاني" ابن شیخ آق شمس الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۹۰۹ھ)۔

(۱۰) "حسن المقصد في عمل المولد" امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۹۱۱ھ)۔

(۱۱) "المورد الروي في المولد النّبوي" علّامہ ملّا علی قاری مکّی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، متوفّٰی (۱۰۱۴ھ)۔

(۱۲) "مفتاح السُّرور والأفكار في مولد النبيّ المختار" ابو حسن احمد بن عبد اللہ بکری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

نیز امام حافظ ابنِ جَوزی محدّث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی، اس موضوع پر ایک رسالہ نہایت فصیح وبلیغ لکھا، اور رسالۂ امام سیّد جعفر برزنجی، جو بلاغت ومتانت میں بے مثال ہے، تمام عرب میں مروّج اور حرمین شریفین میں پڑھا جاتا ہے، اور اُن کے نواسے علّامہ سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے، رسالۂ مذکورہ اور رسالۂ معراجیہ امام موصوف کو، بزبانِ فصیح نظم بھی کیا ہے۔

ان کے علاوہ مولدِ مبارک میں بہت سے ائمہ وعلماء نے تصانیف فرمائیں، جن میں مولیٰ حسن بحری، وشیخ محمد بن حمزہ عربی، وشیخ شمس الدین احمد سیواسی، وعلّامہ فخر ابو بکر دنقلی، وبرہان محمد ناصحی، وشمس

دِمیاطی ابنِ سنباطی، وبرہان بن یوسف ناقوس، وامام زین الدین عراقی، وامام شمس الدین سخاوی، اور علّامہ سیّد عفیف الدین ایجی شیرازی وغیرہم نے متعدّد موالد لکھے، جن کا ذکر "کشف ظنون" میں ہے[1]۔

علّامہ طاہر فتّنی رحمۃ اللہ علیہ محدّث، صاحبِ "مجمع البحار" وغیرہم کا بھی، اس باب میں ایک مستقل رسالہ ہے، نیز "انسان العیون" و "سیرتِ شامیہ" و "ضوءِ لامع" و "ما ثبت بالسّنّۃ" و "مدارج النبوّۃ" و "مَواہبِ لدُنیہ" و "درِ منظّم" و "مجمع البحار" و "فیوض الحرمین" و "شرح سننِ ابنِ ماجہ" وغیرہا، بہت سی کتبِ معتبرہ متداولہ میں، اس عملِ مبارک کو مستحب لکھا ہے۔ اہلِ حرمینِ شریفین، مصر، روم، شام، یمن اور تمام عرب ومغرب وغیرہا بلادِ اسلامیہ کا، محفلِ میلاد کے پسندیدہ ومستحب ہونے پر اتفاق ہے، اور محفلِ میلاد کا ممالکِ مذکورہ میں رائج اور اس پر عمل ہونا، اور وہاں کے عوام وخواص کا محفلِ میلاد میں شریک ہونا ظاہر کرتا ہے، کہ کوئی ذی شعور جو دیانتدار وحیادار ہو، وہ اس میں کلام نہیں کر سکتا[2]۔

خلاصۂ کلام

تمام کلام کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت پر خوشی کا اظہار، حضور کے خصائص، مَحاسن، مَحامد، مَکارمِ اَخلاق، اور آپ ﷺ کی ولادت کے وقت کے معجزات وکرامات بیان کرنا، لوگوں کو آپ ﷺ کی اِطاعت وفرمانبرداری کی ترغیب دلانا، اور محفلِ میلاد کا انعقاد کرنا، یہ تمام اُمور مستحب ومستحسن ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے جشنِ ولادت کی خوشی میں جلوس نکالنا بھی جائز ہے۔ غیر شرعی کاموں سے تو ہر وقت اجتناب کرنا ہی چاہیے، اور جشن عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر خاص طَور پر غیر شرعی کاموں سے اجتناب ضروری ہے۔ اس عملِ خیر اور اعتقاد ونظریے کو کفر وشرک وبدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

---

(۱) "كشف الظنون" ۲/ ۷۲٦، ۷۲۷.

(۲) "اِذاقۃ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام" الباب ا فی اثبات مجلس الملائک والانس، ص ۱۷۴۔

ایک اصلاحی پہلو

اس بابرکت اور پُر مسرّت موقع پر، کچھ ایسی حرکات بھی دیکھی جاتی ہیں، جن کا سدِّباب ضروری ہے، مثلاً کھانے کی اشیاء کو پھینک کر، یا اڑا کر تقسیم کرنا، کھانے پینے کی اشیاء کی بے حرمتی کرنا، شارعِ عام کو بند کر دینا، اس طَور پر کہ لوگوں کو پریشانی کا سامنا ہو، ایمبولینس وغیرہ کو گزرنے میں دشواری ہو، بے اعتدالی کے ساتھ چراغاں کرنا، اور چراغاں وغیرہ کے لیے بجلی چوری کرنا، اس موقع پر جلوسوں میں مَردوں عورتوں کا اختلاط، مجلسِ میلاد و جلوس بارہ ۱۲ ربیع الاوّل میں، غیر شرعی کام کرنا، سخت جُرم وگناہ ہے، مثلاً ڈھول باجوں کے ساتھ نعت خوانی کرنا؛ کہ باجا کھیل تماشے کی چیز اور لَغویات میں سے ہے، ویسے بھی ڈھول باجا حرام ہے، اور خاص طَور پر مقدّس محافل میں۔ اسی طرح موضوع مَن گھڑت روایات بیان کرنا، رقص کرنا، یہ تمام ایسے اُمور ہیں جن کی روک تھام اشدّ ضروری ہے۔

اسی طرح ایسی مجالس کا اہتمام، جن کے باعث حقوق العباد تلف ہوتے ہوں، یا شرکائے مجلس وجلوس کو فرائض وواجبات سے غفلت ہوتی ہو، اگر کسی جگہ محفلِ میلاد میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں، تو ان خرابیوں کو ضرور دُور کیا جائے، البتہ اصل میلاد شریف وجلوس سے نہیں روکنا چاہیے۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر پر خواتین کا نعت پڑھنا یا خطاب کرنا، ایک جائز کام ہے، لیکن جب اس کی آواز غیر محرم تک پہنچے تو یہ جائز نہیں، واللہ تعالی اعلم۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے رسائل (۱) "نُطق الهلال بإرخ ولاد الحبيب والوصال"[۱]، (۲) "الميلاد النبويّة في الألفاظ الرّضوية"[۲]، محدّث کبیر شیخ محمد بن جعفر الکتّانی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "اليمن والإسعاد بمولد خير العِباد"[۳]،

---

(۱) "الفتاوی الرضویہ" ۲۰/۵۴۳ تا ۵۴۶، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) مطبوعہ قادری کتب خانہ، لاہور۔

(۳) مطبوعة من مطبعة الأهلية، الرباط.

سیّد محمد علوی مالکی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "حول الاحتفال بذکری المولد النبوي الشّریف"[۱]،علّامہ ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "خیر المورد فی احتفال المولد"[۲]،علّامہ نور بخش توکّلی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۶) "عیدِ میلاد النبی"[۳]، حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۷) "میلاد النبی"[۴]، اور پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۸) "جشنِ بہاراں"[۵] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

---

(۱) مطبوعہ دار جوامع الکلم، قاہرہ۔

(۲) مطبوعہ قادری کتب خانہ، لاہور۔

(۳) ایضًا۔

(۴) مطبوعہ بزمِ سعید، ملتان۔

(۵) مطبوعہ قادری کتب خانہ، لاہور۔

(۱۶) قیامِ تعظیمی

قیام یعنی کھڑا ہونا:

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "قال ابن بطال: في هذا الحديث [«قُوموا إلَى سيّدِكم»] أمرُ الإِمامِ الأعظَمِ بإكرامِ الكبِيرِ من المسلمين، ومَشرُوعيّة إكرَامِ أهلِ الفضلِ في مجلِسِ الإمامِ الأعظَمِ، والقِيَامِ فيه لغيرِه من أصحابِهِ، وإلزَامِ النَّاسِ كافّةً بِالقِيامِ إِلَى الكبِيرِ"[1].

"ابن بطال نے فرمایا: اس حدیث "اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ!" میں ہے کہ: بادشاہ اس بات کا حکم دے، کہ مسلمانوں کے بڑوں کا احترام کیا جائے۔ اور شریعتِ مطہّرہ میں بھی اس بات کا حکم ہے، کہ بادشاہ کی مجلس میں اہلِ فضیلت کا احترام کیا جائے، اور اپنی مجلس میں اپنے اصحاب کو اور تمام لوگوں کو اس بات کا پابند کرے، کہ وہ بڑوں کے لیے احتراماً کھڑے ہو جائیں"۔

آپ رحمۃ اللہ مزید تحریر فرماتے ہیں: "إنّ القِيَامَ يقَعُ على أربَعةِ أوجُهٍ: الأوّلُ: مَحظُور، وهو أن يقعَ لمن يريد أن يُقامَ إليه، تكبّراً وتعاظُماً على القائِمين إليه. والثّاني: مَكروهٌ، وهو أن يقعَ لمن لا يتكبّرُ، ولا يتعاظَم على القائمين، ولكن يخشَى أن يدخُلَ نَفسهُ بِسببِ ذلكَ ما يحذر، ولما فيهِ من التشبُّه بالجبابِرة. والثّالثُ: جائزٌ، وهو أن يقعَ على سبِيلِ البرِّ والإكرَامِ لمن لا يريدُ ذلك، ويؤمَنُ معه التشبُّهَ بالجبابِرة. والرَّابعُ: مندُوبٌ، وهو أن يقُومَ لمن قدمَ من سفَرٍ فرَحاً بِقُدومِهِ لِيُسَلّمَ عليه، أو إِلَى من تجَدَّدَتْ له نعمةٌ فيهنِّئُه بِحصولِها، أو مصيبةٌ فيعزِيه بِسببِها"[2].

---

(۱) "فتح الباري" كتاب الاستئذان، باب قول النبي ﷺ: «قوموا إلى سيّدكم» تحت ر: ٦٢٦٢، ١١/ ٥٧.

(۲) المرجع نفسه، ١١/ ٥٩.

"قیام چار ۴ طرح کا ہوتا ہے: **پہلا:** قیامِ ممنوع، یہ وہ قیام ہے جو ایسے شخص کے لیے ہو، جو چاہتا ہے کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں، اور کھڑے ہونے والوں پر تکبّر اور اپنا بڑا پن بھی جتلاتا ہو۔

دوسرا: قیامِ مکروہ، یہ وہ قیام ہے جو اس شخص کے لیے ہو، جو اپنے لیے کھڑے ہونے والوں پر تکبّر، اور اپنا بڑا پن تو ظاہر نہیں کرتا، لیکن اسے اندیشہ ہے، کہ اس قیام کے باعث وہ تکبّر میں مبتلا ہو جائے گا، نیز یہ اس لیے بھی مکروہ ہے، کہ اس میں متکبرین سے مشابہت ہے۔

تیسرا: قیامِ جائز، یہ وہ قیام ہے جو بطورِ نیکی واحترام کے ہو، اور اس شخص کے لیے ہو جو اس قیام کے باوجود، متکبرین کے ساتھ مشابہت سے محفوظ رہے۔

چوتھا: قیامِ مندوب، یہ وہ قیام ہے جو سفر سے آنے والے کے لیے، اس کے آنے کی خوشی میں ہو، اسے سلام کرنے کی غرض سے کیا ہو، یا اس شخص کے لیے کیا جائے، جسے کوئی تازہ نعمت حاصل ہوئی ہو، تو اسے حصولِ نعمت کی مبارکباد دینے کے لیے قیام کیا جائے، یا کسی پر کوئی آفت ومصیبت آپڑی ہو، تب اس کے ساتھ اظہارِ تعزیت کے لیے کھڑا ہوا جائے۔

اسی طرح محفلِ میلاد میں، حضور اکرم ﷺ کے ذکرِ ولادت کے وقت، تعظیماً قیام کرنا بھی، تمام ائمۂ دین کے نزدیک، روایۃً ودرایۃً مستحب عمل ہے[1]۔

قیامِ تعظیمی، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ اہلِ قریظہ جب حضرت سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر اُتر آئے، تو نبئ کریم ﷺ نے انہیں بلوایا، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قُوموا إلَى سيِّدِكم» أو قال: «خيرِكم»[2] "اپنے سردار" یا فرمایا کہ "اپنے میں سے بہترین شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ!"۔

---

(۱) "عقد الجوهر في مَولد النّبي الأزهَر" للبَرزنجي، صـ۲۵، ۲٦.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الاستئذان، باب قول النّبي ﷺ: «قُوموا إلى سيّدكم» ر: ٦٢٦٢، صـ١٠٩٠.

علّامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: "وقال بعضُ العلماء: في الحديث إكرامُ أهلِ الفضل، من علم أو صلاح أو شرفٍ بالقيام لهم إذا أقبلوا، هكذا احتجّ بالحديث جماهيرُ العلماء"(1). "بعض علمائے کرام فرماتے ہیں، کہ اس حدیث پاک سے اہلِ فضل وعلم، اور اہلِ صلاح وشرف کی آمد پر، ان کی تعظیم کی غرض سے قیام کرنا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح جُمہور علمائے کرام نے، اس حدیث پاک سے، قیامِ تعظیمی کے جواز پر استدلال کیا ہے"۔

(۲) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: «ما رأيتُ أحداً كان أشبهَ سمتاً وهَدياً ودَلًّا، برسولِ الله ﷺ مِن فاطمةَ، كانت إذا دخلَتْ عليه قام إليها، فأخذ بيدِها وقبّلَها، وأجلسَها في مجلسِهِ، وكان إذا دخلَ عليها قامَتْ إليه فأخَذَتْ بيدِه فقبّلَتْه، وأجلسَتْه في مجْلِسها»(2).

"میں نے سرکارِ اَبد قرار ﷺ کی عادات واَطوار میں، حضرت فاطمہ زَہراء رضی اللہ تعالی عنہا سے زیادہ مُشابہ کسی کو نہیں پایا، جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں، تو حضور پُرنور سیّد عالَم ﷺ قیام فرماتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے، اور انہیں اپنی جگہ بٹھاتے، اور جب حضور اقدس ﷺ حضرت زہراء کے ہاں تشریف لے جاتے، تو وہ بھی حضور ﷺ کے لیے قیام کرتیں، دستِ اقدس کو بوسہ دیتیں، اور حضور والا ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں"۔

(1) "مرقاة المفاتيح" كتاب الآداب، باب القيام، الفصل ١، تحت ر: ٤٦٩٥، ٨/ ٤٧٣، ٤٧٤.

(2) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في القيام، ر: ٥٢١٧، صـ٧٣٢.

قیامِ تعظیمی، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام النَّوَوي رحمه الله تعالى: "القيامُ للقَادِمِ من أَهلِ الفَضلِ، مستحبٌّ"[1]. "امام نَووی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں، کہ صاحبِ فضل شخص کی آمد پر، تعظیماً کھڑے ہونا مستحب ہے"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي رحمه الله تعالى: "وقد صَحّ القيامُ في مجَالِس الذِّكرِ"[2]. "امام ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں، کہ مجالسِ ذکر میں تعظیماً کھڑے ہونا درست ہے"۔

قال الإمام علي بن إبراهيم الحَلَبي رحمه الله تعالى: "وقد وجد القيام عند ذكرِ اسمِه ﷺ، من عالِمِ الأمّة، ومُقتدَى الأئمّة دِيناً ووَرِعاً، الإمام تقي الدّين السُّبكي، وتابعَه على ذلك مشايخُ الإسلام في عصرِه"[3]. "امام علی بن ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں، کہ نبئ کریم ﷺ کے ذکر نامِ پاک کے وقت قیام کرنا، امام تقی الدّین سُبکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے بھی ثابت ہے، جو امّتِ مسلمہ کے عظیم عالم، اور دین وتقوی میں اماموں کے امام ہیں، اور اس قیام پر ان کے مُعاصرین ائمۂ کرام ومشایخ اسلام نے بھی ان کی پیروی کی ہے"۔

"علّامہ علاء الدّین حصکفی اور علّامہ ابن عابدین الشامی قدس سرہما فرماتے ہیں: "(يجوز، بل يندُب القيامُ تعظيماً للقادِمِ) أي: إن كان ممن يستحق التعظيم، قال في "القنية": قيامُ الجالس في المسجد لمن دخلَ عليه تعظيماً، وقيامُ قارئ القرآن لمن يجيء تعظيماً، لا يكره إذا كان ممن يستحقّ التعظيمَ (كما يجوز القيامُ ولو للقارئ بين يدَي العالم)"[4]. "آنے والے کی تعظیم کے

---

(١) "المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجّاج" كتاب الجِهاد والسِّير، باب جواز قِتال مَن نقض العهد...إلخ، الجزء ١٢، صـ٩٣.

(٢) "الفتاوى الحديثية" مطلب مَن اكتفى بالفقه عن الزُهد، صـ٣٩١، ملتقطاً.

(٣) "السِّيرة الحلَبية" المقدّمة، باب: تسميته ﷺ محمداً وأحمداً، ١/ ١٢٣.

(٤) "رد المحتار" كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، ٥/ ٢٤٦.

لیے کھڑے ہونا جائز بلکہ مستحب ہے، جبکہ ایسے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جو مستحقِ تعظیم ہے۔ اور "قنیہ" میں کہا کہ اسی طرح کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہا ہے، اسی دَوران اگر کوئی ایسا شخص آجائے جو مستحقِ تعظیم ہے، تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے"۔

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ذکرِ ولادتِ سیّد المرسلین ﷺ کے وقت، حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کی خاطر قیام کرنا، بے شک مستحب ومستحسن ہے، جس کے فاعل کو ثواب کثیر وفضل کبیر حاصل ہوگا؛ کہ وہ تعظیم ہے، اور کیسی ہے؟ تعظیم ان نبئ کریم صاحبِ خُلقِ عظیم ﷺ کی، جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ظلماتِ کفر سے، نورِ ایمان کی طرف لایا، اور ان کے سبب ہمیں دوزخِ جہل سے بچا کر، بہشتِ معرفت ویقین میں داخل فرمایا، تو حضور اقدس ﷺ کی تعظیم میں، خوشنودئ رب العالمین کی طرف دَوڑنا ہے، اور قوی ترین شعائرِ دین کا آشکار ہونا ہے، اور جو تعظیم کرے شعائرِ خدا کی، تو وہ دِلوں کی پرہیزگاری سے ہے، اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی، تو وہ اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے"[1]۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ، اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں، یہ بات ثابت ہوئی، کہ مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے ذکر کے وقت قیام کرنا، نیز اہلِ علم وفضل اور نیک لوگوں کے لیے تعظیماً کھڑے ہونا، جائز ومستحسن ومستحب عمل ہے۔

ایک اِصلاحی پہلو

کسی سے ملاقات کے وقت اتنا جھکنا، کہ حدِّ رکوع تک پہنچ جائے، منع ہے[2]۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الردّ والمناظرہ، رسالہ: "اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی التہامۃ"، ۲۰/۵۶۷، ۵۶۸۔

(۲) "بہارِ شریعت" مصافحہ ومعانقہ وبوسہ وقیام کا بیان، حصہ ۱۶، ص ۱۱۶۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، رئیس المتکلّمین، حضرت علّامہ مفتی نقی علی خان رحمہ اللہ تعالی کی کتاب (۱) "إذاقة الأثام لمانعِي عمل المَولِد والقِيام"[۱]، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی کا رسالہ (۲) "إقامة القِيامة على طاعِن القِيام لنبي تهامة"[۲]، حضرت شاہ احمد سعید مجدّدی دہلوی (م ۱۲۷۷) کا رسالہ (۳) "إثباتُ المولِد والقِيام"[۳] اور (۴) "بُشرى الكِرام في عمل المولِد والقِيام"[٤] کا مطالعہ، قارئین کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

---

(۱) مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) "فتاوی رضویہ" جلد ۲۰، ص۵۵۹ تا ٦۱۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ مجدّدیہ، کراچی۔

(۴) مطبوعہ، حیدرآباد دکن۔

(۱۷) علمِ غیب

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں، جو ظاہر اور پوشیدہ سب کچھ جانتا ہے، اُسے آسمانوں اور زمین کے تمام ترغَیب کا علم ہے، اللہ تعالی نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو، غیب کی جو خبریں بتانا چاہیں عطا فرمائیں۔ اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بے شمار فضائل وکمالات سے نوازا، ان میں سے ایک کمال یہ بھی ہے، کہ آپ کو تمام اوّلین وآخرین کے علوم سے زیادہ علوم عطا فرمائے، اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بہت سے مخفی اُمور پر آگاہی عطا فرمائی، اور یہ اللہ تعالی کی خاص عطا ہے، جو وہ اپنے نیک بندوں، یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام پر، مخفی چیزیں منکشِف فرمادیتا ہے، اسی کو غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے، علمِ غیب کے ثبوت پر دلائل قائم کرنے سے پہلے، یہ جاننا بہت ضروری ہے، کہ غیب کہتے کسے ہیں؟؛ تاکہ مقصد واضح طَور پر سامنے آجائے۔

غیب کی تعریف

علّامہ بَیضاوی فرماتے ہیں: "المراد به الخفيُ، الذي لا يُدرِكه الحِسُّ، ولا تقتضيه بديهةُ العقل، وهو قسمان: (١) قسمٌ لا دليلَ عليه، وهو المعنى بقوله تعالى: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ﴾[1]، (٢) وقسمٌ نُصب عليه دليلٌ، كالصّانِع وصفاتِه، واليوم الآخِر وأحوالِه، وهو المرادُ به في هذه الآية"[2].

"غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیز ہے، جس کا اِدراک حَواس سے نہ ہوسکے، اور نہ ہی بداہتِ عقل سے معلوم ہوسکے۔ اس کی دو ۲ قسمیں ہیں: (ا) وہ غیب جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو، جیسے اللہ تعالی کا فرمان:

---

(١) پ٧، الأنعام: ٥٩.

(٢) "تفسير البيضاوي" البقرة، تحت الآية: ٣، ١/ ٣٤.

"اُسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، جنھیں اُس کے سِوا کوئی نہیں جانتا"، اس سے یہی غیب مراد ہے۔

(۲) وہ غیب جس پر کوئی دلیل بھی ہو، جیسے خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ اور اُس کی صفات، قیامت اور اس کے احوال، آیتِ کریمہ: ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ میں یہی غیب مراد ہے"۔

علمِ غیب، قرآنِ کریم کی روشنی میں

قرآنِ کریم کی کئی آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہے، کہ اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم السلام کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے، ہم ان میں سے چند آیتیں یہاں ذکر کرتے ہیں:

(۱) ﴿وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾[1] "اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمھیں غیب پر آگاہ کر دے، ہاں غیب پر آگاہ کرنے کے لیے، اللہ جسے چاہے اپنے رسولوں میں سے چُن لیتا ہے"۔

(۲) ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۞ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ﴾[2] "غیب کا جاننے والا اللہ، اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے علاوہ، کسی کو اطلاع نہیں فرماتا"۔

(۳) ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ﴾[3] "اے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم! یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں"۔

(۴) ﴿وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ﴾[4] "یہ رسول غیب بتانے میں بخیل نہیں"۔

---

(۱) پ٤، آل عمران: ١٧٩.

(۲) پ٢٩، الجنّ: ٢٦، ٢٧.

(۳) پ١٢، هود: ٤٩.

(٤) پ٣٠، التكوير: ٢٤.

(۵) ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾[۱] "آپ کو وہ کچھ سکھادیا، جو آپ نہیں جانتے تھے"۔

(۶) ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۞ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۞ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾[۲] "رحمٰن نے (اپنے حبیب ﷺ) کو قرآن سکھایا، اس نے انسانِ کامل (محمد) کو پیدا فرمایا، انہیں (ہر چیز کا) بیان سکھادیا"۔

علمِ غیب، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

اس موضوع پر کثیر احادیث وارد ہیں، ہم اختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں:

(۱) "صحیح بخاری" میں حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «قام فينا النبيُّ ﷺ مقاماً، فأخبرَنا عن بدءِ الخَلق، حتَّى دخل أهلُ الجنّةِ مَنازلَهم، وأهلُ النّارِ مَنازلَهم، حفِظَ ذلك مَن حفِظَه، ونسِيَه مَن نسِيَه»[۳] "نبئ کریم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے، اور ہمیں مخلوق کی ابتداء سے لے کر، جنّتیوں کے جنّت، اور دوزخیوں کے دوزخ میں اپنے اپنے مقامات میں، داخل ہونے تک کی خبر دے دی، اسے جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا، اور جو بھول گیا سو بھول گیا"۔

(۲) "صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «قام فينا رسولُ الله ﷺ مقاماً، ما ترَك شيئاً يكون في مقامِه ذلك، إلى قيامِ السّاعةِ، إلّا حدّث به»[٤] "ایک بار رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے، اور قیامت تک ہونے والی ہر اہم بات، اپنے اس وقتِ قیام میں بیان فرما دی، جس نے اس (بیان) کو یاد رکھا سو یاد رکھا، اور جس نے بُھلا دیا سو بُھلا دیا۔

---

(۱) پ٥، النسآء: ١١٣.

(٢) پ٢٧، الرحمن: ١-٤.

(٣) "صحيح البخاري" كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قوله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُه وَهُوَ أَهْوَنُ﴾ [الروم: ٢٧]، ر: ٣١٩٢، صـ٥٣٢.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب الفِتن، باب هلاك هذه الأمّة بعضهم ببعض، ر: ٧٢٦٣، صـ١٢٥١.

وہ سب کچھ میرے ان ساتھیوں کے علم میں آیا، پھر ان میں سے جب کوئی چیز پیش آتی ہے، جو میں بھول چکا ہوتا ہوں، تو جب اسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے انسان کسی غائب ہو جانے والے شخص کا چہرہ یاد رکھتا ہے، جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے"۔

(۳) "صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّ اللهَ زَوَى لِي الأرضَ، فرأيتُ مَشارِقَها ومَغارِبَها»[1] "بے شک اللہ تعالی نے میرے لیے پوری زمین سمیٹ دی، تو میں نے اس کے مَشارِق ومَغارِب دیکھ لیے"۔

(۴) امام مسلم نے حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: "کچھ لوگوں نے حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بکثرت سوال کیے، ایک دن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، اور منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا: «سَلُوني، لَا تسألوني عن شيءٍ إلّا بيّنتُه لكم» "مجھ سے پوچھو! کسی بھی چیز کے بارے میں پوچھو گے، میں جواب دُوں گا"، جب قوم نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے، اور خوفزدہ ہونے لگے، کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے"۔ حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہتے ہیں کہ "میں نے دائیں بائیں دیکھا، تو ہر ایک کو اپنے کپڑوں میں سر لپیٹے روتا پایا۔ پھر مسجد میں وہ شخص اُٹھا جسے جھگڑے کے وقت، اس کے اپنے باپ کے سوا، کسی اَور کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «أبوك حُذَافةُ» "تمہارا باپ حُذافہ ہے"[2]۔

(۵) "سنن ترمذی" میں حضرت سیّدنا مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک روز حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں تاخیر ہوئی، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، اور نماز پڑھانے کے بعد فرمایا: «أما إنّي سأحدِّثكم ما حبسني عنكم الغداة: أنّي قمتُ من اللَّيل فتوضّأتُ، فصلّيتُ ما قدر

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الفِتن، ر: ٧٢٥٨، صـ١٢٥٠.

(۲) المرجع نفسه، كتاب الفضائل، باب توقيره صلى الله عليه وسلم ...إلخ، ر: ٦١٢٣، صـ١٠٣٨.

لي، فنعستُ في صلاتي فاستثقلتُ، فإذا أنا بربِّي ﷻ في أحسَنِ صورةٍ، فقال: يا محمد! قلتُ: لبّيكَ ربِّ! قال: فيمَ يختصمُ الملأُ الأعلَى؟ قلتُ: لا أدري ربِّ! قالها ثلاثاً، قال: فرأيتُه وضع كفَّه بين كتفَيّ حتَّى وجدتُ بَرد أناملِه بينَ ثَديَيّ، فتجلَّى لي كلُّ شيءٍ وعرفتُ»[1].

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، کہ آج صبح کی نماز کے لیے آنے میں مجھے تاخیر کیوں ہوئی: میں نے رات میں اُٹھ کر وضو کیا، اور جتنی مقدّر تھی نماز پڑھی، مجھے نماز میں اونگھ آگئی اور میں سو گیا، تب میں نے اپنے ربّ تعالی کو بہت خوبصورت شکل میں دیکھا، اللہ تعالی نے فرمایا: اے حبیب! میں نے عرض کی: اے رب میں حاضر ہوں! اللہ تعالی نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بلند وبالا فرشتے، کس چیز کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: اے میرے رب میں نہیں جانتا! (تین ۳ بار اسی طرح فرمایا) پھر میں نے دیکھا، کہ اللہ تعالی نے اپنا دستِ رَحمت، میرے کندھوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، تب ہر چیز مجھ پر رَوشن ہوگئی، اور میں نے سب کچھ جان لیا"۔

(۲) "مُسند امام احمد" میں حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی، پھر اسی جگہ تشریف فرما رہے، یہاں تک کہ جب چاشت کا وقت ہوا تو مسکرائے، پھر آپ اپنی جگہ تشریف فرما رہے، یہاں تک کہ ظہر، عصر اور مغرب ادا فرمائی، اس دَوران آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کسی سے گفتگو نہیں فرمائی، یہاں تک کہ نماز عشاء بھی ادا کرلی، پھر آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے، حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے (صبح سے رات تک خاموشی کی کیفیت سے متعلق) سوال کیا، تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَم، عُرِضَ عليَّ ما هو كائنٌ من أمرِ الدّنيا وأمرِ الآخرَةِ» "ہاں، میرے سامنے دنیا اور آخرت میں، رُونما ہونے والے تمام اُمور پیش کیے گئے"[2]۔

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة ص، ر: ۳۲۳۵، صـ۷۳۵.

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي بكر الصديق، ر: ۱۵، ۱/ ۲۰، ۲۱.

علمِ غیب سے متعلق قرآنی آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ "انبیائے کرام علیہم السلام کو، اللہ تعالی کی عطاء سے غیب کا علم حاصل ہوتا ہے"۔ اس مقام پر ایک بات قابلِ غور ہے، کہ اس علمِ غیب میں، وہ تمام چیزیں بھی داخل ہیں یا نہیں، جنہیں مغیباتِ خمسہ، یا علومِ خمسہ کہا جاتا ہے؟! اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

مغیباتِ خمسہ (پانچ باتوں کا علمِ غیب)

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[1] "یقیناً قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے، وہ بارش برساتا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا، یقیناً اللہ جاننے والا بتانے والا ہے"۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں، حضرت مُلّا جِیوَن علیہ الرحمۃ "تفسیراتِ احمدیّہ" میں فرماتے ہیں: "ولك أن تقولَ: إنّ علمَ هذه الخمسةِ، وإن كان لا يملكه إلّا الله، لكن يجوز أن يُعلِمَها مَن يشاء، مِن محبِّيه وأوليائه؛ بقرينة قوله تعالى: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ على أن يكونَ الخبيرُ بمعنى المخبِر"[2]. "یہ بھی کہہ سکتے ہیں، کہ ان پانچ ۵ باتوں کو، اگرچہ خدا کے سِوا کوئی نہیں جانتا، لیکن یہ کہنا بھی جائز ہے، کہ اللہ تعالی اپنے محبوب بندوں اور ولیوں میں سے جسے چاہتا ہے، انہیں ان پانچ ۵ باتوں کے بارے میں بتادیتا ہے؛ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ "یقیناً اللہ علیم ہے خبیر ہے"۔ اس آیت مبارکہ میں لفظِ "خبیر" بمعنی مُخبِر، یعنی خبر دینے والا ہے"۔

---

(١) پ٢١، لقمان: ٣٤.

(٢) "التفسيرات الأحمديّة" لقمان، تحت الآية: ٣٤، صـ٦٠٨، ٦٠٩.

"تفسیر صاوی" میں اس آیت مبارکہ: ﴿مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ کے تحت فرمایا: "أي: مِن حيث ذاتِها، وأمّا بإعلام الله للعبد، فلا مانعَ منه، كالأنبياء وبعض الأولياء؛ قال تعالى: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾؛ وقال تعالى: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ اَحَدًا ۞ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ فلا مانعَ من كَونه يُطلِع بعضَ عبادِه الصّالحين، فتكون معجزةً للنّبي، وكرامةً للولي، ولذلك قال العلماءُ: الحقُّ إنّه لم يخرج نبيُّنا من الدّنيا، حتّى أطلعَه اللهُ على تلك الخَمس"[1].

"ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جان سکتا، لیکن اگر کوئی بندہ، اللہ تعالی کے بتانے سے جان لے، تو اِس میں کوئی حرج یا مانع بھی نہیں، جیسے انبیائے کرام اور بعض اولیاء کا جاننا۔ رب تعالی فرماتا ہے: "یہ لوگ خدا کے علم کا اِحاطہ نہیں کرسکتے، مگر جس قدر رب تعالی چاہے"، اور فرمایا: "اللہ تعالی غیب جاننے والا ہے، تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے"، تو اگر خدا تعالی اپنے بعض نیک بندوں کو، بعض غیوب پر مطلع فرمادے، تو کوئی مانع نہیں، لہذا یہ علم غیب نبی کا معجزہ، اور ولی کی کرامت ہوگا، اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا، کہ حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے، اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اِن غیوب پر مطلع فرمادیا"۔

اگرچہ یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ ان پانچ ۵ چیزوں کا علم اللہ تعالی کے پاس ہے، مگر اللہ تعالی چاہے تو انبیائے کرام علیہم السلام میں سے، کسی کو بھی ان کا علم دے سکتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان پانچ ۵ باتوں، بلکہ ہر غیب کا علم، اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے، جسے جتنا چاہے علم عطا فرمادے، اُسے

---

(۱) "حاشية الصاوي على تفسير الجلالين" سورة لقمان، تحت الآية: ۳٤، ٥/ ۱۳.

روکنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾[1]

"اللہ تعالی کے علم میں سے، بندے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے، مگر صرف اُتنا جتنا اللہ تعالی چاہے"۔

ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟

ان پانچ ۵ میں سے بعض کا علم، جسے اللہ تعالی نے دینا چاہا، ان کے لیے ضرور ثابت ہے۔

حدیث۷: خطیب بغدادی، اور ابونعیم نے "دلائل النبوّۃ" میں، سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی، کہ مجھ سے امّ الفضل نے بیان کیا: مررتُ بالنّبي ﷺ فقال: «إنّكِ حاملٌ بغلام، فإذا وَلدتِ فأتِيني به!» قالت: يا رسولَ الله! أنّى لي ذلك؟ وقد تحالفت قريشٌ أن لا يأتوا النِّساء! قال: «هو ما أخبرتُك!» قالت: فلمّا وَلدتُه أتيتُ به النبيَّ ﷺ، فأذّن في أُذنه اليُمنى، وأقامَ في أُذنه اليُسرى، وألبأه مِن ريقِه، وسمّاه عبد الله، وقال: «اذهبِي بأبي الخلفاء!» فأخبرتُ العبّاسَ، وكان رجلاً لبّاساً، فلبسَ ثيابَه، ثمّ أتى إلى النّبي ﷺ، فلمّا بصرَ به قام فقبّل بين عينَيه، قال: قلتُ: يا رسولَ الله! ما شيءٌ أخبرتْني به أمُّ الفضل؟ قال: «هو ما أخبرتْك! هذا أبو الخلفاء! حتّى يكونَ منهم السفّاح، حتّى يكونَ منهم المَهدي»[2].

"میں حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گزری، تو حضور نے فرمایا کہ "تم حاملہ ہو، اور تمھارے پیٹ میں لڑکا ہے! جب وہ پیدا ہو تو اسے میرے پاس لے آنا"، میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! میرے حمل کہاں سے آیا؟ حالانکہ قریش نے قسمیں کھالی ہیں، کہ عورتوں کے پاس نہیں جائیں گے! ارشاد فرمایا: "بات وہی ہے

---

(۱) پ۳، البقرة: ۲۵۵.

(۲) "دلائل النبوّة" الفصل ۲٦ ما أخبر به النبيُّ ﷺ من الغيوب ...إلخ، ر: ٤٨٧، ١/ ٥٥٠. و"تاريخ بغداد" باب من أخبار أمير المؤمنين أبي جعفر المنصور، ر: ٣٦، ١/ ٦١. و"الدولة المكية بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله" مطلب: علم ما في الأرحام، صـ١٠٥، ١٠٦.

جوہم نے تم سے ارشاد فرمادی"۔ امّ الفضل کہتی ہیں، کہ جب لڑکا پیدا ہوا، تو میں اسے لے کر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، حضور اقدس ﷺ نے بچے کے دائیں کان میں اذان، اور بائیں کان میں اِقامت فرمائی، اور اپنا مبارک لعابِ دَہن اس کے منہ میں ڈالا، اور اس کا نام عبداللہ رکھا، اور فرمایا کہ "لے جاؤ خلفاء کے باپ کو!" میں نے اپنے شَوہر عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور کا ارشاد ذکر کیا، وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی، کہ یارسولَ اللہ! امّ الفضل نے ایسا ایسا کہا ہے! فرمایا: "بات وہی ہے جو ہم نے اُن سے کہی! یہ بچہ بہت سے خلفاء کا باپ ہے، یہاں تک کہ ان میں سے سفّاح بھی ہوگا، یہاں تک کہ ان میں سے مَہدی بھی ہوگا"۔

حدیث۸: وروى الإمامُ مالك عالمُ المدينة المنوّرة، عن أمّ المؤمنين الصّديقة رضي الله تعالى عنها قالت: «إنّ أبا بكرٍ رضي الله تعالى عنه كان نحلَها جادَّ عشرين وسقاً من مالِه بالغابة، فلمّا حضرتْه الوفاةُ قال: يا بُنيّة! والله ما من النّاس أحدٌ، أحبّ إليَّ غِنًى بعدي منك! ولا أعزَّ عليَّ فقراً بعدي منك! وإنّي كنتُ نحلتُكِ جادَّ عشرين وسقاً، فلو كنتِ جدّدتِيه واحتزتِيه كان لكِ، وإنّما هو اليومَ مالُ وارِث، وإنّما هُما أخواك وأختاك، فاقتسِمُوه على كتاب الله، فقالت: يا أبتِ! والله لو كان كذا وكذا لتركتُه، إنّما هي أسماء، فمَن الأخرى؟ فقال: ذو بطنِ بنتِ خارجةٍ، أراها جاريةً»[1].

"عالمِ مدینہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، امّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، کہ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا مال جو غابہ[2] میں تھا (جو ابھی تک درخت سے اتارا نہیں گیا تھا)، اس

---

(١) "موطّأ الإمام مالك" كتاب الأقضية، باب ما لا يجوز من النحل، صـ٤١٩، ٤٢٠. و"الدولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله" مطلب: علم ما في الأرحام، صـ١٠٦.

(٢) ایک مقام کا نام، جو ملکِ شام کے راستے میں، مدینہ منوّرہ کے سنگم پر واقع ہے، جیسا کہ "شرح الزرقاني على الموطّأ" [كتاب الأقضية، باب ما لا يجوز من النحل، ٤/ ٤٤] میں ہے۔

میں سے بیس ۲۰ وسق[1] چھوہارے اپنی صاحبزادی، امّ المؤمنین عائشہ کو ہبہ فرمائے تھے، کہ درختوں پر سے اُتروالیں، جب صدیقِ اکبر کے وِصال کا وقت قریب آیا، تو امیر المؤمنین نے فرمایا، کہ اے میری پیاری بیٹی! خدا کی قسم! کسی کی مالداری مجھے تمھارے مالدار ہونے سے زیادہ محبوب نہیں! اور اپنے بعد کسی کی محتاجی مجھ پر تمھاری محتاجی سے زیادہ دشوار نہیں! میں نے تمہیں بیس ۲۰ وسق چھوہارے ہبہ کیے تھے، کہ درختوں پر سے اُتروالو! تو اگر تم نے وہ اُتروا کر، اپنے قبضے میں کر لیے ہوتے، تب تو وہ تمھارے ہوتے، مگر آج (میرے انتقال کے وقت) وہ وارثوں کا مال ہے، اور وارث تمھارے دو ۲ بھائی، اور تمھاری دو ۲ بہنیں بھی ہیں، تو اسے حسبِ قانون شریعت آپس میں تقسیم کرلینا!۔ امّ المؤمنین نے عرض کی: اے میرے والد! خدا کی قسم اگر وہ بہت کثیر مال ہوتا، تب بھی میں اسے چھوڑ دیتی! مگر میری بہن تو ایک اسماء ہے، دوسری کون ہے؟ فرمایا: وہ جو میری زَوجہ بنتِ خارجہ کے پیٹ میں ہے، اور میرے علم کے مطابق وہ لڑکی ہے!"۔

کل کیا ہوگا؟

حدیث۹: اسی طرح سے کل کیا ہوگا؟ اس کا علم بھی اللہ تعالی نے اپنے انبیاء واولیاء کو عطا فرمایا ہے، جیسا کہ "صحیح بخاری" و"صحیح مسلم" میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے خیبر کی حدیث میں ہے، کہ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لأُعطينَّ هذه الرّايةَ غداً رجلاً يفتح اللهُ على يدَيه، يحبّ اللهَ ورسولَه، ويحبّه اللهُ ورسولُه» فأعطاها عَليّاً، كرّمَ اللهُ تعالى وجهَه[2]. "خدا کی قسم! کل ضرور یہ جھنڈا اُس مردِ مؤمن کو دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ تعالی فتح عطا فرمائے گا، وہ اللہ ورسول سے پیار کرتا

---

(۱) ایک وسق تقریبًا ۲۴۰ کلوگرام کا ہوتا ہے۔

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسِّير، باب فضل من أسلم على يدَيه رجل، ر: ۳۰۰۹، صـ ٤٩٧. "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، ر: ٦٢٢٣، صـ ١٠٦٠. "الدولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله"، مطلب: علم ما يكسب غداً، صـ١٠٧.

ہے، اور اللہ ورسول اس سے محبت فرماتے ہیں۔ اگلے دن وہ جھنڈا حضور اکرم ﷺ نے، حضرت مَولا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- کوعطا فرمایا۔

مَوت کا علم

حدیث۱۰: رسول اللہ ﷺ یہ جانتے تھے، کہ آپ کی وفات مدینہ طیّبہ میں ہوگی، لہذا آپ ﷺ نے انصار صحابہ سے فرمایا: «المحيا محَياكم، والمماتُ مماتكم»[1] "کہ ہماری زندگی وہاں ہے جہاں تمھاری زندگی ہے، اور ہمارا انتقال بھی وہاں ہوگا جہاں تمھاری موت ہے!"۔ گویا فرمایا کہ ہمارا جینا مرنا اب تمھارے ساتھ ہے، اور ہمارا تمھارا تعلق اب بہت مضبوط ہے۔

حدیث۱۱: جب حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت سیّدنا مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: «يا مُعاذ! إنّكَ عسَى أن لا تَلقاني بعد عامي هذا! ولعلّك أن تمرَّ بمسجدِي هذا وقبري!»[2] "اے مُعاذ! اس سال کے بعد تم مجھ سے (دنیا) میں نہیں ملوگے! اور تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس آؤ گے!۔

حدیث۱۲: "صحیح مسلم" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو پکارا، تو وہ سب حضور کے ساتھ ہو لیے، یہاں تک کہ میدانِ بدر میں جا کر اُترے، وہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هذا مصرع فُلان» ويضع يدَه على الأرض، هاهنا وهاهنا، قال: فما ماط -أي: ما زال وما تجاوَز- أحدُهم عن مَوضعِ يدِ رسولِ الله

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الجهاد والسير، باب فتح مكّة، ر: ٤٦٢٢، صـ٧٩٣. "الدولة المكية بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله"، مطلب: علم ما يكسب غداً، صـ١٠٨.

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند الأنصار، حديث مُعاذ بن جبل، ر: ٢٢١١٣، ٨/ ٢٤٣. و"الدولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله"، مطلب: علم ما يكسب غداً، صـ١٠٨.

ﷺ[1] "کہ "یہ فُلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے، اور یہ فُلاں کی!" حضرتِ انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں، کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے جہاں ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا، بالکل وہیں اس کی لاش گری"۔

حدیث ۱۳: امام ابن عساکر، حضرت اقرع بن شُفی عکی سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میری ایک بیماری میں نبئ کریم ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے، میں نے عرض کی کہ مجھے یہی گمان ہے، کہ میں اپنے اس مرض میں مر جاؤں گا! ارشاد فرمایا: «كلّا! لتبقينَّ ولَتُهاجِرَنَّ إلى أرض الشّام، وتموت وتُدفَن بالرَّبوة من أرض فلسطين»[2] "ہرگز نہیں! بلکہ تم ضرور زندہ رہو گے، ملک شام کی طرف ہجرت کرو گے، اور فلسطین میں ایک ٹیلے (پہاڑی) پر تمھاری وفات وتدفین ہو گی۔

قیامت کا علم

اللہ تعالی نے اپنے نبئ اکرم ﷺ کو قیامت کا علم بھی عطا فرمایا۔ قرآنِ کریم کی جن آیاتِ مبارکہ میں یہ فرمایا، کہ قیامت کا علم صرف اللہ تعالی ہی کے پاس ہے، ان تمام آیات میں، کسی کو علمِ قیامت دینے کی نفی نہیں، لہذا اس قسم کی آیات سے، حضورِ اکرم ﷺ کے نہ جاننے کی دلیل پکڑنا صحیح نہیں، جیسا کہ علّامہ صاوی فرماتے ہیں: "فلم يخرج نبيُّنا من الدّنيا، حتّى أطلعَه اللهُ على المغيبات، ومِن جملتها السّاعةُ، لكن أُمِرَ بكتم

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الجهاد والسِّير، باب غزوة بدر، ر: ٤٦٢١، صـ٧٩٢. و"الدولة المكّية بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله"، مطلب: علم ما يكسب غداً، صـ١٠٨.

(۲) "تاريخ دِمشق" باب ذكر الإيضاح والبيان ...إلخ، ١/ ٢١١. و"المستخرج" لابن مندة، بقية حرف الألف، ٢/ ٧٦. و"معرفة الصحابة" لأبي نعَيم، حرف الألف، الأقرع بن شفي العكي نزل الرملة، وتوفّي في خلافة عمر، ١/ ٣٣٩. و"معجم الصحابة" لابن قانع، باب الألف، الأقرع بن شفي العكي، ١/ ٦٨. و"الدولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" النظر ٦ في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله" مطلب: علم ما يكسب غداً، صـ١١١.

ذلك"(۱). "حضورِ اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے، اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو ان غیوب پر مطلع فرمادیا، انہی باتوں میں سے قیامت کا علم بھی ہے، البتہ آپ کو اسے مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا تھا"۔

بارش کب ہوگی؟

آیت۷: حضرت سیّدنا یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم سے بارش برسنے سے متعلق فرمایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ﴾(۲) "پھر ان کے بعد ایک برس آئے گا، جس میں لوگوں کو بارش دی جائے گی، اور اس میں رس نچوڑیں گے"۔

حدیث۱۴: امام جلال الدین سُیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "خصائصِ کُبری" میں ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: "باب إخباره ﷺ عن السّحابة التي مطرتْ باليَمن"(۳)، "نبئ کریم ﷺ نے اس بادل کی خبر دی، جس نے یمن میں بارش برسائی"، اس باب میں فرماتے ہیں کہ "امام بَیہقی حضرت سیّدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ ایک دن بارش ہوئی تو حضور نبئ کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: «إنّ مَلَكاً موكَّلاً بِالسَّحابِ دخل عليَّ آنِفاً، فسلّمَ عليَّ وأخبرَنِي أنّه يسُوق السَّحابَ إلى وادٍ باليمنِ، يقال له ضريحٌ» فَجَاءَنَا رَاكِبٌ بَعدَ ذلِكَ فَسَأَلْنَاهُ عَنِ السَّحَابَة، فَأَخبَرَ أَنَّهُم مُطِرُوا فِي ذلِكَ اليَوم(٤).

---

(۱) "حاشية العلّامة الصاوي على تفسير الجلالَين" سورة الأحزاب، تحت الآية: ٦٣، ٥/ ٥١.

(۲) پ۱۲، يوسف: ٤٩.

(۳) "الخصائص الكبرى" باب إخباره ﷺ عن السحابة التي مطرت باليمن، ٢/ ١٧٥. و"الدَّولة المكية بالمادّة الغَيبيّة" النظر السّادس في معنى "خمسٌ لا يعلمهنّ إلّا الله" مطلب: علم ما يكسب غداً، صـ١١٢.

(٤) "دلائل النبوة" جُماع أبواب أسئلة اليهود ...إلخ، باب ما جاء في إخباره ...إلخ، ٦/ ٣١١.

"بادل پر مقرّر فرشتہ ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آیا، اس نے مجھے سلام کیا اور بتایا کہ وہ یمن کی وادی "ضریح" کی طرف بادل کو لے جا رہا ہے۔ اس کے بعد ایک مسافر ہمارے پاس آیا، جب اس سے ہم نے اس بادل کے بارے میں پوچھا، تو اس نے بتایا کہ واقعی اُس دن ہمارے ہاں بارش ہوئی تھی"۔

"قال البَيهقي: وله شاهِدٌ مُرسَلٌ، عَن بكر بن عبد الله المُزني، أَنّ النبيَّ ﷺ أخبرَ عَن ملَك السَّحَاب: أنّه يَجِيء مِن بلد كَذَا، وأنّهم مُطِرُوا يومَ كذَا، وأنّه سألهُ مَتى تمطر بلدنا؟ فقال: يومَ كَذَا، وعنده ناسٌ من المنافقين فحفظوه، ثمّ سألُوا عَن ذلك فوجدوا تَصْدِيقَه، فآمَنوا وذكروا ذلك للنّبي ﷺ فقال لهم: «زادَكم اللهُ إِيماناً!»"[1].

"امام بَیہقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کہ ایک مرسَل حدیث اس کی شاہد ہے، جسے بکر بن عبد اللہ مُزنی نے روایت کیا، کہ نبئ کریم ﷺ نے بادل کے فرشتے کے بارے میں خبر دی کہ "وہ فُلاں شہر سے آیا ہے، اور فُلان دن اُس شہر میں بارش ہوئی ہے، آپ ﷺ نے اس فرشتے سے پوچھا: «متٰى تمطَرُ بلدنا؟» "ہمارے شہر میں بارش کب ہوگی؟" اس نے عرض کی کہ فُلاں دن، اس وقت حضور نبئ کریم ﷺ کی بارگاہ میں کچھ منافقین بھی موجود تھے، انہوں نے اُس دن کو یاد رکھ لیا؛ کہ اس بارے میں وقت آنے پر پوچھیں گے! جب انہوں نے اس کی تصدیق کرلی تو ایمان لے آئے، اور جب انہوں نے یہ بات نبئ کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی، تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ "اللہ تعالی تمہارا ایمان مضبوط فرمائے!"۔

---

(١) "دلائل النبوة" جُماع أبواب أسئلة اليهود ...إلخ، باب ما جاء في إخباره عن السحابة ...إلخ، ٦/ ٣١١.

علمِ غیب، اَقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال القاضي عياض رحمه الله: "النبيُّ والرّسولُ هُما مفترقان من وجهٍ؛ إذْ قد اجتمعا في النبوّة، التي هي الاطّلاع على الغيب"[1]. "امام قاضی عِیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ نبی اور رسول میں ایک اعتبار سے فرق ہے، لیکن باعتبارِ نبوّت دونوں برابر ہیں، جس کے معنی غیب پر آگاہ ہونا ہے"۔

وقال القاضي عياض رحمه الله تعالى أيضاً: "ومِن ذلك ما اطّلع عليه من الغيوب وما يكون، والأحاديثُ في هذا الباب بحرٌ لا يدرَك قعرُه، ولا ينزَف غمرُه، وهذه المعجزةُ من جملة معجزاتِه المعلومة على القطع ...الواصلُ إلينا خبرُها على التواتُر؛ لكثرة رُواتها واتفاق مَعانيها على الاطّلاع على الغيب"[2].

"امام قاضی عِیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں، کہ اسی سلسلے کی کڑی، وہ غیبی اور آئندہ ہونے والے اُمور اورواقعات بھی ہیں، جن پر نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی، اس بارے میں احادیث بہت ہیں، گویا ایک ایسا سمندر ہے، جس کی گہرائی ووسعت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اور یہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قطعی طَور پر معلوم معجزات میں سے وہ معجزہ ہے، جس کی اطلاع ہم تک تواتُر کے ساتھ پہنچی؛ کیونکہ وہ سب روایات کثیر ہیں، جن کے معنی میں کوئی اختلاف نہیں"۔

قال الإمام الغزالي رحمه الله خلال ذكر خواصّ النبوّة: "والرّابع: أنّ له صفةٌ بها يُدرِك ما سيكون في الغيب، إمّا في اليَقَظة أو في المنام؛ إذ بها يُطالع اللَّوحَ المحفوظ، فيَرى ما فيه من الغيب"[3]. "امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی (۵۰۵ھ) نبوّت کے خواصّ ذکر کرتے ہوئے

---

(١) "الشفا" القسم ١ في تعظيم العلي الأعلى لقدر ...إلخ، الباب ٤، الجزء ١، صـ١٥٧، ملتقطاً.

(٢) المرجع نفسه، صـ٢٠٦.

(٣) "إحياء علوم الدّين" كتاب الفقر والزهد، بيان فضيلة الفقر مطلقاً، ٤/ ٢٠٦.

فرماتے ہیں، کہ چوتھا خاصّہ یہ ہے، کہ نبی کے لیے ایک صفت ہوتی ہے، جس کے ذریعے وہ بیداری یا خواب میں، آئندہ ہونے والے غیبی اُمور جان لیتا ہے، نیز اس صفت کے ذریعہ وہ لَوحِ محفوظ کا مطالعہ بھی کرتا ہے، اور وہاں سے غیبی اُمور دیکھ لیتا ہے"۔

وقال الإمام أيضاً: "مَهما صفا الباطن، انكشفَ في حدقة القلب ما سيكون في المستقبل، كما انكشف دخولُ مكّة لرسول الله ﷺ في النَّوم، حتّى نزلَ قولُه تعالى: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ﴾"(١). "مزید فرماتے ہیں، کہ جب باطن صاف ہوتا ہے، تو دل کی آنکھ سے، آئندہ ہونے والے اُمور دکھائی دیتے ہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے لیے خواب میں، مکّۂ معظمہ میں داخل ہونا منکشف ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا کہ "یقیناً اللہ تعالی نے اپنے رسول کا خواب سچ کر دیا"۔

قال شارح "صحيح البخاري" الإمام القسطلاني، والعلّامة الزّرقاني: "وقد اشتهرَ وانتشرَ أمرُه عليه الصلاة والسلام بين أصحابه، بالاطّلاع على الغيوب، حتّى إن كان بعضُهم ليقول لصاحبه: اسكتْ فوالله! لو لم يكن عنده مَن يُخبِره، لأخبرتْه حجارةُ البَطحاء"(٢).

"شارحِ بخاری، امام قسطلانی اور علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ کا غیبی اُمور پر مطّلع ہونا، آپ ﷺ کے اصحاب (اور منافقین) میں مشہور و معروف تھا، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنے ساتھی سے مخاطِب ہوتا، تو اس کو یہ بات ضرور کہتا تھا، کہ خاموش ہوجا! اللہ کی قسم! اگر انہیں (یعنی حضور کو) کسی اَور نے خبر نہ بھی دی، تو اس شہر کے پتھر ضرور انہیں بتادیں گے، کہ ہم کیا بات کررہے ہیں"۔

---

(١) المرجع نفسه.

(٢) "شرح الزرقاني على المواهب اللدُّنية" المقصد ٨ في طبه ﷺ، الفصل ٣، ١٠/ ١١٣.

وقال العلّامةُ ابن الحاجّ العبدري: "لا فرقَ بين موته وحياته، أعني في مُشاهَدته لأمّته، ومعرفتِه بأحوالهم ونيّاتهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلك عنده جليٌّ لا خفاءَ فيه"(۱). "علّامہ ابن الحاج عبدری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، کہ اپنی امّت کا مُشاہدہ کرنے، ان کے اَحوال، نیّتوں، عزائم اور خیالات کی معرفت کے اعتبار سے، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیات وممات میں کوئی فرق نہیں"۔

خلاصۂ کلام

حاصل کلام یہ ہے، کہ مندرجہ بالا دلائل کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہے، کہ انبیائے کِرام علیہم السلام اور اولیائے عِظام کے لیے علمِ غیب ماننا، قرآن وحدیث کے مُنافی عقیدہ نہیں۔ اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے، کہ اس طرح تو علومِ انبیاء علومِ الٰہی کے مُساوی ہو گئے! تو اس کا جواب یہ ہے، کہ مُساوی تو تب ہوں، جب انبیاء کے لیے، رب تعالی جیسا علم مانا جائے۔ رب تعالی اور عبد کے علم میں چند بنیادی فرق ذیل میں ملاحظہ فرمائیں، اور اندازہ لگائیں کہ خدا ورسول کے دشمنوں نے، مصطفی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم پر اعتراضات واِشکالات وارد کر کے، صرف آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ کم نصیبوں نے رب تعالی کی عطاء کا بھی انکار کر ڈالا! انبیائے کرام علیہم السلام کے علوم کو، اللہ تعالی کے علم سے کوئی نسبت نہیں، جسے درج ذیل طور پر سمجھا جاسکتا ہے:

	اللہ تعالی کا علم	انبیائے کِرام کا علم
(۱)	اللہ تعالی کا علم کُلّی ہے	انبیائے کرام علیہم السلام کا علم جُزئی ہے(۲)
(۲)	اللہ تعالی کا علم ذاتی ہے	انبیائے کرام علیہم السلام کا علم عطائی ہے
(۳)	اللہ تعالی کا علم محیط (یعنی ہر	انبیائے کرام علیہم السلام کا علم غیر محیط ہے

---

(۱) "المَدخل" زيارة سيّد الأوّلين والآخِرين، ۱/ ۲۵۹.

(۲) هذا من جهة الخالق، أمّا من جهة المخلوق فعلمُه كليٌّ. "یہ باعتبارِ خالق کے ہے، البتہ باعتبارِ مخلوق تو حضور کا علم کلّی ہے"۔

	شے(۱) کا اِحاطہ کیے ہوئے) ہے	
(۴)	اللہ تعالی کے علم کی کوئی انتہاء نہیں	انبیائے کرام علیہم السلام کے علم کی ایک حد ہے
(۵)	اللہ تعالی کا علم ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گا	انبیائے کرام علیہم السلام کا علم حادِث ہے (یعنی پہلے نہیں تھا، اللہ تعالی کے دینے سے ملا)

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی کے مفصّل اور مدلّل کتب ورسائل، جن میں آپ نے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ اللہ تعالی نے نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو علمِ غیب عطا فرمایا ہے: (۱) "الدولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة"(۲)، (۲) "إنباءُ الحَي أنّ كلامَه المصونَ تبيانٌ لكلّ شيءٍ"(۳)، (۳) "إنباءُ المصطفى بحال سرٍّ وأخفى"(۴)، (۴) "ماحية العَيب بعلم الغَيب"(۵)، (۵) "خالصُ الاعتقاد"(۶)، (۶) "إزاحة العَيب بسَيف الغَيب"(۷)، قاضی ابوالولید عبدالملک بن محمد تاجموعتی (متوفّی ۱۱۱۸ھ) کی تصنیف (۷) "ملاك الطلب في جواب أستاذ حلَب"، شیخ عبدالغنی نابلسی (متوفّی ۱۱۴۳ھ) کی تصنیف (۸) "اللؤلؤ المكنون في حكم الإخبار عمّا

---

(۱) ہر شے، یعنی جزئیات، کلّیات، موجودات، معدومات، ممکنات اور مُحالات۔

(۲) مطبوعة من دار أهل السنّة، كراتشي.

(۳) مطبوعة من دار أهل السنّة، كراتشي.

(۴) "فتاوی رضویہ" ۱۸/۶۰۹ تا ۶۲۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۵) ایضًا، ۱۸/۶۲۹ تا ۶۴۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۶) ایضًا، ۱۸/۵۶۸ تا ۶۰۶، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۷) ایضًا، ۱۸/۵۲۹ تا ۵۴۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

سیکون"[1]، علّامہ احمد بن عبد السلام بنانی فاسی (متوفّٰی ۱۲۳۴ھ)کی تصنیف (۹) "الرّوض المعطار في علم النّبي المختار"، قاضی محمد نور قادری شکوروی (متوفّٰی ۱۳۳۳ھ) کی تصنیف (۱۰) "النيّر الوحي من علم النّبي ﷺ"، علّامہ محدّث احمد بن جعفر کتّانی (متوفّٰی ۱۳۴۰ھ) کی تصنیف (۱۱) "السِرّ المصون في أنّ اللهَ أطلعَ نبيَّه على ما كان ويكون"، علّامہ شیخ محمد بن جعفر کتّانی (متوفّٰی ۱۳۴۵ھ) کی کتاب (۱۲) "جِلاء القلوب من الأصداء الغينيّة ببيان إحاطته علیہ السلام بالعلوم الكَونيّة"[2]، علّامہ عبد الستار بن عبد الوہّاب ہندی (متوفّٰی ۱۳۵۵ھ) کی تصنیف (۱۳) "التحقيق المصون في مبحث علم الغيب بما كان ويكون"، شیخ محمد عبد الباقی ہندی مدنی (متوفّٰی ۱۳۶۴ھ) کی تصنیف (۱۴) "كشف رَين الرَّيب في مسألة علم الغَيب"، علّامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد السلام اندلسی (متوفّٰی ۱۳۶۷ھ) کی تصنیف (۱۵) "المفهوم والمنطوق ممّا ظهرَ من الغيوب، التي أنبأ بها الصّادقُ المصدوق ﷺ"، علّامہ احمد بن صدیق غماری (متوفّٰی ۱۳۸۰ھ) کی تصنیف (۱۶) "مطابقة الاختراعات العصريّة لما أخبرَ به سيّدُ البَريّة ﷺ"[3]، علّامہ محمد زمزمی (متوفّٰی ۱۴۰۸ھ) کی تصنیف (۱۷) "الإعلام بما أخبرَ به النبيُّ ﷺ من أحوال هذا الزَّمان"، حضرت علّامہ صدر الافاضل محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱۸) "الكلمة العُليا لإعلام علم المصطفى"[4]، حضرت علّامہ عبد الباقی فرنگی محلّی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱۹) "رسالة في تحقيق علم الغيب"[5]، حضرت علّامہ محمد شریف ہزاروی کی کتاب (۲۰) "علمِ غیب اور ملّا علی

---

(۱) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) مطبوعة من المركز الإسلامي، مصر.

(۳) مطبوعة من دار الطباعة المحمدية، قاهرة.

(۴) مطبوعہ مکتبہ فریدیہ، کراچی۔

(۵) مطبوعہ، مرآۃ التصانیف" ۱/۹۵۔

قاری"[۱]، حضرت علاّمہ محمد فرید رضوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲۱) "حاضر وناظر اور علمِ غیب"[۲]، حضرت علاّمہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲۲) "علمِ غیب"[۳]، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا رسالہ (۲۳) "علمِ غیب"[۴] اور حضرت علاّمہ مفتی محمد الیاس رضوی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ (۲۴) "بہارِ علمِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"[۵] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

❁ ❁ ❁

(۱) ایضًا ۱/۹۸۔

(۲) ایضًا ۱/۹۳۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ جام نور، جمشید پور۔

(۴) مطبوعہ ادارہ مسعودیہ، کراچی۔

(۵) مطبوعہ ادارہ الفکر فاؤنڈیشن، کراچی۔

(۱۸) اختیاراتِ مصطفی ﷺ

حضور سرورِ کونین ﷺ کے، مالکِ دوجہاں ہونے کا نہ یہ مطلب ہے، کہ رب تعالی کسی چیز کا مالک نہ رہا، اور نہ یہ مطلب کہ حضورِ اکرم ﷺ رب تعالی کے مثل مالک ہیں، جس سے لازم آئے کہ کائنات کے دو ۲ مستقل مالک ہیں، بلکہ رب تعالی کی ملکیت حقیقی قدیم اور اَزَلی واَبَدی ہے (یعنی ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی)، جبکہ حضورِ اکرم ﷺ کی ملکیت مجازی عطائی اور حادِث ہے (یعنی ہمیشہ سے نہیں، بلکہ اللہ کی عطا سے ملی)، نیز حضورِ اکرم ﷺ کے پاس جو کچھ ہے، سب پروَردگارِ عالَم جَلَّ جَلالُہٗ کی خاص مہربانی اور اُسی کی عطا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کے اختیارات وتصرّفات، ایک ایسا موضوع ہے، جس پر عہدِ رسالت سے لے کر عصرِ حاضر تک، اُمّت اسلامیہ کا اتفاق رہا ہے، لیکن آج کچھ لوگوں نے، اپنے ذہن وفکر سے، جب یہ عقیدہ گھڑ کر گیا کہ "نبی بھی عام انسان جیسا ہی ہوتا ہے"، تو اس نے تاجدارِ رسالت ﷺ کے بارے میں، عام انسانوں جیسے اختیارات، اور انہیں جیسی قوّت وتصرّفات کا تصوّر کر لیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے، کہ حضور اکرم ﷺ کے اختیارات وتصرّفات کے ثبوت پر، قرآن عظیم، احادیث نبویہ اور اَسلافِ امّت کے عقائد وافکار میں، دلائل کا ایک سیل رواں موجود ہے۔

اسی طرح سے عالَم جمادات بھی، حضور ﷺ کے تابع ہے۔ اللہ تعالی نے حضور نبیٔ کریم ﷺ کو سب پر قدرت وبلندی، تصرّف واختیار عطا فرمایا، لہذا اسی تناظر میں ہمیں اپنے عقائد وافکار بھی درست رکھنے چاہئیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ "چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضور ﷺ کو عالَم بشریت میں مبعوث کیا، لہذا وہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے"، ہرگز نہیں! بلکہ کُل کائناتِ جن واِنس اور کائنات بشریت ونورانیت میں، ہر شَے حضور ﷺ کے تابع بھی ہے، اور آپ ﷺ کے تصرّف واختیار میں بھی۔ یہ بلکہ ساری کائنات پر، حضور اکرم ﷺ کو حاصل تصرّف کی مثال، نہ کبھی پہلے تھی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی!۔

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اَحکامِ الٰہی کی دو ۲قسمیں ہیں: (۱) **اَحکامِ تکوینیہ** مثل اِحیاء (زندہ کرنا) واِماتت (موت دینا) وقضائے حاجت (بندوں کی حاجت رَوائی کرنا)، ودفعِ مصیبت، وعطائے دَولت ورزق ونعمت، وفتح وشکست وغیرہا کائنات کے بندوبست۔ (۲) دوسرے **اَحکامِ تشریعیہ** کہ کسی فعل کو فرض، یا حرام، یا واجب، یا مکروہ، یا مستحب، یا مُباح کر دینا"۔

مسلمانوں کے سچے دین میں، ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے، کہ غیر خدا کی طرف بروَجہِ ذاتی، اَحکامِ تشریعیہ کی نسبت کرنا بھی شرک ہے، قال الله تعالی: ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾[1] "کیا ان کے لیے خدا کی اُلوہیت (خدائی) میں کچھ شریک ہیں، جنہوں نے ان کے واسطے دین میں دیگر اَور راہیں نکال دی ہیں؟ جن کا خدا نے انہیں حکم نہ دیا!"۔

اور بروَجہِ عطائی، اُمورِ تکوین کی نسبت کرنا بھی شرک نہیں، قال الله تعالی: ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾[2] "قسم اُن مقبول بندوں کی، جو کاروبارِ عالَم کی تدبیر کرتے ہیں!"[3]"۔

اختیاراتِ مصطفیٰ ﷺ قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَ مَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[4] "انہیں کیا بُرا لگا؟ یہی نہ! کہ اللہ ورسول نے انہیں (مسلمانوں کو) اپنے فضل سے غنی کر دیا"۔

(۲) ربِ کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾[5] "کیا ہی اچھا ہوتا، اگر وہ اس پر راضی

---

(۱) پ۲۵، الشُّورى: ۲۱.

(۲) پ۳۰، النازعات: ۵.

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب المناقب والفضائل، رسالہ "منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب" ۱۹/ ۲۲۷، ۲۲۸۔

(٤) پ۱۰، التوبة: ۷٤.

(٥) المرجع نفسه: ٥٩.

ہوتے، جو اللہ و رسول نے انہیں دیا، اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔ ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے!"۔

(۳) ربّ العالمین فرماتا ہے: ﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾[1] "اے حبیب یاد کرو! جب تم فرماتے تھے اُس سے، جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی!"۔

(۴) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ﴾[2] "اور وہ رسول ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا، اور گندی چیزیں ان پر حرام فرمائے گا"۔

(۵) اللہ ﷻ ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾[3] "لڑو اُن سے جو ایمان نہیں لاتے، اللہ پر اور قیامت پر! اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو، جسے حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے!"۔

(۶) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾[4] "اور کسی مسلمان مرد یا مسلمان عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا، کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ حکم فرمادیں، تو انہیں اپنے مُعاملہ کا کچھ اختیار رہے، اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا، وہ یقیناً صریح (واضح) گمراہی میں بہکا"۔

---

(١) پ٢٢، الأحزاب: ٣٧.

(٢) پ٩، الأعراف: ١٥٧.

(٣) پ١٠، التوبة: ٢٩.

(٤) پ٢٢، الأحزاب: ٣٦.

(۷) اللہ عزّوجلّ کا ارشادِ عظیم ہے: ﴿وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ﴾[1] "اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو! اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو!"۔

اختیاراتِ مصطفی ﷺ حدیثِ نبوی کی روشنی میں

اس حوالے سے کتبِ احادیث میں متعدّد احادیث وارد ہیں، لیکن ہم بخوفِ طوالت صرف چند احادیثِ مبارکہ ایسی ذکر کرتے ہیں، جن کا تعلق اَحکامِ شریعت سے ہے، جن میں حضور نبئ کریم ﷺ نے، پوری اُمّت یا کسی فرد کے لیے تخفیف یا رُخصت عنایت فرمائی۔

(۱) "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں ہے، حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبئ معظّم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فبينا أنا نَائِمٌ أُتيتُ بِمفاتِيحِ خزائِنِ الأرض، فَوُضِعَتْ فِي يَدِي»[2] "میں نیند کے عالَم میں تھا، کہ دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں، میرے پاس لائی گئیں، اور وہ میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں"۔

اس کا ظاہری مطلب تو یہ ہے، کہ فارس ورُوم کے بادشاہوں کے خزانے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھ آئے، اور اس کا باطنی مفہوم یہ ہے، کہ اس سے تمام جہان کی، ہر جنس کے خزانے مُراد ہیں، وہ اس طرح کہ سب کا رزق حضورِ اکرم ﷺ کو سپرد کر دیا گیا ہے، اور ظاہر وباطن کی تربیت کی قوّت نبئ مکرّم ﷺ کو عطا کر دی گئی ہے، غیب کی کنجیاں اللہ تعالی کے دستِ قدرت میں ہیں (جسے چاہے غیب پر اطلاع دے، اور جسے چاہے اطلاع نہ دے)، اسی طرح رزق کے خزانوں کی کنجیاں، اور رزق کی تقسیم سرورِ کونین ﷺ کی

---

(۱) پ۲۸، الحشر: ۷.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي ﷺ: «نُصرتُ بالرُّعب مسيرةَ شهرٍ» ر: ۲۹۷۷، صـ۴۹۲. و"صحيح مسلم" كتاب المساجد ومواضع الصّلاة، باب المساجد ومواضع الصّلاة، ر: ۱۱٦۷، صـ۲۱۳.

دسترس میں کردی گئی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «إنّما أنا قاسمٌ، والمُعْطِي هو الله»[1] "میں تقسیم کرتا ہوں، اور اللہ تعالی عطا فرماتا ہے"۔

(۲) "صحیح بخاری" میں ہے، حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: "إنّي أسمَع منكَ حديثاً كثيراً أنسَاه". "میں آپ کے بکثرت فرمان سنتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں"۔ قال: «ابسُطْ رِداءكَ!» "ارشاد فرمایا: اپنی چادر بچھاؤ!"، "فبسَطتُه، قال: فغرف بِيَدَيهِ، ثمّ قال: «ضُمَّه!»". "میں نے اسے بچھا دیا، تو آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر اس میں ڈالی، اور فرمایا، کہ اسے چمٹا لو!"۔ "فضمَمتُه، فما نَسِيتُ شيئاً بَعدَه". "میں نے اسے چمٹا لیا، پھر اس کے بعد کبھی کوئی چیز نہیں بھولا"[2]۔

(۳) "صحیح بخاری" میں حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «أنّ أهلَ مكّة سألُوا رسولَ الله ﷺ أن يُرِيَهم آيةً، فأرَاهم القمرَ شِقّتَين، حتَّى رأَوا حراءً بينهُما»[3] "اہلِ مکّہ نے حضور تاجدارِ رسالت ﷺ سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا، حضور اکرم ﷺ نے انہیں چاند کے دو ۲ ٹکڑے کر کے دکھا دیے، یہاں تک کہ ان لوگوں نے کوہِ حرا کو، چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا"، یعنی چاند کا ایک ٹکڑا کوہِ حرا کے دائیں طرف آ گیا، اور دوسرا ٹکڑا کوہِ حرا کے بائیں طرف۔

(۴) ابن سعد علیہ الرحمۃ حضرت عَمرو بن میمون سے راوی، کہ مشرکین نے حضرت سیّدنا عمّار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کو آگ میں ڈالا، تو حضور نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے، حضور اکرم ﷺ حضرت عمّار کے سر

---

(۱) المرجع نفسه، كتاب العلم، باب مَن يرد اللهُ به خيراً يفقّهه في الدّين، ر: ۷۱، صـ۱۷. و"مدارج النبوۃ" باب ۵ در ذکر فضائل، وصل معجزات مشترکہ بین الانبیاء، جزء اوّل، ص ۱۲۰۔

(۲) "صحيح البخاري" كتاب العلم، باب حفظ العلم، ر: ۱۱۹، صـ۲۵، ۲۶.

(۳) المرجع نفسه، كتاب مناقب الأنصار، باب انشقاق القمر، ر: ۳۸۶۸، صـ۶۴۹.

پر ہاتھ پھیرتے اور یوں فرماتے: «یا نارُ! کُونِي برداً وسلاماً علَی عمّارٍ، کما کُنتِ علَی إبراهیم!»(۱) "اے آگ! عمّار پر ایسی سلامتی والی ٹھنڈی ہو جا، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو گئی تھی"۔ اور وہ آگ ان پر ٹھنڈی سلامت ہو جایا کرتی۔

(۵) حضرت سیّدنا عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، فرمایا کہ حکم بن ابی العاص حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھتا، اور جب حضور تاجدار رسالت ﷺ کلام فرماتے، تو حکم اپنا چہرہ بگاڑتا، (ایک دن) حضور نے اس سے فرمایا: «کُن کذلكَ!» "تو ایسا ہی ہو جا!" تو مرتے دم تک اس کا چہرہ بگڑا رہا(۲)۔

(۶) "موطّا امام مالک"، "مسندِ امام احمد"، "صحیح بخاری"، "صحیح مسلم" "سنن نَسائی" اور "سنن ابن ماجہ" میں حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لولاَ أن أشُقَّ على أمّتِي أوْ علَی النّاسِ، لأمرتُهم بالسِّواكِ معَ كلّ صلاةٍ»(۳) "اگر مجھے اپنی امّت پر مشقّت کا خوف نہ ہوتا، تو میں ان پر ہر نماز کے لیے مسواک لازم قرار دیتا"۔

---

(۱) "الطبقات الكبرى" طبقات البدريين من المهاجرين، الطبقة الأولى ...إلخ، ومن خلفاء بني مخزوم، عمار بن ياسر، ۲/ ۲۱۹. و"الخصائص الكبرى" باب الآية في النّار، ۲/ ۱۳٤.

(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدمين، ر: ٤۲٤۱، ٤/ ۱۵۹۰. [وقال الحاكم]: "هذا حديثٌ صحيحُ الإسناد، ولم يُخرجاه".

(۳) "الموَطّأ" كتاب الطهارة، ما جاء في السّواك، ر: ۱٤۷، صـ٤٤. و"مسند الإمام أحمد" مسند أبي هريرة، ر: ۷۳٤۳، ۳/ ٤۱. و"صحيح البخاري" كتاب الجمعة، باب السِّواك يوم الجمعة، ر: ۸۸۷، صـ۱٤۳. و"صحيح مسلم" كتاب الطهارة، باب السِّواك، ر: ۵۸۹، صـ۱۲۳. و"سنن النَّسائي" كتاب الطهارة، باب الرخصة في السِّواك بالعشي للصائم، ر: ۷، الجزء ۱، صـ۳۰. و"سنن ابن ماجه" كتاب الطهارة وسننها، باب السِّواك، ر: ۲۸۷، صـ۵۸.

(۷) "مسند امام احمد" اور "سنن ترمذی" میں سندِ صحیح کے ساتھ، حضرت سیّدنا زید بن خالد جُہَنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لولا أن أشُقَّ على أمّتي، لأمرتُهم بالسِّواكِ عندَ كلِّ صلاةٍ، ولأَخّرتُ صلاةَ العشاءِ إلى ثُلُثِ اللّيلِ»[۱] "اگر مجھے اپنی امّت پر مشقّت کا خَوف نہ ہوتا، تو میں ان پر ہر نماز کے لیے مسواک لازم قرار دیتا، اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخّر کرتا"۔

(۸) نبئ اکرم ﷺ نے ایک صحابی حضرت خزَیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گواہی کو، دو ۲ شہادتوں کے برابر قرار دیا[۲]۔

(۹) "صحیح بخاری" و "صحیح مسلم" میں ہے، کہ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن زَید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «أنّ إبراهيمَ حرّم مكّةَ ودعا لها، وحرَّمتُ المدينةَ كما حرّم إبراهيمُ مكّةَ، ودَعَوتُ لها في مُدِّهَا وصَاعِهَا، مثلَ ما دعا إبراهيمُ عليه السلام لمكّة»[۳] "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ معظمہ کو حرم بنایا، اور اس کے لیے دعا فرمائی، اور میں نے مدینہ طیّبہ کو حرم کر

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند الشّاميين، حديث زيد بن خالد الجُهني، ر: ۱۷۰۲۹، ۶/ ۵۹.
و"سنن الترمذي" أبواب الطهارة، باب ما جاء في السِّواك، ر: ۲۳، صـ۲۸.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، باب ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ۲۳]، ر: ٤۷۸٤، صـ۸٤۱. و"سنن أبي داود" كتاب القضاء، باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد ...إلخ، ر: ۳۶۰۷، صـ۵۱۸. و"سُنن النَّسائي" كتاب البيوع، باب التسهيل في ترك الإشهاد على البيع، ر: ٤۶۵۶، الجزء ۷، صـ۳۲۲، ۳۲۳.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب البيوع، باب بركة صاع النّبي ﷺ ومدِّه، ر: ۲۱۲۹، صـ۳٤۲.
و"صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فضل المدينة، ودعاء النّبي ﷺ فيها بالبركة، وبيان تحريمها ...إلخ، ر: ۱۳۶۰، صـ۵۷۳.

دیا، جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ کو حرم کیا، اور میں نے مدینہ طیّبہ کے مُد اور صاع (پیمانوں اور اَوزان) میں برکت کی دعا کی ہے، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ مکرّمہ کے لیے دعا کی"۔

(۱۰) صحاح ستّہ میں حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «أنّ النبيَّ ﷺ رخّص لعبد الرّحمن بن عَوف والزبيرِ، في لُبس الحرير؛ لحكّةٍ كانت بهما»[۱] "عبد الرحمن بن عَوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدن میں خشک خارش تھی، لہذا حضور سیّدِ عالَم ﷺ نے، ان دونوں کو ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دے دی"۔

(۱۱) حضرت سیّدنا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- اور حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ "جب حضور نبیٔ کریم ﷺ سے استفسار کیا گیا، کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا، ولو قلتُ: نعم، لَوَجبتْ»[۲] "ہر سال فرض نہیں، اور اگر میں تمھارے سوال کے جواب میں "ہاں" کہہ دیتا، تو ہر سال فرض ہو جاتا، اور پھر تم لوگ اس فرض کی ادائیگی نہ کر پاتے!"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب اللباس، باب ما يرخّص للرجال من الحرير للحكة، ر: ٥٨٣٩، صـ١٠٢٩. و"صحيح مسلم" كتاب اللباس والزينة، باب إباحة لبس الحرير للرجل إذا كان به حكّة أو نحوها، ر: ٥٤٣١، صـ٩٣٠. و"سنن أبي داود" كتاب اللباس، باب في لبس الحرير لعذر، ر: ٤٠٥٦، صـ٥٧٢. و"سنن الترمذي" أبواب اللباس، باب ما جاء [في الرخصة] في لبس الحرير في الحرب، ر: ١٧٢٢، صـ٤١٢. و"سنن النَّسائي" كتاب الزينة، باب الرخصة في لبس الحرير، ر: ٥٣٢٠، الجزء ٨، صـ٢١٣. و"سنن ابن ماجه" كتاب اللباس، باب من رخص له في لبس الحرير، ر: ٣٥٩٢، صـ٦١١.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فرض الحج مرّة في العمر، ر: ٣٢٥٧، صـ٥٦٤. و"سنن الترمذي" أبواب الحج، باب ما جاء كم فرض الحج، ر: ٨١٤، صـ٢٠٣.

(١٢) "صحیح بخاری" و"صحیح مسلم" میں بَراء بن عازِب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ان کے ماموں ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے، نمازِ عیدالاَضحی سے پہلے قربانی کر لی، جب معلوم ہوا کہ یہ قربانی ادا نہ ہوئی، تو عرض کی: یارسولَ اللہ! وہ تو میں کر چکا! اب میرے پاس بکری کا بچہ ہے، عمر اس کی چھ٦ ماہ ہے، مگر سال بھر والے سے اچھا ہے! فرمایا: «اجعلْها مكانَها، ولن تجزيَ عن أحدٍ بعدك»[1] "اس کی قربانی کر لو، مگر تمھارے بعد کسی اَور کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں"۔

(١٣) "صحیح مسلم" میں حضرت سیّدہ اُمِّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ "جب عورتوں کی بیعت پر آیت اُتری، اور اس میں ہر گناہ سے بچنے کی شرط تھی، کہ مُردے پر بَین کر کے رونا چیخنا بھی گناہ تھا، میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! میرے لیے فُلاں خاندان والوں کے حق میں استثناء فرما دیجیے؛ کیونکہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں میرے ساتھ ہو کر، میرے ہاں ایک میّت پر نَوحہ کیا تھا، تو مجھے بھی ان کے ہاں میّت پر نَوحہ میں ان کا ساتھ دینا ضروری ہے! سیّدِ عالَم ﷺ نے انہیں اجازت واستثناء عطا کرتے ہوئے فرمایا: «إلّا آل فُلان»[2] سوا اس قبیلہ کے۔

اختیاراتِ مصطفی ﷺ اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام الربانيّ أحمد بن محمد القَسطلاني رحمه الله تعالى في: "المواهب اللدُنية":

"فهو ﷺ مَوضعُ نفوذِ الأمر، فلا ينفذ أمرٌ إلّا منه، ولا ينقل خيرٌ إلّا عنه".

أَلا بِأبي مَن كان مَلِكاً وَسَيِّدا وَآدَمُ بينَ الماءِ وَالطِّينِ وَاقِفُ

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الأضاحي، باب قول النّبي ﷺ لأبي بردة: «ضحِّ بالجذع من المعز ...إلخ، ر: ٥٥٥٧، صـ٩٨٨. و"صحيح مسلم" كتاب الأضاحي، باب وقتها، ر: ١٩٦١، صـ٨٧٤، ٨٧٥.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الجنائز، باب التشديد في النياحة، ر: ٩٣٦، صـ٣٧٧.

إِذَا رَامَ أمراً لا يكُون خلافهُ وليس لذاك الأمرِ في الكَونِ صَارِفُ[1]

"امام ربّانی احمد بن محمد قَسطلانی رحمہ اللہ "مَواہب" میں فرماتے ہیں کہ "نبئ معظّم ﷺ اَسرار وکمالاتِ الٰہیہ کا خزانہ ہیں، اور اَحکام کو نافذ کرنے کے رُتبہ پر فائز ہیں، ہر حکم حضورِ اکرم ﷺ کے دربار سے نافذ ہوتا ہے، اور سب خیر (نعمتیں) نبئ مکرّم ﷺ کے وسیلے سے ملتی ہے":

"خبردار! میرے ماں باپ قربان نبئ محتشم ﷺ پر! جو بادشاہ اور سردار ہیں، اُس وقت سے جب حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام ابھی پانی ومٹی کے درمیان تھے۔ وہ جس بات کا ارادہ فرمائیں، اس کا خلاف نہیں ہوتا، تمام جہان میں کوئی ان کے حکم کو پھیرنے والا نہیں!"۔

وقال الإمامُ ابن حجر المكّي رحمہ اللہ: "إنّه ﷺ خليفةُ الله الذي جعلَ خزائنَ كرمِه، وموائدَ نعمِه، طوعَ يدَيه، وتحت إرادتِه، يُعطي منهما مَن يشاء، ويمنع مَن يشاء"[2]. "امام ابن حجر مکّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ یقیناً نبئ کریم ﷺ اللہ تعالی کے خلیفہ ہیں، اللہ تعالی نے اپنے کرم کے خزانے، اور اپنی نعمتوں کے خوان، آپ ﷺ کے دستِ قدرت اور زیرِ ارادہ واختیار کر دیے ہیں، کہ جسے چاہیں عطا فرمائیں، اور جس سے چاہیں روک لیں"۔

خلاصۂ کلام

قرآن، حدیث اور اقوالِ علماء کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ اللہ تعالی نے اپنے پیارے حبیب پاک ﷺ کو بطور نائب، اختیارات وتصرّفات کی قوّت عطا فرمائی ہے، جس وقت، جس کو، جہاں کہیں، جو کچھ عطا فرمانا چاہیں، دے سکتے ہیں۔ اس اعتقاد ونظریے کو کفر وشرک وبدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

---

(۱) "المواهب اللدُنية" المقصد ۱، ۱/ ۵٦، ملتقطاً.

(۲) "الجوهر المنظَّم" صـ٤٢.

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ کے دو۲ مفصّل اور مدلّل رسالے ہیں، جن میں آپ نے دلائلِ قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ اللہ تعالی نے نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اختیارات عطا فرمائے ہیں: (۱) "الأمنُ والعُلى لناعتي المصطفى بدافع البلاء"[1]. (۲) "مُنية اللّبيب أنّ التشريعَ بيد الحبيب"[2]. نیز حضرت علّامہ منظور احمد فیضی علیہ الرحمۃ کا رسالہ، (۳) "مختارِ کُل"[3] کا مطالعہ بھی قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ"، ۱۹/۱۳۳تا۲۲۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۱۹/۲۲۱تا۲۹۹، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ قطبِ مدینہ پبلشرز، کراچی۔

(۱۹) استعانت وندائے یارسول اللہ ﷺ

اہلِ سنّت وجماعت کا یہ نظریہ ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کو بلاقیدِ زمان ومکان، ہر وقت ہر جگہ، لفظِ "یا" اور "أيّ" سے پکارنا، ندا کرنا، آپ کی زندگی میں اور بعدِ وصال بھی، دُور سے ندا کرے [پکارے]، یا روضۂ انور پر حاضر ہوکر "یا رسولَ الله، یاحبیبَ الله" کہے، سب جائز ومستحب ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کو ندا کرنا، قرآنِ کریم اور فعلِ ملائکہ وصحابہ سے ثابت ہے۔

استعانت وندائے یارسول اللہ، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تعالی اپنے بندوں کو دعا کرنے کا طریقہ بیان وتعلیم کرتے ہوئے، قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾[۱] "اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں، حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "ایک امر جاننا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ مطلق استعانت بغیر اللہ (غیر اللہ سے مدد مانگنا) حرام نہیں، بلکہ اس طرح حرام ہے، کہ استعانت چاہنے والا، اس غیرُاللہ پر بھروسہ کرے، اور یہ نہ سمجھے کہ اصل حاجت رَوا اللہ تعالی ہے، ہاں یہ غیرُاللہ سببِ ظاہری ہے۔ اگر ایسا اعتقاد کرکے استعانت بغیر اللہ کرے، اور اس غیرِ خدا کو عَونِ الٰہی (مددِ الٰہی) کا مظہر سمجھے، سوایسی استعانت شریعت میں جائز اور رَوا ہے۔ انبیاء اور اولیاء نے بھی اس طرح کی استعانت بغیر اللہ کی ہے، اور حقیقت میں ایسی استعانت "بالغیر" نہیں، بلکہ استعانت باللہ ہے"[۲]۔

(۱) قرآنِ کریم میں حضرت سیّدنا عیسی علیہ السلام کا قول موجود ہے: ﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾[۳] "فرمایا: کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف؟ حواریوں نے کہا: ہم

---

(١) الفاتحة: ٤.

(۲) "فتح العزیز" سورۃ الفاتحہ، ص۲۹۔

(٣) پ٣، آل عمران: ٥٢.

(دینِ) خدا کے مددگار ہیں"۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں، امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "المراد من قوله: ﴿نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ﴾ أي: نحن أنصارُ دينِ الله، وأنصارُ أنبيائه؛ لأنّ نُصرةَ الله تعالى في الحقيقةِ مُحالٌ"[1]. "حواریوں کا یہ کہنا کہ "ہم اللہ تعالی کے مددگار ہیں"، اس سے مراد یہ ہے کہ "ہم اللہ تعالی کے دین اور اس کے انبیاء کے مددگار ہیں"؛ کیونکہ حقیقت میں اللہ تعالی کی مدد کرنا ممکن نہیں"۔

(۲) اللہ تبارک وتعالی کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰى﴾[2] "نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو"۔ یہ آیتِ کریمہ بالکل واضح ہے، اس میں بھلائی اور اچھے کاموں پر، ایک دوسرے کی مدد کا حکم دیا گیا ہے۔

(۳) ربِ کریم کا ارشادِ عظیم ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ﴾[3] "اے ایمان والو! اگر تم دینِ خدا کی مدد کرو گے، تو اللہ تعالی تمھاری مدد فرمائے گا، اور تمھارے قدم جما دے گا"۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام نَسَفی فرماتے ہیں: "أي: دينَ الله ورسولَه"[4] "اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرو!"۔

(۴) اللہ تبارک وتعالی حضرت ذوالقرنین کا قول حکایت فرماتا ہے: ﴿قَالَ مَا مَكَّنِّیۡ فِیۡهِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّةٍ﴾[5] "فرمایا: وہ جس پر مجھے میرے رب تعالی نے قابو دیا ہے بہتر ہے، تو میری مدد طاقت سے کرو!"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے آہنی دیوار بناتے وقت، لوگوں سے مدد طلب فرمائی، جیسا کہ امام بَغَوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "قال لهم ذُو القَرنَين: ما

---

(۱) "التفسير الكبير" آل عمران: تحت الآية: ۵۲، ۳/ ۲۳٤.

(۲) پ٦، المائدة: ۲.

(۳) پ۲٦، محمد: ۷.

(٤) "مدارك التنزيل" محمد: تحت الآية: ۷، ۲/ ۵٦۳.

(۵) پ۱٦، الكهف: ۹۵.

قوَاني عليه ربِّي خيرٌ من جعلِكم، فأعينُوني بقوَّةٍ! معناه: إنّي لا أُرِيدُ المالَ، بل أعينُوني بأبدانِكم وقوَتِكُم"[1]. "حضرت ذوالقرنین نے ان لوگوں سے فرمایا، کہ جس چیز پر مجھے میرے رب تعالی نے قابو دیا ہے، وہ زیادہ بہتر ہے، تو میری مدد طاقت سے کرو!۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے، کہ میں تم سے مال نہیں مانگتا، بلکہ تم اپنی جسمانی قوّت سے میری مدد کرو!"۔

(۵) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾[2] "تو یقیناً اللہ تعالی ان کا مددگار ہے، اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں"۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں، امام ابوالبرکات حافظ الدّین نَسَفی فرماتے ہیں: "﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ﴾ وليُّه وناصرُه، وزيادةُ إيذان بأنّه يتولّى ذلك بذاته ﴿وَ جِبْرِيْلُ﴾ أيضاً وليُّه ﴿وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ومَن صلح من المؤمنين، ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ بَعْدَ نصرةِ الله وجبريل وصالحِي المؤمنين ﴿ظَهِيْرٌ﴾"[3] "اللہ تعالی ان کا ولی اور مددگار ہے، اور اعلان فرمایا کہ وہ بذاتِ خود اُن کا مددگار ہے، اور جبریل بھی ان کے ولی ومددگار ہیں، اور نیک وصالح مؤمن بھی مددگار ہیں، اور اللہ تعالی اور جبریل ونیک وصالح مؤمنین کے بعد، فرشتے بھی مددگار ہیں"۔

استعانت ونِدائے یارسول اللہ، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں، کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں، کہ اللہ تعالی مجھے شفاء عطا فرمائے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر چاہو تو میں دعا کردوں، اور چاہو تو صبر کرو، اور صبر تمھارے لیے بہتر ہے"۔ اس نے عرض کی کہ آپ دعا فرما دیجیے! حضور اکرم ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا، کہ وضو کرکے دو۲ رکعت نماز

(١) "معالم التنزيل" الكهف: تحت الآية: ٩٥، ٣/ ١٨٢.

(٢) پ٢٨، التحريم: ٤.

(٣) "مدارك التنزيل" التحريم: تحت الآية: ٤، ٢/ ٧٠١.

پڑھو، اور پھر اس طرح دعا کرو: «اللّهمّ إنّي أسألُك، وأتوجّه إليكَ بمحمدٍ نبيِّ الرّحمةِ، يا محمدُ إنّي قد توجّهتُ بكَ إلَى ربِّي في حاجتِي هذه لتُقضَى، اللّهمّ فشفِّعْهُ فيَّ»[1] "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں، اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں، بوسیلہ (تیرے نبی) محمد ﷺ کے، جو رحمت والے مہربان نبی ہیں! یارسولَ اللہ ﷺ میں آپ کے وسیلے سے، اپنے رب تعالی کی طرف اس حاجت کے لیے متوجہ ہوں؛ تاکہ میری حاجت روائی ہو! الٰہی حضور کی شَفاعت میرے حق میں قبول فرما!"۔

اس حدیث پاک کو مختلف الفاظ کے ساتھ، دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے، مثلاً "سنن ترمذی"، "مستدرَک حاکم"، "معجم کبیر" وغیرہ۔

(۲) حضرت سیّدنا عبدالرحمن بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کا پیر سُن ہوگیا، توکسی نے کہا کہ انہیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے یوں پکارا: «يَا مُحَمَّداه!» یارسولَ اللہ! تو فوراً ان کا پیر ٹھیک ہوگیا"[2]۔

استعانت ونداءِ یارسول اللہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام الائمہ حضرت سیّدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، اپنے شہرۂ آفاق نعتیہ منظوم کلام "قصیدۂ نعمانیہ" میں، حضور تاجدارِ کائنات ﷺ سے توسّل واستمداد کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: ع

يَا مَالِكِي كُن شَافِعِي فِي فَاقَتِي إِنِّي فَقِيرٌ فِي الوَرٰى لِغِنَاكَا

يَا أَكرَمَ الثَّقَلَينِ يَا كَنزَ الغِنٰى جُدْ لِي بجُودكَ وارضني برِضاكا

---

(۱) "سنن ابن ماجه" كتاب إقامة الصّلاة والسّنة فيها، باب ما جاء في صلاة الحاجة، ر: ۱۳۸۵، صـ۲۳۳.

(۲) "عمل اليوم والليلة" لابن السُنّي، باب ما يقول إذا خدرت رجله، ر: ۱٦۸، صـ٤۸.

و"الأدب المفرَد" باب ما يقول الرجل إذا خدرت رجله، ر: ۹۹۰، صـ۲۱۷.

أنا طامِعٌ بالجُود مِنكَ ولم يكُن لأبي حنيفةَ في الأنام سِواكا[1]

(۱) "اے میرے مالک! آپ میری حاجت میں میری شَفاعت فرمائیے! میں فقیر ہوں ساری مخلوق میں، اور آپ کے غنا کا منتظر ہوں۔

(۲) جن واِنس میں سب سے زیادہ کرم کرنے والے اے کریم! اے مخزنِ سخاوت! مجھے اپنی سخاوت کا وافر حصہ عطا کیجیے، اور اپنی رِضا سے مجھے بھی خوش کردیجیے!۔

(۳) یارسولَ اللہ! میں آپ کے جُود وعطا کا امیدوار ہوں، اور مخلوق میں آپ کے سِوا ابوحنیفہ کا کوئی نہیں"۔

حضرتِ شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ "اَخبار الاَخیار" میں، حضرتِ سیّدنا شیخ بہاء الدّین بن ابراہیم شطاری حسینی رضی اللہ عنہ کے رسالۂ مبارکہ "شطاریہ" سے نقل فرماتے ہیں، کہ "کشفِ اَرواح کے ذکر "یااحمد" و"یامحمد" میں دو ۲ طریقے ہیں: (۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ "یااحمد" دائیں طرف اور "یامحمد" بائیں طرف سے کہتے ہوئے، دل پر "یارسولَ اللہ" کی ضرب لگائے۔ (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ "یااحمد" دائیں طرف اور "یامحمد" بائیں طرف سے کہتے ہوئے، دل میں "یامصطفی" کا خیال جمائے[2]۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ "أطيَب النَّغم في مدح سيِّد العرَب والعجم" میں لکھتے ہیں: ع

وصلَّى عليكَ اللهُ يا خيرَ خَلقِه ويا خيرَ مأمولٍ ويا خيرَ واهب

ويا خيرَ مَن يُرجَى لكشفِ رزيّة ومَن جُودُه قد فاقَ جُودَ السَّحائب

---

(۱) "المستطرف في كلّ فنّ مستظرف" الباب ٤٢ في المدح والثناء وشكر النعمة والمكافأة، الفصل ١ في المدح والثناء، صـ٢٤٢، ٢٤٣.

(۲) "اخبار الاخیار" شیخ بہاء الدین، ص:۱۹۹۔

وأنت مجيري من هُجوم ملمّة　　إذا انشبت في القلب شرّ المخالب[1]

"اے خلقِ خدا میں سب سے بہترین ذات! آپ ﷺ پر اللہ تعالی کی رحمت ہو! اے وہ بہترین شخص جن سے امید لگائی جاتی ہے! اے بہترین عطا کرنے والے! اے وہ بہترین شخص کہ مصیبت دُور کرنے میں جن سے امید رکھی جاتی ہے! جن کی سخاوت بارش پر بھی فوقیت رکھتی ہے! آپ ہی مجھے مصیبتوں کے ہجوم سے پناہ دلانے والے ہیں! جب وہ میرے دل میں بدترین پنجے گاڑ لیتی ہیں"۔

فائدہ: حضور سیّدِ عالَم ﷺ کو ندا کرنے کے عمدہ دلائل میں سے "التحیات" بھی ہے، جسے ہر نمازی قعدہ میں پڑھتا ہے، اور اپنے کریم آقا ﷺ پر یوں سلام عرض کرتا ہے: "اَلسَّلاَمُ عَلَيكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحمَةُ الله وَبَرَكَاتُه"، "اے نبی ﷺ آپ پر سلامتی ہو! اور آپ پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں!"۔

"فتاوی عالمگیری" میں ہے: "ولابُدّ من أن يقصدَ بألفاظِ التّشهُّدِ معانِيها، الّتي وُضِعتْ لها من عندِه، كأنّه يُحيّي اللهَ ويسلّم على النّبيّ وعلَى نفسِه وأولياءِ الله تعالى"[2]. "نمازی تشہد (یعنی التحیات) کے الفاظ سے، اپنی طرف سے وہی معنی مراد لے، جن کے لیے ان الفاظ کو وجود میں لایا گیا ہے، گویا کہ نمازی اللہ تعالی کی بارگاہ میں، نذرانۂ عبادت پیش کر رہا ہے، اور نبیِ کریم ﷺ پر، خود اپنی ذات پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے"۔

"تنویر الاَبصار" اور اس کی شرح "دُرِ مختار" میں ہے: "(ويقصد بألفاظِ التّشهّدِ) معانِيها، مرادةً له على وجه (الإنشاء)، كأنّه يحيّي اللهَ تعالى ويسلِّم علَى نبيّه وعلَى نفسِه وأوليائِه، (لا الإخبار) عن ذلك، ذكره في "المجتبى""[3]. "الفاظِ تشہد سے اُن کے

(۱) "أطيَب النغم" صـ۲۲.

(۲) "الفتاوى الهندية" كتاب الصّلاة، الباب ٤ في صفة الصّلاة، الفصل ٢ في واجبات الصّلاة، ١/ ٧٢.

(۳) "الدر المختار" كتاب الصّلاة، باب واجبات الصّلاة، ٣/ ٣٦٤، ٣٦٥.

مَعانیٔ مقصودہ کا بطورِ انشاء قصد کرے، گویا کہ وہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اظہارِ بندگی کر رہا ہے، اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ، خود اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے۔ ان الفاظ سے حکایت وخبر کا قصد نہ کرے۔ اسے "مجتبی" میں بھی ذکر کیا ہے"۔

علّامہ حَسن شُرُنبُلالی رحمہ اللہ "مَراقی الفلاح شرح نور الایضاح" میں فرماتے ہیں: "فيقصِدُ المصلّي إنشاءَ هذه الألفاظِ، مرادةً له، قاصداً معناها المَوضُوعَةَ له من عندِه"[1]. "نمازی معنیٔ مقصود کا قصد کرے، اس طور پر کہ نمازی اپنی طرف سے دعا اور سلام پیش کر رہا ہے"۔

خلاصۂ کلام

اللہ عزّوجلّ کی عطا سے، اس کے انبیاء، اولیاء اور صالحین، اس کے بندوں کی مدد و اِعانت کرتے ہیں، لہذا انبیاء واولیاء وصالحین کو، اللہ تعالی کی مدد کا مظہر جان کر، ان سے استغاثہ کرنا، اور انہیں مدد کے لیے پکارنا جائز ہے، یہ شرک نہیں، یہی مسلک سلَف صالحین کا ہے۔ اس اعتقاد ونظریہ کو کفر وشرک سمجھنا سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام محمد بن موسی مُرّاکشی (ت ۶۸۳) کی کتاب (۱) "مصباح الظلام في المستغيثين بخير الأنام عليه السلام في اليقظة والمَنام"[2]، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ کا مفصّل اور مدلّل رسالہ، جس میں آپ نے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ نبیٔ کریم ﷺ کو حرفِ "یا" سے ندا کرنا جائز ہے، رسالے کا نام ہے: (۲) "أنوار الانتباه في حلّ نداء يا رسول الله"[3]، علّامہ محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمۃ، خلیفۂ اعلی حضرت کا رسالہ (۳) "كشف الغطا

---

(۱) "مَراقي الفلاح" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة وأركانها، فصل في كيفية تركيب الصّلاة، صـ۱۰٦.

(۲) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) "فتاوی رضویہ" ۱۸/۲/۷۳۳ تا ۳۸٦، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

عن مسألة النداء"[۱]، استادِ مَن حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنّان اعظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "نداۓ یا رسول اللہ"[۲]، اور استادِ مَن حضرت علّامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "پکارو یارسول اللہ"[۳] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ عالمگیر پریس، لاہور۔

(۲) مطبوعہ حق اکیڈمی، مبارکپور۔

(۳) مطبوعہ صفہ فاؤنڈیشن لاہور۔ ترجمہ اردو: "مصباح الظلام"۔

(۲۰) اِستِغاثہ واِستعانت بغیر اللہ (غیراللہ سے مدد مانگنا)

قرآن وحدیث میں کہیں بھی، انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے، مدد مانگنے کی ممانعت نہیں فرمائی، پھر بھی تشفیٔ قلب کے لیے کچھ آیات واحادیث پیشِ خدمت ہیں، جن سے انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مدد مانگنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر اس سے پہلے دو ۲ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے، ان شاء اللہ تعالی بہت سے شُبہات ووَساوِس دفع ہوجائیں گے، اور یہ اصول بہت جگہ کارآمد رہے گا:

فائدۂ ضروریّہ

امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "نظر بغیر، جب بالذات نظر بغیر ہو، تو "نظر بغیر اللہ" ہے، بلکہ حقیقۃً معنی بالذات مقصود ومراد ہوں، توقطعاً شرک وکفر ہے"[1]۔ یعنی غیر خدا کو مُعین ومددگار ماننا، اس طرح کہ حقیقت میں وہی مُعین ومددگار ہے، یہ "نظر بغیر" کہلاتا ہے۔

یا یوں سمجھیں کہ اللہ عزّوجلّ کے سوا، کسی سے مدد مانگنا "نظر بغیر" ہے، چنانچہ اگر یہ عقیدہ رکھے کہ غیر ہی بِالذّات (یعنی اللہ کی عطا کے بغیر) از خود دینے والا ہے، تو یہ عقیدہ یقینی طور پر کفر وشرک ہے۔ ہاں البتہ اللہ تعالی کے نیک بندوں سے تَوسُّل، یعنی اللہ تعالی کی بارگاہ میں انہیں اپنا وسیلہ بنانا، یہ "نظر بغیر" ہے ہی نہیں[2]۔ اللہ عزّوجلّ کے نیک بندوں کو اپنی حاجت روائی کے لیے وسیلہ بنانا، در حقیقت اللہ تعالی ہی سے مانگنا ہے، نہ کہ کسی اَور سے[3]۔

---

(۱) "ذیل المدعا لاحسن الوعا" فصل دُوم آداب دعا واسباب اجابت میں، ص ۶۵۔

(۲) ایضًا۔

(۳) ایضًا۔

(۱) پہلی بات یہ یاد رکھیے، کہ شرک ہر حال میں شرک ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی چیز حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کے زمانۂ مبارکہ میں تو شرک تھی، مگر آج وہ شِرک نہ رہے، یا کوئی بات اُن کے دَور میں شرک نہیں تھی، مگر آج آکر وہ بات شرک ہو جائے۔

(۲) دوسری بات کہ یہ بھی ممکن نہیں، کہ ایک کام جس کا تعلق اگر زندہ کے ساتھ ہو، تو وہ شرک نہ ہو، اور اگر وہی کام مُردہ سے متعلق ہو جائے تو شرک ٹھہرے؛ کیونکہ جس طرح زندہ خدا کا شریک نہیں ہو سکتا، اسی طرح مُردہ بھی اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا۔

عقیدہ: اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے، کہ دینے والی ذات اللہ کریم ہی کی ہے، اگر وہ نہ چاہے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا، لیکن وہ جسے چاہے جتنا چاہے عطا کرے، اور اللہ تعالی ہی کی عطا سے، انبیائے کرام اور اولیائے عظام اُسی کی نعمتیں، جسے چاہیں جس قدر چاہیں تقسیم کر سکتے ہیں، اور جب وہ تقسیم کرتے ہیں تو ان سے مانگنا بھی جائز ہے۔

مزید یہ کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا فرض یا واجب نہیں، اور نہ یہ کہ جو غیر اللہ سے نہ مانگے وہ گنہگار ہے، بلکہ یہ ایک جائز فعل ہے۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) ربّ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ﴾[1] "نماز اور صبر سے مدد مانگو"۔ کیا صبر خدا ہے جس سے مدد مانگنے کا حکم ہے؟ ہرگز نہیں! کیا نماز خدا ہے جس سے مدد لینے کو ارشاد فرمایا گیا؟ ہرگز نہیں!۔

(۲) پھر فرمایا: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾[2] "نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو!"۔ اگر غیر خدا سے مدد لینا شرک ہوتا، تو کیا ہمارا ربّ تعالی ہمیں شرک کا حکم دیتا ہے؟ والعیاذ باللہ!!۔

---

(۱) پ۱، البقرة: ٤٥.

(۲) پ٦، المائدة: ٢.

(۳) نیز فرمایا: ﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾[1] "عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف؟ حواریوں نے کہا، کہ ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں!"۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) تاجدارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے "اِستغاثہ" یعنی مدد طلب کریں گے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، اور پھر خاتم المرسَلین حضرت سیّدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کریں گے"۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں: «استغاثُوا بِآدمَ، ثمَ بِموسی، ثمَ بمحمَدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!»[2].

(۲) حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ میں رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا، آپ کے استنجاء اور وضو کے لیے پانی لایا کرتا، ایک بار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «سَلْ» مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کی: جنّت میں آپ کی رَفاقت مانگتا ہوں! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَوَ غيرَ ذلك؟»[3] اس کے علاوہ اَور کچھ؟ میں نے کہا: مجھے یہی کافی ہے۔

جنّت تو اللہ تعالی کی ہے، پھر صحابی اسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیوں مانگ رہے ہیں؟ اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی نعمتیں اللہ کی عطا سے تقسیم فرماتے ہیں!۔

(۳) حضرت سیّدنا عتبہ بن غزوان روایت کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إذا أضلّ أحدُكم شيئاً، أو أراد أحدُكم عَوناً، وهو بأرضٍ ليس بها أنِيسٌ، فليقلْ: يا عبادَ الله أغيثوني! يا عبادَ الله أغيثوني!؛ فإنّ لله عباداً لا نراهم»[4] "جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۵۲.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلمُ المسلمَ ولا سلّمه، ر: ۲۴۴۲، صـ۳۹۴.

(۳) "صحيح مسلم" كتاب الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، ر: ۱۰۹۴، صـ۲۰۲.

(۴) "المعجم الكبير" ما أسند عتبه بن غزوان، ر:۱۷، ۲۹۰/ ۱۱۷، ۱۱۸.

گم ہو جائے، یا راہ بھٹک جائے، اور مدد چاہے، تو یُوں پکارے: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو! اے اللہ کے بندو میری مدد کرو!؛ کہ اللہ تعالی کے کچھ بندے ہیں، جنہیں ہم نہیں دیکھتے، وہ آکر مدد کریں گے "۔

(۴) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إذا انْفلتتْ دابّةُ أحدِكم بأرضٍ فلاةٍ، فليناد: يا عبادَ الله احبسوا! يا عبادَ الله احبسوا!؛ فإنّ لله عزّ وجلّ حاضراً في الأرض سيحبِسه»[1] "جب تم میں سے کسی کی سواری بے آباد زمین میں چھوٹ کر بھاگ جائے، تو اسے چاہیے کہ اس طرح ندا کرے (یعنی صدا لگائے): اے اللہ کے بندو اسے پکڑو!؛ کیونکہ اللہ عزّوجلّ کے حکم سے ہر زمین میں اس کا بندہ موجود ہے، جو جلد اسے پکڑ لے گا"۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام تقی الدّین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولا يقصد النّاسُ بسؤالهم ذلك، إلّا كَونَ النّبي صلى الله عليه وسلم سبباً وشافعاً، وليس المرادُ نسبةَ النّبي صلى الله عليه وسلم إلى الخَلق والاستقلال بالأفعال! هذا لا يقصده مسلمٌ، فصَرفُ الكلام إليه ومنعُه، من باب التلبيس في الدّين، والتشويش على عوام الموحِّدين"[2]. "نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں، کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق اور فاعلِ مستقل ٹھہراتے ہوں، اور نہ کوئی مسلمان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خالق اور فاعلِ مستقل جانتا ہے، لہٰذا جان بُوجھ کر مسلمان کے کلام کو، اس شرکیہ معنی پر ڈھال کر، مدد مانگنے سے منع کرنا، دین میں مُغالطہ دینا، اور عام مسلمانوں کو پریشان کرنا ہے"۔

امام ابنِ حجر مکّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "التوجّهُ والاستغاثةُ به صلى الله عليه وسلم وبغيره، ليس لهما معنى في قلوب المسلمين غير ذلك، ولا يقصد بهما أحدٌ منهم سِواه، فمَن لم ينشرح صدرُه

---

(۱) "مسند أبي يعلى" مسند عبد الله بن مسعود، ر: ٥٢٦٦، ٤/ ٢٣٣. و"عمل اليوم والليلة" لابن السُنّي، باب ما يقول إذا انفلتت دابته، ر: ٥٠٨، صـ١٢٩.

(۲) "شفاء السّقام في زيارة خير الأنام" صـ١٧٥، ملتقطاً.

لذلك فليَبكِ على نفسه، نسأل اللهَ العافيةَ! والمستغاثُ به في الحقيقة هو اللهُ، والنبيُّ ﷺ واسطةٌ بينه وبين المستغيث، فهو ﷻ مستغاثٌ به والغوثُ منه خَلقاً وإيجاداً، والنبيُّ مستغاثٌ والغوثُ منه سبباً وكسباً"[۱].

"رسول اللہ ﷺ یا کسی اَور نبی یا ولی سے توجہ واستغاثہ کا معنی، مسلمانوں کے دلوں میں سِوائے اس کے کچھ نہیں (جو معنی پیچھے امام سبکی کے کلام میں گزرے)، اور نہ ہی کوئی مسلمان اس معنی کے علاوہ کسی اَور معنی کا قصد کرتا ہے، جس کی سمجھ میں یہ معنی نہ آئیں، اسے چاہیے کہ خود اپنے آپ پر روئے! ہم اللہ تعالی سے عافیت کی دعا کرتے ہیں!۔ حقیقت میں آپ ﷺ سے استغاثہ واستعانت کرنے والا، اللہ تعالی ہی سے مدد مانگتا ہے، نبئ اکرم ﷺ تو درمیان میں واسطہ ووسیلہ ہیں، حقیقت میں مدد فرمانے والا صرف اللہ تعالی ہی ہے۔ اللہ تعالی مدد فرماتا ہے، تخلیق وایجاد کے اعتبار سے، اور نبئ کریم ﷺ مدد فرماتے ہیں، سبب وکسب کے اعتبار سے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن، حدیث اور اقوالِ علمائے کِرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء اللہ کو، اللہ تعالی کی بارگاہ میں وسیلہ، واسطہ اور سفارش سمجھ کر، ان سے مدد مانگنا جائز ہے۔ ہر مسلمان کا عقیدہ یہی ہے، کہ حقیقی مدد صرف رب تعالی کی طرف سے ہے، یہ مقدّس حضرات اپنے رب عزّوجلّ کی عطا سے، لوگوں کی مدد فرماتے ہیں، انبیاء اور اولیاء، اللہ تعالی کی اِمداد کے مَظہر ہیں۔ اس اعتقاد ونظریہ کو کفر وشرک وبدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، علّامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمۃ کی کتاب (ا) "شواهد الحقّ في الاستغاثة بسيّد الخَلق"[۲]، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ کا رسالہ

---

(۱) "الجوهر المنظَّم" صـ۶۲. انظر للمزيد: "شَواهد الحقّ في الاستغاثة بسيّد الخَلق" للإمام يوسف بن إسماعيل النَّبهاني.

(۲) مطبوعہ مرکز اہل سنّت برکاتِ رضا، گجرات ہند۔

(۲) "الأمن والعُلی لناعتِي المصطفی بدافع البلاء"[1]، (۳) "برکات الإمداد لأهل الاستمداد"[2] (اس رسالہ میں آپ نے، مسئلۂ استعانت واستمداد بغیر اللہ کو، دو ۲ آیتوں اور تینتیس ۳۳ احادیث مبارکہ سے ثابت کیا ہے)، غزالیٔ زماں، رازیٔ دَوراں علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "عبادت واستعانت"[3]، حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "علم القرآن"[4] اور حضرت علّامہ مفتی محمد الیاس رضوی صاحب حفظہ اللہ تعالی کا رسالہ (٦) "حقیقتِ استعانت"[5] کا مطالعہ، قارئین کے لیے بہت مفید ہے۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۱۹/۳۳۳تا۳۰۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۱۷/۱۹۷تا۲۲۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ جمعیت اشاعت اہل سنّت، کراچی۔

(۴) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵) مطبوعہ ادارہ الفکر فاؤنڈیشن، کراچی۔

(۲۱) وسیلہ (توسُّل کا بیان)

وسیلہ کے معنی: ذریعہ، واسطہ، سبب، حمایت اور مدد کے ہیں۔ قرآن، حدیث اور اقوال علمائے کرام سے، توسُّل ایک ثابت شدہ امر ہے، جس کے انکار کا تصوّر کوئی صحیح العقیدہ مسلمان نہیں کر سکتا۔ وسیلہ در حقیقت بندے کا اللہ تعالی کی بارگاہ میں، اپنی دعا کی قبولیت اور طلبِ حاجت کی خاطر، کسی مقبول عمل یا مقرّب بندے کا واسطہ پیش کرنا ہے؛ تاکہ بندۂ گنہگار کی دعا جلد قبول ہو، اور اللہ رب العزّت اپنے اُس مقرّب بندے کی برکت سے، اِس کی حاجت پوری فرمادے۔

وسیلہ (توسُّل) قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾[1] "اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے، کافروں پر فتح مانگتے تھے، توجب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا، تواُس سے انکاری ہو بیٹھے، تواللہ کی لعنت ہے انکار کرنے والوں پر!"۔

(۲) ربّ کریم کا ارشاد ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾[2] "وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں، وہ آپ ہی اپنے رب تعالی کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، کہ ان میں کون زیادہ مقرّب ہے! اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تمھارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے!"۔

---

(۱) پ۱، البقرة: ۸۹.

(۲) پ۱۵، الإسراء: ۵۷.

(۳) ارشاد باری تعالی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ﴾[1] "اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو!"۔

(۴) ارشاد فرمایا: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا﴾[2] "جب وہ اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کریں، تو اے حبیب تمھارے بارگاہ میں حاضر ہوں! اور پھر اللہ تعالی سے مُعافی چاہیں، اور رسول ان کی شَفاعت فرمائے، تو ضرور اللہ تعالی کو خوب تَوبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے!"۔

وسیلہ (توسُّل) حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) امام حاکم "مستدرَک" میں، اور امام بَیہقی "دلائل النبوّۃ" میں، حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «لما اقترف آدمُ الخطيئةَ، قال: يا ربِّ أسألكَ بحقِّ محمدٍ لما غفرتَ لي! فقال اللهُ ﷻ: يا آدمُ! وكيف عرفتَ محمداً ولم أخْلُقْه؟ قال: لأنّك يا ربِّ! لمّا خلقتَني بيدكَ ونفختَ فيَّ من روحِك، رفعتُ رأسي فرأيتُ على قوائمِ العرشِ مكتوباً: "لا إله إلّا اللهُ محمدٌ رسولُ الله" فعلمتُ أنّك لم تُضِف إلى اسمِك إلّا أحبَّ الخَلقِ إليك، فقال الله ﷻ: صدقتَ يا آدمُ! إنّه لأحبُّ الخَلقِ إليَّ، وإذْ سألتَني بحقِّه فقد غفرتُ لك، ولولا محمدٌ ما خلقتُكَ!»[3].

---

(۱) پ٦، المائدة: ٣٥.

(۲) پ٥، النساء: ٦٤.

(۳) "دلائل النبوّة" جُماع أبواب وفود العرب إلى رسول الله ﷺ، باب ما جاء في تحدث رسول الله ﷺ بنعمة ...إلخ، ٥/ ٤٨٨، ٤٨٩. "مستدرك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدمين، ر: ٤٢٢٨، ٤/ ١٥٨٣. قال الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحُ الإسناد".

"جب حضرت آدم علیہ السلام نے شجرِ ممنوع کا پھل کھالیا (اور دنیا میں اُتار دیے گئے)، پھر انہوں نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کی: اے پروردگار! میں تجھ سے حضرت محمد کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں، میری مغفرت فرما! اللہ تعالی نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچانا، حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں تخلیق نہیں کیا؟! حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: یارب! جب تُو نے اپنے دستِ قدرت سے مجھے تخلیق کیا، اور اپنی طرف سے مجھ میں رُوح پُھونکی، تو میں نے اپنا سَر اُٹھا کر دیکھا تو عرش کے سُتونوں پر "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ الله" لکھا دیکھا، تو میں نے جان لیا کہ تیرے نام سے ملا ہوا نام اسی کا ہوسکتا ہے، جو تمام مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ پیارا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: اے آدم تُو نے سچ کہا! مجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہی ہے، اور جب تم نے اُس کے وسیلے سے مجھ سے مانگا ہے، تو میں نے تمہیں بخش دیا! اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے بھی تخلیق نہ کرتا!"۔

بہت سے علمائے ذی وقار، مفسّرین اور محدثینِ کرام نے اپنی اپنی کتب میں، اس واقعہ کو اور ان کلماتِ توسّل کو بیان کیا ہے۔ امام احمد بن محمد قَسطلانی رحمہ اللہ نے "مَواہبِ لَدُنیہ" میں اسے ذکر کیا، اور امام زرقانی علیہ الرحمۃ نے اس کی شرح[1] میں اس کی تصدیق کی۔

امام ابن جَوزی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "الوفا بأحوال المصطفى"[2] میں اسے بیان کیا۔ امام بَیہقی علیہ الرحمۃ نے بھی "دلائل النبوّة" میں اسے ذکر کیا۔ اشرف علی تھانوی (دیوبندی وہابی) نے "نشر الطِیب"[3] کی دوسری فصل کا آغاز ہی اس روایت سے کیا ہے۔

---

(۱) "شرح الزرقاني على المواهب" المقصد الأوّل: في تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسّلام، ۱/ ۱۱۹، ۱۲۰.

(۲) "الوفاء بأحوال المصطفى" الباب الأوّل في ذكر التنويه بذكر نبيّنا محمد ﷺ مِن زمنِ آدم عليه السلام، ۱/ ۶۷، ۶۸.

(۳) "نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب" دوسری فصل، ص۱۰، ۱۱۔

(۲) "مستدرَکِ حاکم" میں حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ "خیبر کے یہود غطفان قبیلے سے برسرِ پیکار رہا کرتے تھے، جب دونوں کا آمنا سامنا ہوا، تو یہودی شکست کھا گئے، پھر انہوں نے یہ دعا پڑھتے ہوئے دوبارہ حملہ کیا: "الٰہی! ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں، کہ اُس نبیٔ اُمّی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما! جنہیں تُو نے آخری زمانہ میں ہمارے لیے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے"۔ حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں کہ "جب بھی وہ دشمن کے سامنے آئے، توانہوں نے یہی دعا پڑھی، اور غطفان قبیلہ کو شکست دی، لیکن جب نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مبعوث ہوئے، توانہوں نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا انکار کر دیا، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ ﴾[(۱)] "اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے"، یعنی اے حبیب! آپ کے وسیلہ سے یہ لوگ فتح کی دعا کیا کرتے تھے"[(۲)]۔

وفاتِ ظاہری کے بعد بھی توسّل (وسیلہ) جائز ہے

(۳) امام طَبرانی حضرت سیّدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ "ایک شخص اپنی کسی غرض وحاجت سے، بار بار حضرت امیر المؤمنین سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آتا جاتا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ اس کی طرف نہ توجہ کرتے، نہ اس کی حاجت پر غور فرماتے، اس کی ملاقات حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوئی، تواُن سے اس بات کی شکایت کی، حضرت سیّدنا عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: "ائْتِ الميضأَةَ فتوضّأْ، ثمّ ائتِ المسجدَ فصلِّ فيه ركعتَين، ثمّ قُل: "اللّهمَّ إنّي أسألكَ وأتوجَّهُ إليكَ بنبيِّنا محمّدٍ صلى الله تعالى عليه وسلم نبيِّ الرَّحمةِ، يا محمّدُ! إنّي أتوجَّه بك إلى ربِّي فتَقْضِي لِيْ حاجتي" وتذكُر حاجتَك".

"وضو کی جگہ جاکر وضو کرو، اور مسجد جاکر دو ۲ رکعت نماز (نفل) پڑھ کر، یہ کلمات کہو: "اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں، اور تیری طرف تیرے پیارے نبی محمد نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ

---

(۱) پ۱، البقرة: ۸۹.

(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب التفسير، ر: ۳۰٤۲، ۳/ ۱۱٤۲.

ہوتا ہوں، یارسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے، اپنے رب تعالی کی بارگاہ میں متوجہ ہوں؛ کہ میری یہ حاجت پوری فرمادے"، پھر اپنی حاجت ذکر کرو!"۔

وہ شخص چلا گیا، اور جو کچھ اس سے کہا گیا تھا اس نے ویسے ہی کیا، اس کے بعد جب وہ حضرت سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالی عنہ کے دربار میں آیا، تو دربان نے آکر ہاتھ پکڑا، اور حضرت سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچا دیا، حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا: "حاجتكَ؟"، "تمھاری کیا حاجت ہے؟" اس نے اپنی حاجت بیان کی، توامیر المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کی حاجت پوری کر دی، پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے یہ بھی فرمایا، کہ آئندہ جو بھی ضرورت ہو ہمارے پاس آجانا، وہ شخص جب دربار سے رخصت ہوا، تو حضرت عثمان بن حنَیف رضی اللہ تعالی عنہ سے ملاقات کی، اور ان سے عرض کی، کہ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! امیر المؤمنین میری حاجت کے بارے میں نہ غور کرتے، نہ میری طرف توجہ فرماتے تھے، مگر آپ کی سفارش سے میرا کام بن گیا، اس پر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: "وَاللهِ مَا كَلَّمتُه!" بخدا! میں نے ان سے کوئی سفارش نہیں کی، بلکہ ایک بار میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا، کہ آپ کے پاس ایک نابینا صحابی آئے، اور اپنی نابینائی کی شکایت کی، سرکارِ دوعالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس پر فرمایا: «فتصبّرْ!» "تم صبر کرو!" انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا ہاتھ پکڑ کر چلانے والا کوئی نہیں، اور (بینائی نہ ہونے کے باعث) مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے، نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «ائتِ الميضَأةَ فتوضّأْ، ثمّ صلِّ ركعتَين، ثمّ ادْعُ بهذه الدّعواتِ» "وضو کی جگہ جا کر وضو کرو، اور دو ۲ رکعت نماز ادا کرکے، ان الفاظ سے دعا کرو ...الخ"، عثمان بن حنَیف رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا، کہ خدا کی قسم! ہم لوگ ابھی مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے، نہ ہمارے درمیان کوئی لمبی گفتگو ہوئی تھی، کہ وہ نابینا صحابی ہمارے پاس اس حالت میں آئے، کہ گویا وہ کبھی نابینا تھے ہی نہیں"[1]۔

---

(۱) "المعجم الكبير" من اسمه عثمان، ما أسند عثمان بن حنَيف، ر: ۸۳۱۱، ۹/ ۳۱.

(۴) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا طریقہ یہ تھا، کہ جب قحط پڑتا، تو حضرت عباس (حضور کے چچا) بن عبد المطّلب رضی اللہ تعالی عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا یوں کرتے: «اللّهمّ إنّا كنّا نتوسّلُ إليكَ بنبيِّنا فتسقينا، وإنّا نتوسّل إليكَ بعمِّ نبيِّنا فاسقِنا!»[1] "اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرکے، بارش طلب کیا کرتے، تب تُو ہمیں بارش عطا فرماتا، اب ہم اپنے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناکر بارش کی دعا کرتے ہیں، لہذا اب بھی ہم پر بارش نازل فرما!" حضرت سیّدنا انس کہتے ہیں، کہ اس طرح انہیں بارش عطا کردی جاتی تھی۔

(۵) حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم (حضور کی چچی) کی وفات ہوئی، اور ان کی قبر کھودی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے، اپنے ہاتھوں سے قبر کی مٹی نکالی، اور وہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان الفاظ سے دعا کی: «اللهُ الّذي يُحْيِي ويُميت، وهو حيٌّ لَا يموت، اغفرْ لأمّي فاطمةَ بِنْتِ أسدٍ، ولَقِّنها حجّتَها، ووسِّعْ عليها مَدخلَها، بِحَقّ نبيِّكَ والأنبياءِ الّذين مِنْ قَبلي؛ فإنّك أرحَم الرّاحمينَ!»[2].

اللہ کی ذات وہ ہے جو زندہ بھی کرتی ہے، اور موت بھی دیتی ہے! وہ زندہ ہے اسے مَوت نہیں! اے اللہ میری ماں (جیسی چچی) فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما! اسے اس کی حجّت (دلیل) سکھادے (تاکہ وہ فرشتوں کے جواب دے سکے!) اور اس پر قبر کو کشادہ کردے! اپنے نبی (محمد) اور ان انبیاء علیہم السلام کے وسیلے سے، جو مجھ سے پہلے ہوئے؛ کہ تو ہی سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے!۔

(۶) امام دارمی حضرت سیّدنا ابو الجوزاء بن اَوس بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے، صحیح اِسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ "جب مدینہ منوّرہ کے لوگ شدید قحط میں مبتلا ہوئے، تو حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ

---

(۱) "صحيح البخاري" أبواب الاستسقاء، باب سؤال النّاس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ر: ۱۰۱۰، صـ۱٦۲.

(۲) "المعجم الكبير" باب الفاء، فاطمة بنت أسد بن هاشم أمّ علي بن أبي طالب، ر: ۸۷۱، ۲٤/ ۳۵۲.

رضی اللہ تعالٰی عنہا سے شکایت کی، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا: «انْظرُوا قبرَ النبيّ ﷺ، فاجْعلُوا منه كُوًى إِلَى السّماء، حتّى لَا يكونَ بينَه وبينَ السّماءِ سَقْفٌ»[1] "حضورِ اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرو، اور اس سے ایک کھڑکی آسمان کی طرف اس طرح کھول دو، کہ قبرِ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے"۔

راوی کہتے ہیں، کہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، لہذا بہت بارش ہوئی، حتی کہ خوب سبزہ اُگ آیا، اسے کھا کھا کر اُونٹ اتنے فربہ ہوگئے (کہ محسوس ہوتا تھا) جیسے اپنے موٹاپے کی چربی سے پھٹ پڑیں گے، لہذا اس سال کا نام ہی عام الفتق (یعنی سبزہ وکشادگی کا سال) رکھ دیا گیا"۔

وسیلہ (توسُّل) اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام الائمہ حضرت سیّدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے شہرۂ آفاق نعتیہ منظوم کلام "قصیدۂ نعمانیہ" میں، حضور تاجدارِ کائنات ﷺ سے توسّل واستمداد کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: ع

يَا مَالِكِي كُن شَافِعِي فِي فَاقَتِي ... إِنِّي فَقِيرٌ فِي الوَرٰى لِغِنَاكَا

يَا أَكرَمَ الثَّقَلَينِ يَا كَنزَ الغِنٰى ... جُدْ لي بجُودكَ وارضِني بِرضاكا

أنا طامعٌ بالجُود مِنكَ ولم يكُن ... لأبي حنيفةَ في الأنام سِواكا[2]

"(ا) اے میرے مالک! آپ میری حاجت میں میری شَفاعت فرمائیے! میں فقیر ہوں ساری مخلوق میں، اور آپ کے غنا کا منتظر ہوں!۔

(۲) جن واِنس میں سب سے زیادہ کرم کرنے والے اے کریم! اے مخزنِ سخاوت! مجھے اپنی سخاوت کا وافر حصہ عطا کیجیے! اور اپنی رِضا سے مجھے بھی خوش کر دیجیے!۔

---

(۱) "سنن الدارمي" المقدمة، باب ما أكرم الله تعالى نبيه ﷺ بعد موته، ر: ۹۲، ۱/ ۵٦.

(۲) "المستطرف في كلّ فنّ مستظرف" الباب ٤۲ في المدح والثناء وشكر النعمة والمكافأة، الفصل ۱ في المدح والثناء، صـ۲٤۲، ۲٤۳.

(۳) یا رسولَ اللہ! میں آپ کے جُود وعطا کا امیدوار ہوں، اور مخلوق میں آپ کے سِوا ابو حنیفہ کا کوئی نہیں!"۔

حضرت سیّدنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ فقہائے اربعہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، حضرت قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں، کہ ایک بار خلیفہ ابو جعفر منصور مدینہ منوّرہ حاضر ہوا، اور حضرت سیّدنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے دریافت کیا کہ "اے ابو عبد اللہ! زیارتِ نبوی کے وقت دعا میں قبلہ رُخ رہوں؟ یا حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف رُخ رکھوں؟ امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جواب ارشاد فرمایا: ولِمَ تصرف وجهَك عنه؟ وهو وسِيلتُكَ ووسِيلَةُ أبيكَ آدمَ علیہ السلام إلَى الله تعالى يومَ الْقيامةِ! بلِ اسْتقبِلْه! واسْتَشفِعْ بِه فيُشَفِّعُه اللهُ! قال اللهُ تعالى: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾[1] ...الآية. "(اے ابو جعفر) آپ اپنا رُخ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے کیسے پھیر سکتے ہیں! جبکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بروزِ قیامت، آپ کا اور آپ کے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں، اللہ تعالی کی بارگاہ میں! بلکہ انہیں کی طرف رُخ رکھو اور شَفاعت مانگو؛ تاکہ اللہ تعالی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سفارش آپ کے حق میں قبول فرمائے! کیونکہ اللہ تعالی نے فرمان ہے: "اے حبیب! جب وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کریں" ...آیۃ[2]۔

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں، کہ علمائے کرام کا ہمیشہ سے معمول رہا، کہ وہ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مزار کی زیارت کرتے، اور ان کے وسیلے سے دعا کیا کرتے ہیں، اسی ضمن میں بیان کرتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ جب بغداد میں ہوتے، تو حضرت سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر کی زیارت کرتے، اور انہیں اپنی دعا میں وسیلہ بنایا کرتے۔

اس مزار مبارک کی برکتوں کے بارے میں، خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ بات جان لو کہ علمائے کرام، اور حاجتمندوں کا اس مُعاملہ میں ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے، کہ وہ امام ابو حنیفہ کی قبر کی

---

(۱) پ٥، النساء: ٦٤.

(۲) "الشفا بتعريف حقوق المصطفى" القسم ٢، الباب ٣، فصل، الجزء ٢، صـ٢٦، ٢٧.

زیارت کرتے، اور ان کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی برآری کے لیے دعا کرتے ہیں، اور اس میں کامیابی پاتے ہیں، انہی میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، کہ جب آپ بغداد میں تھے، تو حضرت امام ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کو آئے، اور فرمایا: "إنّي لَأَتبرّكُ بأبي حنيفةَ وأجيءُ إلى قبره، فإذا عرضَتْ لِي حاجةٌ صلّيتُ ركعتَين، وجئتُ إلى قبره، وسألتُ اللهَ عنده، فتُقضَى سريعاً"[1]. "میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، اور ان کی قبر کی زیارت کے لیے آتا ہوں، جب مجھے کوئی ضرورت اور مشکل پیش آتی ہے، تو دو ۲ رکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر پر آتا ہوں، اور اپنی حاجت برآری کے لیے، اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں، تو میری حاجت فوراً پوری ہو جاتی ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن، حدیث اور اقوالِ علمائے کرام سے ثابت ہوا، کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں، نیک اعمال اور انبیاء وصالحین کا وسیلہ پیش کر کے دعا کرنا جائز ہے اچھا ہے، اس عملِ خیر اور اعتقاد ونظریہ کو، کفر وشرک وبدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، مفتئ مدینہ منوّرہ علّامہ محمد عابد سندھی انصاری حنفی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "التوسُّل والاستعانة"[2]، شیخ محمد زاہد کوثری علیہ الرحمۃ کا رسالہ "محق التقوُّل في مسألة التوسُّل"[3]، رئیس المتکلّمین حضرت علّامہ نقی علی خان علیہ الرحمۃ کی کتاب (۲) "أحسنُ الوِعاء لأداب الدعاء"، مع حاشیہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ (۳) "ذيل المُدَّعا لأحسن الوعا"[4]، شیخ

(۱) "الخيرات الحِسان" الفصل ۳۵ في تأدب الأئمّة معه في مماته كما ...إلخ، صـ۷۲.

(۲) مطبوعة من دار البشائر، دِمشق. اس کا اردو ترجمہ "جمعیت اشاعت اہل سنّت" کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۳) اس رسالے کا اردو ترجمہ "وسیلہ دلائل کی روشنی میں" مترجم: مولانا افتخار احمد مصباحی صاحب نے کیا ہے۔ مطبوعہ "المجمع الاسلامی" مبارکپور اعظم گڑھ۔

(٤) مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

عیسی بن مانع کا رسالہ (۴) "التأمّل في حقيقة التوسّل"[۱]، استاذِ من، مفتیٔ اعظم پاکستان، علّامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "التوسّل"[۲]، حضرت علّامہ فیض احمد اویسی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۶) "تحقیق الوسیلہ"[۳]، استاذ من حضرت علّامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۷) "وسیلے کی شرعی حیثیت"[۴] اور حضرت علّامہ سیّد ارشد سعید کاظمی صاحب کا رسالہ (۸) "کتاب الوسیلہ"[۵] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید ہے۔

(۱) مطبوعة من دار قرطبة، بيروت.

(۲) مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور۔

(۳) مطبوعہ سنی پبلی کیشنز، دہلی۔

(۴) مطبوعہ رضوی کتاب گھر، بھیونڈی ممبئی۔

(۵) مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔

(۲۲) شَفاعتِ مصطفی ﷺ

شَفاعت حق ہے، جو شَفاعت کا انکار کرے، اس کے بارے میں فقہائے کرام اور متکلّمین کے مابین اختلاف ہے، فقہائے کرام کے نزدیک شَفاعت کا منکِر کافر ہے، جبکہ متکلّمین کے نزدیک وہ گمراہ ہے، کافر نہیں[1]۔

شَفاعتِ کبریٰ

اس بارے میں عقیدہ یہ رکھنا چاہیے کہ "قیامت کے دن مرتبۂ "شَفاعتِ کبریٰ" حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے ہے؛ کہ جب تک حضورِ اکرم ﷺ شَفاعت نہیں فرمائیں گے، کسی کو مجالِ شَفاعت نہیں ہوگی[2]، بلکہ حقیقۃً جتنے شَفاعت کرنے والے ہیں، وہ سب ہمارے آقا ﷺ کے دربار میں شَفاعت لائیں گے، اور اللہ تعالی کے حضور مخلوقات میں، صرف نبیٔ اکرم ﷺ شفیع ہیں[3]، اسی کا نام "شفاعتِ کبری" ہے۔

مقامِ محمود

یہ "شَفاعتِ کُبریٰ" مؤمن وکافر، مُطیع وعاصی (نیک اور گنہگار) سب کے لیے ہے؛ کہ حساب کتاب کا انتظار جو بہت ہی سخت مرحلہ ہوگا، جس کے لیے لوگ تمنّائیں کریں گے، کہ کاش اس انتظار کے بجائے ہمیں

---

(١) "المعتقد المنتقد" الباب ٢ في النبوّات، صـ٢٣٩-٢٥٤، ملخّصاً. و"مجموعة رسائل فضل الرّسول" رسالة "فوز المبين بشفاعة الشّافعين" صـ٢٣٠، ٢٣١، ملخصاً.

(٢) "روح البيان" الإسراء، تحت الآية: ٧٩، ٥/ ١٩٢.

(٣) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ [الإسراء: ٣]، ر: ٤٧١٢، صـ٨١٥، ٨١٦. و"سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب [«سَلُو اللهَ لِي الوسيلةَ!» ...إلخ] ر: ٣٦١٣، صـ٨٢٤.

جہنم میں پھینک دیا جاتا، اِس بلا سے چھٹکارا بھی حضورِ اکرم ﷺ کی بدَولت ملے گا، جس پر اوّلین وآخِرین، مُوافقین ومخالفین، مؤمنین وکافرین، سب حضور ﷺ کی مدح وثنا کریں گے، اِسی کا نام "مقامِ محمود" ہے[1]۔

اسی طرح یہ عقیدہ بھی رکھنا چاہیے کہ "ہر قسم کی شَفاعت حضورِ اکرم ﷺ کے لیے ثابت ہے، شَفاعت بالوَجاہت، شَفاعت بالمحبت، شَفاعت بالاِذن، اِن میں سے کسی کا بھی انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے"[2]۔

شَفاعتِ مصطفی ﷺ قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[3] "عنقریب تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب تمہاری حمد کریں گے!"۔

(۲) اَور فرمایا: ﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[4] "عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا، کہ تم راضی ہو جاؤ گے!"۔

(۳) مزید فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾[5] "کون ہے جو اللہ تعالی کے حکم کے بغیر اُس کے ہاں سفارش کرسکے ؟!"۔

(۴) مزید فرمایا: ﴿یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾[6] "اُس دن کسی کی شَفاعت کام نہ دے گی، مگر اُس کی جسے رحمن نے اِذن (اجازت وحکم) دیا"۔

---

(۱) "المعتقد المنتقد" الباب ۲ في النبوّات، صـ۲۳۹، ۲٤۰.

(۲) "المعتقد المنتقد" الباب ۲ في النبوّات، صـ۲٥۱. "بہارِ شریعت" عقائد متعلقۂ نبوّت، ج۱، حصہ اوّل، ص۷۰،۷۲، ملخصًا۔

(۳) پ۱٥، الإسراء: ۷۹.

(٤) پ۳۰، الضُّحی: ٥.

(٥) پ۳، البقرة: ۲٥٥.

(٦) پ۱٦، طه: ۱۰۹.

کافروں سے متعلق قرآنِ کریم میں شَفاعت کا حکم ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾[1] "توانہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی!"۔

(۵) اہلِ ایمان کے حق میں شَفاعت سے متعلق، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾[2] "اے حبیب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان، مَردوں اور عورتوں کے گناہوں کی مُعافی مانگیے!"۔

شَفاعتِ مصطفی ﷺ حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لكلّ نبيٍّ دعوةٌ مستجابةٌ، فتعجّلَ كلُّ نبيٍّ دعوتَه، وإنّي اختبَأتُ دعوَتي شفاعةً لأمّتي يومَ القيامة، فهي نائلةٌ -إنْ شاء اللهُ- مَن ماتَ مِن أُمّتي لاَ يشرِك بالله شيئاً»[3] "ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے، مگر ہر نبی نے وہ دعا (دنیا) ہی میں کرلی، جبکہ میں نے اپنی دعا قیامت کے دن، اپنی امّت کی شَفاعت کے لیے بچا رکھی ہے، تو میری شَفاعت -اِن شاء اللہ- میرے ان امّتیوں کو فائدہ دے گی، جنہوں نے شرک نہ کیا ہو"، یعنی جن کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہوا ہو۔

(۲) حضرت سیّدنا ابو موسی اَشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خُيّرتُ بينَ الشّفاعةِ، وبَيْنَ أنْ يدخُلَ نِصفُ أُمّتِي الجنّةَ، فاخْترْتُ الشّفاعةَ؛ لأنّها أعمُّ وأكفَى، أترَونها للمتّقين؟ لا، ولكنّها للمُذنِبينَ، الخطّائِينَ المتلوّثينَ»[4] "مجھے دو ۲ باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا: (۱) یا تو سب کی شَفاعت کروں، (۲) یا میری نصف امّت ویسے ہی جنّت میں

---

(۱) پ۲۹، المدّثّر: ٤٨.

(۲) پ۲٦، محمد: ١٩.

(۳) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب اختباء النّبي ﷺ دعوةَ الشّفاعة لأمّته، ر: ٤٩١، صـ١٠٦.

(٤) "سنن ابن ماجه" كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، ر: ٤٣١١، صـ٧٣٦.

داخل کردی جائے، تو میں نے شَفاعت کو اختیار کیا؛ اس لیے کہ شَفاعت زیادہ عام، اور زیادہ لوگوں کو کفایت کرنے والی ہے (یعنی شفاعت کا فائدہ زیادہ لوگوں کو پہنچے گا)۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری شَفاعت صرف پرہیزگاروں کے لیے ہے ؟! نہیں، بلکہ وہ ان سب کے لیے ہے جو گنہگار، خطاکار اور قصوروار ہوں گے "۔

(۳) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «شفاعتِي لِأَهلِ الكبائرِ مِن أُمّتِي»[1] "میری شَفاعت میری امّت کے کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کے لیے ہے"۔

(۴) حضرت سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يخرُجُ قومٌ مِنَ النَّارِ بشفاعةِ محمّدٍ ﷺ فيدخُلونَ الجنّةَ، يسمّونَ الجهنّمِيّينَ»[2] "کچھ لوگ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کی شَفاعت کے باعث جہنم سے نکلیں گے، پھر وہ جنّت میں داخل ہوں گے، تو انہیں جہنّمی کہا جائے گا"، یعنی جہنم سے نکل کر جنّت میں آنے والے۔

(۵) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أُعْطِيتُ خمساً لَم يُعطَهُنَّ أحدٌ قَبلِي -إلى أن قال-: وأُعطِيتُ الشّفاعةَ»[3] ...إلخ. "مجھے پانچ ۵ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں"، ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا، کہ "مجھے شَفاعت کا اختیار دے دیا گیا ہے"۔

(۶) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، ایک طویل روایت میں ہے، جس میں فرمایا کہ "اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو، تمہاری سنی جائے گی! مانگو، تمہیں دیا جائے گا! اور شَفاعت کرو، تمہاری شَفاعت قبول کی جائے گی! حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں، کہ میں عرض کروں گا: «یا ربِّ أُمّتِي أُمّتِي!

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب صفة القيامة، باب منه حديث «شفاعتِي لأهل الكبائر من أمّتِي» ر: ٢٤٣٥، صـ٥٥٥.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الرقاق، باب صفة الجنّة والنّار، ر: ٦٥٦٦، صـ١١٣٦.

(۳) المرجع نفسه، كتاب التيمم، باب، ر: ٣٣٥، صـ٥٨.

فيقول: انطلِقْ فأَخْرِجْ منها مَن كان في قلبه أَدْنىٰ أَدْنىٰ أَدْنىٰ مِثقالِ حبّةِ خَرْدَلٍ من إيمانٍ، فَأَخْرِجْهُ من النّارِ فَأَنْطَلِق، فأَفْعَل»[1] "اے میرے رب! میری امّت میری امّت! ربّ تعالی فرمائے گا کہ جاؤ جہنم سے ہر اُس شخص کو بھی نکال لو، جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی ادنی سے ادنی سے ادنی تر (یعنی کم ترین) ایمان ہے، لہٰذا میں جاکر انہیں جہنم سے نکالوں گا"۔

شفاعتِ مصطفی ﷺ اقوالِ علماء کی روشنی میں

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أجمعتِ الأمّةُ علَى أنّ لمحمدٍ ﷺ شفاعةٌ في الآخرة، وحُمِلَ علَى ذلك قوله تعالى: ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[2] وقوله تعالى: ﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾[3]. ثمّ اختلفوا بعد هذا، في أنّ شفاعتَه عليه السلام لمنْ تكون؟ أتكون للمؤمنين المستحقّين للثواب؟ أم تكون لأهل الكبائر المستحقّين للعقاب؟ فذهبت المعتزلةُ على أنّها للمستحقّين للثواب، وتأثيرُ الشّفاعة في أنْ تحصلَ زيادةٌ من المَنافع على قدر ما استحقّوه. وقال أصحابنا: تأثيرُها في إسقاط العذاب عن المستحقّين للعقاب، إمّا بأنْ يشفعَ لهم في عرصة القيامة، حتَّى لا يدخلوا النّارَ، وإن دخلوا النّارَ فيشفع لهم، حتَّى يخرجوا منها ويدخلوا الجنّةَ. واتّفقوا علَى أنّها ليستْ للكفّار"[4].

"امّت کا اس بات پر اِجماع واتفاق ہے، کہ آخرت میں حضورِ اکرم ﷺ کی شَفاعت ثابت ہے، اور اس پر دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾، نیز اللہ تعالی کا

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب كلام الربّ تعالى يوم ...إلخ، ر: ٧٥١٠، صـ١٢٩٣، ١٢٩٤.

(٢) پ١٥، الإسراء: ٧٩.

(٣) پ٣٠، الضُّحَى: ٥.

(٤) "التفسير الكبير" سورة البقرة، تحت الآية: ٤٨، ١/ ٤٩٥، ٤٩٦.

یہ فرمان بھی دلیل ہے: ﴿ وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾۔ پھر اس بات میں اختلاف ہے، کہ حضورِ اکرم ﷺ کی شَفاعت کس کے حق میں ہے؟ کیا ایسے مسلمانوں کے لیے ہے جو ثواب کے مستحق ہیں؟ یا اُن لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، اور عذاب کے مستحق ہوئے؟ معتزلہ (ایک گمراہ فرقہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ "شَفاعت ان لوگوں کے حق میں ہے جو ثواب کے مستحق ہیں، اور ان کے لیے شَفاعت کی تاثیر یہ ہوگی، کہ جن نعمتوں کے وہ مستحق ہیں، شَفاعت کے سبب ان میں مزید اضافہ ہوگا"۔ جبکہ ہمارے علمائے اہلِ سنّت فرماتے ہیں کہ "شَفاعت کی تاثیر اُن لوگوں کے حق میں ہوگی جو سزا کے مستحق ہوئے، **یا** یوں کہ ان سے عذاب ساقط ہوجائے، **یا** اس طَور پر کہ بروزِ قیامت ان کی شَفاعت ہوگی، اور وہ شَفاعت کے سبب دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوں گے، **یا** اس طَور پر کہ کچھ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے، جو حضورِ اکرم ﷺ کی شَفاعت کی برکت سے، دوزخ سے نکل کر جنّت میں داخل ہوں گے۔ مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے، کہ اس قسم کی شَفاعت کافروں کے لیے نہیں ہے"۔

امام قَسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "وقد أنكرَ بعضُ المعتزلةِ والخوَارِجِ الشَّفاعةَ، في إخراج مَن أُدخلَ النّارَ من المُذنِبين، وتمسّكوا بقوله تعالى: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ﴾[1]، وقوله تعالى: ﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ﴾[2]، وأجاب أهلُ السنّة، بأنّ هذه الآياتِ في الكفّار. قال القاضي عياض[3]: مذهبُ أهل السنّة جوازُ الشّفاعة عقلاً، ووجوبُها سَمعاً؛ لصريح قولِه تعالى: ﴿یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا

---

(۱) پ۲۹، المدثر: ٤٨.

(۲) پ٢٤، مؤمن: ١٨.

(۳) أي: في "إكمال المعلم" كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، تحت ر: ٣١٧، ١/ ٥٦٥.

﴿مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾[1]؛ وقوله: ﴿وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی﴾[2]؛ ولقوله: ﴿عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[3] المفسَّر بها عند الأكثرين"[4].

"بعض معتزلہ اور خوارج نے، شَفاعت کا اس معنی میں انکار کیا، کہ جو گنہگار دوزخ میں داخل ہوگئے، انہیں نکالا نہیں جائے گا، اور دلیل کے طَور پر اللہ تعالی کا یہ فرمان لاتے ہیں: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ﴾ "انہیں شَفاعت کرنے والوں کی شَفاعت نفع نہیں دے گی"، نیز یہ قول بھی: ﴿مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ﴾ "ظالموں کے لیے نہ کوئی مددگار ہوگا، نہ کوئی شفیع ہوگا، جس کی بات مانی جائے"۔ اہلِ سنّت نے ان کا جواب یہ دیا، کہ یہ آیات کفّار کے بارے میں ہیں"۔ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اہلِ سنّت کا مذہب یہ ہے، کہ شَفاعت عقلاً جائز ہے، اور دلائل سمعیّہ کی بنیاد پر واجب ہے؛ اللہ تعالی کے اس واضح فرمان کے سبب: ﴿یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾ "شَفاعت اُسے نفع دے گی، جس کے لیے رحمن نے اجازت دی، اور جس سے وہ راضی ہوا"؛ اور اس واضح فرمان کے سبب: ﴿وَ لَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی﴾ "وہ لوگ شَفاعت اُس کی کریں گے، جسے رب تعالی نے پسند فرما لیا"؛ نیز اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی: ﴿عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ "عنقریب اللہ تعالی آپ کو ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب لوگ آپ کی حمد وثنا کریں گے"۔ اکثر علمائے امّت کے نزدیک یہی تفسیر ہے"۔

---

(١) پ١٦، طه: ١٠٩.

(٢) پ١٧، الأنبياء: ٢٨.

(٣) پ١٥، الإسراء: ٧٩.

(٤) "المواهب اللدُنية" المقصد ١٠، الفصل ٣، ٤/ ٦٤٥.

خلاصۂ کلام

قرآن، حدیث اور علماء وفقہاء کے اقوال سے ثابت ہوا، کہ شَفاعت حق ہے، اس کا انکار کرنے والا گمراہ ہے، شَفاعت سے نیک لوگوں کے درجات بلند ہوں گے، گنہگاروں کے گناہ مُعاف ہوں گے، بروزِ محشر سب سے پہلے انبیائے کِرام شَفاعت فرمائیں گے، پھر علماء اور پھر شہداء بھی شفاعت فرمائیں گے۔ اس اعتقاد ونظریہ کو کفر وشرک وبدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر تفصیل کے لیے، امام ذَہَبی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "إثبات الشَّفاعة"[۱]، علّامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۲) "تحقیق الفتوی فی اِبطال الطغوی"[۲]، علّامہ فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "فوز المؤمنين بشفاعة الشّافعين"[۳]، امام اہل سنّت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہ کا رسالہ (۴) "إسماع الأربعين في شفاعة سيِّد المحبوبين"[۴] (جس میں آپ نے مسئلۂ شفاعت کو پانچ ۵ آیاتِ کریمہ، اور چالیس ۴۰ احادیث سے ثابت کیا ہے)، اور استاذِ مَن حضرت علّامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "شفاعتِ مصطفی"[۵] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید ہے۔

(۱) مطبوعة من أضواء السلف، مصر.

(۲) جنرل پرنٹرز، لاہور۔

(۳) مطبوعہ مع مجموعہ رسائل فضل رسول، مکتبہ برکاتِ المدینہ، کراچی۔

(۴) "فتاوی رضویہ" ۱۸/ ۳۸۹تا ۳۹۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۵) مطبوعہ الممتاز پبلی کیشنز، لاہور۔ ترجمہ اردو: "تحقیق الفتوی"۔

(۲۳) مسئلۂ حاضر وناظر

حضور اکرم ﷺ کے لیے جو لفظ "حاضر وناظر"[۱] بولا جاتا ہے، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں، کہ نبیٔ کریم ﷺ کی بشریّت ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "جس طرح رُوح اپنے بدن کے ہر جزء میں موجود ہوتی ہے، اسی طرح رُوحِ دوعالَم ﷺ[۲] کی

---

(۱) حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ "حاضر" کے لُغوی معنی ہیں: سامنے موجود ہونا، یعنی غائب نہ ہونا۔ "ناظر" کے چند معنی ہیں: دیکھنے والا، آنکھ کا تِل، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی۔ جہاں تک ہماری نظر کام کرے، وہاں تک ہم ناظر ہیں، اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ ہم تصرّف کر لیں، وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتی ہے، وہاں تک ہم ناظر یعنی دیکھنے والے ہیں، مگر وہاں ہم حاضر نہیں؛ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجرے یا گھر میں ہم موجود ہیں، وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہماری پہنچ ہے۔ عالَم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ "قوّت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر، تمام عالَم کو اپنے کفِ دست (ہاتھ کی ہتھیلی) کی طرح دیکھے، اور دُور وقریب کی آوازیں سنے، یا ایک آن میں تمام عالَم کی سیر کرے، اور صدہا کوس پر حاجتمندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتار چاہے رُوحانی ہو، یا جسمِ مثالی کے ساتھ ہو، یا اُسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون، یا کسی جگہ موجود ہے"۔ "جاء الحق" حاضر وناظر کی بحث، ص۱۳۸، ۱۳۹۔

(۲) ہمارے آقا ومولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ، کائنات کی رُوح وجان ہیں، جیسا کہ امام ابن عساکر اپنی "تاریخ" میں حدیث قدسی روایت کرتے ہیں: «لَولاكَ يا محمد! ما خلقتُ الدنيا» "اے حبیب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا بناتا ہی نہیں"۔ "تاريخ دِمشق" باب ذكر عروجِه إلى السّماء ...إلخ، ۳/ ۵۱۸.

اسی طرح امام حاکم اپنی "متدرک" میں روایت کرتے ہیں: «لَولَا محمّدٌ، ما خَلقْتُ آدم، ولَولَا محمّدٌ، ما خَلقْتُ الجَنّةَ ولَا النّارَ» "اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو بناتا، نہ جنّت کو نہ دوزخ کو۔

=

حقیقتِ منوّرہ، ذرّاتِ عالَم کے ہر ذرّہ میں جاری وساری ہے"۔ اسی بنا پر حضور اکرم ﷺ اپنی رُوحانیّت ونورانیّت کے ساتھ، بیک وقت متعدّد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں، اور اہلُ اللہ اکثر وبیشتر بحالتِ بیداری، اپنی جسمانی آنکھوں سے بھی، حضور کے جمال مبارک کا مُشاہَدہ کرتے ہیں، اور حضور اکرم ﷺ بھی انہیں، رحمت اور نظرِ عنایت سے مسرور ومحظوظ فرماتے ہیں۔ گویا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے غلاموں کے سامنے ہونا، سرکار کے حاضر ہونے کے معنی ہیں، اور انہیں اپنی نظرِ عنایت سے دیکھنا، حضور کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے[1]۔

=

"مستدرَك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدّمين، ر: ٤٢٢٧، ٤/ ١٥٨٣. قال الحاكم: "هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ، وَلَمْ يُخرِجاه".

اسی طرح دوسری روایت میں ہے: «ولَولَا محمّدٌ ما خلقتُكَ» "اگر محمد نہ ہوتے، تو اے آدم میں تمہیں بھی نہ بناتا"۔ "مستدرَك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدّمين، ر: ٤٢٢٨، ٤/ ١٥٨٣. قال الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحُ الإسناد".

وقال الشيخ يوسف بن إسماعيل النّبهاني رحمه الله: "فمن البراهين القطعيّة: أنّه لا يخالف أحدٌ من كلّ موجود، في أنّه ﷺ رُوح الوُجود، وهل رأيتَ وبلغَك في قول مشروح، أنّه يصحّ مع الحياة خلوُ جزءٍ من البدن عن الرُّوح، ولما كان ﷺ روحَ العوالم العُلويّة والسفليّة، وجبَ أن لا يخلوَ جزءٌ منها عن جسد وروحه الزكيّة" ["جواهر البِحار" ٢/ ٤٨٥].

"دلائلِ قطعیہ میں سے یہ بات بھی ہے، کہ حضور اکرم ﷺ جمیع مَوجودات کی رُوح ہیں، پوری کائنات میں اس بات کا کوئی مخالف نہیں۔ تو جس طرح جسم کے ہر حصہ میں رُوح موجود رہتی ہے، کیا تم نے کوئی ایسا واضح قول دیکھا؟ یا تم تک پہنچا؟ کہ زندہ جسم کا کوئی حصہ رُوح سے خالی ہوسکتا ہے! چونکہ آپ ﷺ عالَمِ عُلوی وسُفلی سب کی رُوح ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کائنات بھر میں حاضر وناظر ہیں۔

(۱) "مقالاتِ کاظمی" "تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر والناظر، ۳/۱۱۶، ۱۱۷۔

سیّد عالَم ﷺ کی قوّتِ قُدسیہ اور نورِ نبوّت سے، یہ امر بعید نہیں کہ آنِ واحد میں، مشرق ومغرب، شمال وجنوب، تحت وفوق، تمام جِہات واَماکنِ بعیدہ متعدّدہ لاتعدولا تحصیٰ (بے شمار) میں، سرکار اپنے وجودِ مقدّس بعینہٖ، یا جسمِ اقدس مثالی کے ساتھ تشریف فرما ہو کر، اپنے مقرّبین کو اپنے جمال کی زیارت، اور نگاہِ کرم کی رحمت وبرکت سے سرفراز فرمائیں[1]۔

مسئلۂ حاضر وناظر، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیبِ لبیب ﷺ کی شان میں فرماتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا﴾[2] "اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! یقیناً ہم نے تمہیں حاضر وناظر، اور خوشخبری دیتا، اور ڈر سنانے والا بناکر بھیجا"۔

(۲) اور فرمایا: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾[3] "بات یونہی ہے، کہ ہم نے تمہیں سب اُمّتوں سے افضل بنایا، کہ تم اُمّت دیگر لوگوں پر گواہ ہو، اور یہ رسول تمہارے نگہبان، اور گواہ (حاضر وناظر) ہیں"۔

(۳) مزید فرمایا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾[4] "تو وہ کیسی گھڑی ہوگی؟ جب ہم ہر اُمّت سے ایک گواہ لائیں گے! اور اے حبیب! آپ کو ان سب پر گواہ ونگہبان (حاضر وناظر) بنا کر لائیں گے"۔

---

(۱) "جواهر البحار" ۲/ ٤٧٩-٤٨٥. و"مقالاتِ کاظمی" تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر والناظر، ۳/۱۱۷۔

(۲) پ۲۲، الأحزاب: ٤٥.

(۳) پ۲، البقرة: ١٤٣.

(٤) پ٥، النساء: ٤١.

ظاہر ہے کہ جب کسی کے سامنے کوئی مُعاملہ پیش آئے، تبھی تو وہ اس معاملے کا گواہ بن سکتا ہے، چونکہ ہمارے نبئ پاک ﷺ اپنی امّت اور تمام پچھلی امّتوں پر گواہ ہیں، یعنی آپ ﷺ اُس وقت حاضر وناظر تھے، اور اُن تمام امّتوں کا مُعاملہ آپ کے سامنے پیش آیا، اور جو کسی مُعاملے کے وقت موجود ہو، اور سارے مُعاملے کو دیکھے سُنے، اسی کو حاضر وناظر کہتے ہیں، یعنی موجود اور دیکھنے والا۔

مسئلۂ حاضر وناظر، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(٣) امام بخاری، حضرتِ سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، نبئ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إنِّي فرطٌ لكم، وأنا شهيدٌ عليكم، وإنّي واللهِ لأنْظرُ إلَى حَوْضِي الآنَ، وإنّي أُعْطِيتُ مفاتيحَ خزائنِ الأرضِ -أو مفاتيحَ الأرضِ- وإنّي واللهِ ما أخافُ عليكم أن تُشْرِكُوا بعدِي، ولكن أخافُ عليكم أن تنافسوا فيها»[1] "یقیناً میں تمھارا امام وقائد ہوں، اور تم پر گواہ ہوں، اور خدا کی قسم! میں اپنے حوضِ کوثر کو ابھی سے دیکھ رہا ہوں، اور مجھے زمین اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں، اور خدا کی قسم! مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف نہیں، کہ میرے بعد شرک کرنے لگو گے، بلکہ مجھے اندیشہ یہ ہے کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس جاؤ گے"۔

(١) امام مسلم حضرتِ ثَوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «إنّ اللهَ زوَى لِي الْأَرضَ، فرأيتُ مَشَارِقَها ومغَارِبَها»[2] "یقیناً اللہ تعالی نے میرے لیے زمین سمیٹ دی، حتی کہ میں نے پوری زمین کو یہیں اپنی جگہ سے دیکھ لیا"۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، ر: ١٣٤٤، صـ٢١٥.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الفِتن وأشراط السّاعة، باب هلاك هذه الأمّة بعضهم ببعض، ر: ٧٢٥٨، صـ١٢٥٠.

(۲) امام طبرانی، حضرتِ سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إنّ اللهَ رفعَ لِي الدّنيا، فأنا أنظُرُ إليها، وإلَى ما هو كائنٌ فيها إلَى يومِ القيامةِ، كما أَنظُرُ إلَى كفِّي هذه»[۱] "اللہ تعالی نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا ہے، تو میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب ایسے دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں"۔

مسئلۂ حاضر وناظر، اقوالِ علماء کی روشنی میں

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وأمّا التشهُّد فإذا جلستَ له، فأحضِرْ في قلبك النبيَّ ﷺ وشخصَه الكريم، وقُل: سلامٌ عليك أيّها النبيُّ ورحمةُ الله وبركاتُه"[۲]. "التحیات پڑھتے وقت، جب "السّلام عليك أيّها النبيُّ" پر پہنچو، تو اپنے دل میں نبئ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو حاضر جانو، اور پھر عرض کرو، کہ اے غیب کی خبر دینے والے (نبی) آپ پر سلام ہو! اور آپ پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں!"۔

علّامہ ابن الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لَا فرقَ بين موتِه وحياتِه، أعني في مُشاهَدتِه لأُمّتِه ومعرِفتِه، بِأحوَالِهِمْ ونيّاتِهِمْ وعزائِمِهِمْ وخواطِرِهِمْ، وذلك عنده جليٌّ لَا خفاءَ فيه"[۳]. "اپنی امّت کے مُشاہدہ کرنے، ان کے اَحوال، نیّتوں، عزائم اور خیالات کو جاننے کے اعتبار سے، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حیات وممات میں کوئی فرق نہیں، اور یہ سب کچھ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نزدیک ایسا ظاہر ہے، جس میں بالکل پوشیدگی نہیں"۔

---

(۱) "المعجم الكبير" ر:١٤١١٢، ١٣/ ٣١٨.

(۲) "إحياء علوم الدّين" كتاب أسرار الصّلاة ومهماتها، الباب ٣ في شروط ...إلخ، ١/ ١٩٩، ملتقطاً.

(۳) "المَدخل" زيارة سيّد الأوّلين والآخِرين، ١/ ٢٥٩.

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(فإذا دخلتم بُيوتاً إن لم يكُن في البَيتِ أحدٌ، فقُل: السّلامُ علَى النّبي ورحمةُ الله وبركاتُه) أي: لأنّ رُوحَه عليه السلام حاضرٌ في بيوت أهل الإسلام"[۱]. "جب گھر میں داخل ہو، اور گھر میں کوئی نہ ہو، تو اس طرح کہو: "السَّلَامُ على النّبي ورحمةُ الله وبركاتُه"؛ کیونکہ نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رُوحِ مبارک، مسلمانوں کے گھروں میں تشریف رکھتی ہے"۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبرِ انور میں باحیات ہیں، اور اللہ تعالی نے انہیں یہ قوّتِ رُوحانی عطا فرمائی ہے، کہ وہ اپنے روضۂ اَنور سے، جہاں تک دیکھنا چاہتے ہیں دیکھ سکتے ہیں، اور جہاں جانا چاہتے ہیں تشریف لے جاسکتے ہیں، یہی حاضر وناظر کے معنی ہیں۔ اس سے ہٹ کر اگر کوئی دعوی لائے، تو دلیل بھی اسی پر لازم ہے، البتہ اہلِ سنّت وجماعت کا نظریہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا!۔

اس اعتقاد ونظریہ کو، کفر وشرک وبدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، علّامہ حسین بن محمد شافعی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "إثبات وجود النّبي في كلّ مكان"[۲]، علّامہ عبد اللہ بن محمد صدیق غُماری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "نهاية المآل في صحة وشرح حديث عرض الأعمال"[۳]، غزالئ زماں حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "تسكين الخواطر في مسألة الحاظر والنّاظر"[۴]، حکیم

---

(۱) "شرح الشفا" القسم ٢، الباب ٤ في حكم الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم، ٢/ ١١٨.

(۲) مطبوعة من دار جوامع الكلم، القاهرة.

(۳) مطبوعة من مكتبة القاهرة علي يوسف سليمان وأولاده، القاهرة.

(۴) مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔

الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۴) "جاء الحق "[۱] اور استاذ مَن حضرت بحر العلوم علاّمہ مفتی عبد المنّان اعظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "الشاہد"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید ہے۔

(۱) پہلا باب حاضر وناضر کی بحث، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۲) مطبوعہ حق اکیڈمی، مبارکپور۔

(۲۴) معراج النبی ﷺ

حضور نبیٔ اکرم سیّد عالَم ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت، آپ کے اشرف فضائل وکمالات، اور رَوشن ترین معجزات وکرامات سے یہ امر بھی ہے، کہ اللہ تعالی نے حضور ﷺ کو فضیلتِ اِسراء ومعراج سے خصوصیت وشرف عطا فرمایا، اس شرف کے ساتھ کسی اَور نبی ورسول کو مشرّف نہیں کیا گیا، اور جہاں اپنے حبیب کریم ﷺ کو پہنچایا، کسی اَور کو وہاں تک رَسائی نہیں دی، ع

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نِرالے طرب کے ساماں، عرب کے مہمان کے لیے تھے

اِسراء ومعراج میں فرق

اگرچہ عام اصطلاحات میں، حضور اکرم ﷺ کے اس تمام سفر وعروج، یعنی مسجد حرام سے مسجدِ اقصی، اور وہاں سے آسمانوں، اور لامکاں تشریف لے جانے کو معراج کہا جاتا ہے، لیکن اہلِ علم حضرات کی اصطلاح میں، حضور ﷺ کا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصی تشریف لے جانا اِسراء کہلاتا ہے، اور مسجدِ اقصی سے آسمانوں کی طرف، حضور ﷺ کا عروج فرمانا معراج کہلاتا ہے"[1]۔

جُمہور علماء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد، محدثین، فقہاء اور متکلّمین سب کا مذہب یہ ہے کہ "اِسراء ومعراج دونوں بحالتِ بیداری اور جسمانی ہیں" اور یہی حق ہے[2]۔ یعنی رسول اللہ ﷺ حالتِ بیداری میں، اپنے جسم ورُوح کے ساتھ، سفرِ اِسراء ومعراج پر تشریف لے گئے۔

حضور نبیٔ کریم ﷺ کو اللہ عزّوجلّ کا دیدار حاصل ہوا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی سے اختلاف رہا ہے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا وغیرہا اس بات

---

(۱) "مقالاتِ کاظمی" "معراج النبی، ۱/۱۲۲۔

(۲) ایضًا، ۱/۱۳۰۔

کے قائل ہیں، کہ حضور ﷺ کو براہِ راست دیدارِ الٰہی نہیں ہوا۔ جبکہ حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، دیگر صحابہ اور تابعین وغیرہم کی رائے یہ ہے، کہ اللہ تعالی نے شبِ معراج اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو، دَولتِ دیدار سے شرفیاب فرمایا۔ چنانچہ اس بارے میں چند دلائل، آئندہ صفحات میں پیش کیے جائیں گے۔

معراج کب ہوئی؟

حضور اکرم ﷺ کو معراج کس مہینے اور کس سَن میں ہوئی؟ اس بارے میں آراء مختلف ہیں، قولِ مشہور یہ ہے کہ "معراج شریف ۲۷ رجب کو پیر کی رات ہوئی"[۱]۔

معراج النبی ﷺ قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾[۲] "پاکی ہے اسے جو اپنے بندۂ خاص کو، راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصی، جس کے اِرد گرد ہم نے برکت رکھی ہے؛ تاکہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، یقیناً وہ سنتا دیکھتا ہے" ؏

نمازِ اقصی میں تھا یہی سِرّ، عیاں ہوں معنیٔ اوّل آخر
ہیں دست بستہ وہ پیچھے حاضر، جو سلطنت آگے کر گئے تھے

(۲) اور فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾[۳] "ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا، مگر لوگوں کو آزمانے کے لیے"۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "عياناً ليلة

---

(۱) ایضاً، ۱/۱۲۲۔

(۲) پ۱۵، الإسراء: ۱.

(۳) المرجع نفسه: ٦٠.

الإسراء، أهلُ مكّة إذ كذّبوا بها، وارتدّ بعضُهم لما أخبرهم بها"[1]. "یعنی ہم نے معراج کی رات واضح طَور پر جو نظارہ آپ کو دِکھایا، وہ ان لوگوں کے لیے آزمائش کا سبب بنادیا؛ کیونکہ مکّہ والوں نے آپ کو جھٹلایا، اور جب آپ نے لوگوں کو معراج کی اطلاع دی، تو بعض لوگ اسلام سے پھر گئے"۔

علّامہ ابو السعود علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وما جعلنا الرُّؤيا التي أرَيناكها عِياناً، مع كونها آيةً عظيمةً، وأيّةَ آيةٍ حقيقةٍ بأن لا يتلعثمَ في تصديقها أحدٌ ممن له أدنى بصيرةٍ، إلّا فتنةً افتتنَ بها النّاس، حتّى ارتدَّ بعضُهم"[2]. "ہم نے معراج کی رات آپ ﷺ کو جو نظارہ واضح طَور پر دکھایا، وہ ایک عظیم نشانی اور ایسی حقیقت ہے، کہ ادنی بصیرت رکھنے والا بھی اسے جھٹلا نہیں سکتا، البتہ کچھ لوگوں نے اس نشانی کا انکار کیا، اور فتنہ وفساد کے درپے ہوئے، یہاں تک کہ بعض لوگ مرتد بھی ہوگئے"۔

(۳) نیز رب ذوالجلال نے فرمایا: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾[3] "پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خُوب اُتر آیا، تواُس جلوے اور اس محبوب میں، دو ۲ ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا، بلکہ اس سے بھی کم" ؏

بڑھ اے محمد! قریں ہو احمد! قریب آ سرورِ ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا، یہ کیا مزے تھے!

امام ابن جریر طبری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "وقال آخَرون: بل معنى ذلك: ثمّ دَنا الربُّ من محمدٍ ﷺ فتدَلّى"[4]. "دیگر مفسّرین نے کہا، کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ تعالی اپنے حبیب ﷺ سے قریب ہوا، تو وہ بھی اپنے رب تعالی سے قریب ہوگئے"۔

---

(۱) "تفسير الجلالَين" الإسرا، صـ۲۳۵.

(۲) "تفسير أبي السعود" الإسراء، تحت الآية: ٦٠، ٤/ ٤٤١.

(۳) پ۲۷، النجم: ۸، ۹.

(٤) "جامع البيان" النجم، تحت الآية: ٨، ٩، الجزء ٢٧، صـ٦٠.

علّامہ بَغَوی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ثمّ دَنا الرَبُّ ﷻ مِن محمدٍ ﷺ فتدَلّى"[1].

"اللہ تعالی اپنے حبیب کریم ﷺ سے قریب ہوا، تو وہ بھی اپنے رب تعالی سے قریب ہو گئے" ؏

تبارک اللہُ شان تیری! تجھی کو زیبا ہے بے نیازی

کہیں تو وہ جَوش لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

معراج النبی ﷺ حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے شبِ معراج کا واقعہ یُوں بیان فرمایا: «بينما أنا في الحطيم -مضطجعاً، إذ أتاني آتٍ فشَقّ ما بين هذه إلى هذه- فاستخرج قلبِي، ثمّ أُتيتُ بطَسْتٍ من ذهبٍ مَمْلُوءةٍ إيماناً، فغُسِلَ قلبِي ثمّ حُشِيَ، ثمّ أُعِيدَ، ثمّ أُتِيتُ بِدابَّةٍ دُونَ البَغلِ وفوق الحمار أبيضَ، فَحُمِلتُ عليهِ، فانطلقَ بِي جبرِيلُ حتّى أَتَى السّماءَ الدّنيا»[2].

"میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا، کہ ایک آنے والا آیا، اُس نے یہاں سے یہاں تک میرا سینہ چیر کر دل نکال لیا، پھر میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا، جو ایمان سے بھرا ہوا تھا، میرا دل دھویا گیا، پھر دل کو ایمان سے بھر دیا گیا، اس کے بعد دل کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا، پھر سواری کے لیے میرے پاس ایک سفید جانور لایا گیا، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا (یعنی بُراق)، مجھے اس پر سوار کیا گیا، اس کے بعد مجھے حضرت جبریل آسمان کی طرف لے کر چلے"۔

(۲) معراج کی رات اِس قُربِ خاص میں، بِلاواسطہ اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ پر جو فضل وکرم فرمایا، مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ خود اُسے یُوں بیان فرماتے ہیں: «فوضع يدَه بين كتفَيَّ،

(١) "مَعالم التنزيل" النجم، تحت الآية: ٨، ٩، ٤/٢٤٦.

(٢) "صحيح البخاري" كتابُ مناقب الأنصار، بابُ المِعْرَاجِ، ر: ٣٨٨٧، صـ٦٥٢.

فوجَدْتُ بَرْدَها بين ثديَيّ، فعَلِمتُ ما بين المشرِقِ وَالمغرِبِ»[1] "اللہ تعالی نے اپنا دستِ قدرت میرے کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اُس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، تو جو کچھ مَشرق ومغرب میں ہے، وہ سب میرے علم میں آگیا"۔

(۳) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «قال لي ربّي ﷻ: نحلتُ إبراهيمَ خلّتي، وكلّمتُ موسى تكليماً، وأعطيتُك يامحمد كفاحاً!»[2][3] "مجھے میرے رب عزّوجلّ نے فرمایا، کہ میں نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا، اور موسی سے کلام فرمایا، اور تمہیں اے حبیب مُواجہ بخشا، کہ بے پردہ وحجاب تم نے مجھے دیکھا!"۔

(۴) حضرت سیّدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سنا، حضور سرورِ کائنات ﷺ سدرۃ المنتہی کا وصف بیان فرمارہے تھے، میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا؟ فرمایا: «رأيتُه عندها» يعني ربَّه[4]. "حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "مجھے اس کے پاس رب تعالی کا دیدار ہوا"۔

(۵) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «رَأَيْتُ رَبِّي ﷻ»[5] "میں نے اپنے رب عزّوجلّ کو دیکھا۔

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب التفسير [باب ومن] ر: ۳۲۳٤، صـ۷۳٥.

(۲) في "مجمع بحار الأنوار": "كفاحا" أي: "مواجهة ليس بينهما حجاب ولا رسول" [حرف الكاف، كفح، ٤/ ٤٢٤]. "کفاح کا معنی بالمشافہ دیدار کرنا ہے، جبکہ درمیان میں کوئی پردہ اور قاصد نہ ہو"۔

(۳) "تاريخ دِمشق" حرف الألف، باب ذكر عروجه إلى السماء واجتماعه بجماعة من الأنبياء، ر: ۸۰۰، ۳/ ۵۱۷.

(٤) "الدر المنثور" سورة الإسراء، تحت الآية: ۱، ٥/ ۲۲۱.

(٥) "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن عباس ...إلخ، ر: ۲۵۸۰، ۱/ ٦۱۱.

(۶) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: «إنّا بنو هاشم نزعم أَنْ نقولَ: إنّ محمّداً قد رأى ربَّه مرَّتَين»[1] "ہم بنی ہاشم (اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ) تو کہتے ہیں، کہ بے شک محمد ﷺ نے اپنے رب تعالی کو دو ۲ بار دیکھا"۔

(۷) حضرت سیّدنا عبداللہ بن ابی سلَمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے دریافت کیا، کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تعالی کو دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ "ہاں دیکھا"[2]۔

(۸) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تعالی کو دیکھا"۔ حضرت سیّدنا عکرمہ رضی اللہ تعالی عنہ ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، کہ کیا حضور ﷺ نے اپنے ربّ تعالی کو دیکھا؟ فرمایا: "ہاں، اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے کلام رکھا، ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنا خلیل بنایا، اور ہمارے آقا ﷺ کو بلا حجاب اپنا دیدار کرایا"[3]۔

(۹) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «إنّ محمّداً ﷺ رأى ربَّه سبحانه وتعالى»[4] "یقیناً جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب عزّوجلّ کو دیکھا"۔

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، [باب ومن] سورة والنجم، ر: ۳۲۷۸، صـ۷٤٥. "الدر المنثور" سورة النجم، تحت الآية: ۱۳، ۷/ ٦٤٧.

(۲) "سنن الترمذي" ر: ۳۲۷۹، صـ٧٤٦. "المعجم الأوسط" باب الهاء، من اسمه: الهيثم، ر: ۹۳۹٦، ٦/ ٤٥٩. "الأسماء والصفات" باب ما جاء في قول الله ﷻ: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۞ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ ...إلخ، ٢/ ١٩٠.

(۳) "الأسماء والصفات" باب ما جاء في قول الله ﷻ: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۞ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ ...إلخ، ٢/ ١٩٠. "الدر المنثور" سورة النجم، تحت الآية: ۱۳، ۷/ ٦٤٨.

(٤) "مسند البزّار" مسند أبي حمزة أنس بن مالك، ر: ۷۱٦٥، ۱۳/ ٤٢٦.

معراج النبی ﷺ اقوالِ علماء کی روشنی میں

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إنّ الحسنَ كان يَحلِفُ بِالله، لقَد رَأى محمّدٌ ربَّه"(۱). "امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے، کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تعالی کو دیکھا"۔

علّامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إنّ منكِرَه يكون مبتِدعاً"(۲). "جس نے معراج کا انکار کیا، وہ بدعتی ہے"۔

اس پر علّامہ لقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إنّ منكِرَ المعراج حُكِم بتبديعِه وتفسيقِه، وهو الصَّوابُ في خصوص المعراج، وأمّا الإسراءَ فحكمُ منكِرِه الكفرُ"(۳). "یہ تو خاص معراج کے انکار کا حکم ہے کہ "وہ بدعتی اور فاسق ہے"، جبکہ مطلقاً اِسراء (مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصی تک کے سفر) کا انکار کرنے والا کافر ہے"۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مَن أنكرَ الإسراءَ فهو كافر"(٤). "جس نے مطلقاً اِسراء کا انکار کیا، وہ کافر ہے"۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ معراج اللہ تعالی کا خصوصی اِنعام ہے، جو اللہ تعالی نے ہمارے پیارے آقا ﷺ کو عطا فرمایا، کہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو عطا نہیں ہوا، اور یہ آپ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ بھی ہے۔

اس اعتقاد ونظریہ کو کفر وشرک وبدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

---

(۱) "الشفا" القسم ۱، الباب ۳، الفصل ۵، الجزء ۱ صـ۱۲٦.

(۲) "شرح العقائد" صـ۲۱۹.

(۳) "هداية المريد" معجزة الإسراء والمعراج، ۲/ ۸۵۸.

(٤) "منح الرَّوض" صـ۳۲۲، ملتقطاً.

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام قشیری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "کتاب المعراج"[۱]، حضرت علّامہ محمد ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "تنویر السراج فی بیان المعراج"[۲]، حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "معراج النبی"[۳]، حضرت علّامہ سیّد ابو الحسنات محمد احمد علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "معراج مبارک"[۴]، حضرت علّامہ سیّد محمود احمد رضوی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "معراج النبی"[۵] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعة من دار بيبليون باريس، تيونس.

(۲) مطبوعہ تنظیم نوجوانان اہل سنّت، لاہور۔ مجموعۂ تقاریر۔

(۳) مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز، ملتان۔

(۴) مطبوعہ مقبولِ عام پریس، لاہور۔

(۵) مطبوعہ مکتبہ رضوان، لاہور۔

(۲۵) عقیدۂ ختمِ نبوّت

اللہ تعالی نے انسانیت کی رَہنمائی کے لیے انبیاء ورُسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا(بھیجا)، اور اُن پر وحی نازل فرمائی؛ تاکہ وہ پیغامِ الٰہی اپنے امّتیوں سے بیان فرمائیں۔ نبوّت ورِسالت کا یہ سلسلہ حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمدِ مصطفی، احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔ خالقِ کائنات جلّ جلالہ نے اپنے حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو، رحمۃ للعالمین کے لقب سے سرفراز فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر عالَم کے لیے اللہ تعالی کی رَحمت ہیں، اس کے علاوہ ربِ کریم نے حضور سیّدِ اَنام صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر، دینِ متین کی تکمیل فرما دی، اور وحی جیسی نعمت کو بھی تمام کر دیا، اور اسلام جیسے عالمگیر (Universal)، اَبدی (Eternal)اور متحرک(Dynamic) دین کو، رہتی دنیا تک کے لیے اپنا پسندیدہ دِین قرار دیا۔

عقیدۂ ختمِ نبوت، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) قرآن مجید میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا اعلان، اس آیتِ مبارکہ میں کیا گیا ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾(۱) "محمد تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں وہ اللہ کے رسول، اور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں، اور اللہ تعالی سب کچھ جانتا ہے!"۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وقد أخبرَ تعالى في كتابه، ورسولُه في السُّنّةِ المتواترةِ عنه: أنّه لَا نبِيَّ بعدَه"(۲). "رب تعالی نے اپنی کتاب میں، اور حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے متواتر احادیث میں یہ بتایا، کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں"۔

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ٤٠.

(۲) "تفسير ابن كثير" الأحزاب: تحت الآية: ٤٠، ٣/ ٤٩٦.

(۲) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[1] "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی!"۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "هذه أكبر نِعَمِ الله عزّ وجلّ علَى هذه الأمّةِ، حيث أكمل تعالَى لهم دينَهم، فلا يحتاجون إلَى دِينِ غَيره، ولا إلى نَبيّ غَيرِ نبيِّهِم -صلواتُ الله وسلامُه عليه-، ولهذَا جعلَه اللهُ خاتَمَ الأنبِياءِ، وبعثه إلى الإنسِ والجِنّ"[2]. "یہ اللہ تعالی کا بہت بڑا انعام ہے اس امّت پر، کہ اس نے ان کے لیے ان کے دین کو مکمل کر دیا، ان کو اس دین اسلام کے سِوا کسی دین کی محتاجی نہیں، نہ نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سِوا کسی اَور نبی کی احتیاج ہے، اللہ تعالی نے تمھارے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خاتم النبیین بناکر، تمام اِنس وجن کی طرف بھیجا ہے"۔

(۳) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[3] "اے حبیب! یقیناً ہم نے آپ کو ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا ہے، جو تمام لوگوں کو اپنے اِحاطے میں لیے ہوئے ہے، آپ کو بھیجا ہے خوشخبری دیتا ہوا، اور ڈر سناتا ہوا، لیکن بہت لوگ یہ بات نہیں جانتے"۔

(۴) ربّ العالمین کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾[4] "اے حبیب! آپ فرمادیجیے، کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں"۔

امام حافظ الدّین نَسَفی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: "بُعثَ كلُّ رسولٍ إلى

---

(۱) پ٦، المائدة: ٣.

(۲) "تفسير ابن كثير" المائدة، تحت الآية: ٣، ٢/ ١٤.

(۳) پ٢٢، سبأ: ٢٨.

(٤) پ٩، الأعراف: ١٥٨.

قَوْمِه خَاصّةً، وبُعثَ محمدٌ ﷺ إلى كافةِ الإنس وكافّة الجنّ"(۱). "ہر رسول خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا، جبکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ تمام جن واِنس کی طرف رسول بناکر بھیجے گئے"۔

یہ آیت نصِ قطعی ہے، اور اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں، رسولِ کریم ﷺ کے بہت سے ارشادات کتبِ حدیث میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ یہاں چند احادیث پیش کی جارہی ہے؛ تاکہ منکِرینِ ختمِ نبوّت پر حق واضح ہو جائے:

عقیدۂ ختمِ نبوّت، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَثَلي ومَثَلُ الأنبياءِ مِن قبلي، كمَثَلِ رَجُلٍ بَنى بيتاً فأحسنَه وأجملَه، إلّا مَوضِعَ لَبِنةٍ مِن زاويةٍ، فجعل النّاسَ يَطوفُونَ به ويعجبون له، ويقولون: هَلَّا وُضِعَتْ هذه اللّبِنةُ؟ قال: فأنا اللّبِنةُ! وأنا خاتَمُ النّبِيّينَ!»(۲) "میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی نے ایک گھر بنایا، اسے بہت عمدہ اور آراستہ وپیراستہ کیا، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، جب لوگ اس گھر کو دیکھنے جُوق درجُوق آتے ہیں، اسے پسند بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی؟!" حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: وہ آخری اینٹ میں ہی ہوں! اور میں نبیوں میں سب سے آخری نبی ہوں!"۔

(۲) حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں پانچ ۵ سال تک حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، میں نے خود سنا کہ وہ یہ حدیث بیان فرماتے ہیں، کہ نبیٔ مکرّم رسولِ معظّم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «كانت بنُو إسرائيلَ تَسُوسهمُ الأنبِياءُ، كلّما هلكَ نَبِيٌّ خلفَه نبِيٌّ، وإنّه لاَ نبِيَّ بعدِي، وسيكُونُ خلفَاءُ

---

(۱) "مدارك التنزيل" أعراف، تحت الآية: ۱۵۸، ۱/ ٤٤٨.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ، ر: ۳۵۳۵، صـ۵۹۵.

فيكثرون»[1] "بنی اسرائیل کے حکمران انبیائے کرام ہوا کرتے تھے، جب بھی کسی نبی کا وصال ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا، لیکن میرے بعد ہرگز کوئی نبی نہیں، البتہ عنقریب خلفاء ہوں گے، اور کثرت سے ہوں گے"۔

(۳) حضرت سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّي عندَ الله في أوّلِ الكتَابِ لخَاتَمُ النّبيّين، وإنّ آدمَ لَـمُنجَدِلٌ في طينته»[2] "میں اللہ تعالی کے نزدیک اُسی وقت خاتم النبیین مقرّر ہو چکا تھا، جب حضرت آدم ابھی گوندھی ہوئی مٹی کی صورت میں تھے"۔

(۴) حضرت سیّدنا محمد بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ گرامی، حضرت سیّدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «أنا محمّدٌ، وأنا أَحمَدُ، وأنا المَاحِي الّذِي يُمحىٰ بِيَ الكُفرُ، وأنا الحاشِرُ الّذِي يُحشَرُ النّاسُ على قدمي، وأنا العاقب، والعاقِبُ الّذِي ليس بعدَه نبيٌّ!»[3] "میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور ماحی (مٹانے والا) ہوں، میرے ذریعے کفر کو مٹایا جائے گا، اور میں حاشر ہوں، لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا، اور میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں!"۔

(۵) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «فُضِّلتُ علَى الأنبياءِ بِستٍّ: (١) أُعطِيتُ جوامِعَ الكَلِمِ، (٢) ونُصِرتُ بالرُّعبِ، (٣) وأُحِلَّتْ لِيَ الغنائِمُ، (٤) وجُعِلَتْ لِيَ الأرضُ طهُوراً ومسجداً، (٥) وأُرْسِلتُ إِلَى الخَلقِ كافّةً، (٦) وخُتم بِيَ النّبيّون»[4] "مجھے دیگر انبیاء پر چھ۶ باتوں میں فضیلت دی گئی: (ا) مجھے

---

(١) المرجع نفسه، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ر: ٣٤٥٥، صـ٥٨٢.

(٢) "مستدرَك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدّمين من الأنبياء والمرسَلين، ذكر أخبار سيّد المرسَلين وخاتم النبيين، ر: ٤١٧٥، ٤/ ١٥٦٥. [قال الإمام الحاكم]: "هذا حديثٌ صحيحُ الإسناد" [وقال الإمام الذهبي]: "صحيحٌ".

(٣) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب أسمائه ﷺ، ر: ٢٣٥٤، صـ١٠٣٤.

(٤) المرجع نفسه، كتاب المساجد ومواضع الصّلاة، ر: ١١٦٧، صـ٢١٣.

جامع کلمات عطا کیے گئے، (۲) دشمن پر رُعب ودَبدَبے کے ذریعے، اللہ تعالی نے میری مدد فرمائی، (۳) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا، (۴) میرے لیے ساری زمین پاک اور جائے سجدہ بنادی گئی، (۵) مجھے تمام تر مخلوقات کا نبی بناکر بھیجا گیا، (۶) اور سلسلۂ نبوّت مجھ پر ختم کر دیا گیا!"۔

(۶) حضرت سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت، امیر المؤمنین حضرت سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کو مدینہ منوّرہ میں چھوڑا، تو حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں! فرمایا: «أَلاَ تَرْضَى أن تَكُونَ منّي بمنزِلَةِ هارُونَ من مُوسَى، إِلَّا أنّه ليس نبِيٌّ بَعدِي!»[1] "کیا تم اس بات پر راضی نہیں، کہ تم یہاں مدینہ منوّرہ میں، میرے نائب بن کر ایسے رہو، جیسے ہارون علیہ السلام موسی علیہ السلام کے نائب بن کر رہے، مگر یہ کہ وہ نبی تھے، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں!"۔

(۷) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «فيأتون محمّداً فيقُولُونَ: يا محمّدُ! أَنتَ رسولُ الله وخاتِمُ الأنبياءِ!»[2] "سب اوّلین وآخِرین، حضور خاتم النبیین افضل المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حضور آکر عرض کریں گے، کہ حضور آپ اللہ تعالی کے رسول، اور تمام انبیاء میں آخری نبی ہیں!"۔

(۸) حضرتِ اسماعیل بن ابی خالد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کہتے ہیں، کہ میں نے حضرت سیّدنا ابن ابی اَوفی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا، کہ کیا آپ نے حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے شہزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ فرمایا: «ماتَ صغيراً، ولَو قُضِيَ أن يكونَ بعد محمّدٍ ﷺ نبيٌّ، عاش ابنُه، ولكِنْ لاَ نبِيَّ بعدَه!»[3]

---

(۱) "صحیح البخاري" كتاب المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة، ر: ٤٤١٦، صـ٧٤٩.

(۲) المرجع نفسه، كتاب التفسير، باب ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً﴾ ر: ٤٧١٢، صـ٨١٥، ٨١٦.

(۳) المرجع السابق.

"ان کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، اور اگر اللہ تعالی کو منظور ہوتا، کہ حضور کے بعد کوئی نبی ہو، تو مدنی آقا ﷺ کے شہزادے دنیا میں رہتے، مگر حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں!"۔

(۹) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، حضور نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «فإنّي آخرُ الأنبياء!»[1] "میں سب سے آخری نبی ہوں!"۔

(۱۰) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أنا قائِدُ المُرسَلين ولَا فخرَ! وأنا خاتَمُ النّبيين ولا فخر! وأنا أوّلُ شافِعٍ وأوّلُ مشفَّعٍ ولَا فخر!»[2] "میں تمام رسولوں کا قائد ہوں، بطورِ فخر نہیں کہتا! میں تمام پیغمبروں کا خاتَم ہوں، بطورِ فخر نہیں کہتا! میں سب سے پہلے شَفاعت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلے میری شَفاعت قبول کی جائے گی، اور یہ بات بھی بطورِ فخر نہیں کہتا!"۔

(۱۱) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إنّ الرّسالةَ والنّبوّةَ قد انقطَعتْ، فلَا رسولَ بَعدِي ولَا نبيَّ!»[3] "یقیناً رسالت ونبوّت ختم ہوگئی، اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ کوئی نبی!"۔

(۱۲) حضرت سیّدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فضل الصّلاة بمسجدي مكة والمدينة، ر: ٣٣٧٦، صـ٥٨٣.

(٢) "سنن الدارمي" كتاب علامات النبوّة، وفضائل سيّد الأوّلين والآخرين، باب مَا أُعْطِيَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْفَضْلِ، ر: ٤٩، ١/ ٤٠.

(٣) "سنن الترمذي" أبواب الرؤيا، باب ذهبت النبوةُ وبقيت المبشّرات، ر: ٢٢٧٢، صـ٥٢٢. [قال الإمام الترمذي]: "هذا حديثٌ صحيحٌ غريب".

«لَو كان نبيٌّ بَعدِي، لكان عمر بن الخطّاب!»[1] "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو عمر بن خطّاب ہوتے!"۔

(۱۳) حضرت سیّدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «وإنّه سيكون في أمَّتِي كذّابُونَ ثلاثُون، كلُّهم يزعمُ أنّهُ نبيٌّ، وأنا خاتَمُ النّبِيّين، لا نبِيَّ بَعْدِي!»[2] "عنقریب اس امّت میں تیس ۳۰ دجّال کذّاب ظاہر ہوں گے، ہر ایک دعوی کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں!"۔

(۱۴) حضرت سیّدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا: «وإن الله لم يَبعَثْ نبيّاً إلّا حذّر أُمّتَه الدّجّالَ، وأنا آخِرُ الأنبياءِ، وأنتم آخِرُ الأمَم، وهو خَارِجٌ فيكم لَا مَحَالَةَ!»[3] "اللہ تعالی نے جتنے بھی انبیاء بھیجے، ہر ایک نے اپنی امّت کو دجّال کے فتنے سے ہوشیار کیا، اب میں آخری نبی ہوں، اور تم لوگ آخری امّت ہو، تو سُن لو کہ وہ ضرور تمھارے زمانے میں ہی آئے گا!"۔

(۱۵) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إنّ موسَى لَمَّا نزلتْ عليه التّوراةُ وقرأها، فوجد فيها ذكرَ هذه الأمّةِ فقال: يا ربّي! إنّي أجد في الألواحِ أمّةً هُم الآخِرُون السّابِقون، فَاجعَلْها أمّتِي! قال: تلك أمّةُ أَحْمَد»[4] "جب موسی علیہ السلام پر توریت شریف نازل ہوئی، اور انہوں نے اس کی تلاوت کی، تو اس میں امّتِ محمدیہ کا ذکر پایا، عرض کی:

---

(١) المرجع نفسه، أبواب المناقب، باب، ر: ٣٦٨٦، صـ٨٣٨. قال الإمام الترمذي: "هذا حديثٌ حسنٌ غريب".

(٢) "سنن أبي داود" كتاب الفِتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، ر: ٤٢٥٢، صـ٥٩٦.

(٣) "سنن ابن ماجه" كتاب الفتن، باب فتنة الدجال ...إلخ، ر: ٤٠٧٧، صـ٦٩٥.

(٤) "دلائل النبوّة" لأبي نعيم، الفصل ٤ ذكر الفضيلة الرابعة بإقسام الله بحياته ...إلخ، ر: ٣١، صـ٦٨.

یارب! میں اس کتاب (توریت) میں ایک امّت کا ذکر پاتا ہوں، جو دنیا میں سب سے آخری، اور مرتبہ میں سب سے اوّل ہے، تو اُسے میری امّت بنا دے! فرمایا: وہ امّت تو احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی امّت ہے!"۔

(۱۶) حضرت سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبئ کریم ﷺ نے اپنے چچا حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: «أنا خاتمُ النّبيّين!» ثمّ رفع يدَه وقال: «اللهُمّ اغفرْ للْعبّاسِ، وأبناءِ العبّاسِ، وأبناءِ أبناءِ العبّاس!»[۱] "میں آخری نبی ہوں!"، پھر اپنے ہاتھ بلند کرکے دعا فرمائی: "اے اللہ! عباس اور اس کی اولاد کی مغفرت فرما، اور عباس کی اولاد کی اولاد کی بھی مغفرت فرما!"۔

عقیدۂ ختمِ نبوّت، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمامُ الغزالي رحمه الله تعالى: "إنّ الأمّةَ فَهِمَتْ بالإجماعِ، أنّه أَفهَمَ عَدمَ نبِيٍّ بعده أبداً، وعدمَ رسولِ الله أبداً، وأنّه ليس فيه تأويلٌ ولَا تخصِيْص، فمنكِر هذا لا يكون إلّا منكِرَ الإجماعِ"[۲].

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "پوری امّت لفظ "خاتم النبیین" کا معنی یہی سمجھتی ہے، کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کبھی کوئی نیا نبی ورسول نہیں آئے گا، اور تمام امّت نے یہی مانا ہے، کہ اس میں قطعًا کوئی تاویل یا تخصیص نہیں، اور اس بات کا منکِر یقینًا اِجماعِ امّت کا منکِر ہے"۔

قال الإمامُ ابن حجر المكّي رحمه الله تعالى: "وَاضِحٌ تكفيرُ مدّعِي النبوّة، ويَظهَر كفرُ مَنْ طلبَ منه معجزةً؛ لأنّه بطلبه لها منه، مجوِّزٌ لصدقِه، مع استحالتِه المعلومةِ من الدِّين بالضرورة. نعم، إن أرادَ بذلك تسفيهَه وبيانَ كذبِه فلا كفر"[۳].

---

(۱) "المعجم الكبير" باب السين، خارجة بن زيد بن ثابت، عن سهل بن سعد، ر: ٦٠٢٠، ٦/ ٢٠٥.

(۲) "الاقتصاد في الاعتقاد" القطب ٤، الباب ٤: بيان من يجب تكفيره من الفرق، صـ١٣٧.

(۳) "الإعلام بقواطع الإسلام" صـ٣٩.

امام ابنِ حجر مکّی رحمۃ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "مدّعیٔ نبوّت کی تکفیر تو خود ہی واضح ہے، اور جو اس سے معجزہ طلب کرے اس کا بھی کفر ظاہر ہے؛ کیونکہ طلبِ معجزہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ طلب کرنے والا کسی نئے نبی کا آنا جائز سمجھتا ہے، حالانکہ دینِ اسلام کے بنیادی (عقائد) سے بالکل واضح ہے، کہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے کا نبی ہونا مُحال (ناممکن) ہے۔ ہاں اگر اس طلبِ معجزہ سے مدّعی کو احمق بتانا، اور اس کا جُھوٹ ظاہر کرنا مقصود ہو، تب یہ طلب کفر نہیں"۔

قال الإمام القاضي عياض، والعلّامة شِهاب الدّين الخَفاجي: "(مَن ادّعى نبوّةَ أحدٍ مع نبيِّنا ﷺ) أي: فِي زَمنه كمسَيلمةِ الكذّاب، والأَسوَد العنسي (أو) ادّعى نبوّةَ أحدٍ (بعدَه)؛ فإنّه خاتَمُ النّبيين بنصّ القرآن وَالحديث، فهذا تكذيبٌ لله ورسوله ﷺ"[1].

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی "شفاء" میں، اور حضرت علّامہ شِہاب الدین خَفاجی علیہ الرحمۃ اس کی شرح "نسیم الریاض" میں فرماتے ہیں کہ "اسی طرح وہ بھی کافر ہے، جو ہمارے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں، کسی اَور کی نبوّت کا دعویٰ کرے، جیسے مُسَیلمہ کذّاب واَسود عنسی، یا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوّت کو مانے؛ اس لیے کہ قرآن وحدیث میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی صراحت ہے، تو گویا یہ شخص اللہ ورسول کو جھٹلا رہا ہے"۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق، ختمِ نبوّت سے مراد یہ ہے کہ "حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اللہ تعالی کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں، اللہ رب العزّت نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اس جہان میں بھیج کر، بعثتِ انبیاء کا سلسلہ ختم فرمادیا ہے، اب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا"۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا بیان، قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں واضح ہے، جس میں سے کچھ کا ذکر ہم نے بھی کر دیا۔

---

(١) "نسيم الرياض" القسم ٤، الباب ٣، فصل في بيان ما هو من المقالات كفر، ٦/ ٣٥٥.

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ "حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی بھی آسکتا ہے" وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے کافر ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مفصّل اور مدلّل رسائل ہیں، جن میں آپ نے قرآن، حدیث اور اقوالِ علماء سے ثابت کیا ہے، کہ حضور اقدس ﷺ آخری نبی ہیں، اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے بعد کوئی نبی ظلی یا طفیلی نہیں آسکتا: (۱) "المبین ختم النبیین"[۱]، (۲) "السُّوء والعقاب على المسيح الكذّاب"[۲]، (۳) "قَهر الدَّيان على مرتَد بقاديان"[۳]، (۴) "الجراز الديّاني على المرتَد القادياني"[۴]، (۵) "جزاءُ الله عدوَّه بإبائِه ختمَ النبوّة"[۵]، حضرت علّامہ مفتی غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ کی تالیفات: (۶) "تحقیقاتِ دستگیریہ فی ردّ ہفوات براہینیہ"[۶]، (۷) "رَجم الشّياطين بردّ أغلوطات البَراهين"[۷]، (۸) "فتحِ رحماني بدفع كيدِ قادياني"[۸]، حجۃ الاسلام حضرت علّامہ حامد رضا خان علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۹) "الصارم الربّاني على إسراف القادياني"[۹]، حضور مفتیٔ اعظم ہند مصطفی رضا خان علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱۰) "تصحیح یقین بر ختم

---

(۱) "فتاوی رضویہ" ۲۲/ ۲۳تا۴۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۲۲/۴۳تا۵۸، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) ایضًا، ۲۲/۶۱تا۷۲، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) ایضًا، ۲۲/۷۵تا۸۸، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۵) ایضًا، ۲۲/۹۱تا۱۷۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۶) "عقیدۂ ختم نبوّت" /۱۴۵تا۲۰۱، مطبوعہ ادارہ تحفظ العقائد الاسلامیہ، کراچی۔

(۷) ایضًا، ۱/۲۲۹تا۲۷۷، مطبوعہ ادارہ تحفظ العقائد الاسلامیہ، کراچی۔

(۸) ایضًا، ۲/۷۵۴تا۵۳۳، مطبوعہ ادارہ تحفظ العقائد الاسلامیہ، کراچی۔

(۹) "فتاوی رضویہ" ۲۲/ ۲۳تا۴۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

نبیّین"(۱)، حضرت علّامہ مفتی غلام رسول نقشبندی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱۱) "الإلهام الصّحيح في إثبات المسيح"(۲)، حضرت علّامہ مفتی قاضی فضل احمد مجدّدی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱۲) "کلمہ فضلِ رحمانی بجواب اَوہامِ قادیانی"(۳)، حضرت علّامہ محمد حیدر اللہ خان علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱۳) "درّة الدرّاني على ردّة القادياني"(٤)، مبلغِ اسلام حضرت علّامہ عبد العلیم میرٹھی صدیقی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱۴) "مرزائی حقیقت کا اِظہار"(۵)، حضرت علّامہ سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ کی تالیفات (۱۵) "ہدایۃ الرسول"(٦)، (۱۶) "شمس الهداية في إثبات حياة المسيح"(۷)، (۱۷) "سیفِ چشتیائی"(۸)، حضرت شیخ الاسلام اَنوار اللہ حنفی کے رسائل: (۱۸) "مفاتيح الأعلام"(۹)، (۱۹) "إفادة الأفهام"(۱۰)، (۲۰) "أنوار الحقّ"(۱۱)، اور غزالیٔ زماں حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲۱) "التبشير بردّ التحذير"(۱۲) کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) "عقیدۂ ختمِ نبوّت" جلد ا ص ۳۳۷ تا ۳۹۵، مطبوعہ ادارہ تحفظ العقائد الاسلامیہ، کراچی۔

(۳) ایضًا، ص ۴۹۵ تا ٦٦۵۔

(۴) ایضًا، جلد ۳ ص ۲۷ تا ۴۰۸۔

(۵) ایضًا، ص ۴۲۹ تا ۵۱۴۔

(٦) ایضًا، ص ۵۵۹ تا ٦۵۷۔

(۷) ایضًا، جلد ۴ ص ۱۳ تا ۱۵۷۔

(۸) ایضًا، ص ۱٦۵ تا ۵۸۱۔

(۹) ایضًا، جلد ۵ ص ۹۵ تا ۱۵۷۔

(۱۰) ایضًا، ص ۱٦۳ تا ۴۹۰ و جلد ٦ ص ۱۳ تا ۳۳۴۔

(۱۱) ایضًا، جلد ٦ ص ۳۳۹ تا ۳۸۴۔

(۱۲) مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان۔

نوٹ: عقیدۂ ختم نبوّت پر علمائے اہل سنّت کی تالیفات سے آگاہی کے لیے، حضرت مفتی محمد امین قادری میمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرتبہ مجموعہ "عقیدۂ ختم نبوّت" کا بطور خاص مطالعہ کیجیے۔
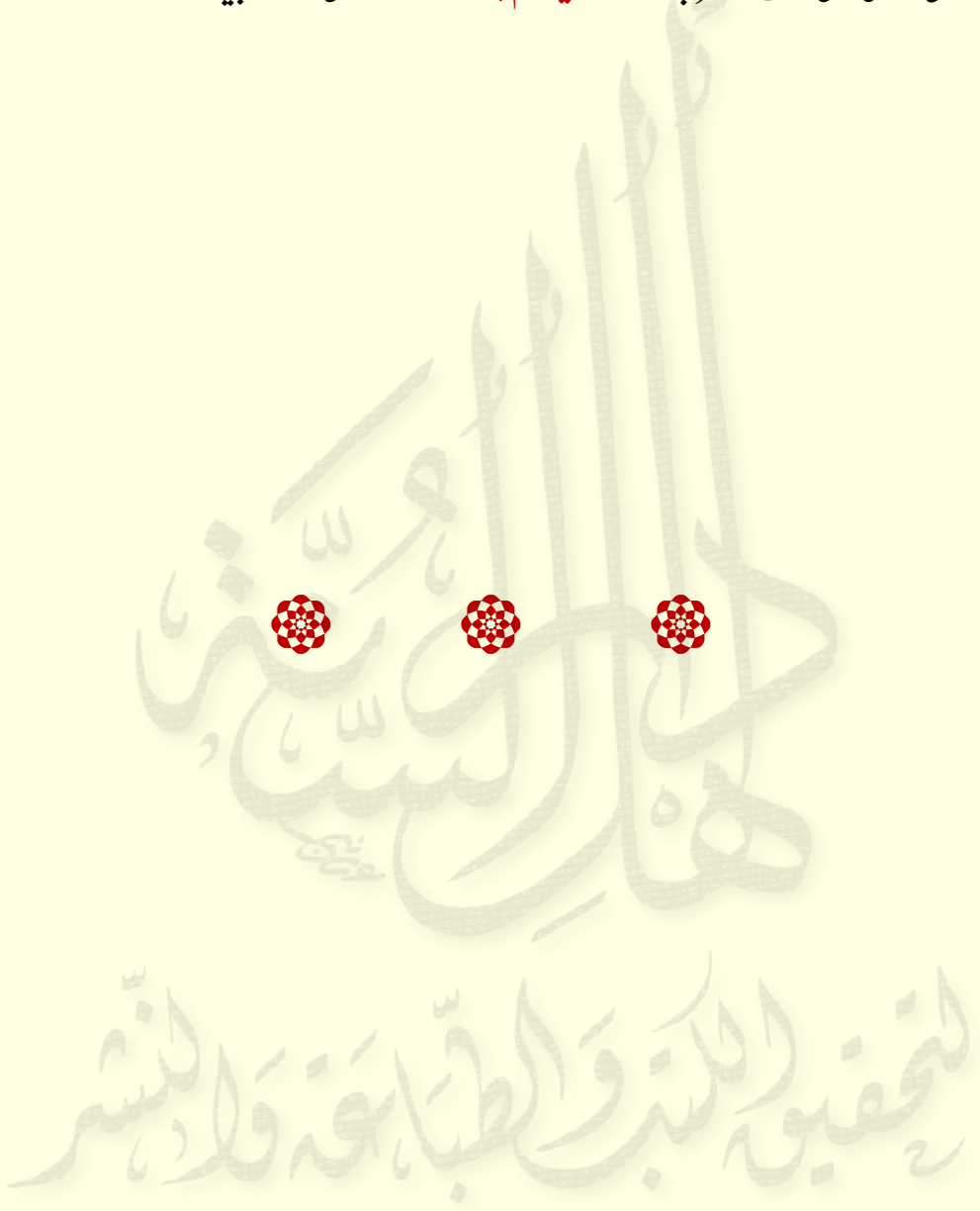
(۲٦) تحفظِ ناموسِ رسالت اور ہماری ذمّہ داریاں

ناموس کا لفظی معنی "عزّت وآبرُو" ہے[۱]، جبکہ رسالت کے لُغوی معنی "پیغام پہنچانے کے ہیں"[۲]۔ اصطلاحی طور پر یہاں ناموس رسالت کا مفہوم یہ ہے، کہ "اللہ تعالی کے ہر نبی کی قدر ومنزلت کا اعتراف واہتمام یقینی بنایا جائے"۔

موجودہ زمانے میں ناموسِ رسالت ﷺ کے خلاف، باقاعدہ ایک عالمگیر مہم چلائی جار ہی ہے، دَورِ حاضر میں سوشل میڈیا پر مختلف بلاگرز (Bloggers) کا یورپی فتنہ وفساد، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ کی ناموس کی حفاظت، ہر مسلمان کی غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے، لہذا ہر مسلمان کو اپنی حیثیت اور دائرۂ کار میں، اس ذمہ داری کے لیے تَن مَن دھن سے حصہ لینا لازم وضروری فرض ہے۔ واضح رہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان کے قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت 295-C میں، کسی بھی قسم کی ترمیم کی، نہ صرف ہر سطح پر مذمّت ومزاحمت ضروری ہے، بلکہ اس کے نفاذ کو غیر مؤثر بنانے کے لیے ضابطۂ تعزیرات میں، جو قانونی یا انتظامی اِقدامات کیے جاتے ہیں، ان کی بھی مذمّت ومزاحمت ضروری ہے۔

بلاگرز (Bloggers) کا یورپی فتنہ: اپنے باطل نظریات، باطل خیالات ومُشاہَدات اور نام نہاد تجربات کو باقاعدہ منظّم انداز میں انٹرنیٹ پر محفوظ کرنا؛ تاکہ لوگ انہیں دیکھیں اور پڑھیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناموسِ رسالت مآب ﷺ، شعائرِ دینِ اسلام اور دِینی اَقدار کو اپنے اِبلیسی جذبات کے اِظہار کے لیے تختۂ مَشق بناتے ہیں۔ لہذا وزارتِ آئی ٹی (IT) کی ذمہ داری ہے، کہ اِن بلاگرز (Bloggers) کو فوری طَور

---

(۱) "القاموس الوحيد" صـ١٧٠٩.

(۲) المرجع نفسه، صـ٦٢٣.

پر بلاک کرے، اور ان کی شناخت کر کے انہیں عبرتناک سزا دے۔ اس مقام پر سرکاری ذمّہ داران کی خاموشی بھی مجرمانہ ہے، جبکہ ہمارے ہاں Cybercrime کا قانون بھی موجود ہے۔

ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے، کہ اللہ، رسول اور قرآنِ کریم کی ناموس، اور شعائرِ دینِ اسلام کی حرمت، مسلمانوں کے لیے انتہائی حسّاس مُعاملہ ہے۔ پہلے پہل ایسی فضا بنائی جاتی ہے جس سے مسلمان مشتعل ہوں، اور پھر ان پر انتہا پسندی، نفرت انگیزی اور جذباتیت کی چھاپ لگا دی جاتی ہے، نیز ان کے خلاف جی بھر کر ملامتی و مذمّتی بیانات بھی جاری کیے جاتے ہیں[1]۔

مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی تعظیم وتوقیر، جس طرح آپ کی حیاتِ ظاہری میں کی جاتی تھی، اسی طرح ہماری نظروں سے پردہ فرمانے کے بعد بھی واجب ولازم ہے[2]۔

تحفظِ ناموسِ رسالت، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

یہاں ناموسِ رسالت کا مفہوم یہ ہے، کہ اللہ تعالی کے ہر نبی کی قدر ومنزلت کا اعتراف واہتمام کیا جائے؛ کیونکہ یہ حضرات مقدّسہ اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے ہیں، جبکہ ہمارے پیارے آقا ﷺ تمام انبیاء ومرسَلین سے فضیلت ومرتبے میں بزرگ تر ہیں۔

(١) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾[3] "یہ رسول ہیں، کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا، ان میں کسی سے تو اللہ تعالی نے کلام فرمایا، اور کوئی وہ ہے جس کے درجات سب سے بلند کیے"۔

---

(١) "اصلاحِ عقائد واعمال" ص۴۵تا۴۸۔

(٢) "الشفا" القسم ٢: فيما يجب على الأنام من حقوقه، الباب ٣ في تعظيم أمره ...إلخ، فصل، الجزء ٢، صـ٢٦.

(٣) پ٣، البقرة: ٢٥٣.

(٢) اللہ عزّوجلّ نے حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾[1] "اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ! اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو!"۔

تفسیر جلالین میں اس آیت مبارکہ کے تحت فرمایا: "يعظّموا، وضمير هما لله ولرسوله"[2]. "یہ دونوں ضمیریں ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ اور ﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ کی، اللہ ورسول میں سے ہر ایک کی طرف لَوٹتی ہیں"۔

(٣) اللہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[3] "وہ لوگ جو اِس رسول پر ایمان لائیں، اور اس کی تعظیم کریں، اور اس کی مدد کریں، اور اُس نور (یعنی قرآن کریم) کی پیروی کریں، جو اِس رسول کے ساتھ اُترا ہے، تو وہی لوگ بامُراد ہوئے"۔

(٤) مزید فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[4] "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو! یقیناً اللہ سنتا جانتا ہے"۔

علّامہ خازن رحمہ اللہ تعالی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي: لا ينبغي لكم أن يصدرَ منكم تقديمٌ أصلاً. وقيل: لا تقدِّموا فعلاً بين يدَي الله ورسولِه، والمعنى: لا تقدِّموا بين يدَي أمرِ الله ورسولِه ولا نهيِها. وفيه إشارةٌ إلى احترامِ رسولِ الله ﷺ والانقياد لأوامِره ونَواهِيه"[5].

---

(١) پ٢٦، الفتح: ٩.

(٢) "الجلالين" الفتح، صـ٤٢٣.

(٣) پ٩، الأعراف: ١٥٧.

(٤) پ٢٦، الحجرات: ١.

(٥) "لُباب التأويل في مَعاني التنزيل" الحجرات، ٤/ ١٧٥، ملتقطاً.

"یعنی اے مؤمنو! تمھارے لیے جائز نہیں، کہ کسی بھی طَور پر اللہ ورسول سے آگے بڑھو"، اور بعض علماء نے کہا کہ مطلب یہ کہ "اللہ ورسول کے سامنے کسی فعل کو مقدَّم نہ کرو"۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ ورسول کے امر ونہی (حکم ومنع) کے آگے، کوئی فعل مقدَّم نہ کرو، اور اس میں اشارہ ہے حضور اکرم ﷺ کے احترام وتعظیم کی طرف، اور حضور کی فرمانبرداری کی طرف"۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أنّ اللهَ تعالى لمَّا بيّن محلَّ النبيِّ عليه الصلاة والسلام وعلوَّ درَجتِه، بكَوْنِه رسولَه الذي يُظْهِرُ دِينَه، وذكره بأنّه رحيمٌ بالمؤمنين بقوله: ﴿رَّحِيْمٌ﴾[1]. قال: لا تَترُكُوا مِنِ احترامِه شيئاً، لَا بالفِعلِ ولَا بالقَول، ولا تَغترّوا برَأفتِه، وانظُرُوا إلى رِفعةِ درجَتِه!"[2].

"یقیناً جب اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کا محل ومقام بیان فرمایا، اور حضور کے رُتبہ کی بلندی بیان کردی، اس طرح کہ وہ اس کے ایسے رسول ہیں، کہ ان کا دین سب پر غالب ہوگا، اور اپنے قول: ﴿رَّحِيْمٌ﴾[3] سے یہ بھی بیان کردیا، کہ حضور مؤمنوں کے لیے رحیم (مہربان) ہیں، تو گویا فرمادیا کہ حضور اکرم ﷺ کے احترام میں قولاً فعلاً کسی چیز کو ترک مت کرنا! حضور کی مہربانی وشفقت کے باعث ان کے احترام وتعظیم سے غافل مت ہونا! بلکہ ہر حال میں حضور کے بلند رُتبے کی طرف نظر ضرور رکھنا!"۔

(۵) ہمارا ربِّ کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾[4] "اے ایمان والو!

(١) پ١١، التوبة: ١٢٨.

(٢) "التفسير الكبير" الحجرات، تحت الآية: ١، ١٠/ ٩١.

(٣) پ١١، التوبة: ١٢٨.

(٤) پ٢٦، الحجرات: ٢.

اپنی آوازیں اونچی نہ کرو! اِس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے، اور ان کی بارگاہ میں چلّا کر بات نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو! کہ کہیں تمھارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تمہیں خبر تک نہ ہو!"۔

امام جلال الدّین سیوطی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "فيها من خصائص النّبي ﷺ: تحريمُ رفع الصَّوت عليه، والجهرُ له بالقول، واستدلّ به العلماءُ على المنع من رفع الصَّوت بحضرة قبرِه، وعند قراءة حديثِه؛ لأنّ حرمتَه ميّتاً كحُرمتِه حيّاً"[1]۔

"ان آیات مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ کے بعض خصائص کا ذکر ہے، کہ حضور اقدس ﷺ سے اپنی آواز بلند کرنا، یا حضور ﷺ سے چلّا کر بات کرنا حرام ہے۔ علمائے کرام نے اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے، کہ حضور اقدس ﷺ کے مزار شریف کے قریب بھی، آواز بلند کرنا ممنوع ہے، اور قراءتِ حدیث شریف کے وقت بھی آواز بلند کرنا منع ہے؛ اس لیے کہ حضور ﷺ کی عزّت وعظمت بعدِ وِصال بھی ایسے ہی لازم ہے، جیسے حضور اقدس ﷺ کی دنیاوی حیاتِ ظاہری میں تھی"۔

(۲) اللہ تعالی قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﹰاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾[2] "اے حبیب! آپ فرمادیجیے کہ تمھارے باپ، اور تمھارے بیٹے، اور تمھارے بھائی، اور تمھاری عورتیں، اور تمھارا کنبہ، اور تمھاری کمائی کے مال، اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے، اور تمھارے پسندیدہ مکان، یہ چیزیں اگر اللہ اور اس کے رسول، اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہوں، تو راہ تکتے رہو! یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لائے، اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا"۔

---

(۱) "الإكليل في استنباط التنزيل" سورة الحجرات، تحت الآية: ۲، صـ۲٤۱، ملتقطاً.

(۲) پ۱۰، التوبة: ۲٤.

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وذكر أنّه إن كانت رِعَايَةُ هذه المصالِحِ الدّنيوِيّةِ عندَكم، أَوْلَى مِن طاعةِ الله وطاعةِ رسولِه، ومِنَ المجاهَدةِ في سبيلِ الله، فتَرَبّصُوا بما تحِبّون! حتَّى يأتِيَ اللهُ بأمرِه! أي: بِعُقُوبَةٍ عاجلةٍ أو آجلةٍ، والمقصُودُ منه الوَعِيدُ"[1]. "ارشاد فرمایا کہ اگر یہ دنیاوی مُعاملات تمھارے نزدیک اللہ عزّوجلّ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اِطاعت وفرمانبرداری، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ اہم ہیں، تو راہ دیکھتے رہو اپنی پسندیدہ چیزوں کے ساتھ! یہاں تک کہ اللہ تعالی جلد یا کچھ تاخیر سے، اپنا عذاب لائے۔ اور اِس ارشاد سے مراد ڈرسنانا ہے"۔

(۷) جو لوگ ناموسِ رسالت کا پاس نہیں رکھتے، اور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بے ادبی وگستاخی کرتے ہیں، قرآن پاک نے ان کے لیے دنیا وآخرت میں لعنت اور ذلّت آمیز عذاب کی وعید سنائی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾[2] "یقیناً جو لوگ اِیذا دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا وآخرت میں، اور اللہ تعالی نے ان کے لیے ذِلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

امام بغوی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر فرماتے ہیں: "ومعنى الأذى هو مخالَفةُ أمرِ الله تعالى، وارتكابُ معاصِيه، وإيذَاءُ الرّسولِ، قال ابنُ عبّاسٍ: هو أنّه شُجَّ في وجهِهِ وكُسِرَت رباعيتُه. وقيل: شاعرٌ ساحرٌ مجنونٌ"[3]. "اذیت پہنچانے کے معنی ہیں، اللہ تعالی کے اَحکام کی نافرمانی، اور گناہوں کا ارتکاب کرنا، اور حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اذیت دینا کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا، کہ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چہرہ

(۱) "مفاتيح الغيب" التوبة، تحت الآية: ٢٤.

(۲) پ۲۲، الأحزاب: ٥٧.

(۳) "معالم التنزيل" الأحزاب، تحت الآية: ٥٧، ٣/ ٥٤٣.

مبارکہ کو زخمی کیا، سرکارِ دوعالَم ﷺ کا دانت مبارک شہید کیا، کسی نے شاعر کہا، کسی نے جادوگر کہا، اور کسی نے دیوانہ پاگل کہا"۔

(۸) اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾[۱] "یقیناً وہ جواللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں"۔

(۹) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾[۲] "یقیناً جو تمھارا دشمن ہے، وہی ہر خیر سے محروم ہے!"۔

تحفظِ ناموسِ رسالت، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لا يؤمِنُ أحدُكم، حتَّى أكونَ أحبَّ إليهِ من والدِه، وولدِه، والنّاسِ أجمَعِينَ»[۳] "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اُسے اس کے والد، اس کی اولاد، اور تمام لوگوں سے عزیز تر نہ ہو جاؤں"۔

حضورِ اقدس ﷺ کی تعظیم، یعنی اعتقادِ عظمت، ایمان کا حصہ اور رُکنِ ایمان ہے، اور یہ فعلِ تعظیم ایمان کے بعد ہر فرض سے مقدّم ہے[۴]۔ اِس کی اَہمیت کا پتا اس حدیث پاک سے چلتا ہے، کہ غزوہ خیبر سے واپسی میں منزل صہبا پر، نبئ اکرم ﷺ نے نمازِ عصر ادا کرکے، حضرت سیّدنا مَولی علی رضی اللہ تعالی عنہ کے زانو پر سرِ مبارک رکھ کر آرام فرمایا، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ابھی نمازِ عصر ادا نہیں کی تھی، آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ وقت جا رہا ہے، مگر اِس خیال سے کہ زانو سرکاؤں، تو حضور ﷺ کی نیند مبارک میں خلل

---

(۱) پ۲۸، المجادلة: ۲۰.

(۲) پ۳۰، الکوثر: ۳.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب حبّ الرسول ﷺ من الإيمان، ر: ۱۵، صـ٦.

(۴) "فتاوی رضویہ" کتاب الرد والمناظرۃ، رسالہ "الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیہ" ۲۰/۲۷۔

آئے گا! زانو نہ ہٹایا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا، جب چشمِ اقدس کھلی، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی نماز کا حال عرض کیا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ عصر ادا کی، تب سورج پھر سے ڈوب گیا[1]۔

اس سے ثابت ہوا کہ افضل العبادات نماز، اور وہ بھی صلاۃِ وُسطیٰ نمازِ عصر، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند پر قربان کردی؛ کہ عبادتیں بھی ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے صدقے ملی ہیں۔

دوسری حدیث پاک بھی[2] اس کی تائید میں یہ ہے، کہ سفرِ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں پہلے حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُترے، اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کیے، ایک سوراخ باقی رہ گیا تھا، اُس پر پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا، پھر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اندر بلایا، تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے، اور اُن کے زانو پر سرِ اقدس رکھ کر آرام فرمایا، اُس غار میں ایک سانپ مشتاقِ زیارت رہتا تھا، اُس نے اپنا سَر صدیقِ اکبر کے پاؤں پر مَلا، انہوں نے اِس خیال سے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ آئے! پاؤں نہ ہٹایا، آخر اُس سانپ نے پاؤں پر کاٹ لیا، جب حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو چہرۂ انور پر گرے، چشمِ مبارک کھلی، عرضِ حال کیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لُعابِ دَہن زخم پر لگایا، فوراً آرام آگیا، پھر ہر سال وہ زہر عَود کرتا رہا، بارہ ۱۲ برس بعد اُسی زہر کے سبب، حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی[3] ع

---

(۱) "المعجم الكبير" باب، ر: ٣٨٢، ٢٤/ ١٤٤، ١٤٥. [قال الهيثمي: "رواه الطَّبَراني بأسانيد ورجالُ أحدها رجالُ الصّحيح، عن إبراهيمَ بن حسنٍ وهو ثقةٌ، وَثَّقه ابنُ حِبَّانَ". "مجمع الزوائد" كتاب علامات النبوّة، باب حبس الشّمس له ﷺ، تحت ر: ١٤٠٩٦، ١٤٠٩٧، ٨/ ٢٩٧. "شرح مشكل الآثار" باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله ﷺ في مسألته الله ﷻ أن يردَّ الشمسَ عليه بعد غيبوبتها ...إلخ، ر: ١٠٦٧، ٣/ ٩٢.

(۲) "مشکاۃ المصابیح" کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر، فصل ۳، ر: ۶۰۳۴، ج۳، ص۳۳۸، ۳۳۹۔

(۳) "تفسير الخازن" سورة التوبة، ٢/ ٢٤٠. "روح البيان" سورة التوبة، ٣/ ٤٣٢، ٤٣٣.

مَولی علی نے واری تری نیند پر نماز | اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلی خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں اُن پہ دے چکے | اور حفظِ جاں تو جان فُروضِ غرر کی ہے
ہاں تُو نے اِنہیں جان اُنہیں پھیر دی نماز | پَر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشَر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فُروع ہیں | اصلُ الاصول بندگی اِس تاجوَر کی ہے[1]

حضرت سیّدنا سائب بن یزید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: "كنتُ قائماً في المسجدِ فحصبني رجلٌ، فنظَرتُ فإذا عمرُ بنُ الخَطّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فقال: اذْهَبْ فأْتِني بهذَينِ، فجئتُه بهما، قال: مَن أنتما -أو مِن أين أنتما؟- قالا: مِن أهلِ الطّائف، قال: لَو كنتما مِن أهلِ البلدِ لأَوجَعتُكما، تَرفعَانِ أصوَاتَكما في مسجدِ رسولِ الله صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!"[2].

"میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا، کہ کسی نے مجھے کنکری ماری، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا، تو وہ حضرت عمر بن خطّاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے، فرمایا کہ جاؤ اور اُن دو۲ آمیوں کو بُلا لاؤ، میں دونوں کو بُلا لایا، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے فرمایا، کہ تم لوگ کہاں کے ہو؟ دونوں عرض گزار ہوئے، کہ ہم طائف سے ہیں، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ اگر تم اِس شہر مدینہ کے رہنے والے ہوتے، تو میں تم دونوں کو سزا دیتا، تم رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو!"۔

تحفظِ ناموسِ رسالت، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام أحمد بن أبي بكر القسطلاني رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى: "لا سَبِيلَ لَنَا أَن نستَوعبَ الآياتِ الدّالّةَ على ذلك، وَمَا فِيهَا مِنَ التصريح والإِشَارَةِ إلى علوّ محلِّه الرّفيع ومرتبته، ووجوب المبالَغة في حِفظِ الأَدَبِ مَعَه"[3].

---

(١) "حدائق بخشش" حصہ اوّل، ص:٢٠٣ تا ٢٠٥۔

(٢) "صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب رفع الصوت في المسجد، ر: ٤٧٠، صـ٨١.

(٣) "المواهب اللدُنية" المقصد ٦ فيما ورد في آي التنزيل ...إلخ، ٢/ ٥٠٧.

"اُن تمام آیات مبارکہ کا اِحاطہ ہمارے لیے ممکن نہیں، جو تعظیم وادبِ نبی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، اور اُن آیات میں آپ کے مقام ومرتبہ کی بلندی، اور آپ کے ساتھ حفظِ ادب واحترام کے مبالغہ کے وجوب کے بارے میں، جو تصریحات واشارات ہیں، نہ ہم سے ان کا اِحاطہ ہوسکتا ہے"۔

قال العلّامةُ إسماعيل الحقّي رحمه الله تعالى: "يَجِبُ عَلى الأمّةِ أن يعظّموه عليه السلام ويوّقروه في جَمِيْع الأحوال، فِي حال حياته وبعد وفاته؛ فإنّه بقدر ازدياد تعظيمِه وتوقيرِه فِي القلوب، يزداد نورُ الإيمان!"[1].

"حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، ہر حال میں امّت پر واجب ہے، آپ کی حیاتِ ظاہری میں بھی اور بعدِ وصال بھی؛ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم دلوں میں جس قدر بڑھے گی، نورِ ایمان اُتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا!"۔

خلاصۂ کلام

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو باقی تمام انبیاء ومرسَلین پر ہر لحاظ سے بلند مرتبہ وفضیلت حاصل ہے، لہٰذا ان کی عزّت وناموس بھی باقی تمام انبیاء ورُسل سے زائد ہے، ہر مؤمن کو چاہیے کہ ہر لحاظ سے ہر حال میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ناموس کا خیال رکھے۔

فائدہ: اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے، امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے مفصّل اور مدلّل رسائل: (۱) "تمهيدِ إيمان بآيات قرآن"[2] (۲) "تجلّي اليقين بأنّ نبيَّنا

---

(١) "تفسير روح البيان" الأحزاب، تحت الآية: ٥٣، ٧/ ٢١٣.

(٢) "فتاوی رضویہ" ۱۸/۲۸۷تا۳۳۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

سيّد المرسلين"[۱]، (۳) "الكوكبة الشِّهابية في كفريات أبي الوهابية"[۲] (۴) "سلّ السُّيوف الهنديّة على كفريات بابا النجديّة"[۳]، مفتی محمد امین نقشبندی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۵) "ادب کی اَہمیت"[۴] اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی تالیف (۶) "اَدب اور بے ادبی"[۵] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) ایضًا، ۱۹/۴۱تا۱۳۰، مطبوعہ ادارہ "اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۲۰/۲۳تا۷۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) ایضًا، ۲۰/۷۳تا۸۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) مطبوعہ جمعیت اشاعت اہل سنّت، کراچی۔

(۵) مطبوعہ ادارۂ مسعودیہ، کراچی۔

(۲۷) خلافت / امامتِ کبریٰ

امامتِ کبریٰ، نبی ﷺ کی نَیابتِ مطلقہ (قائم مقامی / نائب)، کہ حضور ﷺ کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام اُمورِ دینی ودنیوی میں، حسبِ حکم شریعت، تصرّفِ عام کا اختیار رکھے، اور غیرِ معصیت (جائز کاموں) میں اُس کی اطاعت، تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہو[1]۔ اِس امام کے لیے مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، قادر، قرشی ہونا شرط ہے۔ ہاشمی، عَلَوی، معصوم ہونا اس کی شرط نہیں[2]۔ اِن باتوں کو شرط ٹھہرانا روافض (شیعہ) کا مذہب ہے، جس سے اُن کا یہ مقصد ہے، کہ برحق اُمرائے مؤمنین خلفائے ثلاثہ: ابوبکر صدیق وعمرِ فاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلافت سے جُدا کر دیں[3]۔ حالانکہ ان کی خلافتوں پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اِجماع (اتفاق) ہے[4]۔ مولیٰ علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- وحضرات حسنَین کریمَین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اُن کی خلافتیں تسلیم کیں[5]۔

مسئلۂ خلافت، قرآنِ کریم کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[6]

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور اُن کا جو تم میں حکومت والے ہیں"۔

---

(۱) "المسامَرة" صـ۲۹۵.

(۲) "الدر المختار" كتاب الصّلاة، باب الإمامة، ۳/ ٤۸٦.

(۳) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلبٌ: شروط إمامة الكبرى، ۳/ ٤۸۷، ٤۸۸.

(۴) "فتاوی رضویہ" "کتاب العقائد والکلام، رسالہ "اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفی والآل والاصحاب" ۱۸/۲۵۴، ۲۵۵۔

(٥) "شرح المقاصد" المقصد ٦ في السمعيّات، الفصل ٤ في الإمامة، المبحث ۲: الشّروط التي تجب في الإمام، الجزء ٥، صـ۲٤٦.

(٦) پ٥، النِّساء: ٥۹.

امام حافظ الدین نَسَفی رحمۃ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ودلّت الآيةُ عَلى أنّ طاعةَ الأمراء واجبةٌ، إذا وافقوا الحقَّ، فإذا خالَفوه فلا طاعةَ لهم؛ لقوله عليه السلام: «لا طاعةَ لمخلوقٍ في معصية الخالق!»[1]"[2] "اس آیت سے ثابت ہوا، کہ مسلم حُکّام کی اطاعت لازم ہے، جب تک وہ حق کی مُوافقت کریں، اور جب وہ راہِ حق کے خلاف چلیں، تو پھر ان کی اطاعت نہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: خالق کی نافرمانی میں، مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی!"۔

مسئلۂ خلافت، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «الأئِمّةُ مِن قريش»[3] "خلافت قبیلۂ قریش میں رہے گی"۔

(۲) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «تجدون النّاسَ مَعادِنَ، فخيارُهم في الجاهليّةِ، خيارُهم في الإِسلامِ، إذا فقهوا، وتجدون مِن خيرِ النّاسِ في هذا الأمرِ، أكرَهَهم له قبلَ أن يقعَ فيه» ...إلخ[4]. "تم لوگوں کو معدن (معدنی کان سے نکلی ہوئی چیز) کی مانند پاؤ گے، تو تم میں سے جو لوگ زمانۂ کفر میں زیادہ بہتر تھے، جب وہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرلیں، تو وہی لوگ اسلام میں بھی سب سے بہتر وعمدہ ہیں، اور تم اس خلافت کے لیے اسی کو زیادہ مناسب پاؤ گے، جو اِس سے زیادہ دُور بھاگے!"۔

---

(١) "المعجم الكبير" هشام بن حسان عن الحسن عن عمران، ر: ١٨١، ١٨/ ١٧٠.

(٢) "المدارك" النساء، تحت الآية: ٥٩، ١/ ٢٦٠.

(٣) "مسند الإمام أحمد" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، ر: ١٢٨٩٩، ٤/ ٣٦٦.

(٤) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالى عنهم، باب خيار النّاس، ر: ٦٤٥٤، صـ١١٠٨.

حضرت سیّدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَن يفلِحَ قومٌ ولَّوا أمرَهم امرأةً!»[1] "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جو عورت کو اپنا حاکم بنالے!"۔

(٣) حضرت سیّدنا عبد الرحمن بن سمُرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: «لَا تسألِ الإمارةَ! فإنّكَ إن أُعطِيتَها عن مسألةٍ وُكِلتَ إليها، وإن أُعْطِيتَها عن غيرِ مسألةٍ، أُعِنتَ عليها»[2] "حکومت یا سربراہی اپنی خواہش سے مت مانگنا؛ کیونکہ اگر یہ تمہیں مانگنے پر ملی، تو تم (بے یار ومددگار) چھوڑ دیے جاؤ گے، اور اگر بن مانگے ملی، تو اس میں اللہ تعالی کی طرف سے تمھاری مدد کی جائے گی"۔

مسئلۂ خلافت، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام ابن حجر المكّي رحمه الله تعالى: "إنّ الصَّحابةَ -رضوَان الله تعالى عليهم أجمعِينَ- أجمعُوا على أَنّ نصبَ الإِمامِ بعدَ انقِرَاضِ زمن النُّبُوَّةِ وَاجبٌ، بل جَعَلُوهُ أهمَّ الوَاجِبَات، حَيثُ اشتغلوا بِهِ عَن دفن رَسُولِ الله صلى الله تعالى عليه وسلم"[3]. امام ابن حجر مکّی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا اس بات پر اِجماع (اتفاق) ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس کے گزر جانے کے، بعد امیر وخلیفہ مقرّر کرنا، اہم ترین واجبات میں سے ہے، اسی اَہمیت کے پیشِ نظر، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اس واجب کو، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تدفین پر بھی مقدّم رکھا!"۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، باب كتاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى كسرى وقيصر، ر: ٤٤٢٥، صـ٧٥٣.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الأيمان، باب ندب من حلف يمينًا فرأى غيرها خيراً منها، أن يأتيَ الذي هو خير، ويكفر عن يمينه، ر: ٤٢٨١، صـ٧٢٦، ٧٢٧.

(٣) "الصواعق المحرقة" المقدّمة ٢، صـ٧.

قال الإمام سعد الدّين التفتازاني رحمه الله تعالى: "الإِجماعُ عَلى أنّ نصبَ الإمامِ واجبٌ"[1].

امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ نے فرمایا، کہ "امیر وخلیفہ کا تقرّر واجب ہے، اور اس بات پر اِجماع ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ خلیفہ کا تقرّر مسلمانوں کی اہم ترین ذمّہ داری ہے۔ شرعی حکومت کا قیام، اور امیر المؤمنین کی تعیین، مسلمانوں پر واجب ہے۔ امّت کی اکثریت اس بات پر متفق ہے، کہ حاکم کا تقرّر واجب ہے۔ دین ودنیا کے معاملہ میں، ریاستِ عامّہ اور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خلافت کو "امامتِ کبریٰ" کہتے ہیں۔

فائدہ: اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے، امام محب الدّین طبری علیہ الرحمۃ کی تصنیف (۱) "الرياض النضرة في مناقب العشرة"[2]، امام جلال الدّین سیوطی علیہ الرحمۃ کی تالیف (۲) "تاريخ الخلفاء"[3]، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے رسائل (۳) "دوام العيش في الأئمة من قريش"[4] (۴) "غاية التحقيق في إمامة العليّ والصّديق"[5] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید ہے۔

---

(١) "العقائد النَّسفية" صـ٢٣٢.

(٢) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(٣) مطبوعة من مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرّمة.

(۴) "فتاویٰ رضویہ" ۱۱/۴۲۵ تا ۴۷۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچي۔

(۵) ایضًا، ۲۱/۴۹ تا ۷۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچي۔

(۲۸) عظمت وعدالتِ صحابۂ کرام

عدالتِ صحابہ اعتقادی مسئلہ ہے

عدالتِ صحابہ، اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک اعتقادی مسئلہ ہے، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہلِ خیر وصَلاح ہیں، عادل ہیں، ان کا جب بھی ذکر کیا جائے، خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے[1]۔

خلافت شیخین کا انکار کفر ہے

جو شخص حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیّدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انکار کرے، وہ کافر ہے[2]۔

رافضی کون؟

کسی صحابی کے ساتھ سُوءِ عقیدت، بدمذہبی وگمراہی واِستحقاقِ جہنم ہے؛ کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بُغض ہے، ایسا شخص رافضی ہے، اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے، اور اپنے آپ کو سنّی کہے[3]۔

صحابی کی تعریف

امام ابن حجر عَسقلانی، صحابی کی اصطلاحی تعریف اس طرح بیان فرماتے ہیں: "صحابی وہ ہے، جو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حالتِ ایمان میں ملاقات کرے، اور اسلام پر اسے مَوت آئے"[4]۔

---

(۱) "المسامَرة" صـ۳۱۳.

(۲) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب الإمامة، ۲/ ۳۵۸. و"فتاوی رضویہ" کتاب الردّ والمناظرۃ، رسالہ "ردّ الرفضہ"، ۲۱/۲۴، ۲۵۔

(۳) "فيض القدير" حرف الهمزة، تحت ر: ۱٤٤۲، ۲/ ۹۸.

(٤) "الإصابة في تمييز الصحابة" الفصل ۱ في تعريف الصحابي، ۱/ ۱۵۸.

عظمت وعدالتِ صحابۂ کرام، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(١) اللہ تعالی قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾[١] "اور اللہ تعالی نے اُن سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے"۔

(٢) رب تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾[٢] "اور سب میں اگلے پہلے مُہاجر اور اَنصار، اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پَیرو ہوئے، اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغات، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے!"۔

حافظ ابن کثیر اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "فقد أخبرَ اللهُ العظيم، أنّه قَد رضِي عن السّابقين الأوّلين مِنَ المهاجِرين والأنصَار، والّذين اتّبعُوهم بإحسان، فيا وَيل مَن أبغضَهم أو سبَّهم، أو أبغَض أو سبّ بعضَهم، ولا سيّما سيّد الصّحابة بعدَ الرّسول وخيرُهم وأفضلُهم، أعني الصّديقَ الأكبر والخليفة الأعظم أبا بكر بن أبي قُحافة، رضي الله تعالى عنه، فإنّ الطائفةَ المخذولة من الرافضَة يعادون أفضلَ الصّحابة، ويُبغضونَهم، ويسبّونهم -عياذاً بالله من ذلك- وهذا يدلّ علَى أنّ عقولَهم معكوسة، وقلوبَهم منكوسة، فأين هؤلاء من الإيمان بالقرآن؟ إذْ يسبّون مَن رضي اللهُ عنهم، وأمّا أهلُ السنّة فإنّهم يترضّون عمّن رضي اللهُ عنه"[٣].

---

(١) پ٥، النساء: ٩٥.

(٢) پ١١، التوبة: ١٠٠.

(٣) "تفسير ابن كثير" التوبة، تحت الآية: ١٠٠، ٢/ ٣٩٥.

"اللہ تعالیٰ عظیم وکبیر ارشاد فرماتا ہے، کہ وہ سابقینِ اوّلین مُہاجر واَنصار سے راضی ہے، اور اُن سے بھی راضی ہے جو اِحسان کے ساتھ ان کے پیروکار ہیں۔ افسوس اُن پر ہے جو اِن سے دشمنی رکھیں، انہیں بُرا کہیں، یا ان میں سے کسی ایک کو بُرا کہیں، یا اس سے دشمنی رکھیں، خصوصًا تمام صحابۂ اَنصار ومُہاجرین کے سردار، سب سے بہتر وافضل، صدیقِ اکبر خلیفۂ اَعظم، حضرت ابو بکر بن ابی قُحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بھی بُغض رکھے، یا ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ کہے، اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہے۔ رُسوائے زمانہ رافضیوں کا بدترین گروہ، افضلِ صحابہ کو بُرا کہتا ہے، ان سے دشمنی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات سے اپنی پناہ میں رکھے! یہی بات دلیل ہے اس پر، کہ ان کی عقلیں اُلٹی ہیں، اور ان کے دل اَوندھے ہیں، انہیں قرآن پر ایمان کہاں؟! جبکہ یہ ان پر تبرّا (سب وشتم) بھیجتے ہیں، جن کے بارے میں قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا اِظہار، کھُلے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ہاں اہلِ سنّت ان سے راضی ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے!"۔

(۳) ربّ العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[1] "اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی)! اللہ تعالیٰ تمہیں کافی ہے، اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیروکار ہوئے"۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں، امام حافظ الدّین نَسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "أي: كفاك اللهُ وكفى أتباعُك من المؤمنين"[2]. "تمہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے، اور مؤمن کافی ہیں مُعاوِن ہونے کے اعتبار سے"۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾[3] "یقینًا اللہ راضی ہوگیا ایمان والوں سے، جب وہ اُس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے"۔

---

(۱) پ۱۰، الأنفال: ٦٤.

(۲) "المدارك" الأنفال: تحت الأية: ٦٤، ١/ ٤٧٩.

(۳) پ٢٦، الفتح: ١٨.

(٥) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾[1] "محمد اللہ کے رسول اور ان کے ساتھ والے، کافروں پر سخت ہیں، اور آپس میں نرم دل ہیں، تم انہیں دیکھوگے رکوع کرتے ہوئے، سجدے میں گرتے ہوئے، اللہ کا فضل ورضا چاہتے ہوئے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت تَوریت میں ہے، اور ان کی صفت اِنجیل میں ہے"۔

عظمت وعدالتِ صحابۂ کرام، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(١) حضرت سیّدنا ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «لا تسبّوا أصحابي! فلو أنّ أحدَكم أنفقَ مثلَ أُحدٍ ذهَباً، ما بلغ مُدَّ أحدِهم، ولا نَصِيفه»[2] "میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو! اگر تم اُحد پہاڑ برابر بھی سونا خیرات کرو، تب بھی تمھارا خیرات کرنا ثواب میں، میرے کسی صحابی کے ایک مُد[3]، یا ان کے آدھے مُد برابر بھی نہیں ہوسکتا"۔

(٢) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مغفّل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «اللهَ اللهَ في أصحابي! لا تتّخذوهم غرضاً بعدي، فمَن أحبَّهم فبحُبِّي

---

(١) المرجع نفسه: ٢٩.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب أصحاب النّبي ﷺ، باب، ر: ٣٦٧٣، صـ٦١٧.

(٣) مُد: موجودہ زمانے کے رائج پیمانوں کے مطابق، تقریبًا 808 .839 گرام۔[حضرت علّامہ مفتی محمد صالح صاحب، شیخ الحدیث مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف]

أحبَّهم، ومَن أبغضَهم فببُغضِي أبغضَهم، ومَن آذاهُم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذَى اللهَ، ومَن آذَى اللهَ فيُوشك أنْ يأخذَه!»[1].

"اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے مُعاملہ میں! انہیں میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا! کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر کی، اور جس نے ان سے عداوت رکھی تو مجھ سے عداوت کی بنا پر رکھی، جس نے اِن کو اِیذا دی اس نے مجھے اِیذا دی، اور جس نے مجھے اِیذا دی اُس نے اللہ تعالی کو اِیذا دی، اور جس نے اللہ تعالی کو اِیذا دی، عنقریب اللہ تعالی اس کی پکڑ فرمائے گا!"۔

(۳) حضرت سیّدنا ابو موسی اَشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «النُجومُ أمَنَةٌ للسّماءِ، فإذا ذهبتِ النُجومُ أتى السّماءَ ما تُوعَد، وأنا أمَنَةٌ لأصحابي، فإذا ذهبتُ أتَى أصحابي ما يوعَدون، وأصحابي أمَنَةٌ لأمّتي، فإذا ذهبَ أصحابي أتَى أمّتي ما يوعَدون»[2].

"ستارے آسمان کے لیے حفاظت کا سامان ہیں، جب ستارے ختم ہو جائیں گے، تو جس چیز کا وعدہ ہے وہ (یعنی قیامت) آسمان پر آجائے گی، اور میں اپنے صحابہ کے لیے ڈھال ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ وقت آئے گا، جس کا اُن سے وعدہ ہے، اور میرے صحابہ میری امّت کے لیے ڈھال ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے، تو میری امّت پر وہ وقت آئے گا، جس کا اُن سے وعدہ ہے!"۔

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب فيمن سبّ أصحاب النّبي ﷺ، ر: ۳۸٦۲، صـ۸۷۲.
[قال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ حسنٌ غريب".

(۲) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب بيان أن بقاء النبي ﷺ أمان لأصحابه، وبقاء أصحابه أمان للأمّة، ر: ٦٤٦٦، صـ۱۱۱۰.

عظمت وعدالتِ صحابۂ کرام، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام الطحاوي رحمه الله تعالى: "ونحبُّ أصحابَ رسول الله ﷺ، ولا نُفرِط في حُبِّ أحدٍ منهم، ولا نتبرّأ من أحدٍ منهم، ونبغض مَن يَبغضهم وبغير الخير يذكرهُم، ولا نذكرهُم إلّا بخيرٍ، وحبُّهم دِينٌ وإيمانٌ وإحسان، وبغضُهم كفرٌ ونفاقٌ وطُغيان"(١).

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "ہم نبئ کریم ﷺ کے تمام اصحابِ کرام سے محبت کرتے ہیں، البتہ نہ کسی کی محبت میں غُلو کرتے ہیں، نہ کسی پر تبرّا کرتے ہیں، اور جو کسی صحابی سے عداوت رکھے، یا کسی صحابی کی بُرائی کرے، ہم اس سے عداوت رکھتے ہیں۔ ہم تو صحابۂ کرام کا ذکر ہمیشہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں۔ صحابہ سے محبت دین، ایمان اور بھلائی ہے، اور اِن سے عداوت، کفر ونِفاق اور سرکشی ہے"۔

قال القاضي عياض رضي الله تعالى عنه: "قال مالكٌ: مَن شتمَ أحداً من أصحاب النّبي ﷺ، أبا بكرٍ أو عُمر أو عثمان أو مُعاوية أو عَمرو بن العاص، فإن قال: "كانوا على ضلالٍ وكفر" قُتل، وإن شتمَهم بغير هذا مِن مشاتمة النّاس، نكلَ نكالاً شديداً"(٢).

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "امام مالک نے فرمایا، کہ اگر کسی نے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق، حضرت سیّدنا عمر فاروق، حضرت سیّدنا عثمان، حضرت سیّدنا مُعاویہ، یا حضرت سیّدنا عَمرو بن عاص کو، یا کسی

---

(١) "العقيدة الطحاويّة" صـ٨.

(٢) "الشّفا بتعريف حقوق المصطفى" القسم ٤ في تعرف وجوه الأحكام ...إلخ، الباب ٣ في حكم مَن سبّ اللهَ تعالى وملائكته ...إلخ، الفصل ١٠ الحكم في سبّ آل البيت والأزواج والأصحاب ...إلخ، الجزء ٢، صـ١٨٤.

صحابی کو گالی دی، اور کہا کہ "یہ تمام گمراہ یا کافر تھے"، تو ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا[1]، اور ان باتوں کے علاوہ اگر عام لوگوں کی طرح، صحابہ کو گالم گلوچ کی، تو اسے عبرتناک سزا دی جائے گی"۔

قال العلّامة علي القاري رحمه الله تعالى: "أَجْمَعَ أهلُ السنّةِ والجماعةِ على أنّ أفضل الصّحابةِ أبو بكرٍ، فعُمر، فعثمان، فعليّ، فبقيةُ عشرةٍ مبشَّرة بالجنّة، فأهلُ بَدر، فباقي أهل أُحُد، فباقي أهل بيعة الرّضوان بالحدَيبية، فباقي الصّحابة رضي الله تعالى عنهم"[2]. علّامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اہلِ سنّت وجماعت کا اس بات پر اِجماع (اتفاق) ہے، کہ تمام صحابہ میں افضل ترین، حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق ہیں، ان کے بعد حضرت سیّدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیّدنا عثمانِ غنی، پھر حضرت سیّدنا علی المرتضی افضل ہیں، اور ان حضرات کے بعد عشرہ مبشّرہ، پھر اہلِ بدر، پھر اہلِ اُحد، پھر بیعتِ رضوان والے، اور ان کے بعد تمام صحابۂ کرام کی فضیلت ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے تمام اصحاب عادِل، یعنی اچھے کردار والے ہیں، ان کی صَداقت وعدالت کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ جماعت ہے جن کے ذریعے، دِین اسلام کے تمام اَحکام ہم تک پہنچے۔ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کے ظاہری وباطنی پہلو، اِنہی حضرات صحابۂ کرام کی بدَولت ہم تک پہنچے، لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ان تمام حضراتِ مقدّسہ کو عادِل وامین مانے، اور ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ ہی کرے۔

---

(۱) امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے واضح فرمایا، کہ اسلامی سلطنت کا سلطان انہیں سزا دے گا، چنانچہ آپ ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "بالجملہ اشخاص مذکورین کے کفر وارتداد میں اصلاً شک نہیں، دربارۂ اسلام ورفع دیگر اَحکام، ان کی توبہ اگر سچے دل سے ہو، ضرور مقبول ہے۔ ہاں اس میں اختلاف ہے، کہ سلطان اسلام انہیں بعد توبہ واسلام صرف تعزیر دے، یا اب بھی سزائے موت دے"۔ ["فتاوی رضویہ" کتاب السِیَر، ۱۱/۵۹]

(٢) "مِنح الرَّوض الأزهر" صـ٣٤٤.

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ کے کچھ مفصَّل ومدلّل رسائل ہیں: (۱) "غاية التحقيق في إمامة العلي والصّديق"[۱]، (۲) "تنزيه المكانة الحيدريّة عن وصمة عهد الجاهلية"[۲]، (۳) الزُّلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى"[۳]، (۴) "مَطلع القمرَين في إبانة سبقة العمرَين"[۴]۔ نیز علّامہ سیّد محمود رضوی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۵) "شانِ صحابہ"[۵]، مفتی غلام سرَور قادری صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۶) "افضلیت صدیقِ اکبر"[۶] اور علّامہ غلام رسول سعیدی صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۷) "مقام صدیقِ اکبر"[۷] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" ۲۱/۴۹تا۸۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۱۹/۴۴۹تا۴۶۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) ایضًا، ۲۱/۳۴۱تا۴۳۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) ایضًا، ۲۱/۷۹تا۲۳۳، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۵) مطبوعہ مکتبہ رضوان، لاہور۔

(۶) مطبوعہ مکتبہ فریدیہ، ساہیوال۔

(۷) مطبوعہ سیّد الیکٹرک پریس، ملتان۔

(۲۹) فضائلِ اہلِ بیت اَطہار

اَہلِ بیت اَطہار کون ہیں؟

عام طور پر اہلِ بیت اَطہار، یعنی گھر والوں سے بیوی اور اولاد مراد ہوتی ہے، قرآنِ کریم میں بھی اہلِ بیت کا اِطلاق بیویوں پر کیا گیا ہے، "سورۂ ہُود" کی آیت ۷۱، ۷۲ اور ۷۳ ملاحظہ کیجیے، کہ جب فرشتوں نے حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی زوجۂ محترمہ کو حضرت سیّدنا اسحاق علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت کی خوشخبری دی، تو انہوں نے تعجب سے کہا، کہ کیا اس بڑھاپے میں میرے بچہ پیدا ہوگا؟ اس پر فرشتوں نے کہا: ﴿اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾[1] "کیااللہ کے کام پر تعجب کرتی ہو؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے اس گھر والوں!"۔ اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ بیویاں بھی اہلِ بیت میں سے ہیں۔

"سورۂ طٰہٰ" کی آیت ۱۰ ملاحظہ فرمائیے، جب حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اپنے اہل وعِیال کے ہمراہ، وادیٔ سینا سے گزرے تو کوہِ طُور کی سمت انہیں آگ نظر آئی، ارشادِ باری تعالی ہوا: ﴿اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا﴾[2] "جب اس نے ایک آگ دیکھی، تو اپنی بیوی سے کہا کہ ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے"۔ یہاں بھی "اہل" سے مراد زوجہ ہے[3]، اور عام گفتگو میں بھی بیوی ہی کو گھر والی کہتے ہیں[4]۔

---

(۱) پ۱۲، هود: ۷۳.

(۲) پ۱٦، طه: ۱۰.

(۳) انظر: "تفسير الجلالين" طه، صـ۲٦۱.

(۴) "فضائلِ صحابہ واہلِ بیت" اہلِ بیتِ اطہار، ص۱۲۰۔

آیات واحادیث مبارکہ کی روشنی میں، حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اکابر علمائے کرام کی تحقیق کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے، کہ بیت تین ۳ طرح کے ہیں: (۱) بیتِ نسَب (خاندان)۔ (۲) بیتِ وِلادت (اولاد)۔ (۳) بیتِ سُکنیٰ (کاشانۂ مبارکہ میں رہنے والے)۔

تو نسَب کے اعتبار سے حضرت عبد المطلب کی اولادِ بنی ہاشم، نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مبارک اولاد، ولادت کے اعتبار سے آپ کے اہلِ بیت ہیں، اگرچہ پیارے آقا و مولی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تمام اولاد، آپ کے اہلِ بیت میں سے ہیں، تاہم ان میں حضرت سیّدنا علی، حضرت سیّدہ فاطمہ، حضرت سیّدنا امام حسن، اور حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہم زیادہ عظمت وفضیلت کے ساتھ نمایاں شان وشوکت کے حامل ہیں، لہذا جب لفظ "اہلِ بیت" بولا جاتا ہے، تو ذہن فوری طور پر ان حضرات کی طرف جاتا ہے۔

"صحیح مسلم" میں مروی ہے کہ حضرت سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا گیا، کہ نبئ پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی اَزواج اہلِ بیت سے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: آپ کی اَزواج بھی اہلِ بیت میں سے ہیں، لیکن آپ کے اہلِ بیت وہ بھی ہیں، جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام کر دیا گیا ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر، اور آلِ عباس ہیں [۱]۔

ان نُفوسِ مقدّسہ کے فضائل ومناقب اور عظمت وکرامت کے بارے میں، بے شمار احادیث وارد ہیں [۲]، جن میں سے ہم چند احادیث مبارکہ عنقریب ذکر کریں گے، بلکہ اس سے قبل ہم قرآنِ مجید فرقانِ حمید سے، ان آیاتِ بیّنات کو ذکر کریں گے، جن میں اہلِ بیت کرام کی فضیلت اور ان کی عظمت کا ذکر ہے۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، ر: ٦٢٢٥، صـ١٠٦١.

(۲) "اشعۃ اللمعات" کتاب الفتن، باب مناقب اہلِ بیت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ۱/۶۹۱۔

عظمتِ اہلِ بیتِ اَطہار قرآن کریم کی رَوشنی میں

نبی کے گھر والوں سے ہر طرح کی ناپاکی اور برائی دُور ہے

(۱) اللہ تعالی کا فرمان عالی شان ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[1] "اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے! اور تمہیں پاک کر کے خُوب ستھرا کر دے!"۔

امام ابن جریر طَبری علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "عن عمر بن أبي سلَمة، قال: نزلتْ هذه الآيةُ على النّبي ﷺ وهو في بيتِ أمِّ سلَمة ﴿إِنَّمَا يَرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ فدعا حَسَناً وحُسَيناً وفاطمة فأجلسَهم بين يدَيه، ودَعا عليّاً فأجلَسه خَلفَه، فتَجلَّل هو وهُم بالكِساء، ثمّ قال: «هؤلاءِ أهلُ بَيتِي، فأَذهِبْ عنهم الرِّجسَ وطَهِّرْهُم تَطهِيراً» قالت أم سلمة: وأنا معهم يا نبي الله! قال: «أنت على مكانك وأنت على خير»"[2].

حضرت عمر بن ابی سلَمہ رضی اللہ تعالی عنہ جو نبئ کریم ﷺ کے پروَردہ ہیں، روایت کرتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت سیّدہ امِّ سلَمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے گھر نازل ہوئی، اس موقع پر نبئ کریم ﷺ نے حضراتِ سادات

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ۳۳.

(۲) "جامع البيان عن تأويل آي القرآن" الأحزاب، تحت الآية: ۳۳، ر: ۲۱۷۳٦، الجزء ۲۲، صـ۱۲. "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب في مناقب أهل بيت النّبي ﷺ، ر: ۳۷۸۷، صـ۸۵۹. [وقال أبو عيسى:] "وهذا حديثٌ غريب من هذا الوجه". و"مستدرَك الحاكم" تفسير سورة الأحزاب، ر: ۳۵۵۸، ۲/ ٤٥١. [قال الحاكم:] "هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط البخاري ولم يخرجاه. [وقال الذهبي:] "على شرط مسلم".

کِرام: فاطمہ و حَسن و حسین اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُلا کر انہیں اپنی چادر مبارک میں لیا، پھر یوں دعا فرمائی: "اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے گندگی دُور رکھ، اور انہیں خوب پاک صاف کردے!"۔ حضرت سیّدہ اُمِّ سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسولَ اللہ! کیا میں بھی اِن کے ساتھ ہوں؟ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم تو اپنی جگہ میرے اہلِ بیت سے ہو ہی، اور خیر پر ہو!"۔

فائدہ: غور فرمائیے! کہ اس آیت مبارکہ سے پچھلی آیت کا آغاز ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ کے مبارک کلمات سے ہو رہا ہے، جن کا ترجمہ ہے: "اے نبی کی بیبیو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو!"۔ اس آیت مقدّسہ[۱] کا آغاز ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ کے الفاظِ مبارکہ سے ہوا ہے، جن کا ترجمہ ہے: "(اے نبی کی بیبیو!) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو!"۔

اس آیت مبارکہ کے بعد والی آیتِ کریمہ[۲] ملاحظہ فرمائیے! اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ اس میں بھی امہات المؤمنین کو حکم دیا گیا ہے، کہ اپنے گھروں میں تلاوت کی جانے والی آیات کو یاد کرو! گویا آیتِ تطہیر سے قبل بھی اور بعد بھی، امہات المؤمنین ہی سے خطاب ہو رہا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس آیتِ تطہیر میں اہلِ بیت سے مراد، حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہّرات بھی ہیں[۳]۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ آیتِ تطہیر کے تحت فرماتے ہیں: "الأَولى أن يقال: هُم أولادُه وأزواجُه والحسنُ والحسينُ منهم، وعليٌّ منهم؛ لأنّه كان من أهل بيتِه بسببِ مُعاشَرته ببنت النبي عليه السلام ومُلازَمته للنبّي"[٤]. "سب سے بہتر بات یوں کہی جائے کہ: اہلِ بیت کرام میں

---

(١) پ٢٢، الأحزاب: ٣٣.

(٢) پ٢٢، الأحزاب: ٣٤.

(۳) "فضائلِ صحابہ واہلِ بیت" اہلِ بیتِ اطہار، ص۱۲۲۔

(٤) "تفسير الرازي" الأحزاب، تحت الآية: ٣٣، ٩/ ١٦٨.

نبیِ کریم ﷺ کی اولاد، ازواجِ مطہّرات، حسنین کریمین، اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رشتۂ زوجیت کے سبب سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں"۔

استاذِ زمن علّامہ حسن رضا خان علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا: ع

ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیان آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلِ بیت[1]

قرابت کی محبّت

(۲) اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى ؕ وَ مَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾[2] "یہ ہے وہ جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو، جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، تم فرماؤ کہ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، سوائے قرابت کی محبت کے، اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لیے اس میں اَور خوبی بڑھائیں گے، بے شک اللہ تعالی بخشنے والا، قدر فرمانے والا ہے!"۔

امام بغوی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں، حضرت سیّدنا سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں: «قُرْبَى آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ»[3] "قُربیٰ سے مراد آلِ محمد ﷺ ہیں"۔

---

(۱) "ذوقِ نعت" ذکر شہادت، ص۳۰۔

(۲) پ۲۵، الشُورى: ۲۳.

(۳) "معالم التنزيل" الشُورى، تحت الآية: ۲۳، ٤/ ۱۲۵. "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله ابن عباس رضي الله عنهما، ر: ۲۵۹۹، ٤/ ۳٦۱. و"صحيح البخاري" كتاب التفسير، باب قوله: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ﴾ ر: ٤۸۱۸، صـ۸۵۱. و"سنن الترمذي" أبواب تفسير القرآن، سورة الشورى، ر: ۳۲۵۱، صـ۷۳۹. [قال أبو عيسى:] "هذا حديثٌ حسنٌ صحيح، وقد روي من غير وجهٍ عن ابن عباس".

پنج تن پاک کی شان

(۳) اللہ عزّوجلّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾[1] "تو ان سے فرما دو، کہ آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمھارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمھاری عورتیں، اور اپنی جانیں اور تمھاری جانیں، پھر مُباہلہ کریں، تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں!"۔

اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول یہ ہے، کہ جب رسول کریم ﷺ نے نجران کے نصاریٰ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی، اور مُباہلہ کی دعوت دی، تو وہ کہنے لگے کہ ہم غور و مشورہ کرکے کل آپ کو جواب دیں گے، جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے عالم اور صاحبِ رائے شخص عاقب سے کہا، کہ اے عبد المسیح! آپ کی کیا رائے ہے اس بارے میں؟ اس نے کہا کہ اے جماعتِ نصاریٰ! تم پہچان چکے ہو کہ محمد نبئ مرسَل تو ضرور ہیں! اگر تم نے ان سے مُباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے! اب اگر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑو، اور گھر کو لَوٹ چلو!۔

یہ مشورہ ہونے کے بعد وہ لوگ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کی گود مبارک میں امام حسین ہیں، اور دست مبارک میں امام حسن کا ہاتھ ہے، جبکہ حضرت فاطمہ و علی رضی اللہ تعالی عنہما حضور کے پیچھے ہیں، حضور نبئ کریم ﷺ ان سب حضرات سے فرما رہے ہیں، کہ جب میں دعا کروں، تو تم سب آمین کہنا! نجران کے سب سے بڑے نصرانی عالم (پادری) نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا، کہ اے جماعتِ نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں، کہ اگر یہ لوگ اللہ سے پہاڑ کو ہٹانے کی دعا کریں، تو اللہ تعالی پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا! ان سے مُباہلہ نہ کرنا، ہلاک ہو جاؤ گے!

---

(۱) پ۳، آل عمران: ٦١.

اور قیامت تک رُوئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا! یہ سن کر نصاریٰ نے حضور کی خدمت میں عرض کی، کہ مُباہلہ کی توہماری رائے نہیں ہے۔ آخر کار انہوں نے جزیہ دینا منظور کیا، مگر مُباہلہ کے لیے تیار نہ ہوئے۔

سیّدِ عالَم ﷺ نے فرمایا، کہ قسم اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! نجران والوں پر عذاب قریب آ ہی چکا تھا، اگر وہ مُباہلہ کرتے تو بندروں اور سُوروں کی صورت میں مسخ کر دیے جاتے، اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا، اور نجران اور وہاں کے رہنے والے پرند تک نیست و نابُود ہو جاتے، اور ایک سال کے عرصہ میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے[1]۔

فائدہ: بعض کم فہم لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ اگر حضور نبیٔ کریم ﷺ کی چار ۴ بیٹیاں تھیں، تو مُباہلے میں وہ کیوں شریک نہ ہوئیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مُباہلہ ۱۰ سن ہجری میں ہوا، جبکہ حضرت سیّدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۲[2] سن ہجری میں، حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۸[3] سن ہجری میں، اور حضرت سیّدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ۹ سن ہجری[4] میں ہو چکا تھا۔

اللہ کی رسّی سے مراد اہلِ بیت بھی ہیں

(۴) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾[5] "اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو سب مل کر، اور آپس میں پھٹ نہ جانا!"۔

---

(۱) "تفسیر خزائن العرفان" سورۂ آل عمران، آیت ۶۱، ص ۱۱۴۔

(۲) "أسد الغابة في معرفة الصحابة" كتاب النساء، حرف الراء، تحت ر: ٦٩٢٨، رقية بنت رسول الله، ٧/ ١١٥.

(۳) المرجع نفسه، حرف الزاي، تحت ر: ٦٩٦٤، زينب بنت رسول الله، ٧/ ١٣٢.

(٤) المرجع السابق، حرف الكاف، تحت ر: ٧٥٨١، أمّ كلثوم بنت رسول الله، ٧/ ٣٧٤.

(٥) پ ٤، آل عمران: ١٠٣.

امام احمد ثعلبی علیہ الرحمۃ حضرت سیّدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ سے، اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں نقل فرماتے ہیں: "نَحن حَبل الله الَّذِي قَالَ اللهُ فِيه!"(۱) "اللہ تعالی کی وہ رسی ہم ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ ارشاد فرمایا ہے!"۔

عظمتِ اہلِ بیت اَطہار، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

کتاب اللہ اور دامنِ اہلِ بیت سے وابستہ رہنے کی تلقین

(۱) حضرت سیّدنا زید بن اَرقم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ: (١) كِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ، (٢) وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي. وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الحَوْضَ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا!»(۲) "تم میں ایسی دو ۲ چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، کہ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا، تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ان میں سے ہر ایک دوسری سے بڑھ کر ہے: (۱) اللہ تعالی کی کتاب، یہ آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی رسی ہے، (۲) اور میری اولاد یعنی اہل بیت۔ یہ دونوں چیزیں ہرگز جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آکر ملیں، لہذا دیکھنا یہ ہے کہ تم لوگ میرے بعد اِن دونوں سے کیا سُلوک کرتے ہو!"۔

---

(١) "تفسير الثعلبي" پ ٤، آل عمران: ١٠٣، ٣/ ١٦٣.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب في مناقب أهل بيت النّبي ﷺ، ر: ٣٧٨٨، صـ٨٥٩. [قال أبو عيسى:] "هذا حديثٌ حسنٌ غريب".

محبتِ رسول ﷺ کی خاطر اہلِ بیت سے محبت رکھو!

(۲) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَحِبُّوا الله لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ الله، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي!»[1] "جو نعمتیں اللہ عزوجل تمہیں دے رہا ہے، ان کے سبب اُس سے محبت رکھو، اور مجھ سے محبتِ الٰہی کے سبب محبت رکھو، اور میری محبت کے سبب میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو!"۔

اہلِ بیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی نسبت کا لحاظ رکھو!

(۳) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا: «ارْقُبُوا مُحَمَّداً ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ»[2] "(اے لوگو!) نبئ کریم ﷺ کے اہلِ بیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھو!"، یعنی ان سے سُلوک میں حضور ﷺ کا لحاظ رکھو، اور انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ!۔

اہلِ بیتِ کرام کو اذیت دینا کیسا؟

(۴) حضرت مطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت ہے، کہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہ حالتِ غضب میں، نبئ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، میں اس وقت آپ ﷺ کے پاس ہی تھا، حضور ﷺ نے پوچھا: «مَا أَغْضَبَكَ؟» "آپ غصے میں کیوں ہیں؟" انہوں

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أهل بيت النّبي ﷺ، ر: ٣٧٨٩، صـ٨٥٩. [قال أبو عيسى:] "هذا حديثٌ حسنٌ غريب، إنّما نعرفه من هذا الوجه". و"المعجم الكبير" للطَبَراني، باب العين، علي بن عبد الله بن عباس عن أبيه، ر: ١٠٦٦٤، ١٠/ ٢٨١. و"مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ومن مناقب أهل رسول الله ﷺ، ر: ٤٧١٦، ٣/ ١٦٢. [قال الحاكم:] "هذا حديثٌ صحيحُ الإسناد ولم يخرجاه". [وقال الذهبي:] "صحيح".

(٢) "فضائل الصحابة" للإمام أحمد، فضائل علي رضي الله عنه، ر: ٩٧١، ٢/ ٥٧٤. و"صحيح البخاري" كتاب أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ، ر: ٣٧١٣، صـ٦٢٦.

نے عرض کی: یارسولَ اللہ قریش کی عجیب حالت ہے! جب باہم ملتے ہیں تو خوشی خوشی ملتے ہیں، لیکن جب ہم سے ملاقات کرتے ہیں تو ان کی حالت ہی غیر ہوتی ہے!۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر نبئ اکرم ﷺ جلال میں آگئے، یہاں تک کہ چہرۂ انور سرخ ہوگیا، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الإِيمَانُ، حَتَّى يُحِبَّكُمْ لله وَلِرَسُولِهِ!»[1] "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کسی آدمی کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اللہ ورسول کی خاطر تم (اہلِ بیت) سے محبت نہ رکھے!"۔

اہلِ بیت کے بارے میں خاص تاکید

(۵) سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَأنا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أوّلهما كِتَابُ الله فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ الله وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ!» "میں تم میں دو۲ چیزیں چھوڑے جارہا ہوں: ان میں سے **ایک** تو کتابُ اللہ ہے، جس میں نور وہدایت ہے، لہٰذا کتابِ الٰہی کو پکڑ لو، اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھو!"۔ (راوی فرماتے ہیں کہ) آپ ﷺ نے اس بارے میں بڑی ترغیب دلائی، پھر فرمایا: «وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي! أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي! أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي!»[2] "**دوسرے** میرے اہلِ بیت ہیں، میں تم کو اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا حکم یاد دلاتا ہوں!"۔ راوی فرماتے ہیں کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے تین ۳بار دہرا کر ارشاد فرمائی۔

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي الفضل عم النّبي ﷺ وهو العباس بن عبد المطلب رضي الله عنه، ر: ۳۷۵۸، صـ۸۵٤. [قال أبو عيسى:] "هذا حديثٌ حسنٌ صحيح". و"السنن الكبرى" للنَّسائي، كتاب المناقب، العباس بن عبد المطلب، ر: ۸۱۲۰، ۷/ ۳۲۰.

(۲) "مسند ابن أبي شَيبة" حديث زيد بن أرقم عن النّبي ﷺ، ر: ٥١٤، ۱/ ۳٥۱. و"سنن الدارمي" كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، ر: ۳۳٥۹، ٤/ ۲۰۹۰. و"صحيح مسلم" كتاب =

اہلِ بیتِ اَطہار سے بھلائی کی وصیت

(٦) حضرت سیّدنا عبد الرحمن بن عَوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أيُّها النَّاسُ! إنِّي لَكُم فَرَطٌ، وإنِّي أُوصِيكُم بِعِترتِي خَيْراً! مَوعِدُكُمُ الْحَوْضُ!»[1] "اے لوگو! میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر موجود رہوں گا، اور میں تمہیں اپنی عترت (اولاد) کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں! اور اس کے بدلے میں حوضِ کوثر پر تم سے ملاقات کروں گا!" ع

سوختہ جانوں پہ وہ پُرجوش رحمت آئے   آبِ کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے[2]

سب سے بہترین شخص

(٧) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي مِنْ بَعْدِي!»[3] "تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جو میرے بعد میرے اہلِ بیت کے لیے سب سے بھلا ہے!"۔

=

فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ر: ٦٢٢٥، صـ١٠٦١.

(١) "مستدرَك الحاكم" كتاب الجهاد، وأما حديث عبد الله بن يزيد الأنصاري رضي الله عنه، ر: ٢٥٥٩، ٢/ ١٣١.

[قال الحاكم:] "هذا حديثٌ صحيح الإسناد ولم يخرجاه". [وقال الذهبي:] "طلحة ليس بعمدة".

(٢) "حدائقِ بخشش" ص١٥٦۔

(٣) "مستدرَك الحاكم" كتاب النكاح، أما حديث سالم، ر: ٥٣٥٩، ٣/ ٢٥٢. [قال الحاكم:] "هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط مسلم ولم يخرجاه، وله شاهدٌ صحيحٌ على شرط الشيخَين".

[وقال الذهبي:] "على شرط مسلم".

عظمتِ اہلِ بیتِ اَطہار اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

اہلِ بیتِ کرام کا مقام ومرتبہ

قال الإمام الشافعي رحمه الله تعالى: ع

يَا أهلَ بَيتِ رَسُولِ الله حبُّكم فرضٌ من الله في القُرآن أنزله

كَفَاكُم من عَظِيم القدر أنّكُم مَن لم يُصلِّ عَلَيكُمُ لَا صَلَاةَ لَه[1]

"حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ایک شعر میں اہلِ بیت کی شان بیان کرتے ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں: "اے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اہلِ بیتِ کرام! تمھاری محبّت اللہ عزوجل کے نازل کردہ قرآن پاک میں، فرض قرار دی گئی ہے، تمھارے عظیمُ القدر ہونے کے لیے یہی کافی ہے، کہ جو تم پر صلاۃ (درود) نہ پڑھے، اس کی نماز ہی نہیں!"

قال الإمام الطحاوي رحمه الله تعالى: "ومَن أحسَنَ القولَ في ذُرّياته المقدّسين من كلِّ رجسٍ، فقد برئ من النِّفاق"[2]. حضرت امام طحاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی آلِ اَطہار جنہیں اللہ تعالی نے ہر ناپاکی اور گندگی سے دور رکھا ہے، جو شخص اُن کے بارے میں اچھی بات کہے، وہ منافق نہیں ہو سکتا۔

شانِ اہلِ بیتِ کرام

قال الإمام فخر الدين الرازي رحمه الله تعالى: "إنّ أهلَ بَيته صلى الله تعالى عليه وسلم يساوُونه فِي خَمْسَة أَشْيَاء:

(١) فِي السَّلَام، قَالَ صلى الله تعالى عليه وسلم: «السَّلَام عَلَيْك أَيها النَّبِي!»[3] وَقَالَ تَعَالَى: ﴿سَلٰمٌ عَلٰٓى

---

(١) "الصواعق المحرقة" الفصل ١ في الآيات الواردة فيهم، ٢/ ٤٣٥.

(٢) "العقيدة الطحاوية" صـ٣٠، ملتقطاً.

(٣) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة، ر: ٨٣١، صـ١٣٥.

﴿اِلْ يَاسِيْنَ﴾[1]. (٢) وَفِي الصَّلَاة عَلَيْهِم فِي التَّشَهُّد. (٣) وَفِي الطَّهَارَة، قَالَ تَعَالَى: ﴿طٰهٰ﴾[2] أَي: يَا طَاهِر! وَقَالَ: ﴿وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[3]. (٤) وَفِي تَحْرِيم الصَّدَقَة. (٥) وَفِي الْمحبَّة، قَالَ تَعَالَى: ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾[4] وَقَالَ: ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾[5]"[6].

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شانِ اہلِ بیت میں بیان کرتے ہیں کہ "نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کِرام، پانچ ۵ باتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شانہ بہ شانہ ہیں: (۱) سلام میں، جیسا کہ (حدیث پاک میں نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تشہد کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد) فرمایا کہ (یوں کہو): "اے نبی آپ پر سلام ہو!"، جبکہ (قرآن پاک میں) اللہ تعالی نے بھی (اہل بیت رسول کے لیے) ارشاد فرمایا: "سلام ہو اِل یاسین (یعنی آلِ رسول) پر"۔ (۲) تشہد کی صلاۃ (درود شریف) میں، (۳) طہارت میں۔ جبکہ اللہ تعالی (سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں) فرماتا ہے: "اے طاہر"۔ نیز دوسری جگہ (اہل بیتِ رسول کے لیے) ارشاد فرمایا: "(اے نبی کے گھر والو!) اللہ تعالی تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کرنا چاہتا ہے"۔ (۴) (اسی طرح) صدقۂ واجبہ کی تحریم میں۔ (۵) اور محبت میں شراکت کے لیے ارشاد فرمایا کہ "اگر تم اللہ تعالی سے محبت کرتے ہو، تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کرو!"، جبکہ (اہلِ بیت کرام کے حق میں ارشاد) فرمایا کہ "تم فرماؤ کہ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، سوائے قرابتداروں کی محبت کے!" ع

---

(١) پ ٢٣، الصافات: ١٣٠.

(٢) پ ١٣، طه: ١.

(٣) پ ٢٢، الأحزاب: ٣٣.

(٤) پ ٣، آل عمرَان: ٣١.

(٥) پ ٢٥، الشُّورى: ٢٣.

(٦) "الصواعق المحرقة" الفصل ١ في الآيات الواردة فيهم، ٢/ ٤٣٦، ٤٣٧.

اہلِ سنّت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور نجم ہیں، اور ناؤ ہے عترت رسولُ اللہ کی [1]

خلاصۂ کلام

قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ بنیادی عقائد میں، جہاں اللہ تعالی کی ذات و صفات اور حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی ذات وکمالات پر ایمان رکھنا، بنیادی اَہمیت کا حامل ہے، وہیں حضور نبیٔ کریم ﷺ کے صحابۂ کرام، اور تاجدار رسالت ﷺ کے اہلِ بیتِ اَطہار سے محبت اور ان کی تکریم، اہلِ سنّت وجماعت کے شعائر میں سے ہے۔

شومیٔ قسمت! کہ آج ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت، اہلِ بیتِ اَطہار کی محبت کو اہلِ سنّت کے ہاں باعثِ نزاع بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اِن حالات میں ذواتِ مقدّسہ کی محبت کو از سرِ نو اُجاگر کرنا، اور ان کے فضائل وکمالات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرنا، وقت وحالات کا لازمی تقاضا ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا رسالہ (۱) "مسند أهل البیت"[2]، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی کتاب (۲) "إحیاء فضائل أهل البیت"[3]، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا مفصّل ومدلّل رسالہ: (۳) "اعتقاد الأحباب في الجمیل والمصطفی والآل والأصحاب"[4]، علّامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی کتاب

(۱) "حدائق بخشش" ص ۱۵۳۔

(۲) مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت۔

(۳) مطبوعہ دار المعارف، قاہرہ۔

(۴) "فتاوی رضویہ" ۱۸/۲۲۵ تا ۲۶۱، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) "فضائلِ صحابہ واہلِ بیت"[۱] نیز علّامہ محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "سفینۂ نُوح"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔
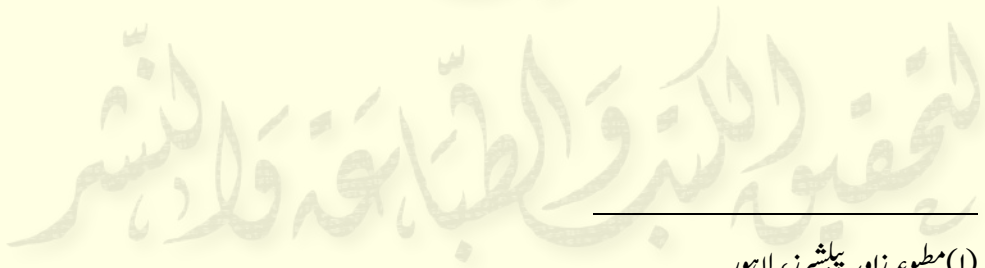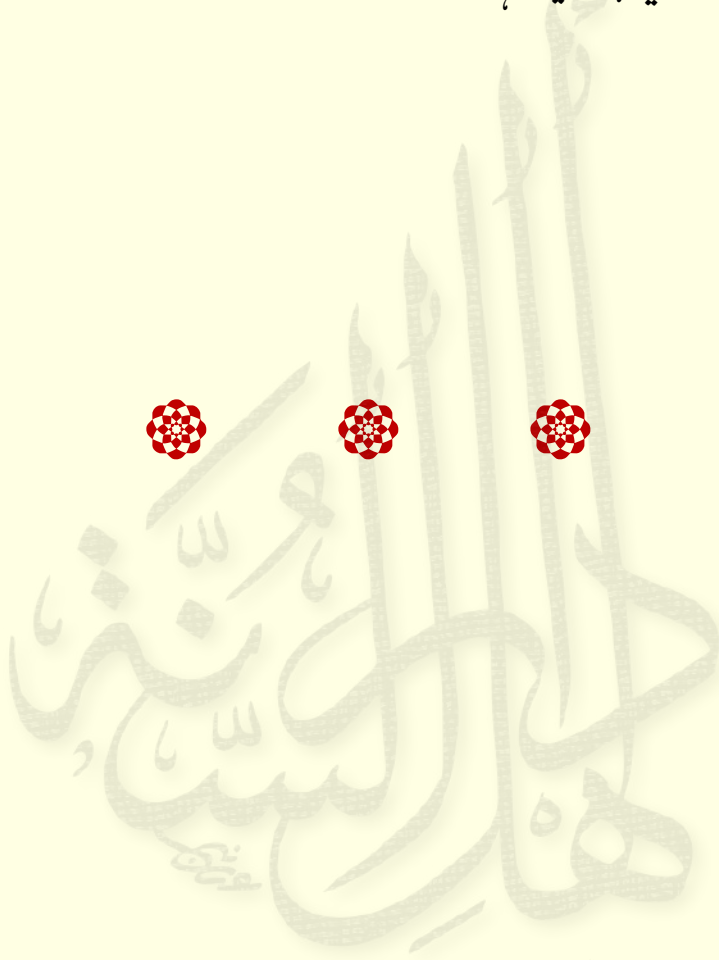
(۱) مطبوعہ زاویہ پبلشرز، لاہور۔

(۲) مطبوعہ نورانی کتب خانہ، کراچی۔

(۳۰) اُمّہات المؤمنین

حضور اکرم ﷺ کی اَزواجِ مطہَّرات کو امّہات المؤ منین کہا جاتا ہے، یعنی ایمان والوں کی مائیں۔ قرآنِ مجید سے یہ بات ثابت ہے، کہ حضور اکرم ﷺ کی اَزواج، مقام ومرتبہ میں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں، دیگر خواتین ان پاک بیبیوں کے مقام تک نہیں پہنچ سکتیں، ان ہستیوں کا اجر وثواب دیگر لوگوں سے بہت زائد ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی تمام اَزواج پاک باز، پاکدامن اور انتہائی معتبر ومعتمَد ہیں۔ ایک بار منافقین نے ان میں سے ایک پر بہتان لگایا، تو خود قرآنِ مجید نے ان کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا، اور اِلزام تراشنے والوں کو اسّی اسّی کوڑوں کی سزادی گئی۔ یہ سب کی سب پاک بیبیاں، عمل وفضل، زُہد ووَرع، حلم وبُردباری، حیاء وعِفّت، جُود وسخاوت اور بلند ہمتی میں یگانۂ روزگار تھیں۔ خواتین کے بہت سے ایسے مسائل ہیں، جنہیں انہی ازواجِ مطہَّرات نے، حضور اکرم ﷺ سے سیکھ کر حل فرمایا ہے[۱]۔

امّہات المؤ منین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی تعداد، اور ان کے نکاح کی ترتیب کے بارے میں، مؤرِّخین کا قدرے اختلاف ہے، لیکن گیارہ ۱۱ امّہات المؤمنین کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، ان میں سے حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سیّدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو حضور اکرم ﷺ کی ظاہری حیاتِ طیّبہ میں ہی انتقال فرماگئیں، جبکہ دیگر نو ۹ اَزواج طیّبات، حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی دنیا میں باحیات رہیں۔

امّت مسلمہ کی ان گیارہ ۱۱ ماؤں میں سے، چھ ۶ قبیلۂ قریش کے مختلف گھرانوں کی چشم وچراغ تھیں، جن کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں: (۱) خدیجہ بنت خوَیلد، (۲) عائشہ بنت ابوبکر صدیق، (۳) حفصہ بنت عمر فاروق، (۴) ام حبیبہ بنت ابوسفیان، (۵) ام سلَمہ بنت ابو اُمیّہ، (۶) سودہ بنت زمعہ۔

---

(۱) "ازواج مطہَّرات" ص ۱۴ مقتبساً، مولانا شکیل الرحمن مصباحی۔

چار ۴ امّہات المؤمنین خاندانِ قریش سے نہیں تھیں، بلکہ ان کا تعلق عرب کے دیگر قبائل سے تھا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۷) زینب بنت جحش، (۸) میمونہ بنت حارث، (۹) زینب بنت خزیمہ، (۱۰) جُویریہ بنت حارث۔

حضور کی ایک زوجۂ محترمہ (۱۱) صفیہ بنت حُییّ عربیُ النسل نہیں تھیں، بلکہ یہ خاندانِ بنی اسرائیل کی ایک شریف النسب رئیس زادی تھیں۔

اس بات میں بھی کسی مؤرّخ کا اختلاف نہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے، حضرت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نکاح فرمایا، اور جب تک وہ دنیا میں رہیں، حضور اقدس ﷺ نے کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں فرمایا[1]۔

اُمّہات المؤمنین، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾[2]

"یہ نبی مسلمانوں کا، اُن کی اپنی جان سے زیادہ مالک ہے، اور اِس کی اَزواج مسلمانوں کی مائیں ہیں"۔

علّامہ حافظ الدّین نَسفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "﴿وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ في تَحْرِيمِ نكاحِهِنّ، ووُجُوبِ تعظيمِهِنّ، وهُنّ فيما وراءَ ذلك كالإرثِ ونَحوِه كالأجنبيّات، ولهذا لَم يَتعد التحريمُ إلى بناتِهِنّ"[3]. "(اس نبی کی اَزواج مسلمانوں کی مائیں ہیں) یعنی ان سے نکاح حرام ہے، اور ان کی تعظیم واجب ہے۔ وہ امّت کے لیے ان دونوں اَحکام کے علاوہ، بقیہ تمام اُمور میں (مثلاً وراثت وغیرہ میں) دیگر خواتین کی طرح ہیں، اسی لیے حرمت کا حکم ان کی بیٹیوں کے لیے نہیں ہے"۔

---

(۱) "شرح الزرقاني على المواهب" المقصد ۲، الفصل ۳: في ذكر أزواجه الطاهرات وسراريه المطهرات، ٤/ ۳۵۹- ۳٦۲.

(۲) پ۲۱، الأحزاب: ٦.

(۳) "المدارك" الأحزاب، تحت الآية: ٦، ۲/ ۳۳۵.

ابن ابي حاتم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: "عن قَتادة رضي الله تعالى عنه في قوله: ﴿وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ يقول: أمّهاتُهم في الحرمةِ، لا يحلّ لِمؤمنٍ أن ينكِحَ امرأةً من نساء النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، في حياته إن طلّق، ولا بعدَ موته، هي حرامٌ علَى كلّ مؤمِنٍ مثل حرمةِ أمّه"[1]. "حضرت سیّدنا قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ازواجِ مطہّرات رضی اللہ تعالٰی عنہن مسلمانوں کی مائیں ہیں، مسلمانوں پر اسی طرح حرام ہیں جیسے ان کی اپنی مائیں ان پر حرام ہیں"۔

(۲) اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[2] "اے نبی کی بیبیو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو! اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو، تو گفتگو میں ایسی نرمی نہ لاؤ، کہ کوئی دل کا روگی کچھ لالچ کر بیٹھے، ہاں اچھی بات کہو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اور بے پردہ نہ رہو، جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی، اور نماز قائم رکھو، اور زکاۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو! اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے، اور تمہیں پاک کر کے خُوب ستھرا کر دے!"۔

صدر الافاضل حضرت علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں کہ "تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے، اور تمہارا اجر و ثواب بھی سب سے بڑھ کر ہے، جہان بھر کی عورتوں میں کوئی تمہارے برابر نہیں!۔ اس میں تعلیمِ آداب ہے، کہ اگر بضرورت غیر مرد سے پسِ پردہ گفتگو کرنی پڑ جائے، تو قصد کرو کہ لہجہ میں نزاکت نہ آنے پائے، اور بات میں لوچ نہ ہو، بات نہایت سادگی سے کی جائے، عِفّت مآب خواتین کے لیے یہی شایاں ہے۔ اگلی جاہلیت سے مراد قبلِ اسلام کا زمانہ ہے،

---

(١) "تفسير ابن أبي حاتم" الأحزاب، تحت الآية: ٦، ٩/ ٣١١٥.

(٢) پ٢٢، الأحزاب: ٣٢، ٣٣.

اس زمانہ میں عورتیں اِتراتی نکلتی تھیں، اپنی زینت و محاسن کا اظہار کرتی تھیں تا کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسے پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضاء اچھی طرح نہ ڈھکیں، اور پچھلی جاہلیت سے اخیر زمانہ مراد ہے، جس میں لوگوں کے اَفعال پہلے والوں کی مثل ہو جائیں گے، یعنی گناہوں کی نَجاست سے تم آلودہ مت ہونا!۔ اس آیت سے اہلِ بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور اہلِ بیت میں امّہات المؤمنین، حضرت خاتونِ جنّت فاطمہ زَہرا، علی مرتضٰی اور حسنینِ کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم سب داخل ہیں"[1]۔

(۳) ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا﴾[2].

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں حاضر مت ہوا کرو، جب تک اِذن نہ پاؤ! مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ، نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو! ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو، اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ! یقیناً اس سے نبی کو اِیذا ہوتی تھی، تو وہ تمھارا لحاظ فرماتے تھے، اور اللہ تعالی حق بیان فرمانے میں نہیں شرماتا، اور جب تم اُن سے برتنے کی کوئی چیز مانگو[3]، تو پردے کے باہر سے مانگو، اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمھارے دلوں اور اُن کے دلوں کی، اور تمھارے لیے جائز نہیں کہ رسول اللہ کو اِیذا دو! اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو! یقیناً یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے"۔

---

(۱) "خزائن العرفان" سورۃ الاحزاب، ص۷۶۳۔

(۲) پ۲۲، الأحزاب: ۵۳.

(۳) یعنی امّہات المؤمنین سے۔ "خزائن العرفان" سورۃ الاحزاب، ص۷۶۵۔

(۴) رب ذوالجلال کاارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ لَوْ لَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ إِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾[1]

"بے شک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں، تمہیں میں سے ایک جماعت ہے، اسے اپنے لیے بُرا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے، ان میں ہر شخص کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا، اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا، اس کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: "هذه الآياتُ كلّها نزلتْ في شأن عائشة أمّ المؤمنين، رضي الله تعالى عنها حين رمَاها أهلُ الإفك والبُهتانِ من المنافقِين، بما قالوه مِنَ الكَذِبِ البحْتِ والفِرْيةِ، الّتي غار اللهُ تعالى لها ولنبيّه، -صَلواتُ الله وسلَامُه عليهِ- فأنزل اللهُ عزّوجلّ براءتَها صيانةً لعِرْضِ الرّسُولِ، صلّى الله تعالى عليه وسلّم فقال: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ أي: جماعةٌ منكم، يعني ما هو واحدٌ ولا اثنان، بل جماعة. فكانَ المقدَّمُ في هذه اللَّعنة عبدُ الله بن أُبَي بن سلول رأس المنافقِين؛ فإنّه كان يجمعه ويستوْشِيه، حتّى دخل ذلك في أذهان بعضِ المسلمِين، فتكلّموا به، وجوّزه آخَرون منهم، وبقي الأمرُ كذلك قريباً من شهر، حتّى نزلَ القرآنُ"[2].

"یہ آیات ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں نازل ہوئیں، جس وقت منافقین نے آپ پر بہتان باندھا تھا، اس پر اللہ تعالی نے مصطفی جانِ رحمت صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کی قرابتداری کے سبب، انعام فرماکر یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں؛ تاکہ سرکار دوعالم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کی آبرو پر حرف نہ آئے۔ ان بہتان بازوں کی ایک جماعت تھی، اس بُرے کام میں سب سے پیش پیش منافقین کا

---

(۱) پ۱۸، النور: ۱۱، ۱۲.

(۲) "تفسير ابن كثير" النور، تحت الآية: ۱۱، ۱۲، ۳/ ۲۷۲، ۲۷۳، ملتقطاً.

سردار عبد اللہ بن اُبَی بن سلول تھا، جس نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر لوگوں کے کان بھرے تھے، اور یہ چہ میگوئیاں قریب ایک ماہ تک چلتی رہیں، یہاں تک کہ قرآنِ مجید کی یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں"۔

اُمّہات المؤمنین، حدیثِ نَبَوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ بارگاہِ رسالت میں حضرت سیّدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی: «يا رسولَ الله! هذه خديجةُ قَدْ أتتْ معها إِناءٌ فيه إدامٌ، أو طعامٌ أو شرابٌ، فإذا هي أتتْكَ فَاقرَأْ عليها السّلامَ مِن ربِّها ومنّي، وبَشِّرْها ببيتٍ في الجنّةِ مِن قَصب لا صخبَ فيه، ولا نصبَ»[1] "یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، جو ایک برتن لے کر تشریف لا رہی ہیں، اس میں سالن اور کھانے پینے کی اشیاء ہیں، جب یہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب تعالی کا اور میرا سلام پیش کیجیے، اور انہیں جنّت میں موتیوں والے محل کی بِشارت بھی دیجیے، جس میں کوئی شور وغل اور تکلیف دہ چیز نہیں!"۔

(۲) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أفضلُ نساءِ أهلِ الجنّة خديجةُ بنت خُوَيلد، وفاطمةُ بنت محمّد، ومريمُ بنت عمران، وآسيةُ بنت مُزاحِم امرأةُ فرعون»[2] "جنّتی خواتین میں سب سے اَفضل حضرت خدیجہ بنت خوَیلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت فاطمہ بنت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فرعون کی زَوجہ حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں"۔

(۳) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "ما غِرْتُ علَى أحدٍ من نساءِ النبيّ ﷺ ما غِرْتُ علَى خديجة، وما رأيتُها، ولكن كان النبيُّ ﷺ يُكثِر ذكرَها،

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النّبي ﷺ ...إلخ، ر: ۳۸۲۰، صـ٦٤١.

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن العبّاس رضی اللہ عنہما، ر: ۲۹۰۳، ١/٦٧٨.

ورُبّما ذبحَ الشّاةَ ثمّ يقطعها أعضاء، ثمّ يبعثها في صدائق خديجةَ، فربّما قلتُ له: كأنّه لم يكن في الدّنيا امرأةٌ إلّا خديجة، فيقول: «إنّها كانتْ وكانتْ، وكان لِي منها ولدٌ»"[١]

"مجھے نبیٔ کریم ﷺ کی اَزواج میں سے، کسی پر اتنا رشک نہیں آتا، جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر آتا ہے، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہیں ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ اکثر ان کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کبھی کبھار کوئی بکری ذَبح کرتے، تو اس کے اعضاء علیحدہ علیحدہ کر کے، انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کے ہاں بھی بھجوایا کرتے۔ کبھی میں اتنا عرض کر دیتی، کہ دنیا میں کیا حضرت خدیجہ کے سوا کوئی دوسری عورت نہیں؟ اس پر آپ ﷺ فرماتے، کہ ہاں وہ ایسی ہی یگانۂ روزگار تھیں، اور میری اولاد بھی انہی سے ہے"۔

(۴) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں، کہ حضور نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: «أنتِ زوجتي في الدّنيا والآخِرَة!»[٢] "تم دنیاوآخرت میں میری زوجہ ہو!"۔

(۵) حضرت سیّدنا ابو سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، کہ ایک روز مصطفیٰ کریم ﷺ نے فرمایا: «يا عائش! هذا جبريلُ يُقرئُكِ السّلام!» فقلتُ: وعليهِ السّلام ورحمةُ الله وبركاته، ترى ما لَا أرى! تُرِيدُ رسولَ الله ﷺ[٣].

"اے عائشہ! یہ حضرت جبریل تمہیں سلام کہتے ہیں، میں نے جواب دیا: "وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" لیکن حضور آپ ﷺ جو کچھ دیکھتے ہیں، وہ میں تو نہیں دیکھتی!"۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النّبي ﷺ ...إلخ، ر: ٣٨١٨، صـ٦٤١.

(٢) "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ر: ٦٧٢٩، ٧/ ٢٣٩٩. [قال الحاكم]: "الحديث صحيح ولم يخرجاه". و[قال الذهبي]: "صحيح".

(٣) "صحيح البخاري" كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب فضل عائشة رضي الله عنها، ر: ٣٧٦٨، صـ٦٣٣.

(۶) حضرت سیّدنا عروہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنی ہمشیرہ، حضرت سیّدہ اسماء رضی اللہ تعالی عنہا سے عارضی طور پر ہار لے رکھا تھا، جو گم ہو گیا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے کئی حضرات کو، اس کی تلاش میں روانہ کیا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا، اور بعض حضرات نے بِناوضو کے نماز پڑھ لی، پھر مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے پانی نہ ملنے کی شکایت کی، اس پر تیمم کی آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ حضرت اُسَید بن حُضیر رضی اللہ تعالی عنہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عرض کرتے ہیں کہ "جَزَاكِ اللهُ خَيراً، فَوَاللهِ! مَا نَزَلَ بِكِ أَمرٌ قَطُّ، إِلَّا جَعَلَ اللهُ لَكِ منهُ مَخرَجاً، وَجَعَلَ للمُسلِمِين فِيهِ بَرَكَةً"[1]. "اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! کہ جب بھی آپ پر کوئی آزمائش آئی، اللہ تعالی نے بہت خوبصورتی کے ساتھ آپ کو اس سے پار نکال دیا، اور اس حکمِ شریعت سے عامّۃ المسلمین کو بھی برکت عطا فرما دی"۔ یعنی آپ کی برکت سے ہمیں تیمم وغیرہ کے اَحکام نصیب ہوئے۔

(۷) حضرت سیّدنا عروہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں، کہ سرکارِ دو عالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: «أُريتُكِ في المنام مرّتَين، أرى أنّكِ في سَرَقة من حرير، ويقول: هذه امرأتُك، فاكشفْ عنها، فإذا هي أنتِ، فأقول: إنْ يَكُ هذا من عندِ الله يُمضِه»[2] "میں نے خواب میں دو ۲ بار تمہیں دیکھا، میں نے دیکھا کہ تم ریشمی کپڑوں میں لپٹی ہوئی ہو، مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں، ان سے پردہ ہٹائیے! جب پردہ ہٹا کر دیکھا تو سامنے تم تھیں، لہٰذا میں نے اپنے آپ سے کہا، کہ اگر یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے تو ایسا ہو کر رہے گا!"۔

---

(۱) المرجع نفسه، ر: ۳۷۷۳، صـ۶۳۳، ٦٣٤.

(۲) المرجع السابق، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ عائشة ...إلخ، ر: ۳۸۹۵، صـ٦٥٥.

(۸) حضرت سیّدنا کعب بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، کہ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: "قلتُ: يا رسولَ الله! مَن مِن أزواجِك في الجنّةِ؟ قال: «أَمَا إِنَّكِ منهُنّ»"[١] "میں نے حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم! آپ کی اَزواج میں سے آپ کے ساتھ جنّت میں کون ہوگی؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، کہ تم بھی انہی میں سے ہو!"۔

(۹) حضرت سیّدنا عروہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم وصالِ ظاہری سے پہلے، آخری ایّامِ دنیا میں، اپنی اَزواج مطہّرات میں سے جس کے ہاں باری ہوتی، فرماتے: «أين أنا غداً؟ أين أنا غداً؟» حرصاً علَى بيتِ عائشةَ، قالت عائشةُ: "فلمّا كان يَومِي سكن"[٢]. "کل مجھے کس کے گھر رُکنا ہے؟ کل مجھے کس کے گھر جانا ہے؟ اور حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ پوچھنا حضرت سیّدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے گھر کے اشتیاق میں تھا، جب ان کی باری آئی، تو حضور اقدس صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سکونت اختیار فرمالی"۔

اُمّہات المؤمنین، اقوال علماء کی رَوشنی میں

قال قَتادة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: "إنّ خَديجةَ أوّلُ مَن آمَن بالله وَرَسُولِه، وصدّقَه فيما جاء بِهِ، ثُمَّ عليٌّ بعدَها"[٣]. "سب سے پہلے اللہ تعالی، اُس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم، اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوّت ووحی پر ایمان، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا لائیں، پھر آپ کے بعد حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایمان لائے"۔

قال عطاءُ بن أبي رُباح رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: "كَانَت عائشةُ أَفقهَ النّاس، وأَعْلَمَ النّاس،

---

(١) "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ذكر الصحابيات من أزواج رسول الله صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم وغيرهن، ر: ٦٧٤٣، ٧/ ٢٤٠٣. [قال الحاكم:] "صحيحُ الإسناد ولم يُخرجاه". و[قال الذهبي]: "صحيح".

(٢) "صحيح البخاري" كتاب فضائل أصحاب النبي صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم، باب فضل عائشة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، ر: ٣٧٧٤، صـ٦٣٤.

(٣) "الاستيعاب" (تابع) حرف العين، باب علي، ٣/ ١٠٩٢.

وأحسنَ النّاس رأيًا فِي العامّة"[1]. "حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا لوگوں میں سب سے زیادہ ماہر فقیہہ، عالمہ اور عمدہ رائے والی تھیں"۔

قال الإمام الزُّهري رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى: "لو جمع علمُ عائشةَ إلَى عِلمِ جميعِ أزْوَاجِ النّبيِّ ﷺ وعِلْمِ جَمِيعِ النّساءِ، لكانَ عِلمُ عائشةَ أفضلَ"[2]. "اگر تمام امہات المؤمنین کا علم، اور تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے، تب بھی حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا علم، ان میں سب سے زیادہ اور عمدہ ہے"۔

قال سيّدنا عروة بن الزبير رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: "ما رأيتُ أحداً أعلمَ بفقه، ولا بطبٍّ، وَلا بشِعرٍ، من عائشة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا"[3]. "میں نے علمِ فقہ، علمِ طِب اور علمِ شاعری میں، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے زیادہ کسی کو ماہر وافضل نہیں پایا"۔

قال عطاء بن أبي رباح رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: عن عمر بن أبي سلَمة ربيب النّبي ﷺ قال: "لما نزلتْ هذه الآيةُ علَى النبيّ ﷺ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [الأحزاب: ٣٣] في بيتِ أمّ سلَمة، فدعا النبيُّ ﷺ فاطمةَ وحسَناً وحسَيناً فجلّلهم بكِسَاءٍ، وعليٌّ خَلْفَ ظَهرِهِ فجلّله بكِسَاءٍ، ثمّ قال: «اللّهمّ هؤلاءِ أهلُ بَيتِي! فأذهِب عنهم الرِّجسَ! وطهِّرهُم تطهيراً!» قالتْ أمُّ سلَمة: وأنا معهم يا رسولَ الله؟ قال: «أنْتِ علَى مكانكِ! وأنْتِ على خَيرٍ!»"[4].

(١) "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ذكر الصحابيات من أزواج رسول الله ﷺ وغيرهن، ر: ٦٧٤٨، ٧/ ٢٤٠٥.

(٢) "الاستيعاب في معرفة الأصحاب" باب العين، تحت ر: ٤٠٢٩- عائشة بنت أبي بكر الصديق، ٤/ ١٨٨٣.

(٣) المرجع نفسه.

(٤) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب في مناقب أهل بيت النبي ﷺ، ر: ٣٧٨٧، صـ٧٥٩.

"حضرت عمر بن ابی سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروردہ ہیں، ان سے روایت ہے، کہ یہ آیتِ کریمہ کہ "اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے! اور تمہیں پاک کر کے خُوب ستھرا کر دے" حضرت امّ سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی، اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضراتِ فاطمہ وحَسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُلوا کر، انہیں اپنی چادر مبارکہ میں لے لیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے تھے، انہیں بھی چادر میں لے لیا، پھر یوں دعا فرمائی: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے گندگی دُور رکھ، اور انہیں خوب پاک وصاف کر دے! سیّدہ امّ سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا میں بھی اِن کے ساتھ ہوں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی اپنی جگہ میرے اہلِ بیت سے ہو، اور خیر پر ہو!"۔

قال ابنُ سعد رحمہ اللہ تعالیٰ: "عن عمر بن عثمان بن عبد الله الجحشيّ عن أبيه قال: ما تركتْ زينبُ بنت جحش درهماً ولا ديناراً. كانت تصدّق بكلِّ ما قدرتْ عليه. وكانتْ مأوى المساكين"[1]. "عمر بن عثمان بن عبد اللہ جحشی سے روایت ہے، کہ ام المؤمنین حضرت سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جس قدر مال ہوتا، سب کا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتیں، اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مساکین کی پناہ گاہ تھیں۔

قالت السيّدةُ عَائِشَةُ عن أمّ المؤمنين جوَيرية: "فلا أعلَم امرأةً كانت أعظمَ بركةً علَى قومِها منها"[2]. "میں نے کسی عورت کو جُویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر، اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا!"۔

خلاصۂ کلام

قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اَزواجِ مطہّرات، مسلمانوں کی مائیں ہیں، ان کا ذکر ہمیشہ خیر ہی کے ساتھ کرنا چاہیے، ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی تمام اَزواج سے محبت فرمایا کرتے، ہر ایک کی دِلجُوئی فرماتے،

(١) "الطبقات الكبرى" ذكر أزواج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، زينب بنت جحش، ٦/ ٨٥.

(٢) "مستدرَك الحاكم" ذكر جوَيرية بنت الحارث، ر: ٦٧٨١، ٧/ ٢٤٢٠.

اور امہات المؤمنین بھی آپ ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا کرتیں۔ اور یہ حضور اکرم ﷺ سے نکاح کی برکت ہے، کہ آپ ﷺ کی اَزواج **"امہات المؤمنین"** کے عظیم لقب سے نوازی گئیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام ابن عساکر کی تالیف **(۱)** "كتاب الأربعين في مَناقب أمّهات المؤمنين"[۱]، امام محبّ الدّین طَبری کی کتاب **(۲)** "السمط الثمين في مَناقب أمّهات المؤمنين"[۲]، اور محمد عبد الخالق توکّلی صاحب کی کتاب **(۳)** "امّہات المؤمنین"[۳] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

---

(۱) مطبوعة من دار الفكر، دِمشق.

(۲) مطبوعة من دار الحديث، القاهره.

(۳) مطبوعہ زاویہ پبلشرز، لاہور۔

(۳۱) سیرتِ حضرت امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

مسلمان جس کا دل محبتِ خدا ورسول سے معمور ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنے پیارے نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے، تمام اصحابِ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے محبت واحترام کا تعلق رکھے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے تمام تر صحابۂ کرام پر وہ انعام واحسان کیا، جس میں کوئی بھی ان مقدّس حضرات کا شریک نہیں۔

آخر وہ احسان کیا ہے؟ وہ انعام واحسان اِن تمام حضرات کے لیے، اللہ تعالی کی دائمی رضا وخوشنودی کا وعدہ ہے، وہ انعام واحسان اِن مقدّس حضرات کا، بار بار سرکارِ اَبد قرار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نظرِ عنایت سے مشرّف ہونا ہے۔

مسلمان پر یہ عقیدہ رکھنا بھی لازم ہے، کہ تمام کے تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم عادل، سچے ومعتبر ہیں، اسی عقیدے پر ائمۂ کرام سلَف وخلَف کار بند رہے[1]۔

حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے فضائل دو ۲ طرح کے ہیں: ایک **عمومی**، دوسرے **خصوصی**۔

عمومی فضائل یہ ہیں، کہ وہ ایک جلیل الشان عظیم المرتبت صحابئ رسول ہیں، لہذا صحابۂ کرام کے جس قدر عمومی فضائل ومقامات، قرآن وحدیث میں وارد ہیں، ان میں حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بھی حصہ ہے۔

حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ بن ابی سفیان اُموی قریشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، بعثتِ نبوی سے پانچ ۵ برس پہلے پیدا ہوئے۔ علاّمہ واقدی کہتے ہیں کہ "حضرت معاویہ صلحِ حدَیبیہ کے بعد ہی مسلمان ہوگئے تھے، لیکن انہوں نے اپنا اسلام لوگوں سے مخفی رکھا، اور فتحِ مکّہ کے ساتھ ہی اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دیا[2]۔

ابو نُعَیم نے کہا کہ حضرت مُعاویہ حلیم الطبع حساب دان تھے۔ حضرت خالد بن معدان کہتے ہیں، کہ حضرت امیر مُعاویہ طویلُ القامت تھے، آپ کا رنگ گورا تھا، نبئ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابی اور آپ کے کاتب تھے[3]۔

---

(١) "تطهير الجنان" مقدّمة، صـ٤، ٥.

(٢) "الإصابة" تتمة حرف الميم، ذكر من اسمه معاوية، تحت ر: ٨٠٨٧- معاوية بن أبي سفيان، ٦/ ١٢٠.

(٣) المرجع نفسه.

حضرت سیّدنا امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے، حضرت امیر مُعاویہ کو ملکِ شام کا حاکم بنایا، آپ چالیس ۴۰ برس وہاں حاکم رہے۔ حضرت سیّدنا امام حسن بن علی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے آپ کے حق میں خلافت سے دستبرداری فرمائی اور صلح بھی کی۔ آپ کی وفات ۴ رجب ۶۰ ہجری میں ہوئی، آپ نے ۷۸ برس کی عمر پائی، اور بوقتِ وفات وصیت فرمائی، کہ میرے پاس نبئ کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم کے کچھ ناخن مبارک ہیں، وہ بعدِ غسل میری آنکھوں پر رکھ دیے جائیں، اور حضور اکرم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم کی چادر مبارک اور قمیص شریف ہے، مجھے حضور سیّدِ عالم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم کی قمیص میں کفن دینا، پھر مجھے ارحم الراحمین کے سِپرد کر دینا[1]۔

شانِ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

کوئی بھی صحابی فاسق یا فاجر نہیں، سارے صحابہ متقی پرہیز گار ہیں، یعنی اوّلاً تو اِن سے گناہ سرزَد ہوتا نہیں، اور اگر ہو بھی جائے تو رب تعالی انہیں فوراً توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے، اور وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: یارسولَ الله! مجھے گناہوں سے پاک فرما دیجیے!۔ صحابیت اور فسق جمع نہیں ہو سکتے، سارے صحابۂ کِرام فسق سے مامون ومحفوظ ہیں؛ کیونکہ قرآنِ کریم نے ان سب کے عادل، متقی اور پرہیز گار ہونے کی گواہی دی، اور ان سے مغفرت وجنّت کا وعدہ فرمالیا۔

(۱) الله تعالی فرماتا ہے: ﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾[2] "تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتحِ مکّہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اور ان سب سے اللہ جنّت کا وعدہ فرما چکا!"۔

---

(۱) "الإصابة" تتمة حرف الميم، ذكر من اسمه معاوية، تحت ر: ۸۰۸۷- معاوية بن أبي سفيان، ٦/ ۱۲۰- ۱۲۱. و"تطهير الجِنان" الفصل ۲ في فضائله ومناقبه ...إلخ، صـ۲۸.

(۲) پ۲۷، الحديد: ۱۰.

(۲) ربّ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا﴾[1]
"پرہیزگاری کا کلمہ ان (صحابہ) پر لازم فرمایا، اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے"۔

امام بغَوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وكانوا أحقَّ بها، من كفّارِ مكّةَ، وأهلَها، أي: وكانوا أهلَها في علمِ الله؛ لأنّ الله تعالى اختارَ لِدِينه وصحبة نبيِّه أهلَ الخير"[2]. "اللہ تعالی کے علم میں صحابۂ کرام، کفّارِ مکّہ سے زیادہ حقدار واہل ہیں پرہیزگاری کے؛ اس لیے کہ اللہ تعالی نے اپنے دین، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی صحبت کے لیے، اہلِ خیر (بہترین لوگوں) کو ہی اختیار فرمایا"۔

(۳) قرآنِ کریم میں ان حضراتِ مقدّسہ کے اَوصافِ حمیدہ یوں بیان فرمائے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾[3] "کافروں پر سخت ہیں، اور آپس میں نرم دل"۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا: ع

ہو حلقۂ یاراں تو ریشم کی طرح نرم رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مؤمن[4]

جب اللہ تعالی صحابہ سے متعلق ارشاد فرما رہا ہے، کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں، تو پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں؟! صحابۂ کِرام کی باہمی جنگیں اللہ تعالی کی خاطر تھیں، خواہشِ نفس کے لیے نہیں۔ اُن میں بعض سے اجتہادی خطا ہوئی، جو شرعًا مُعاف ہے، اس کا واضح ثبوت درج ذیل اُمور سے ملتا ہے:

---

(۱) پ٢٦، الفتح: ٢٦.

(۲) "تفسير البغَوي" الفتح، تحت الآية: ٢٦، ٤/ ٢٠٤.

(۳) پ٢٦، الفتح: ٢٩.

(۴) "کلیاتِ اقبال" ضربِ کلیم، ص۵۵۸۔

(۱) جنگِ جمل کے اختتام پر حضرتِ مولیٰ علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے، حضرتِ سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی واپسی کا انتظام کیا، اور پورے اِعزاز واِکرام کے ساتھ، محمد بن ابی بکر کی نگرانی میں، چالیس ۴۰ معزّز خواتین کے جھرمٹ میں، ان کو جانبِ حجاز رخصت کیا۔ خود حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دُور تک مشایعت کی، ہمراہ رہے، امامِ حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ میلوں تک ساتھ گئے۔ چلتے وقت حضرتِ سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے مجمع میں اِقرار فرمایا کہ "مجھ کو علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نہ کسی قسم کی کدُورت پہلے تھی اور نہ اب ہے، ہاں ساس داماد میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے، اس سے مجھے انکار نہیں"۔

حضرتِ سیّدنا علی نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا: "لوگو! حضرتِ سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سچ کہہ رہی ہیں، خدا کی قسم! مجھ میں اور ان میں اس سے زیادہ اختلاف نہیں، بہر حال خواہ کچھ ہو یہ دنیا وآخرت میں تمھارے نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زوجہ ہیں، اور ام المؤمنین ہیں"[۱]۔

(۲) حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ میں، عین جنگ کے زمانہ میں، حضرت سیّدنا عقیل بن ابی طالب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، یعنی حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بھائی، حضرت امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاں پہنچ گئے، حضرت امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اُن سے بہت ادب واحترام کے ساتھ پیش آئے۔ ایک لاکھ درہم نذرانہ پیش کیا، اور ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ مقرّر کیا۔ اس دَوران بھی حضرت سیّدنا عقیل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرمایا کرتے تھے کہ "دِین علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف ہے"[۲]۔ اگر نفسانیت کی جنگ ہوتی تو یہ مثالی برتاؤ کیسے ممکن تھا؟! بہر حال جب بھی کسی صحابی کا ذکر ہو تو خیر کے ساتھ ہی ہو، اُن کی عظمت واحترام کا پورا پورا خیال رہے۔

---

(۱) "فتاویٰ رضویہ" کتاب العقائد والکلام، رسالہ: "اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفی والآل والاصحاب" العقیدۃ ۷: مشاجرات الصحابۃ الکرام، ۱۸/۲۵۴۔

(۲) "السيرة الحلبيّة" باب ذكر أوّل الناس إيمانًا به ﷺ، ۱/ ۳۸۲، ۳۸۳. و"تاريخ الخلفاء" عهد ابن أميّة، معاوية بن أبي سفيان رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، صـ۱۵۵.

شانِ حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں:

(۱) حضرت سیّدنا عبد الرحمن بن ابي عميره رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے اس طرح دعا فرمائی: «اللّهُمّ اجعلْه هادِياً مَهديّاً واهْدِ بِه!»[۱] "اے اللہ! مُعاویہ کو ہادی، مَہدی (ہدایت یافتہ) اور دوسروں کے لیے ذریعۂ ہدایت بنا!"۔

اس حدیث پاک کی شرح میں ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "ولا ارتيابَ أنّ دعاءَ النبيّ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مستجابٌ، فمَن كان هذا حالُه، كيف يرتاب في حَقّه"[۲]. "یقیناً حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی دعا مستجاب ہے، تو وہ جس کی یہ حالت ہو (یعنی جس کے حق میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دعا فرمائیں، وہ یقیناً مقبول ہے) اُس کے بارے میں کیسے کوئی شک کیا جا سکتا ہے!"۔

(۲) حضرتِ سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے دعا فرمائی: «اللّهمّ علِّمْه الكتابَ والحسابَ!»[۳] "اے اللہ! مُعاویہ کو قرآن اور حساب کا عالم بنا!"۔

(۳) حضرت سیّدنا مسلَمہ بن مخلد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے اس طرح دعا فرمائی: «اللّهمّ مكِّنْ له في البِلادِ، وَقِهِ سوءَ العذابِ!»[٤] "اے اللہ! مُعاویہ کو بلادِ عالَم کی حکومت عطا فرما، اور اسے بُرے عذاب سے بچا!"۔

---

(١) "سنن الترمذي" كتاب المناقب، باب مناقب معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنه، ر: ٣٨٤٢، صـ٨٦٩.
[قال الترمذي]: "هذا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيب".

(٢) "مرقاة المفاتيح" كتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، تحت ر: ٢٦٤٤، ١٠/ ٦١٢.

(٣) "المعجم الكبير" باب، ما أسند مَسلمة بن مخلد، ر: ١٠٦٦، ١٩/ ٤٣٩.

(٤) المرجع نفسه.

(٤) حضرت سیّدہ امّ حرام رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو فرماتے سنا: «أوّلُ جيش مِنْ أمّتي يغزُون البحرَ، قد أوجبوا!» "میری امّت میں سے پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا، اس پر جنّت واجب ہے!"۔ امّ حرام کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا، کہ کیا میں اُس لشکر میں ہوں گی؟ "فرمایا: «أنتِ فيهِم» "ہاں تو بھی اُن میں ہوگی"۔ پھر نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أوّلُ جيش مِن أمّتي يغزُون مدينةَ قيصرَ، مغفورٌ لهم!» "میری امّت کا وہ گروہ، جو سب سے پہلے شہرِ قیصر (روم) جاکر جہاد کرے گا، ان کے سب گناہ بخش دیے جائیں گے!"، میں نے پوچھا کہ کیا میں اُس گروہ میں ہوں گی؟ فرمایا: «لاَ» "نہیں"[1]۔

"صحیح بخاری"[2] کی روایت ہے: "حضرت سیدہ امّ حرام رضی اللہ تعالی عنہا اپنے شَوہر، عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلیں، جبکہ حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ مسلمانوں نے پہلی بار سمندری سفر کیا"۔

شانِ حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامة علي القاري رحمه الله تعالى: "قيل لابن المبارك: أيّما أفضل: معاوية أو عُمر بن عبد العزيز؟ فقال: الغبارُ الّذي دخل في أنف فرس معاوية مع النّبي صلى الله تعالى عليه وسلم، خيرٌ مِن مثل عمرَ بن عبد العزيز، كذا وكذا مرّةً! "[3]. علّامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "مشہور محدِّث حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال ہوا، کہ حضرت مُعاویہ بن ابی سفیان اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہما میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی معیّت میں، حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غُبار داخل ہوا، وہ بھی حضرت عمر بن عبد العزیز اور ان جیسے دیگر بزرگوں سے بہت افضل وبہتر ہے!"۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في قتال الروم، ر: ٢٩٢٤، صـ٤٨٣.

(٢) المرجع نفسه، باب فضل من يصرع في سبيل الله فمات فهو منهم، ر: ٢٨٠٠، صـ٤٦٤.

(٣) "مرقاة المفاتيح" شرح مقدّمة المشكاة، ١/ ٨٣.

قال الإمام أعمَش رحمه الله تعالى: "لو رأيتم معاويةَ لقلتم: هذا المَهدي"[1]. امام اعمش رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "اگرتم حضرت مُعاویہ کودیکھ لیتے، تو کہہ اٹھتے، کہ یہ تو واقعی ہدایت یافتہ ہیں!"۔

قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالى: "واعتقاد أهل السّنة: تزكيةُ جميع الصّحابة والثناء عليهم، كما أثنَى اللهُ عزّ وجلّ ورسولُه صلى الله عليه وسلم. وما جرَى بين مُعاوية وعلي رضي الله عنهما، كان مبنيًّا على الاجتهاد"[2].

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "اہل سنّت کا عقیدہ یہ ہے کہ "تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو پاک صاف سمجھنا، اور ان کی ایسی تعریف وتوصیف کرنی ہے، جیسے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ اور جو کچھ حضرت امیر مُعاویہ اور حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہما کے مابین ہوا، وہ سب اجتہادی خطا پر مبنی تھا"۔

قال الإمام قاضي عياض رحمه الله تعالى: "وقال رجلٌ للمعافي بن عمران: أين عُمر بن عبد العزيز من مُعاوية؟! فغضب وقال: لا يُقاس بأصحاب النبيّ صلى الله عليه وسلم أحدٌ! معاويةُ صاحبُه وصهرُه وكاتبُه، وأمينُه على وحي الله!"[3].

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "کسی نے حضرت مُعافی بن عمران سے پوچھا، کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا، حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ کے مقابل کیا مقام ہے؟ اس پر حضرت مُعافی نے سخت جلال میں فرمایا، کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے صحابہ پر کسی کو قیاس نہ کیا جائے! حضرت امیر مُعاویہ صحابی ہیں، رسول اللہ کے سُسرالی رشتہ دار، یعنی زوجۂ محترمہ کے بھائی ہیں، کاتبِ رسول ہیں، اور وحی کے امین ہیں!"۔

قال الإمامُ ابن الهمام رحمه الله تعالى: "وَما جرى بين مُعاويةَ وعلي رضي الله عنهما، كان مبنيّاً على الاجتهاد، لا منازعة من مُعاوية في الإمامة؛ إذ ظنَّ عليٌّ تسليمَ قتلةِ عثمانَ مع كثرة

(١) "المعجم الكبير" باب الميم، من اسمه معاوية، ر: ٦٩١، ١٩/ ٣٠٨.

(٢) "إحياء علوم الدين" كتاب قواعد العقائد، الفصل ٣، الركن ٤، الأصل ٧، ١/ ١٣٧.

(٣) "الشفا" القسم ٢، الباب ٣، فصل، الجزء ٢ صـ٣٥.

عشائرهم واختلاطهم بالعسكر، يؤدّي إلى اضطرابِ أمرِ الإمامة، خصوصاً في بدايتها، فرأى التأخيرَ أصوَب"[1].

امام ابن الہمام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا علی اور حضرت سیّدنا مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو کچھ ہوا، وہ حضرت معاویہ کی طرف سے، امامت وخلافت کے بارے میں مُنازعت (جھگڑے) کے سبب نہیں تھا، بلکہ وہ سارا مُعاملہ اجتہادی خطا پر مبنی تھا (وہ فوری قِصاص چاہتے تھے)۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی، کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبائل کی کثرت ہے، اور وہ لوگ فوج میں بھی بکثرت داخل ہوگئے ہیں، اگر کوئی فَوری کاروائی ہوتی ہے، تو اس سے نظامِ خلافت درہم برہم ہونے کا قوی اندیشہ ہے، لہذا تاخیرِ قصاص زیادہ مناسب ہے"۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ع

"فرقِ مَراتب بے شمار اور حق بدستِ حیدرِ کرّار
مگر مُعاویہ بھی ہمارے سردار طَعن اُن پر بھی کارِ فُجّار

جو حضرت مُعاویہ کی حمایت میں -عیاذاً باللہ- اسدُاللہ (حضرت علی) کی سبقت واَولیت وعظمت واَکملیت سے آنکھ پھیرلے، وہ ناصبی یزیدی ہے، اور جو حضرت علی کی محبت میں حضرت مُعاویہ کی صحابیت ونسبتِ بارگاہِ حضرتِ رسالت بُھلادے، وہ شیعی زیدی ہے۔ یہی روشِ آداب -بحمد اللہ تعالی- ہم اہلِ توسُّط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے"[2]۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ "حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کسی بھی صحابی کو بُرا کہنا رافضی (رافضی شیعہ ہونا) ہے"[3]۔

---

(۱) "المسايَرة" صـ۳۱٤، ۳۱٥.

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الزکاۃ، رسالہ "رادع التعسف عن الامام ابی یوسف" ۸/۱۳۳۔

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والإباحۃ، ۱۶/۶۴۹۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، واحادیثِ مبارکہ، واقوالِ علماء کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے، کہ اللہ ورسول نے تمام صحابۂ کِرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بڑی عزّت اور بزرگی عطا فرمائی ہے، کہ انہیں ساری امّت سے افضل اور بَرتر ٹھہرایا۔ ملّتِ اسلامیہ کی عظمت اور اسلام کی شوکت انہی حضرات کے ذریعے بلند وبالا ہوئی۔ صحابۂ کرام وہ نُفوس قُدسیہ ہیں، جنہیں اللہ تعالی نے خاص اپنے محبوب، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت ومعیّت کے لیے پسند فرمایا، اور ان کا مُعاوِن ومددگار وانصار بنایا۔ اب اگر حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی اور کاتبِ وحی ہیں، ان کے بُغض وعِناد میں مبتلا کوئی شخص، دیگر صحابۂ کِرام واہلِ بیت عِظام کی محبت کا دعوی کرے، تو وہ اس دعوی میں جھوٹا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک صحابی سے دشمنی تمام صحابہ سے دشمنی ہے، اور کسی ایک صحابی کا انکار، سارے صحابہ کا انکار ہے۔

لہٰذا تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر، ہمیشہ خیر کے ساتھ ہی کیا جائے، اور بالخصوص حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرابتدار، برادرِ نسبتی، کاتبِ وحی، امینِ اَسرارِ الٰہی، فقیہ، مجتہد، عظیم صحابی، امام عالی مقام امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتمَد ہیں، اور بشمول امام حسن کے تمام صحابہ وتابعین کے متفقہ امیر بھی ہوئے، اور احادیث مبارکہ میں ان کے بہت فضائل بھی وارد ہیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام ابن حجر مکّی کی کتاب (۱) "تطهير الجِنان واللّسان عن ثلب سيّدنا مُعاوية بن أبي سفيان، مع المدح الجلي وإثبات الحقّ لعليّ"[۱]، علّامہ شیخ محدّث حیات سندھی مدنی کا رسالہ (۲) "فضل مُعاوية"[۲]، علّامہ عبد العزیز پُرہاروی کا رسالہ (۳) "الناهية عن طعن أمير معاوية"[۳]، امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مفصّل اور مدلّل

---

(۱) مطبوعة من دار الصحابة للتراث، طنطا.

(۲) مطبوعہ والضحی پبلی کیشنز، لاہور۔

(۳) مطبوعہ والضحی پبلی کیشنز، لاہور۔

رسائل (۴) "البُشرى العاجلة من تحف آجلة"[1]، (۵) "الأحاديث الرّاوية لمدح الأمير مُعاوية"[2]، (۶) "عرش الإعزاز والإكرام لأوّل مُلوك الإسلام"[3]، (۷) "ذبّ الأهواء الواهية في باب الأمير مُعاوية"[4]، (۸) "رفع العُروش الخاوية من أدب الأمير مُعاوية"[5]، (۹) "أعلام الصّحابة الموافقين للأمير مُعاوية وأمّ المؤمنين"[6]، علّامہ تاج الفحول عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ (۱۰) "تصحيح العقيدة في باب أمير مُعاوية"[7]، حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ (۱۱) "امیر مُعاویہ پر ایک نظر"[8]، علّامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا (۱۲) "امیر معاویہ پر اعتراضات کے جوابات"، اور علّامہ عبد الرشید رضوی سمندری والے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ (۱۳) "حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ"[9] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "تصانیف امام احمد رضا" ص۳۲۔ و"حیات اعلی حضرت" ج۲ص۵۲۔

(۲) "تصانیف امام احمد رضا" ص۱۹۔

(۳) "تصانیف امام احمد رضا" ص۳۷۔ و"حیات اعلی حضرت" ج۲ص۲۳۔

(۴) "تصانیف امام احمد رضا" ص۳۷۔ و"حیات اعلی حضرت" ج۲ص۲۳۔

(۵) "تصانیف امام احمد رضا" ص۳۷۔

(۶) "حیات اعلی حضرت" ج۲ص۲۳۔

(۷) مطبوعہ والضحی پبلی کیشنز، لاہور۔

(۸) مطبوعہ قادری پبلیشرز، لاہور۔

(۹) مطبوعہ الشمس پبلی کیشنز، لاہور۔

(۳۲) واقعۂ کربلا

نبیٔ رحمت ﷺ کو دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرمائے، ابھی پچاس ۵۰ برس ہی گزرے تھے، کہ ۶۱ سن ہجری میں عراق کے شہر کُوفہ سے کچھ فاصلے پر، "کربلا" کے مقام پر لشکرِ یزید نے، فرزندِ رسول حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر کی حالت میں، ان کے اہل و عیال اور رُفقاء سمیت تیغِ جفا سے شہید کر دیا۔ خلافتِ راشدہ کا تیس ۳۰ سالہ دَور، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مکمل ہو چکا تھا، اور پھر مُلوکیت (بادشاہت) کی ابتداء حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔

جب ۶۰ سن ہجری میں حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، اور یزید اُن کا جانشین بنا، تب تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی اُس کے لیے سب سے اہم مسئلہ، حضرت سیّدنا امام حسین، حضرت سیّدنا عبداللہ بن زبیر اور حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیعت لینے کا تھا؛ کیونکہ ان حضرات نے یزید کو امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ولیٔ عہد تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان حضرات سے یزید کو یہ بھی خطرہ تھا، کہ کہیں ان میں سے کوئی خلافت کا دعویٰ نہ کر دے، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سارا حجاز مقدّس میرے خلاف اُٹھ کھڑا ہو، جبکہ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعویٔ خلافت کی صورت میں، عراق میں بھی بَغاوت کا سخت اندیشہ تھا۔

اِن وُجوہ کی بنا پر یزید کے پیشِ نظر، سب سے بڑا مسئلہ اپنی حکومت کی بقا اور اسے تحفظ دینا تھا، لہٰذا اُس نے اِن حضراتِ مقدّسہ سے بیعت لینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس نے مدینہ منوّرہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو، حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر دی، اور ساتھ ہی ان حضراتِ مقدّسہ سے بیعت لینے کے لیے سخت تاکیدی حکم بھیجا۔ ولید نے حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر دی، اور یزید کی بیعت کے لیے کہا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا، کہ میرے جیسا آدمی اس طرح چُھپ کر بیعت نہیں کر سکتا، اور نہ میرے لیے اس طرح چُھپ کر بیعت کرنا مناسب ہے، اگر آپ باہر نکل کر عام لوگوں کو، اور ان کے ساتھ ہمیں بھی دعوت دیں تو یہ مناسب ہو گا۔

یزید کی بیعت حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قلبی طَور پر سخت ناپسند تھی؛ کیونکہ وہ نااہل تھا، اور اس کا تقرّر بھی خلفائے راشدین کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے بالکل خلاف ہوا تھا، اس لیے آپ احتجاجًا اس کے خلاف تھے، اور دوسری طرف حالات اجازت نہیں دے رہے تھے، کہ آپ علی الاعلان اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ لہذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اہل وعِیال اور عزیز واقارب کو ساتھ لے کر، مدینۂ منوّرہ سے مکّہ مکرّمہ کی طرف ہجرت فرمائی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکّہ مکرّمہ پہنچنے کی خبر سُن کر، لوگ جُوق در جُوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر، زیارت کا شرف حاصل کرنے لگے۔

اہلِ کُوفہ کے خطوط ووُفود

جب اہلِ کُوفہ کو حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، اور انہیں اس بات کا علم ہوا کہ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے، تو انہوں نے سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے، کہ آپ جلد از جلد کُوفہ تشریف لے آئیے، مسندِ خلافت آپ کے لیے خالی ہے، ہمارے اَموال اور ہماری گردنیں آپ کے لیے حاضر ہیں، سب کے سب آپ کے منتظر ومشتاق ہیں، آپ کے سِوا کوئی ہمارا امام وپیشوا نہیں، آپ کی مدد کے لیے یہاں لشکر مہیا وحاضر ہے!۔

امامِ عالی مقام نے جب اہلِ کُوفہ کے خطوط ووُفود میں، ان کے جذباتِ عقیدت ومحبت، جان ومال قربان کرنے کی تمنّاؤں، اور کوفہ آنے کی التجاؤں کو دیکھا، تو فیصلہ کیا کہ حالات معلوم کرنے کے لیے، پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جائے، چنانچہ آپ نے انہیں اہلِ کُوفہ کے نام ایک خط دیا، اور فرمایا کہ آپ کوفہ جا کر بذاتِ خود، براہِ راست حالات کا صحیح اندازہ لگا کر ہمیں اطلاع دیجیے، اگر حالات ساز گار ہوں تو میں بھی آجاؤں گا، اور اگر حالات نامناسب ہوں تو آپ بھی واپس تشریف لے آئیے[1]۔

---

(١) "البداية والنهاية" سنة ستّين من الهجرة النبوية، قصّة مخرج الحسين إلى العراق، ٨/ ١٧٤، ١٧٥. و"تاريخ الطَبَري" سنة ستّين، خلافة يزيد بن مُعاوية، ٥/ ٣٣٨- ٣٤٧.

کوفہ تشریف لے جانا امام حسین کی شرعی مجبوری تھی

صدرالاَفاضل حضرت علّامہ سیّد نعیم الدین مُرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "اگرچہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مشہور تھی، اور کُوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا، مگر جب یزید بادشاہ بن گیا تو اس کی حکومت و سلطنت، دِین اسلام کے لیے خطرہ تھی، اور اسی سبب سے اس کی بیعت ناروا تھی، اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا، کہ لوگ اس کی بیعت کرلیں۔ ان حالات میں کوفیوں کا بپاسِ ملّت یزید کی بیعت سے دست کَشی کرنا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طالبِ بیعت ہونا، امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں، جب ایک قوم ظالم وفاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو، اور صاحبِ اِستحقاق اہل سے درخواستِ بیعت کرے، اس پر اگر وہ اُن کی اِستدعاء قبول نہ کرے، تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں، کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے، تو بارگاہِ الٰہی عزّوجلّ میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کیا جواب ہوتا؟ کہ "ہم ہر چند درپے ہوئے، مگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت کے لیے راضی نہ ہوئے؟ بدیں وجہ (اسی لیے) ہمیں یزید کے ظلم وتشدّد سے مجبور ہو کر، اس کی بیعت کرنا پڑی، اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہاتھ بڑھاتے، تو ہم ان پر جانیں فِدا کرنے کے لیے حاضر تھے"!۔

یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا، جس کا حل بجز اس کے اَور کچھ نہ تھا، کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔ اگرچہ اکابر صحابۂ کرام: حضرت ابن عباس وحضرت ابن عُمر وحضرت جابر وحضرت ابو سعید وحضرت ابوواقد لیثی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رائے سے متفق نہیں تھے، اور انہیں کوفیوں کے عہد ومَواثیق کا اعتبار نہ تھا، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اور شہادتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرت، ان سب کے دلوں میں اِختلاج پیدا کر رہی تھی، گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی، کہ شہادت کا یہی وقت ہے، اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہوگا، لیکن اندیشہ مانع تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی، کہ اس اِستدعاء کو رد کرنے کے لیے عذرِ شرعی

کیا ہے؟ اِدھر ایسے جلیل القدر صحابہ -علیہم الرضوان- کے شدید اِصرار کا لحاظ، اُدھر اہلِ کوفہ کی اِستِدعاء رَد فرمانے کے لیے کوئی شرعی عذر نہ ہونا، حضرت امام حسین کے لیے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا، جس کا حل بجز اِس کے کچھ نظر نہ آیا، کہ پہلے حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جائے، اگر کوفیوں نے بدعہدی وبے وفائی کی، تو عذرِ شرعی مل جائے گا، اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے، تو صحابہ کو تسلّی دی جاسکے گی"[1]۔

حضرت سیّدنا مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ کوفہ کی، بے پناہ عقیدت ومحبت کو دیکھ کر، حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا، کہ ہزاروں اَفراد نے میرے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے، اور یہاں کے سب لوگ آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں، آپ فوراً تشریف لے آئیں! حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اطلاع کے بعد، کوفہ جانے کا عزمِ صمیم کر لیا، اور اُدھر کوفہ میں جو فساد برپا ہو چکا تھا، اس کی آپ کو اطلاع نہیں ہوئی تھی[2]۔

حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۳ ذی الحجہ ۶۰ سن ہجری کو اپنے اہلِ بیت وخُدّام وغیرہ، کُل بیاسی ۸۲ اَفراد کو ہمراہ لے، کر راہِ عراق اختیار فرمائی[3]۔ راستے میں حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفیوں کی بدعہدی، اور حضرت سیّدنا مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر مل گئی تھی۔ اس پر امام حسین کے رفقاء کی آراء مختلف ہوئیں، اور ایک بار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی واپسی کا قصد ظاہر فرمایا، لیکن بہت گفتگو کے بعد یہی طے پایا، کہ سفر جاری رکھا جائے، اور واپسی کا خیال ترک کردیا جائے۔ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا، اور قافلہ آگے چل دیا۔ یہاں تک کہ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا میں نُزول فرمایا۔

یہ محرّم الحرام ۶۱ سن ہجری کی دو ۲ تاریخ تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام کا نام دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ اس جگہ کو "کربلا" کہتے ہیں۔ حضرت سیّدنا امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلا سے واقف تھے، اور آپ کو معلوم تھا

---

(۱) "سوانح کربلا" ص۱۱۷۔

(۲) "البداية والنهاية" سنة ستّين من الهجرة النبوية، قصّة مخرج الحسين إلى العراق، ۸/ ۱۸۱.

(۳) "سوانح کربلا" ص۱۲۸۔

کہ کربلا ہی وہ جگہ ہے، جہاں اہلِ بیتِ رسالت کو راہِ حق میں اپنے خون کی ندیاں بہانی ہوں گی۔ انہی دِنوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور -علیہ الصلوات والتسلیمات- نے آپ کو شہادت کی خبر دی، اور آپ کے سینۂ مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر دعا فرمائی: «اللّٰھمّ أعطِ الحسَینَ صبراً وأجراً!» اے اللہ! حسین کو صبر واجر عطا فرما![1]۔

پھر ابن زیاد نے سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خط لکھ بھیجا، کہ یزید کی بیعت کر لیجیے! جب وہ خط آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا، آپ نے اسے پڑھ کر پھینک دیا، اور خط لانے والے قاصد سے فرمایا، کہ اس وقت میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں!۔

ایلچی نے آ کر ابنِ زیاد کو بتایا، تو جواب سُن کر ابن زیاد کا غصہ بھڑک اٹھا، اس نے لوگوں کو جمع کیا، فوجیں تیار کیں، اور ان کا سپہ سالار عمر بن سعد کو بنایا، جو ملک رَے کا والی تھا۔ اوّلاً اُس نے پہلو تہی سے کام لیا، اس پر ابنِ زیاد نے کہا، کہ یا تو لڑنے کے لیے تیار ہو جا، یا پھر رَے کی حکومت چھوڑ کر گھر بیٹھ جا! ابن سعد نے رَے کی حکومت اختیار کی، اور بائیس ہزار سوار اور پیادہ لشکر لے کر، نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے چل پڑا، یہاں تک کہ یہ لوگ دریائے فُرات کے کنارے پر قابض ہو کر، قافلۂ سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے[2]۔

یہاں یہ کارروائی ہوئی، کہ سب خیمے ایک دوسرے کے قریب کر دیے گئے، خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اُسے نَرکُل وغیرہ خشک لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔ اب امام حسین کے رفقاء ان کاموں سے فارغ ہو کر، سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اور سیّدنا امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل اور ساتھیوں سے فرمارہے ہیں کہ "صبح دشمن سے ہمارا مقابلہ ہے، میں نے بخوشی تمام، تم سب کو اجازت دی، ابھی رات باقی ہے، جہاں جگہ پاؤ چلے جاؤ! اور ایک ایک شخص میرے اہلِ بیت میں سے ایک ایک کو ساتھ لے

---

(۱) ایضاً، ص۱۲۸تا۱۳۱۔

(۲) "سرّ الشهادتين" صـ۱۹، ۲۰.

جاؤ، اللہ عزّوجلّ تم سب کو جزائے خیر دے! دیہات وبلاد میں متفرق ہو جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالی بلا ٹالے، دشمن جب مجھے پائیں گے، تمھارا پیچھا نہیں کریں گے"۔ یہ سُن کر امام کے بھائیوں، صاحبزادوں، بھتیجوں اور عبد اللہ بن جعفر کے بیٹوں نے عرض کی کہ "ایسا ہم کس لیے کریں؟ اس لیے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد زندہ رہیں؟ اللہ عزّوجلّ ہمیں وہ منحوس دن نہ دکھائے، کہ آپ نہ ہوں اور ہم زندہ رہیں!(۱)۔

یہاں تک کہ ابن سعد نے اپنے لشکر کے ساتھ، امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ اور آپ کے رفقاء پر حملہ کر دیا، آپ کے رفقاءواَحباب وبرادران وشہزادگان، ایک ایک کرکے شہید ہوتے چلے گئے، تقریبًا پچاس ۵۰ سے زائد افراد شہید ہو گئے، اور بالآخر حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی، بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا(۲)۔

یزید بن مُعاویہ ابوخالد اُمَوی وہ بد بخت شخص ہے، جس کی پیشانی پر اہلِ بیت کرام -علیہم الرضوان- کے بے گناہ قتل کا سیاہ داغ ہے، یہی وہ شخص ہے جس پر ہر زمانے میں پوری دنیائے اسلام ملامت کرتی رہی ہے، اور قیامت تک اس کا نام حقارت سے لیا جائے گا۔ محرمات سے نکاح اور سُود وغیرہ مَنہیات (ممنوعات) کو بھی اس بے دین نے علانیہ رَواج دیا، مدینہ طیّبہ ومکّہ مکرّمہ کی بے حرمتی بھی کرائی(۳)۔

واقعۂ کربلا، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سلمی کہتی ہیں، کہ میں حضرت سیّدہ امّ سلَمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو وہ رو رہی تھیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا: «رأيتُ رسولَ الله ﷺ -تعني في المَنامِ- وعلَى رأسِه ولحيتِه الترابُ، فقلتُ: ما لَكَ يا رسولَ الله! قال: شهدتُ قتلَ الحسَين آنفاً»(٤) "میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، کہ حضور اقدس ﷺ کے سرِ اَنور اور داڑھی مبارک پر گرد وغبار

---

(۱) "آئینہ قیامت" ص۵۱۔

(۲) "سرّ الشهادتين" صـ١٩-٢٣.

(۳) "سوانح کربلا" ص۱۱۱، ۱۱۲۔

(٤) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي رضي الله عنهما ...إلخ، ر: ٣٧٧١، صـ٨٥٦.

ہے، میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ ﷺ! خیریت تو ہے؟ (یہ گرد وغبار کیسا ہے؟) حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، کہ میں نے ابھی ابھی حسین کو شہید ہوتے دیکھا ہے"۔

(۲) حضرت سیّدہ امّ سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يقتلُ حسَينٌ علَى رأْسِ ستّينَ مِنْ مهاجري!»[1] "حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو میری ہجرت کے ساٹھ ۶۰ سال بعد شہید کیا جائے گا!"۔

(۳) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أخبرَني جبريلُ أنّ ابنِي الحسَين، يُقتَل بعدِي بأرضِ الطّفّ، وجاءَني بهذه التُّربة، وأخبرَني أنّ فيها مضجعَه»[2] "مجھے حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے خبر دی ہے، کہ میرے بعد میرے فرزند حسین کو طَفّ (نہر فرات کے کنارے کربلا[3]) کی زمین پر قتل کیا جائے گا، اور حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام میرے پاس یہ مٹی لائے اور بتایا، کہ یہ امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی خوابگاہ (مَقْتَل) کی خاک ہے"۔

(۴) حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک روز میں نے نبیٔ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسولَ اللہ! کیا کسی نے آپ کو ناراض کر دیا ہے؟ جو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں! حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: «بل قامَ من عندي جبريلُ قبل، فحدَّثني أنّ الحسَينَ يُقتَل بشطّ الفُرات» قَالَ: «فقال: هل لك إلى أن أُشِمَّك مِن تربته؟» قال: «قلتُ: نعم، فمدّ يدَه، فقبضَ قبضةً من تراب فأعطانيها، فلَم أملِكْ عيني أن فاضتا»[4].

"بات یہ ہے کہ ابھی ابھی حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے بتایا، کہ حسین کو نہر فُرات کے کنارے شہید کیا جائے گا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس مٹی کی خوشبو سونگھا سکتا ہوں؟ میں

---

(۱) "تاريخ دِمشق" حرف الحاء، تحت ر: ١٥٦٦- الحسين بن علي بن أبي طالب، ١٤/ ١٩٨.

(۲) "المعجم الكبير" الحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنهما، ر: ٢٨١٤، ٣/ ١٠٧.

(۳) "تهذيب اللغة" باب الطاء والفاء، الجزء ١٣، صـ٢٠٦.

(٤) "مسند الإمام أحمد" مسند علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، ر: ٦٤٨، ١/ ١٨٤، ١٨٥.

نے اِثبات میں جواب دیا، تب انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھاکر، ایک مٹھی بھر کر مٹی اٹھائی اور مجھے دے دی، بس اس وقت سے مجھے اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رہا"۔

(۵) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: «رأيتُ النبيَّ ﷺ فيما يرى النائمُ ذاتَ يوم بنصفِ النّهار أشعَث أغبَر، بيدِه قارورةٌ فيها دمٌ، فقلتُ: بأبي أنت وأمّي يا رسولَ الله! ما هذه؟ قال: هذا دمُ الحسَين وأصحابِه، لم أزلْ ألتقطه منذ اليومَ، فأحصي ذلك الوقت، فوجد قد قتل ذلك اليوم»[1].

"ایک روز میں نے دوپہر کے وقت خواب میں رسولِ کریم ﷺ کو دیکھا، کہ بال مبارک بکھرے ہوئے ہیں، گرد وغبار بھی پڑا ہوا ہے، حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ایک بوتل ہے، میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان! خیریت تو ہے؟! فرمایا کہ "یہ حسین اور اُن کے ساتھیوں کا خون ہے، جسے آج میں جمع کرتا رہا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں، کہ میں نے خواب کا وقت یاد رکھ لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہی وقت تھا، جب حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت ہوئی تھی"۔

واقعۂ کربلا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام جلال الدّين السُّيوطي رحمه الله: "لعن اللهُ قاتلَه وابنَ زياد معه ويزيد أيضاً، وفي قتله قصةٌ فيها طولٌ لا يحتمِل القلبُ ذِكرَها"[2]. "اللہ تعالی کی لعنت ہو امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتل اور ابن زیاد ویزید پر! امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کربلا میں شہید ہوئے، اور آپ کی شہادت کا قصہ طویل ہے، دل اس ذکر کا متحمل نہیں ہوسکتا"۔

---

(۱) "دلائل النبوّة" للبَيهقي، جُماع أبواب إخبار النّبي ﷺ بالكوائن بعده، باب ما روي في إخباره بقتل ابن ابنته أبي عبد الله الحسين بن علي ...إلخ، ٦/ ٤٧١.

(۲) "تاريخ الخلفاء" عهد بني أمية، يزيد بن معاوية أبو خالد الأموي، صـ١٥٧.

قال العلّامة تفتازاني رحمه الله تعالى: "وإنّما اختلَفوا في يزيد بن مُعاوية، حَتّى ذَكَرَ في "الخلاصة" وغيرها: أنّه لا ينبغي اللَّعنُ عليه، ولا على الحَجّاج؛ لأنّ النبيَّ صلّى الله تعالى عليه وسلّم نهَى عن لعنِ المصلِّين، ومَن كان من أهل القبلة. وبعضُهم أطلقَ اللَّعنَ عليه، لما أنّه كفرَ حين أمرَ بقتل الحسَين رضي الله تعالى عنه، واتّفقوا على جواز اللَّعن على مَن قتلَه، أو أمرَ به، أو أجازَه، أو رضيَ به، والحقُّ أنّ رِضا يزيد بِقَتْلِ الحسَين واستبشاره بذلك، وإهانتُه أهلَ بيتِ النبيّ صلّى الله تعالى عليه وسلّم، مما تواترَ معناه"[1].

"یزید بن مُعاویہ کے بارے میں، سلَف مجتہدین اور علمائے صالحین کی آراء مختلف ہیں، یہاں تک کہ "خلاصہ" وغیرہ کتب میں مذکور ہے، کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں، اور نہ حجّاج بن یوسف پر؛ اس لیے کہ نبئ کریم صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم نے نمازیوں اور اہلِ قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جبکہ بعض علماء نے اس پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ وہ اس وقت کافر ہوگیا تھا، جب اس نے امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ البتہ علماء اس بات پر متفق ہیں، کہ جس نے امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کو قتل کیا، یا قتل کا حکم دیا، یا قتل کی اجازت دی، یا اس پر خوش ہوا، اُس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اور حق یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا، اسے اچھا سمجھنا، اور حضور اکرم صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم کے اہلِ بیتِ کرام کی توہین کرانا، یزید سے قطعًا ثابت ہے"۔

قال الإمام ابن حجر الهيتمي رحمه الله تعالى: "فأجَازَه قومٌ: منهم ابنُ الجَوزِيّ، ونقله عن أحمد وغيره، فإنّه قال في كتابه المُسَمّى بـ"الرَدّ على المتعصّب العنيد المانِع من ذمّ يزِيد" سألَني سائلٌ عَن يزِيد بن معاوية، فقلتُ: له يكفِيه ما فيه، فقال: أَ يجوزُ لَعنُه؟ فقلتُ: قد أجَازَه العلمَاءُ الورِعون، منهم: أَحمد ابنُ حَنبَل؛ فإنّه ذكر فِي حقّ يزيد مَا يزِيد على اللَّعنَة"[2].

(١) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ٢٤٧، ٢٤٨.

(٢) "الصواعق المحرقة" الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنّة والجماعة في الصّحابة ...إلخ، صـ٢٢٢.

"جن علماء نے یزید پر لعنت جائز قرار دی ہے، ان میں امام ابن جَوزی بھی ہیں، انہوں نے امام احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اپنی کتاب "الرَّدّ على المتعصب العنيد المَانِع من ذمّ يزِيد" میں تحریر کرتے ہیں، کہ مجھ سے کسی نے یزید بن مُعاویہ کے بارے میں پوچھا، تو میں نے جواب دیا کہ وہ جس حال میں ہے وہی اُس کے لیے کافی ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا اُس پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بعض اہلِ تقوی علماء نے یزید پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے، ان علماء میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں، بلکہ انہوں نے تو یزید کے بارے میں لعنت سے بھی بڑھ کر کلمات کہے ہیں"۔

قال أيضاً رحمه الله تعالى: "وَقَالَ نوفل بن أبي الفرات: كُنْتُ عِندَ عمر بن عبد العزيز، فَذَكَرَ رجلٌ يزيد فقال: قال أميرُ المؤمنين يزيد بن مُعاوية، فقال: تقول أمير المؤمنين؟! فأمرَ به، فضربَ عشرين سَوطًا"[1]. امام ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ "نوفل بن ابی الفرات نے کہا، کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس تھا، کہ وہیں کسی نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے اسے "امیر المؤمنین" کہا، یہ سننا تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالی عنہ نے غضبناک ہو کر فرمایا، کہ تو یزید کو امیر المؤمنین کہتا ہے؟! پھر آپ کے حکم پر اس شخص کو بیس ۲۰ کوڑے لگائے گئے"۔

قال العلّامة آلوسي رحمه الله تعالى: "واستدلّ بها أيضاً على جواز لَعْنِ يزيد، عليه مِنَ الله تعالى ما يستحقّ"[2]. "(یعنی سورۂ محمد کی آیت ۲۰ تا ۲۲ سے:) نتیجہ نکلا، کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے"۔

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "بعض علماء کی رائے یہ ہے، کہ قتلِ حسین دراصل گناہِ کبیرہ ہے؛ کیونکہ مؤمن کا قتلِ ناحق گناہِ کبیرہ ہے کفر نہیں، جبکہ لعنت تو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی رائے والوں پر افسوس ہے! وہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے کلام سے بھی بے خبر ہیں؛ کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا اور ان کی اولاد سے بُغض وعداوت رکھنا، انہیں تکلیف پہنچانا، اور ان کی توہین کرنا، باعثِ اِیذاء وعداوتِ نبی ہے۔

---

(١) المرجع نفسه، صـ٢٢١.

(٢) "تفسير روح المعاني" محمد، تحت الآيات: ٢٠-٣٨، ١٣/ ٢٢٧.

اس حدیث پاک[۱] کی رَوشنی میں یہ حضرات یزید سے متعلق کیا فیصلہ کریں گے؟ کیا اِہانتِ رسول اور عداوتِ رسول کفر ولعنت کا سبب نہیں؟ اور کیا یہ بات جہنم میں پہنچانے کے لیے کافی نہیں؟"[۲]۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "یزید پلید کے بارے میں، ائمۂ اہلِ سنّت کے تین ۳ اقوال ہیں: (۱) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالی علیہ وغیرہ اکابر اُسے کافر جانتے ہیں، تو ہرگز بخشش نہ ہوگی، (۲) امام غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ وغیرہ مسلمان کہتے ہیں، تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو، بالآخر بخشش ضرور ہوگی، (۳) اور ہمارے امام، امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سُکوت (خاموشی) اختیار فرماتے ہیں، کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر، لہذا ہم بھی سُکوت کریں گے"[۳]۔

حدیثِ قسطنطینیہ اور یزید

بعض لوگ "بخاری شریف" کی ایک حدیث سے، یزید کا جنّتی ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہذا اوّلاً ہم وہ حدیث ذکر کریں گے، پھر مسئلے کی وضاحت: حضرتِ سیّدہ اُمّ حرام رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أوّلُ جيش مِنْ أمّتي يغزُون مدينةَ قيصرَ، مغفورٌ لهم!» "میری امّت کا جو لشکر سب سے پہلے شہرِ قیصر جاکر لڑے گا، وہ بخشا جائے گا"، میں نے پوچھا کہ کیا میں بھی اُس لشکر میں جاؤں گی؟ فرمایا: «لاَ» "نہیں"[۴]۔

اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر، نتیجہ اخذ کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے، کہ یہ ارشادِ گرامی اُس نبیٔ محترم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہے، جن کے پیشِ نظر قیامت تک کے سارے حالات ہیں! آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا فرمان مطلق نہیں، کہ جتنے لشکر بھی شہرِ قیصر جاکر جہاد کریں گے، اُن سب کے لیے بخشش ہے، بلکہ «أوّلُ جيشٍ مِنْ أمّتِي» فرما کر بِشارت کو پہلے لشکر کے ساتھ خاص فرمایا، اور پہلے لشکر میں یزید ہرگز نہیں تھا۔

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل فاطمة رضي الله عنها، ر: ٣٨٦٩، صـ٨٧٣.

(۲) "تکمیل الایمان" ذکر یزید، ص۱۷۲۔

(۳) "اَحکامِ شریعت" مسئلہ یزید پلید کا اسلام وکفر، ص۱۷۰۔

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب فضل من يصرع في سبيل الله ...إلخ، ر: ٢٩٢٤، صـ٤٨٣.

علّامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سنةَ خمسين، سيّر معاويةُ جَيشاً كثيفاً إلَى بلاد الرُّوم للغُزاة، وجعل علَيهم سفيانَ بن عوف، وأمرَ ابنَه يزيدَ بالغزاةِ معهم، فتثاقَل واعتلّ، فأمْسَك عنه أبوه"[1]. "۵۰ھ میں حضرت سیّدنا امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکرِ جرّار بلادِ روم (موجودہ استنبول، ترکی) کی طرف بھیجا، اور اس لشکر پر سفیان بن عَوف کو امیر بنایا، اور اپنے بیٹے یزید کو ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کا حکم دیا، اس پر یزید بیٹھ رہا، اور حیلے بہانے شروع کیے، تب حضرت امیر مُعاویہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا"۔

اس پسِ منظر سے درج ذیل اُمور ثابت ہوئے:

(۱) یہ کہ وہ پہلا لشکر جو بلادِ روم کی طرف جہاد کے لیے گیا، اس کے قائد وامیر حضرت سفیان بن عَوف تھے، یزید ہرگز نہیں تھا۔

(۲) یہ کہ یزید اُس پہلے لشکر میں تھا ہی نہیں، اور بِشارتِ مغفرت پہلے لشکر کے لیے تھی، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے، لہٰذا اس بِشارت کا مصداق یزید ہرگز نہیں۔

(۳) یہ کہ یزید کو راہِ خدا میں جہاد سے کوئی قلبی لگاؤ نہیں تھا؛ کہ باوجود حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے، اس نے طرح طرح کے حیلے بہانوں کے ذریعے جان چُھڑالی، اور اپنے والد کے حکم اور جہاد سے رُوگردانی کی۔

علّامہ بدر الدّین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "سيّر معاويةُ جيشاً كثيفاً مع سفيان بن عوف إلى القُسطنطينية، فأوغلوا في بلادِ الرّوم، وكان في ذلك الجيش ابنُ عبّاس، وابنُ عمرَ، وابنُ الزبير، وأبو أيّوب الأنصاري، وتوفّي أبو أيّوب في مدّة الحصار. **قلتُ**: الأظهر أنّ هؤلاء السّادات من الصّحابة، كانوا مع سفيان هذا، ولم يكونوا مع يزيد بن معاوية؛ لأنّه لم يكن أهلاً أن يكونَ هؤلاء السّاداتُ في خدمته"[2].

---

(۱) "الكامل في التاريخ" ۳/ ۵٦.

(۲) "عمدة القاري" كتاب الوصايا، باب ما قيل في قتال الرُّوم، تحت ر: ۲۹۲٤، ۱۰/ ۲٤٤.

"حضرت امیر مُعاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک لشکرِ جرّار، جس کے امیر سفیان بن عَوف تھے، قسطنطینیہ پر چڑھائی کے لیے بھیجا، وہ لشکر روم کے شہروں کو فتح کرتے ہوئے بڑھتا چلا گیا۔ اس لشکر میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہم بھی تھے، اور ابو ایوب انصاری اسی زمانۂ حصار میں وہیں فَوت ہوئے۔ میں کہتا ہوں (یعنی علّامہ عینی:) کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے، کہ یہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم سفیان بن عَوف کی قیادت میں تھے، یزید کی قیادت میں نہیں تھے؛ کیونکہ یزید اس بات کا اہل ہی نہیں تھا، کہ یہ بڑی بڑی ہستیاں اُس کی ماتحتی میں رہیں"۔

علّامہ بدر الدّین عینی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں: "أيّ منقبةٍ كانت ليزيد؟ وحالُه مشهور! فإن قلتَ: قال ﷺ في حقّ هذا الجَيش: «مغْفُورٌ لَهُم». قلتُ: لا يلزم من دخوله في ذلك العموم، أن لا يخرجَ بدليل خاصّ؛ إذ لا يختِلف أهلُ العلم أنّ قولَه ﷺ: «مغْفُورٌ لَهُم» مشروطٌ بأن يكونوا من أهلِ المغفرة، حتّى لو ارتدَّ واحدٌ ممن غزاها بعد ذلك، لم يدخل في ذلك العموم، فدلّ علَى أنّ المرادَ: مغفورٌ لمن وُجد شرطُ المغفرة فيه منهم"[1].

"وہ کونسی منقبت ہے جو یزید کے لیے ثابت ہوگئی؟ جبکہ اُس کا حال تو سب کو معلوم ہے! اگر تم یہ کہو کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس لشکر کے حق میں بِشارتِ مغفرت دی ہے! تو میں یہ کہتا ہوں (یعنی علّامہ عینی:) کہ اس عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ وہ کسی دوسری دلیل کے ذریعے اس بِشارت سے خارج نہ ہو سکے؛ کیونکہ اس میں تو اہلِ علم کا کوئی اختلاف ہی نہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بِشارت میں وہی داخل ہیں، جو مغفرت کے اہل بھی ہوں، یہاں تک کہ اگر اُن اہلِ غزوہ میں سے بھی اگر بالفرض کوئی مرتَد ہو جاتا (والعیاذ باللہ)، تو وہ یقیناً اِس بِشارت کے عموم میں داخل نہ رہتا۔ لہذا صاف طور پر معلوم ہوا، کہ یہ بِشارت اُس کے لیے ہے، جس میں مغفرت کی شرط واہلیت پائی جائے"۔

---

(١) المرجع نفسه.

واقعات بعد شہادت

تاریخِ اسلام میں یزید وہ پہلا شخص ہے، جس نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی خاطر نواسۂ رسول حضرت سیّدنا امامِ حسین اور اہلِ بیت اَطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو، کربلا کی تپتی ریت پر بھوکا پیاسا شہید کروایا، شہادت کے بعد اُن حضرات کے اَجساد طیّبہ کی ہونے والی توہین پر خاموش رہا، صرف اِسی پر بس نہ کی، بلکہ سانحۂ کربلا کے رَدِّعمل میں اپنے خلاف، مدینہ منوّرہ سے اُٹھنے والی تحریک کو کچلنے کے لیے، شریعتِ مطہّرہ کی حدود کو پامال کیا، اس کے لشکروں نے آلِ بیتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مدینہ شریف کی بے حرمتی کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں گھوڑے داخل کیے، "ریاض الجنّۃ" کو گھوڑوں کی لید اور پیشاب سے ناپاک کیا۔ اپنے ہی کلمہ گو ہزاروں مسلمان بھائیوں کا قتلِ عام کروایا، اپنے سپاہیوں کے ذریعے ہزار ہا باپردہ مسلمان خواتین کی عصمت دری کروائی، ہزاروں انصار ومہاجرین، تابعین علماء اور حفّاظِ کرام شہید کروائے۔

بطورِ حکمران اگر یزید کی شخصیت اور کردار کا جائزہ لیا جائے، تو وہ ایک ظالم وجابر اور فاسق وفاجر ہونے کے ساتھ ساتھ، حکمرانی کے لیے انتہائی ناموزوں اور نااہل شخص تھا۔ یزید کے شخصی کردار سے متعلق حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "یزید مزامیر سنتا، شراب پیتا تھا، گانے سنتا، لڑکوں اور کتوں کا شوقین تھا، بندر، ریچھ وغیرہ لڑواتا، نیز دیگر منکَرات شرعیہ کا بھی مرتکب تھا[1]۔

اسیرانِ کربلا

زیاد بدنہاد نے، حضرت امام حسین کے سرِ مبارک کو کوفہ کے کوچہ وبازار میں پھروایا، اور اس طرح اپنی بے حمیتی وبے حیائی کا اظہار کیا، پھر حضرت شہید کربلا اور ان کے تمام جانثار شہداء -علیہم الرضوان- کے سروں کو، اسیرانِ اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ، شمر ناپاک کی ہمراہی میں، یزید کے پاس دِمشق بھیجا، یزید نے سرِ مبارک اور اہلِ بیت اطہار کو، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ طیّبہ بھجوایا، اور وہاں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

(١) "البداية والنهاية" ثُمَّ دَخَلَتْ سَنَةُ أربع وَسِتِّينَ، ٨/ ٢٣٥، بتصرّف.

سر مبارک آپ کی والدہ ماجدہ، حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا[1]۔

امام ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے روایت کی، وہ کہتے ہیں: واللہ! میں نے بچشمِ خود دیکھا، کہ جب سر مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ نیزے پر لیے جاتے تھے، اس وقت میں دِمشق میں تھا، سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا: ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْامِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا﴾[2] "اصحاب کہف ورقیم ہماری نشانیوں میں سے عجب تھے"۔ اس وقت اللہ تعالی نے سر مبارک کو گویائی دی، تو بزبانِ فصیح فرمایا: "أعْجَبُ مِنْ اَصْحابِ الْكَهْفِ قَتْلِيي وَحَمْلِيي". " اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر، میرا قتل اور میرے سر کو لیے لیے پھرنا ہے!"[3]۔

اور در حقیقت بات یہی ہے؛ کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا، اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے نانا جان کی امّت نے مہمان بنا کر بلایا، پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا، آل واصحاب کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے شہید کیا، پھر خود حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کیا، اہل بیت -علیہم الرضوان- کو اسیر (قید) کیا، سر مبارک شہر شہر پھرایا۔ اصحاب کہف سالہا سال کی طویل خواب کے بعد بولے، یہ ضرور عجیب ہے، مگر سرِ مبارک کا تن سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا، اس سے بھی عجیب تر ہے[4]۔

غرض زمین وآسمان میں ایک ماتم برپا تھا، تمام دنیا رنج وغم میں ڈوبی ہوئی تھی، شہادتِ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن آفتاب کو گرہن لگا، ایسی تاریکی ہوئی کہ دوپہر میں تارے نظر آنے لگے، آسمان رویا، زمین روئی، ہوا میں جنّات نے نَوحہ خوانی کی، راہب (پادری) تک اس حادثۂ قیامت نما سے کانپ کر رو پڑے۔ فرزندِ رسول، جگر گوشۂ بتول، سردارِ قریش، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِ مبارک، ابن زیاد متکبر کے سامنے تشت میں رکھا جائے، اور وہ فرعون

---

(١) "الكامل في التاريخ" ٣/ ٢٩٧، ٢٩٨. و"سوانح کربلا" واقعات بعد شہادت، ص١٧١۔

(٢) پ١٥، الكهف: ٩.

(٣) انظر: "فيض القدير" حرف الهمزة، تحت ر: ٢٨١، ١/ ٢٠٤، نقلاً عن ابن عساكر.

(٤) "سوانح کربلا" واقعات بعد شہادت، ص١٧٥۔

کی طرح مسند تکبر پر بیٹھے، اہل بیت -علیہم الرضوان- اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں، ان کے دلوں کا کیا حال ہوا ہوگا!۔ پھر سر مبارک اور تمام شہداء کے سروں کو شہر شہر نیزوں پر پھرایا جائے، اور وہ یزید پلید کے سامنے لا کر اسی طرح رکھے جائیں جس پر وہ خوش ہو! اس توہین کو کون برداشت کر سکتا ہے ؟!۔

یزید کی رعایا بھی بگڑ گئی، اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا، اس پر اس ناکار نے اظہارِ ندامت کیا، مگر یہ ندامت اپنی جماعت کو قبضہ میں رکھنے کی خاطر تھی، دل تو اس ناپاک کا، اہلِ بیت کرام کے عناد سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اس کے باوجود آپ نے اور آپ کے اہل بیت کرام نے صبر ورضا کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا، یہ اعلی کردار رہتی دنیا تک لوگوں کو حیرت میں مبتلا کرتا رہے گا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے راہِ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں، جن کے تصوّر سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہ کمال شہادت وجانبازی ہے! اس میں امّتِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حق وصداقت پر استقامت واستقلال کی بہترین مثال اور تعلیم ہے[1]۔

کربلا میں حضرت سیّدنا امامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد، مدینہ منوّرہ میں بغاوت کی ایک ایسی آندھی اٹھی، جس سے یہ محسوس ہونے لگا، کہ بنی اُمیّہ کے خلاف پورا عالمِ اسلام اٹھ کھڑا ہوگا، اور حکومت تبدیل ہو کر رہے گی۔ ایسے میں اہلِ مدینہ کو خاموش کرانے کے لیے، یزید نے مسلم بن عقبہ کی سپہ سالاری میں ایک ایسا لشکر بھیجا، جس نے مدینہ منوّرہ میں گھس کر اتنے ظلم ڈھائے، اور مسلمانوں کا اس قدر بے دردی سے قتلِ عام کیا، جسے کماحقُّہ بیان کرنے سے بھی زبان کانپتی ہے، نیز قلم بھی اسے لکھنے سے قاصر ہے۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ واقعۂ کربلا صرف تاریخِ اسلام کا نہیں، بلکہ تاریخِ عالَم کا افسوسناک، اور نادِر وعجیب وغریب ترین واقعہ ہے، حضرت سیّدنا امام حسین

---

(۱) "سوانح کربلا" واقعات بعد شہادت، ص۱۷۶، ۱۷۷۔ و"الصواعق المحرقة" الباب ۱۱ في فضائل أهل البيت، الفصل۳، صـ۱۹۰ - ۲۰۸.

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے ایک فاسق وفاجر شخص کو، حاکم وبادشاہ ماننے سے انکار کیا، اور اپنی جان واولاد سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرکے، دینِ اسلام کو حیات بخشی!۔

فائدہ: اس موضوع پر کی مزید تفصیل کے لیے، امام محدّث ابن جَوزی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی کتاب (۱) "الرد على المتعصّب العنيد، المانع من ذمّ اليزيد"[۱]، حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی کتاب (۲) "سر الشہادتین"، امام اہل سنّت امام احمد رضا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کا رسالہ (۳) "أعالي الإفادة في تعزية الهند وبيان الشّهادة"[۲]، برادرِ امام اہل سنّت، حضرت علّامہ حسن رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کا رسالہ (۴) "آئینۂ قیامت"[۳]، اور حضرت علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی تالیف (۵) "سوانح کربلا"[۴] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۲) "فتاوی رضویہ" ۱۶/۶۵۳تا۶۶۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی۔

(۴) مطبوعہ سوادِ اعظم، لاہور۔

(۳۳) حیاتِ شہداء

مَوت ایک حقیقت ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے، اپنی جان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا وخوشنودی کے لیے قربان کرتے ہیں، انہیں شہید کہا جاتا ہے، ان لوگوں کی مدح وستائش قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ میں بھی بیان کی گئی ہے۔

حیاتِ شہداء، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾[1] "جو خدا کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں اُن کی زندگی کا شُعور نہیں"۔

(۲) اور فرمایا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾[2] "جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مُردہ خیال نہ کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں"۔

حیاتِ شہداء، حدیث نَبوی کی رَوشنی میں

شہداء کے فضائل ومَناقب کا بیان، کتبِ حدیث میں بکثرت ملتا ہے، جنہیں بخوفِ طوالت مکمل طَور پر یہاں بیان کرنا ممکن نہیں، لہٰذا چند احادیثِ مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) امام مسلم علیہ الرحمۃ اپنی "صحیح" میں حضرت سیّدنا مسروق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ ہم نے حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ﴾ کی تفسیر دریافت کی، حضرت نے فرمایا کہ ہم نے بھی اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أرواحُهم

---

(۱) پ۲، البقرة: ١٥٤.

(۲) پ٤، آل عمران: ١٦٩.

في جوفِ طَيرٍ خُضرٍ، لها قناديلُ معلّقةٌ بالعَرشِ، تَسرحُ مِنَ الجنّةِ حيثُ شاءتْ، ثمّ تأوِي إلَى تلك القناديلِ، فاطّلع إليهم ربُّهم اطلاعةً، فقال: هل تشتهون شيئاً؟ قالوا: أيُّ شيءٍ نشتهي ونحن نَسرحُ مِنَ الجنّةِ حيث شِئنا، ففعل ذلك بهم ثلاثَ مرّاتٍ، فلمّا رأَوا أنّهم لن يتركوا مِن أن يسألوا، قالوا: يا ربِّ! نريد أنْ تردَّ أرواحَنا في أجسادِنا، حتَّى نُقتَل في سبيلك مرَّةً أُخرى، فلمّا رأى أن ليس لهم حاجةٌ، تُركوا»[1].

"شہداء کی رُوحیں سبز پرندوں کے اَجسام میں رہتی ہیں، ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، وہ رُوحیں جنّت میں جہاں چاہیں سَیر کرتی ہیں، پھر ان قندیلوں کی طرف لَوٹ آتی ہیں، ان کا رب تعالی ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے، کہ کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کس چیز کی خواہش ہوسکتی ہے؟ ہم جنّت میں جہاں چاہتے ہیں سَیر کرتے ہیں! ان سے تین ۳ بار اللہ تعالی یہی بات دریافت فرماتا ہے، پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ اس سوال کا جواب دینا ہی ہے، تو عرض کرتے ہیں، کہ اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری رُوحیں ہمارے اَجسام میں لَوٹا دے؛ تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل کیے جائیں! جب ربّ تعالی یہ دیکھے گا کہ انہیں کوئی حاجت نہیں، تو انہیں اس سوال کے جواب سے خلاصی مل جائے گی"۔

(۲) حضرت سیّدنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «لما أُصِيبَ إخوانُكم بأُحُدٍ، جعل اللهُ أرواحَهم في جوفِ طَيرٍ خُضرٍ، ترد أنهارَ الجنّة، تأكل من ثمارِها، وتأوي إلَى قناديلَ مِن ذَهَب معلّقةٍ في ظلّ العرش، فلمّا وجدوا طِيبَ مأكلِهم، ومَشربِهم، ومَقِيلِهم، قالوا: مَن يبلغ إخوانَنا عنّا، أنّا أحياءٌ في الجنّةِ نُرزَق؛ لئلّا يزهَدُوا في الجهادِ، ولا ينكُلُوا عندَ الحربِ، فقال الله سبحانَه: أنا أبلِّغهم عنكم، قال: فأنزل اللهُ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ ...إلى آخر الآية»[2].

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الإمارة، باب بيان أرواح الشهداء في الجنّة ...إلخ، ر: ٤٨٨٥، صـ٨٤٥.

(۲) "سنن أبي داود" كتاب الجهاد، باب في فضل الشهادة، ر: ٢٥٢٠، صـ٣٦٥.

"جب تمھارے بھائی اُحد میں شہید ہوئے، تواللہ تعالی نے ان کی اَرواح کو سبز پرندوں کے پیٹ میں داخل کردیا، جو جنّت کی نہروں پر پھرتے ہیں، پھل کھاتے ہیں، پھر سونے کی قندیلیں جو عرش کے نیچے معلّق ہیں، اُن میں لَوٹ آتے ہیں، جب انہوں نے کھانے پینے، اور عیش وآرام کی عمدگی دیکھی تو کہنے لگے، کہ کاش ہماری طرف سے دنیامیں کوئی ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچائے، کہ ہم جنّت میں زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں؛ تاکہ جہاد سے ان کی دلچسپی کم نہ ہو، اور میدانِ کارزار میں سستی سے کام نہ لیں!! اللہ سبحان وتعالی نے فرمایا، کہ میں تمہاری طرف سے یہ خبر پہنچادیتا ہوں، تب یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: "جواللہ کی راہ میں قتل کردیے گئے، انہیں مُردہ خیال نہ کرو!"۔

(۳) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «رأيتُ جعفراً يطيرُ في الجنّةِ مع الملائكةِ»[1] "میں نے جعفر (طیّار) کو جنّت میں فرشتوں کے ہمراہ اُڑتے دیکھا ہے"۔

حیاتِ شہداء، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام القاضي عياض المالكي رحمه الله تعالى: "وفيه أنّ الأرواحَ باقيةٌ لا تُفنَى، فينعَّم المحسنُ ويعذَّب المسيءُ، كما جاء في القرآن والآثار، وهو مذهبُ أهل السنّة، خلافاً لغيرهم من أهل البِدَع القائلين بفنائها"[2]. "یقیناً اَرواح باقی رہتی ہیں، کبھی فنا نہیں ہوتیں، لہذا نیک لوگوں کو انعام اور گنہگاروں کو عذاب دیا جاتا ہے، اور یہی مذہبِ اہلِ سنّت ہے، برخلاف اہلِ بدعت، جو رُوح کے فنا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں"۔

قال الإمام القُرطُبي رحمه الله تعالى: "إنّ الشّهداءَ بعد قتلِهم وموتِهم أحياءٌ عند ربّهم يُرزَقون، فرِحين مستبشِرين"[3]. "بے شک شہداء موت کے بعد اپنے رب تعالی کے پاس زندہ ہیں، رزق دیے جاتے ہیں، خوشیاں مناتے، خوشخبریوں کا تبادلہ کرتے ہیں"۔

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، [باب] مناقب جعفر بن أبي طالب ...إلخ، ر: ۳۷٦۳، صـ۸۵۵.

(۲) "إكمال المعلم بفوائد مسلم" كتاب الإمارة، باب بيان أنّ الأرواح ...إلخ، تحت ر: ۱۸۸۷، ٦/ ۳۰٦.

(۳) "التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة" باب في قول الله تعالى ...إلخ، صـ۴۵۹.

قال الإمام ابنُ كثير رحمه الله: "كأنّ الشّهداءَ أقسام، منهم: مَن تسرح أرواحُهم في الجنّة، ومنهم: مَن يكون على هذا النّهر بباب الجنّة، وقد يحتمل أن يكونَ منتهَى سيرِهم إلى هذا النّهر، فيجتمعون هنالك، ويغدى عليهم برزقهم هناك ويراح"[1].

"گویا شہداء کی مختلف اقسام ہیں: ان میں سے بعض شہداء کی اَرواح جنّت میں سَیر کرتی ہیں، بعض وہ ہیں جن کی اَرواح جنّت کے دروازے پر بہتی نہر کے پاس ہیں، اور یہ بھی کہ ان اَرواح کی انتہائے سَیر اسی نہر تک ہے، اور یہ تمام اس نہر کے پاس جمع ہوتی ہیں، اور وہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے، جس سے یہ راحت پاتی ہیں"۔

خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث سے ثابت ہوا ہے، کہ شہداء مَوت کے بعد بھی اپنے رب تعالی کے پاس رزق دیے جاتے ہیں، خوشیاں مناتے، خوشخبریوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اس اعتقاد ونظریہ کو کفر وشرک وبدعت سمجھنا سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے، نیز اقوالِ علمائے کِرام سے یہ بات بھی ثابت ہوئی، کہ اَرواح باقی رہتی ہیں، کبھی فنا نہیں ہوتیں، اور یہی مذہبِ اہلِ سنّت ہے، برخلاف اہلِ بدعت، جو رُوح کے فنا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام جلال الدّین سیوطی علیہ الرحمۃ کا رسالہ "أبواب السّعادة في أسباب الشّهادة"[2] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(١) "تفسير ابن كثير" آل عمران: تحت الآية: ١٧٤، ١/ ٤١٧.

(٢) مطبوعة من المكتبة القيّمة، السودان.

(۳۴) تصوّف

حقیقی اسلام یہ ہے، کہ قرآن وسنّت کا اتّباع کیا جائے، اور ان پر یقینِ کامل کے ساتھ ایمان ہو۔ حضور نبیٔ کریم ﷺ کی تعلیمات ہم تک اس طرح پہنچیں، کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ سے شریعتِ مطہّرہ کے اَحکام سیکھے، اور صحابہ سے جن لوگوں نے یہ علم حاصل کیا، انہیں تابعین کہا گیا، ان حضرات کے بعد یہ وراثتِ علمی تبع تابعین تک پہنچی۔ پھر ائمۂ مجتہدین نے اَحکامِ شریعت کو باقاعدہ مدوَّن کیا، کچھ علمائے کرام نے حدیثِ نبوی میں خاص طَور پر مہارت حاصل کی، انہیں محدِّثین کہا گیا، کوئی علمِ نحو وصَرف (عربی گرامر) اور بلاغت کا ماہر ہوا، تو اسے اس فن کا امام کہا گیا، اور جس نے علمِ تفسیر میں مہارت حاصل کی، اسے مفسّرِ کہا گیا، اسی طرح علمِ فقہ میں مہارت حاصل کرنے والے کو فقیہ کہا جاتا ہے، اور جس نے اللہ کی راہ میں سُلوک کی منازِل طے کیں، اور اپنے ظاہر وباطن کی اِصلاح کی، اُسے صُوفی کہا جاتا ہے[1]۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حقیقتِ تصوّف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں، باہم اصلاً کوئی تخالُف (اختلاف) نہیں، اس بات کا مدّعی اگر بے سمجھے کہے تو نِرا جاہل ہے، اور سمجھ کر کہے تو گمراہ بد دِین ہے۔ شریعت حضورِ اقدس سیّدِ عالَم ﷺ کے اقوال ہیں، اور طریقت حضور کے اَفعال، اور حقیقت حضور کے اَحوال، اور معرفت حضور کے علومِ بے مثال کا نام ہے"[2]۔

---

(۱) "الموسوعة اليوسفية في بيان أدلّة أهل التصوّف" الشيخ يوسف خطّار محمد، التصوف، صـ۹.

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والاباحہ (سوم)"، ۱۰۶/۱۷۔

تصوّف کی تعریف

حضرت امام ابو القاسم قشیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "قَالَ النصرآباذي: أصلُ التصوّف مُلازَمةُ الكتاب والسنّة، وتركُ الأهواء والبِدَع، وتعظيمُ حُرُمات المشايخ، ورؤيةُ أعذار الخَلق، والمداوَمةُ عَلَى الأوراد، وتركُ ارتكاب الرُّخَص والتأويلات"[1].

"تصوّف کی حقیقت یہ ہے، کہ انسان قرآن وسنّت پر کاربند رہے، خواہشات اور بدعتوں کو ترک کر دے، بزرگانِ دِین کا احترام وتعظیم کرے، مخلوق کی معذوریاں سمجھے، اپنے جاری اَوراد ووظائف پر ہمیشہ قائم ومستقیم رہے، ناجائز اُمور سے بچنے کے ساتھ ساتھ، شرعی رخصتوں سے بھی دُور رہ کر، عزیمت پر عمل پیرا ہو، تاویلات کے پیچھے نہ پڑے"۔

حقیقتِ تصوّف، قرآنِ مجید کی رَوشنی میں

(۱) اللہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[2] "جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے، اور یقیناً اللہ تعالی نیک لوگوں کے ساتھ ہے!"۔

امام حافظ الدّین نَسَفی رحمہ اللہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أطلق المجاهدةَ ولم يقيّدها بمفعول؛ ليتناولَ كلَّ ما تجب مجاهدتُه من النّفس والشَّيطان وأعداء الدِّين"[3]. "یہاں لفظ "المجاهَدة" مطلقاً ذکر کیا گیا، اسے مفعول سے مقیّد نہیں کیا گیا؛ تاکہ ہر قسم کا مجاہدہ اس میں داخل ہو جائے، چاہے وہ مجاہدۂ نفس ہو، یا شیطان سے ہو، یا اَعدائے دِین سے ہو"۔

---

(۱) "الرسالة القشَيرية" كتاب في ذكر مشايخ هذه الطريقة، صـ٦٣.

(۲) پ٢١، العنكبوت: ٦٩.

(۳) "المدارك" العنكبوت، تحت الآية: ٦٩، ٢/ ٢٩٩.

(۲) اللہ ربّ العالمین کا ارشاد ہے: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾[1] "اپنے رب تعالی کا نام یاد کرو، اور سب سے ٹُوٹ کر اُسی کے ہو کر رہو!"۔

(۳) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[2] "اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک رسول اِنہیں میں سے، جو اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے، اور اِنہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے، اور انہیں خُوب ستھرا فرما دے (ان کا خوب تزکیۂ نفس کرے)، یقیناً تُو ہی ہے غالب حکمت والا!"۔

(۴) مزید ارشاد فرمایا: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾[3] "جیسے ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے؛ کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا (تمہارا تزکیۂ نفس کرتا) اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے، اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں تھا"۔

حافظ ابنِ کثیر علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي: يطهّرهم مِن رذائلِ الأخلاق، ودنَس النُّفُوسِ، وأفعالِ الجاهليّة، ويخرِجُهم مِنَ الظّلمات إلَى النور"[4]. "یہ رسول انہیں بُری عادتوں، نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے روکتا ہے، اور انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر، نورِ ایمان کی طرف رَہنمائی فرماتا ہے"۔

---

(۱) پ۲۹، المزمّل: ۸.

(۲) پ۱، البقرة: ۱۲۹.

(۳) پ۲، البقرة: ۱۵۱.

(٤) "تفسير ابن كثير" البقرة، تحت الآية: ۱۵۱، ۱/ ۱۹٤.

(۵) ربِ ذوالجلال کا ارشاد ہے: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾[1] "جو مال تجھے اللہ تعالی نے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر طلب کر! اور دنیا میں اپنا حصہ مت بھُول!"۔

(۶) رب العالمین فرماتا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾[2] "یقیناً مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا"۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "مَن تطهّر من الذنوب والعيوب"[3]. "یعنی جو گناہوں اور عیوب سے پاک ہوا"۔

حقیقتِ تصوّف، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «الحلالُ بيّنٌ، والحَرامُ بيّنٌ، وبينهما مشبّهات لا يعلمُها كثيرٌ مِنَ النّاس، فمَنِ اتّقى المشبّهات استبرأ لِدينه وعِرْضِه، ومَن وقع في الشُّبُهات: كراعٍ يرعى حولَ الحِمَى، يُوشِكُ أن يواقِعَه، ألا وإنّ لكلّ مَلك حِمًى، ألا إنّ حِمَى الله في أرضِه محارِمُه، ألا وإنّ في الجسد مُضْغَةٌ: إذا صلَحتْ صلَح الجسَدُ كلّه، وإذا فسَدَتْ فسدَ الجسدُ كلُّه، ألا وهي القلبُ»[4].

"حلال وحرام تو واضح ہیں، مگر ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ اُمور ہیں، جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، توجس نے مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کیا، اس نے اپنا دین بچا لیا، اور جو مشتبہ اُمور سے نہ بچا، اور ان میں پڑ گیا، اس کی مثال اُس چرواہے کی سی ہے، جو کسی بادشاہ کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہے، اور عنقریب وہ اس چراگاہ کی حُدود پار کر جائے گا۔ خبردار! ہر بادشاہ کی کچھ حدود ہوتی ہیں، خبردار! اللہ تعالی

---

(۱) پ۲۰، القصص: ۷۷.

(۲) پ۳۰، الأعلى: ۱٤.

(۳) "لطائف الإشارات" الأعلى، تحت الآية: ١٤، ٣/ ٧١٩.

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ر: ٥٢، صـ١٢.

کی حدود اُس کے محرّمات ہیں، خبردار! ہر جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے، اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، سُن لو! وہ گوشت کا ٹکڑا "دل" ہے"۔

(۲) حضرت سیّدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے، کہ جب میں کروں تو مجھ سے اللہ تعالی اور لوگ محبت کریں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ازْهَدْ في الدّنيا، يحبّكَ اللهُ! وازْهَدْ فيما في أيْدِي النّاسِ، يحبّكَ النّاسُ!»[1] "دنیا سے منہ پھیر لو تو اللہ تعالی تم سے محبت فرمائے گا! اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ، تو لوگ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے!"۔

(۳) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "ایک دن مدنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجمع عام میں تشریف فرما تھے، ایک شخص چلتا ہوا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی: یارسولَ اللہ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالی پر، اور اس کے سب فرشتوں پر، اور اس کے سب رسولوں پر، اور اس کی ملاقات پر، اور آخرت میں قبر سے اٹھنے پر ایمان لائے ...الخ۔ یہاں تک کہ اس نے عرض کی: یارسولَ اللہ! احسان کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: احسان یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو، کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، یا پھر اس طرح کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے، تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"[2]۔

استاذِ مَن، شارحِ بخاری، فقیہِ اعظم ہند، مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ اس حدیث پاک کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا، کہ تم عبادت میں یہ تصوّر رکھو، کہ گویا اللہ عزّوجلّ کو تم دیکھ رہے ہو؛ کیونکہ تم اسے نہیں دیکھتے اور نہ دیکھ سکتے ہو، مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس تقدیر پر احسان کا صرف ایک درجہ ہوا، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت یوں کریں، گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔

---

(۱) "سنن ابن ماجه" كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا، ر: ۴۱۰۲، صـ۷۰۲.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ ...إلخ، ر: ۵۰، صـ۱۲.

دوسرا معنی یہ ہے، کہ اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو، کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہوسکے تو یوں عبادت کرو، کہ گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اب احسان کے دو۲ درجے ہوئے، ایک یہ کہ عبادت کے وقت یہ خیال جمارہے، کہ اللہ عزّوجلّ کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال جمارہے، کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب بندے کو یہ حضور (تصوّر) حاصل ہو، کہ اللہ عزّوجلّ ہمیں، ہمارے ظاہر وباطن کو دیکھ رہا ہے، تو پھر نہ کوئی طاعت چھوٹے، نہ اس کے آداب وشرائط میں کوئی کمی ہوگی، اور نہ کسی گناہ پر جرأت ہوگی"[1]۔

(۴) حضرت سیّدنا زید بن الحباب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے مدنی آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کیا، کہ نیکی اور گناہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «البِرُّ حُسنُ الخُلُقِ، والإثمُ ما حاكَ في صدرِك، وكرهتَ أن يَطّلعَ النّاسُ عليه!»[2] "نیکی حسنِ خُلق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے، اور تم پسند نہ کرو کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہوجائے!"۔

حقیقتِ تصوّف، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام مالك رحمه الله تعالى: "مَن تصوّف ولم يتفقّه فقد تزندَقَ، ومَن تفقّهَ ولم يتصوّفْ فقد تفسّق، ومَن جمع بينهما فقد تحقّق"[3]. "جس نے علمِ تصوّف حاصل کیا اور علمِ فقہ نہ سیکھا، وہ زندیق ہے، اور جس نے علمِ فقہ حاصل کیا اور علمِ تصوّف نہ سیکھا، وہ فاسق ہے، اور جس نے ان دونوں کو حاصل کیا وہ کامیاب ہے!"۔

---

(۱) "نزہۃ القاری" کتاب الایمان، حدیث جبریل، ج۱، ص۳۲۱۔

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند الشّاميين، حديث النواس بن سمعان الكلابي الأنصاري، ر: ١٧٦٥٠، ٦/ ١٩٩. و"صحيح مسلم" كتاب البرّ والصلة والآداب، باب تفسير البرّ والإثم، ر: ٦٥١٦، صـ١١٢٠.

(۳) "قواعد التصوّف" القاعدة ٤، صـ١٥.

قال الإمام القشَيري رحمه الله تعالى: "ويحكي عَنِ السري، أَنَّهُ قَالَ: التصوّفُ اسمٌ لثلاث مَعانٍ، (١) وَهُوَ الَّذِي لا يُطفئ نورُ معرفتِهِ نورَ ورعِهِ، (٢) ولا يتكلّم بباطنٍ في علمٍ ينقضه عليه ظاهرُ الكتاب أو السنّة، (٣) ولا تحمله الكراماتُ عَلى هتكِ أستارِ محَارِمِ الله"[١].

حضرت سیّدنا سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے، کہ انہوں نے فرمایا کہ "تصوّف تین ۳ معنی پر بولا جاتا ہے: (۱) صوفی کا نورِ معرفت ایسا ہو، جس سے اس کی پرہیز گاری متاثر نہ ہو، (۲) باطنی اُمور سے متعلق وہ بات نہ کرے، جو قرآن وسنّت کے خلاف ہو، (۳) اور کرامات دکھانے کے شَوق میں اُن باتوں سے پردہ نہ اٹھائے، جنہیں اللہ تعالی نے پوشیدہ رکھا ہوا ہے"۔

قال الإمام عبد الوهّاب الشَّعراني رحمه الله تعالى: "التصوّفُ تصفيةُ القلوب، ومجانبةُ الدّعوى النفسانيّة، والنُّصحُ لجميع الأمّة، واتّباعُ النّبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الشّريعة"[٢]. "(۱) دل کی صفائی، (۲) نفسانی دعووں سے اجتناب، (۳) تمام امّت کے لیے خیر خواہی، (۴) اور شریعت میں نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پیروی کا نام تصوّف ہے"۔

قال العلّامةُ المُناوي رحمه الله تعالى: "قال الإمامُ مالك: علمُ الباطن لا يعرفه إلّا مَن عرفَ علمَ الظاهر!"[٣]. "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "علمِ ظاہر کے بغیر علمِ باطن کا جاننا ممکن نہیں!"۔

قال العلّامةُ ابن عابدين رحمه الله تعالى: "فإنَّ مَبنَى عِلمِ الحقيقة، عَلَى العِلمِ، والعملِ، وتصفِيةِ النَّفْسِ"[٤]. علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یقیناً علمِ تصوّف کی بنیاد، علم، عمل اور تصفیۂ نفس پر ہے"۔

---

(١) "الرسالة القشَيرية" باب في ذكر مشايخ هذه الطريقة، صـ٢١، ٢٢.

(٢) "الطبقات الكبرى" تحت ر: ٢٣٣- أبو عبد الله محمد بن حنيف، الجزء ١، صـ١٢١، ملتقطاً.

(٣) "فيض القدير" حرف العين، تحت ر: ٥٧١١، ٤/ ٣٨٨.

(٤) "رد المحتار" المقدّمة، ١/ ١٩٨.

خلاصۂ کلام

قرآن، حدیث اور اقوالِ علماء کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ تصوّف دراصل قرآن وسنّت، حضور مدنی آقا ﷺ کی اِطاعت وفرمانبرداری، اور شریعتِ مطہّرہ پر کاربند رہنے کا نام ہے۔ تصوّف شریعت سے ہٹ کر کوئی علیحدہ راہ نہیں، بلکہ تصوّف اَحکامِ شریعت پر عمل کا نام ہے۔ حضرت سیّدنا جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالی علیہ سے عرض کی گئی، کہ کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں، کہ اَحکامِ شریعت تو اللہ تعالی تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں، اور ہم تو اپنی منزل تک پہنچ چکے، اب ہمیں شریعت کی کیا ضرورت؟! آپ رحمہ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ "وہ لوگ سچ کہتے ہیں، وہ ضرور پہنچ گئے، لیکن کہاں تک؟ جہنم میں!"[1]۔

فائدہ: علم تصوّف سے مزید آگاہی کے لیے، امام نَوَوی شافعی کی کتاب (۱) "رياض الصّالحين"[2]، امام قشیری کا(۲) "الرسالة القشَيريّة"[3]، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کی کتابِ مستطاب (۳) "کشف المحجوب"[4]، امام غزالی کی مشہور ومعروف کتب (۴) "إحياء علوم الدين"[5]، (۵) "منهاج العابدين"[6]، (۶) "کیمیائے سعادت"[7]، امام شہاب الدین عمر بن محمد

---

(١) "اليواقيت والجواهر" الفصل ٤ في بيان جملة من القواعد ...إلخ، المبحث ٢٦ ...إلخ، الجزء ١ صـ٢٧٢، ٢٧٣.

(٢) مطبوعة من المكتب الإسلامي، بيروت.

(٣) مطبوعة من مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت.

(۴) انتشارات مرکز تحقیقات فارسی، ایران۔

(٥) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(٦) مطبوعة من مؤسّسة الرّسالة، بيروت.

(۷) مطبوعہ پروگریسو بکس، لاہور۔

محمد سہروَردی علیہ الرحمۃ کی کتاب "عوارف المعارف"[۱]، امام احمد زرّوق علیہ الرحمۃ کی کتاب (۷) "قواعد التصوّف"[۲]، حضرت میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۸) "سبع سنابل"[۳]، نیز اس موضوع پر امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے کچھ مفصّل رسائل ہیں، جن میں آپ نے دلائلِ قاہرہ سے تصوّف وطریقت کے حقائق بیان فرمائے ہیں، مثلاً (۹) "مقالِ عُرفاء باعزازِ شرع وعلماء"[۴]، (۱۰) "کشفِ حقائق واَسرارِ دقائق"[۵]، (۱۱) "الياقوتة الواسطة في قلب عقد الرّابطة"[۶] (۱۲) "نقاء السُّلافة في البيعة والخلافة"[۷]. نیز حضرت علّامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱۳) "کتاب التصوّف"[۸] اور حضرت سیّد شاہ تراب الحق قادری صاحب علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱۴) "تصوّف وطریقت"[۹] کا مطالعہ بھی قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) مطبوعة من دار البيروتي، دِمشق.

(۳) مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، لاہور۔

(۴) "فتاوی رضویہ" ۱۷/۱۳۱ تا ۱۶۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۵) ایضًا، ۱۷/۷۳ تا ۱۰۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۶) ایضًا، ۱۷/۱۶۷ تا ۱۸۴، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۷) ایضًا، ۱۷/۱۰۹ تا ۱۲۸، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۸) مطبوعہ ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز (المرکز الاسلامی) ناظم آباد، کراچی۔

(۹) مطبوعہ زاویہ پبلشرز، لاہور۔

(۳۵) کراماتِ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم

کراماتِ اولیاء حق ہیں (یعنی قرآن وحدیث سے ثابت ہیں)، کسی ولی سے ظاہر ہونے والا وہ خلافِ عادت کام، جو عام لوگوں سے ممکن نہ ہو، کرامت کہلاتا ہے، بشرطیکہ وہ نبوّت کا مدّعی نہ ہو[1]۔

کراماتِ اولیاء، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2] "جب بھی زکریا علیہ الصلوۃ والسلام مریم کے پاس اُس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے، اس کے پاس نیا رِزق پاتے، تو کہا کہ اے مریم! یہ تمھارے پاس کہاں سے آیا؟ بولیں وہ اللہ تعالی کے پاس سے ہے"۔

(۲) ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾[3] "جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے عرض کی کہ میں آپ کے پاس تختِ بلقیس، آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا!"۔

امام حافظ الدّین نَسَفی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي: آصف بن بَرخيا كاتب سليمان، وهو الأصحّ، وعليه الجُمهور"[4]. "وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ اللہ کے ولی آصف بن بَرخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے کاتب تھے، یہی صحیح تر ہے، اور اسی پر جُمہور مفسّرین کا اتفاق ہے"۔

---

(۱) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ۲۲۰، ۲۲۱.

(۲) پ۳، آل عمران: ۳۷.

(۳) پ۱۹، النمل: ۴۰.

(٤) "المدارك" النمل، تحت الآية: ٤٠، ٢/ ٢٣٨، ٢٣٩.

امام بَغَوی رحمۃ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں: "وقال أكثرُ المفسِّرين: هو آصف بن بَرخيا"[۱] "اکثر مفسرین نے فرمایا، کہ وہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ اللہ کے ولی آصف بن بَرخیا ہیں"۔

امام جلال الدّین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وهو آصف بن بَرخيا"[۲] "وہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا، وہ اللہ کے ولی آصف بن بَرخیا ہیں"۔

کراماتِ اولیاء، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(ا) حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ "مُوَطّأ" میں، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت، سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا، کہ یہ وراثت کا مال ہے، اور وارث تمہارے دو ۲ بھائی اور دو ۲ بہنیں ہیں، اسے کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا! حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی، کہ میری ایک بہن تو اسماء ہے، دوسری کونسی؟ فرمایا: «ذُو بَطْنِ بِنْتِ خارجةَ، أراها جاريةً!» "وہ (میری زوجہ) بنتِ خارجہ کے پیٹ میں ہے، اور میرے علم کے مطابق وہ لڑکی ہے!"[۳]۔

علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "فقال أبو بكر: ذو، أي: صاحبةُ (بطنِ) بمعنَى الكائنة في بطنِ حبيبةَ (بنتِ خارجةَ) بن زيد بن أبي زهَير بن مالك الأنصاري الخزرجيّ، صحابية بنت صحابيّ، شهدَ بدراً وآخَى النبيُّ ﷺ بينَه وبين أبي بكرٍ، ويقال: إنّه استُشهدَ بأُحُدٍ (أراها) بضمّ الهمزة، أظنّها (جاريةٌ) أنثى، فلذا قلتُ:

---

(۱) "مَعالم التنزيل" النمل، تحت الآية: ٤٠، ٣/ ٤٢٠.

(۲) "تفسير الجلالين" النمل، صـ٣٢٠.

(۳) "الموطّأ" كتاب الأقضية، باب ما لا يجوز من النُّحل، ر: ١٤٧٤، صـ٤١٩، ٤٢٠.

أختاك، فكان كما ظنّ ﷺ سُمّيت أمّ كلثوم"[1]. "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ میری زوجہ بنت خارجہ بن زید حمل سے ہیں، اور میرے علم کے مطابق وہ لڑکی ہے، اسی لیے میں نے کہا کہ وہ تمھاری بہن ہے، لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ کے کہنے کے مطابق لڑکی ہی پیدا ہوئی، اور اس کا نام اِمِ کلثوم رکھا گیا"۔

قال السيّد محمد بن عَلَوي المالكي رحمه الله تعالى: "واعلمْ أنّ اطّلاعَ أولياء الله على بعض الغيوب، لا يحيله العقلُ، وقد وردَ به النقلُ. قال أبو بكر الصّديق لعائشة رضي الله تعالى عنهما في مرضِ مَوتِه وزوجتُه حامل: «إنّما هُما أخواك وأختاك، وبطنُ بنت خارجة أراها جارية» فأخبرَ بأنّ في بطن امرأتِه جاريةٌ (أي: أنثى) وكان كما قال رضي الله تعالى عنه"[2].

علّامہ سیّد محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے، کہ اللہ کے ولیوں کو غیب کی بعض باتوں پر اطلاع ہو، اور قرآن وحدیث میں اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے اپنے مرضِ وفات میں، جبکہ ان کی زَوجہ حاملہ تھیں، اپنی صاحبزادی سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ سے فرمایا، کہ وہ تمھارے دو ۲ بھائی اور دو ۲ بہنیں ہیں، اور میری زَوجہ بنت خارجہ کے پیٹ میں بچی ہے۔ یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اطلاع دی، کہ ان کی زوجہ کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ لڑکی ہے، تو جیسا حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا"۔

(۲) امام بَیہقی رحمۃ اللہ حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ایک لشکر حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ کی سپہ سالاری میں روانہ فرمایا، اور پھر (ایک دن) اپنے خطبہ کے دَوران حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ کو یوں پکارنے لگے: «يا ساريةَ الجبلَ!» "اے ساریہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو!" پھر اس لشکر میں سے ایک قاصد حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی، کہ اے امیر المؤمنین! ہم لوگ دشمن سے نبرد آزما تھے، اور ہم شکست خوردہ ہونے لگے تھے، کہ اتنے میں ہم نے

---

(۱) "شرح الزرقاني على موطّأ الإمام مالك" كتاب الأقضية، باب ما لا يجوز من النحل، ٤/ ٤٥.

(۲) "الكرامات" صـ١.

ایک پکار سُنی، کہ کوئی پکار رہاہے: "اے ساریہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو!" لہٰذا ہم نے ویسا ہی کیا، تو اللہ تعالی نے دشمن کو شکست دی۔ ہم لوگوں نے حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی، کہ وہ آواز آپ ہی کی تھی"[1]۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: "فيه أنواعٌ من الكرامة لعُمر: (١) كشفُ المعركة، (٢) وإيصالُ صَوته، (٣) وسماعُ كلٍّ منهم لصيحته، (٤) وفتحُهم ونصرُهم ببركته"[2]. "اس ایک واقعہ میں حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی کئی کرامات ظاہر ہوئیں: (۱) ایک تو یہ کہ انہوں نے جنگ نہاوَند کا منظر سینکڑوں میل دُور، مدینہ منوّرہ سے دیکھ لیا، (۲) دوسرے یہ کہ ان کی آواز جو مدینہ منوّرہ میں بلند ہوئی تھی، سینکڑوں میل دُور نہاوَند کے مقام تک پہنچی، (۳) وہاں پورے لشکر نے حضرت کی آواز سنی، (۴) پھر ان کی برکت سے اللہ تعالی نے اس جنگ میں اہلِ اسلام کو فتح ونصرت عطا فرمائی!"۔

قال السيّد محمد بن علوي المالكي رحمه الله تعالى: "وقولُ عمر رضي الله تعالى عنه: «يَا سَارِية الجَبَلَ!» وسارية بأقصى العراق، فسمعَ ساريةُ صوتَه، وكان قد أطلعَه اللهُ على سارية، وقد أحاطَ به العدوُ، فأمرَه بالانحياز إلى الجبل، فانحازَ هو والجيشُ الذي كان معه، فانتصروا وظفروا، وكان قد قال ذلك، وهو في أثناء خطبتِه على المنبر، فتركَ الخطبةَ وقال: "يا ساريةُ الجبلَ!" وعاد إلى خطبتِه"[3].

---

(١) "دلائل النبّوة" جُماع أبواب إخبار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ...إلخ، باب ما جاء في إخبار النبّي صلى الله تعالى عليه وسلم بمحدّثين كانوا في الأمم ...إلخ، ٦/ ٣٧٠. و"دلائل النبوّة" لأبي نعيم، الفصل ٢٩ ما جرى على يدي أصحابه ...إلخ، ر: ٥٢٥، الجزء ١ صـ٥٧٩.

(٢) "مرقاة المفاتيح" كتاب الفضائل، باب الكرامات، الفصل ٣، تحت ر: ٥٣٥٤، ١٠/ ٢٩٦.

(٣) "الكرامات" صـ١.

علّامہ سیّد محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا قول: "اے ساریہ پہاڑ کی طرف توجہ کرو!" جبکہ اُس وقت حضرت ساریہ رضی اللہ تعالی عنہ بہت دُور سرزمینِ عراق میں، دشمنِ اسلام سے برسرِپیکار تھے، وہاں حضرت ساریہ نے حضرت عمر کی آواز سنی، اور اللہ تعالی نے حضرت عمر کو حضرت ساریہ کی حالتِ زار کے بارے میں مطلع فرمایا، جو اس وقت دشمن کے نرغے میں تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں پہاڑ کی جانب توجہ کرنے کو کہا، تب حضرت ساریہ اور ان کا لشکر پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے، اس پر وہ فتح یاب وکامیاب ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ تمام کلام اس وقت کیا، جب آپ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے خطبہ موقوف کرکے پکارا: "اے ساریہ پہاڑ کی طرف متوجہ ہو!" پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے خطبہ مکمل فرمایا"۔

(۳) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: «لما حضر أُحُدٌ دعاني أبي من اللّيل، فقال: ما أراني إلّا مقتولاً في أوّل مَن يُقتَل من أصحاب النبيّ ﷺ، وإنّي لا أترك بعدي أعزَّ عليَّ منكَ، غيرَ نفس رسولِ الله ﷺ! فإنّ عليَّ دَيناً فاقْضِ، واستَوص بأخَواتك خيراً! فأصبحنا فكان أوّلَ قَتيل ودُفِنَ معه آخَر في قبر، ثمّ لم تطِبْ نفسي أن أتركَه مع الآخَر، فاستخرجتُه بعد ستّةِ أشهُرٍ، فإذا هو كيوم وضعتُه هنية غيرَ أذنه»[1].

"جب غزوۂ اُحد کا وقت آیا، تو میرے والدِ ماجد نے مجھے رات کے وقت بلایا اور فرمایا، کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نبئ کریم ﷺ کے اصحاب میں، سب سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا، اور میں اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑ رہا، جو رسول اللہ ﷺ کے بعد مجھے تم سے زیادہ عزیز ہو! مجھ پر قرض ہے اُسے ادا کر دینا! اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سُلوک کرنا!۔ جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے وہی شہید کیے گئے، اور ایک دوسرے صاحب کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔ میرا دل اس بات پر خوش نہیں تھا، کہ اپنے والد

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب هل يخرج الميّت من القبر واللحد لعِلّة؟ ر: ۱۳۵۱، صـ۲۱٦.

کو دوسروں کے ساتھ ایک ہی قبر میں چھوڑے رکھوں، لہذا چھ ٦ ماہ بعد میں نے انہیں قبر سے نکالا، تو وہ اُسی طرح ترو تازہ تھے، جیسے دفن کے وقت تھے"۔

حضرت جابر کے والد نے اپنی شہادت کی خبر، اپنی حیات میں ہی دے دی تھی، جو بلا شبہ خَرقِ عادت ہے، کرامت ہے۔

کراماتِ اولیاء، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامةُ سعد الدّين التفتازاني رحمه الله تعالى: "وذهبَ جُمهور المسلمين إلى جواز كرامة الأولياء، ومنعَه أكثرُ المعتزلة، والأستاذُ أبو إسحاق يميل إلى قريب من مذهبهم، كذا قال إمامُ الحرمَين. ثمّ المجوِّزون ذهبَ بعضُهم إلى امتناع كون الكرامة بقصدٍ واختيارٍ من الوليّ. وبعضُهم إلى امتناع كونها على قضية الدّعوى، حتّى لو ادّعى الوليُّ الولايةَ، واعتقدَ بخوارق العادات، لم يجُز ولم يقع، بل رُبما يسقط عن مرتبة الولاية. وبعضُهم إلى امتناع كونها من جنس ما وقعَ معجزةً لنبيّ، كإنفلاق البحر، وانقلاب العصا، وإحياء الموتى، قالوا: وبهذه الجهات تمتاز عن المعجزات. وقال الإمامُ: هذه الطُرقُ غيرُ سديدةٍ، والمرضِي عندنا تجويزُ جملةِ خوارق العادات في مَعرض الكرامات، وإنّما تمتاز عن المعجزات بخلوّها عن دعوى النبوّة، حتّى لو ادّعى الوليُّ النبوّةَ، صار عدوّاً لله، لا يستحقّ الكرامةَ، بل اللَّعنةَ والإهانةَ "[1].

"جُمہور مسلمانوں کے نزدیک، اولیائے کرام کی کرامت ثابت ہے، اکثر معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ امام الحرمین جوَینی شافعی نے فرمایا کہ "کرامات کو جائز قرار دینے والوں کے مختلف مذاہب ہیں"...الخ۔ پھر فرمایا کہ "ہمارے نزدیک پسندیدہ مذہب یہ ہے، کہ کرامات کے میدان میں تمام خلافِ عادت جائز ہیں،

---

(١) "شرح المقاصد" المقصد ٦ في السمعيّات، المبحث ٨: الولي، الجزء ٥، صـ٧٣.

معجزات سے کرامت کا فرق یہ ہے، کہ وہ نبوّت کے دعوی سے خالی ہوتی ہیں، یہاں تک کہ اگر ولی نبوّت کا دعوی کرے، تووہ اللہ کا دشمن ہوجائے گا، اور پھر کرامت کانہیں، بلکہ لعنت اور اہانت کا مستحق ہوگا"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي رحمه الله تعالى: "كراماتُ الأولياء حقٌّ، الذي عليه أهلُ السنّة والجماعة، والأصوليين، والمحدّثين"(۱). "کراماتِ اولیاء حق ہیں، اہل سنّت وجماعت کے فقہائے کرام، اصولیین، محدثین اور تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے"۔

قال العلّامةُ علي القاري رحمه الله تعالى: "الكراماتُ لِلأولياءِ حَقٌّ، أي: ثابتٌ بالكتابِ والسُّنّةِ، ولا عِبرةَ بمُخالَفة المعتزِلَة، وأَهلِ البِدعَةِ في إنكارِ الكَرَامَةِ"(۲). "کراماتِ اولیاء حق ہیں، یعنی قرآن وسنّت سے ثابت ہیں، اوراس میں فرقۂ معتزلہ(۳) اور اہلِ بدعت کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں"۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث شریف اور اقوال علماء سے ثابت ہوا، کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں، اللہ تعالی کے مقبول وصالح بندوں سے کرامات کا ظُہور ہوتا ہے، اور کراماتِ اولیاء کا منکِر، شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں گمراہ ہے۔ اس اعتقاد ونظریہ کوبدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

---

(۱) "الفتاوى الحديثيّة" مطلب في الكلام على كرامات الأولياء على أكمل وجه، صـ٣٩٥.

(۲) "منح الروض الأزهر" صـ٢٣٥، ٢٣٦.

(۳) اس مذہب کا بانی واصل بن عطا تھا، جس نے حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کی مجلس سے اعتزال کیا تھا، اسی بنا پر ان لوگوں کو معتزلہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ["شرح عقائد نسفی" ص۵۳، ۵۴]۔

معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے، کہ ان لوگوں نے عقل کو نقل پر ترجیح دی ہے، عقل کے خلاف قطعیّات میں تاویلات کرتے ہیں، اور ظنیّات کا انکار کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرتے ہیں، بندوں کے افعال کے اچھے اور بُرے ہونے کی بنیاد پر، اللہ تعالی کے افعال پر بھی اچھے اور بُرے ہونے کا حکم لگاتے ہیں، خلق اور کسب میں کوئی فرق نہیں کر پاتے۔

ولی کون ہوسکتا ہے؟

یہ بات بھی ذہن میں رہے، کہ اللہ کا ولی وہی ہوسکتا ہے، جو شریعتِ مطہَّرہ پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو، اور ہر اُس کام سے بچتا ہو جو شریعت کے خلاف ہے، جاہل شخص اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا، اسی طرح تعلیماتِ اسلامیہ کا مخالف، یا خلاف ورزی کرنے والا، یا سرِ عام گناہ کرنے والا بھی ولی نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ولایت کے بہت سے جھوٹے دعوے داروں کو، ہمارے مُعاشرے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

فائدہ: اس عنوان کی مزید تفصیل کے لیے، امام لالکائی علیہ الرحمۃ کی تصنیف: (۱) "کرامات أولیاء الله"[۱]، شیخ عبدالحلیم رومی حنفی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "ریاض السّادات في إثبات الکرامات للأولیاء حال الحیاة وبعد الممات"[۲]، شیخ احمد بن منصور جندی مصری حنفی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "تنبیه الأذکیاء في بیان کرامات الأولیاء"[۳]، شیخ الاسلام شہاب الدین ابو العباس حموی مصری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "نفحات القرب والاتصال بإثبات التصرّف للأولیاء بعد الانتقال"[۴]، شیخ عبد الباقی خزرجی مقدسی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "السُّیوف الصّقال في رقبة من ینکر کرامات الأولیاء بعد الانتقال"[۵]، حضرت علّامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمۃ کی کتابِ مستطاب (۶) "جامع کرامات الأولیاء"[۶]، حضرت علّامہ سیّد محمد بن علوی مالکی علیہ الرحمۃ کا رسالہ

---

(۱) مطبوعة من دار طيبة، الرياض.

(۲) مطبوعہ دار آثار اسلامیہ، سری لنکا۔

(۳) ایضًا۔

(۴) ایضًا۔

(۵) ایضًا۔

(٦) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت. اردو ترجمہ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

"الکرامات"، حضرت علّامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ کی تصنیف (۷) کراماتِ صحابہ "[1] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ رومی پبلی کیشنز، لاہور۔

(۳٦) پیری مریدی

بیعت کے معنی پورے طَور سے بِک جانا ہے[۱]۔ بیعتِ ارادت کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر، اپنے آپ کو شیخ مرشِد، ہادیٔ برحق، واصلِ حق (یعنی جو اللہ تک پہنچ چکا ہو، اُس) کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے، اس کے چلانے پر راہِ سُلوک چلے، کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے، اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے، غرض اس کے ہاتھ میں مُردہ بدستِ زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعتِ سالکین ہے، اور یہی مقصودِ مشایخ مرشدین ہے، یہی اللہ عزّوجلّ تک پہنچاتی ہے[۲]۔

شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت

شریعت حضورِ اقدس سیّدِ عالَم صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم کے اقوال ہیں، اور طریقت حضور کے اَفعال، اور حقیقت حضور کے اَحوال، اور معرفت حضور کے علومِ بے مثال[۳]۔

بیعت (پیری مریدی)، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴾[٤] "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو! اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو، اس امید پر کہ فلاح پاؤ!"۔

امام حافظ الدین نَسفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "هي كلُّ ما يتوسّل به، أي: يتقرّب مِن قرابةٍ أو صنيعةٍ أو غير ذلك، فاستعيرتْ لما يتوسّل به إلى الله تعالى،

---

(۱) "الملفوظ" حصہ ۲ ص ۴۱، ۴۲۔

(۲) "فتاوی افریقہ" ص ۱۳٦۔

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والإباحہ (سوم ۳)، تصوّف وطریقت، ۱۷/ ۱۰٦۔

(٤) پ٦، المائدة: ۳٥.

من فعل الطاعاتِ، وترك السيّئات"(۱). "ہروہ چیز وسیلہ ہے، جس کے ذریعہ مطلوب تک پہنچا جائے، یعنی وہ قُربت وعبادت اور ترکِ مَعاصی، جن سے قربِ خداوندی حاصل کیا جائے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس آیت مبارکہ میں، وسیلہ سے مراد بیعتِ مُرشِد ہے"(۲)۔

(۲) حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام وصحابیات محترمات سے، مختلف مواقع پر مختلف قسم کی بیعتیں لیں، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾(۳) "وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں اے حبیب! وہ تو اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جس نے عہد توڑا اس نے خود اپنا نقصان کیا، اور جس نے پورا کیا وہ عہد، جو اس نے اللہ سے کیا تھا، تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب عطا فرمائے گا!"۔

علّامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "لأنّهم بَاعوا أنفُسَهم من الله عزّوجلّ بالجنّة، وأصلُ البَيعة: العَقدُ الَّذي يَعقده الإنسانُ على نفسِه، من بذلِ الطاعةِ للإمام، والوفاء بالعهد الَّذي التزمه له، والمرادُ بهذه البيعة بيعةُ الرّضوان بالحدَيبية"(٤).

"کیونکہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا جنّت کے بدلے میں۔ بیعت کی اصل یہ ہے، کہ ایسا عہد جس میں انسان اپنے آپ پر، امام کی اطاعت لازم کرتا ہے، اور اس عہد کو پورا کرتا ہے جس کا اس نے التزام کیا ہے، اور اس مقام پر بیعت سے مراد حدَیبیہ کے مقام پر ہونے والی "بیعتِ رضوان" ہے"۔

---

(١) "المدارك" المائدة، تحت الآية: ٣٥، ١/ ٣٢٠.

(٢) "القول الجميل مع شفاء العليل" فصل ٢، الحكمة في تكرار البيعة، صـ٣٩.

(٣) پ٢٦، الفتح: ١٠.

(٤) "لُباب التأويل في معاني التنزيل" الفتح، ٤/ ١٥٧.

(۳) اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[1].

"اے نبی! جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں حاضر ہوں، اس بات پر بیعت کرنے کو، کہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی نہ بدکاری، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ وہ بہتان لائیں گی، جسے اپنے ہاتوں اور پاؤں کے درمیان، یعنی مَوضعِ ولادت میں اٹھائیں (یعنی پرایا بچہ لے کر شوہر کو دھوکا دیں، اور اس کے پیٹ سے جَنا ہوا بتائیں، جیساکہ جاہلیت کے زمانہ میں دستور تھا۔ از: تفسیر خزائن العرفان) اور کسی نیک بات میں تمھاری نافرمانی نہیں کریں گی، تو اِن سے بیعت لو، اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو! یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وذلك يومَ فتح مكّةَ لما فرغ رسولُ الله ﷺ من بيعةِ الرِّجالِ، وهو علَى الصّفا، وعمرُ بن الخطاب أسفل منه، وهو يبايعُ النّساءَ بأمرِ رسولِ الله ﷺ ويبلّغهنّ عنه"[2].

"یہ فتحِ مکّہ کے دن ہوا، جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے، اور حضور اقدس ﷺ صفا پر تھے، اور حضرت عمر حضور اقدس ﷺ سے نیچے تھے، وہ خواتین سے بیعت لے رہے تھے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر، اور حضور اقدس ﷺ کی بات خواتین تک پہنچا رہے تھے"۔

بیعت (پیری مریدی)، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(ا) حضرت سیّدہ طیبہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے: «كان النبيُّ ﷺ يبايعُ النّساءَ بِالكلام بهذه الآيةِ: ﴿لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ [الممتحنة: ١٢] قالت: وما مسّتْ يدُ

(١) پ٢٨، الممتحنة: ١٢.

(٢) "معالم التنزيل" الممتحنة، تحت الآية: ١٢، ٤/ ٣٣٤، ٣٣٥.

رسولِ الله ﷺ يدَ امرأةٍ، إلّا امرأةً يملكُها»[1] "حضور نبئ کریم ﷺ خواتین سے زبانی، اس آیتِ مبارکہ کے اَحکام کی بیعت لیتے، کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی!"۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں، کہ اپنی ازواج اور باندیوں کے سِوا، نبئ کریم ﷺ کے ہاتھ نے، کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چُھوا"۔

(۲) حضرت سیّدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «بايعوني علَى أن لا تُشركُوا بالله شيئاً، ولا تسرقُوا، ولا تَزْنُوا، ولا تقتلُوا أولادَكم، ولا تأتُوا ببهتانٍ تفترونَه بينَ أيدِيكم وأرجُلِكم، ولا تعصوا في معروفٍ، فمَن وفَى منكم فأجرُه علَى الله، ومَن أصاب مِن ذلك شيئاً، فعُوقِب به في الدّنيا فهو له كفّارة، ومَن أصاب مِن ذلك شيئاً فستره اللهُ، فهو إلى الله، إن شاء عفا عنه، وإن شاء عاقبَه!» فبايَعناه على ذلك[2].

"مجھ سے اس بات پر بیعت کرو، کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اور بہتان تراشی نہیں کرو گے جسے تم اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گھڑو، اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے، تم میں سے جس نے یہ عہد پورا کیا، اس کا اجر اللہ تعالی کے ذمّۂ کرم پر ہے! اور جو اِن میں سے کسی برائی میں مبتلا ہو، اور دنیا میں اسے سزا مل گئی، تو وہ اس کا کفّارہ ہو گیا، اور اللہ تعالی نے جس کا پردہ رکھا، تو وہ اللہ کے سپرد ہے، کہ چاہے تو اسے مُعاف فرمائے، اور چاہے تو اُسے سزا دے!"۔ صحابی کہتے ہیں، کہ ہم نے اِس بات پر حضور اقدس ﷺ سے بیعت کی"۔

بیعت (پیری مریدی)، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامة المُناوي رحمه الله تعالى: "قال الإمام مالك: علمُ الباطن لا يعرفه إلّا مَن عرفَ علمَ الظاهر"[3]. "امام مالک رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ "علمِ ظاہر کے بغیر علمِ باطن کا جاننا ممکن نہیں"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الأحكام، باب بيعة النساء، ر: ٧٢١٤، صـ١٢٤٢.

(۲) المرجع نفسه، كتاب الإيمان، باب، ر: ١٨، صـ٦.

(۳) "فيض القدير" حرف العين، تحت ر: ٥٧١١، ٤/ ٣٨٨.

قال الإمام الشّافعي ﷺ: "ما اتخذ اللهُ وليّاً جاهلاً"(١). "اللہ تعالی نے کبھی کسی جاہل کواپنا ولی (دوست) نہیں بنایا"۔

قال الإمام القشَيري ﷺ: "يقول المعروف بـ"عمي البسطامي": سمعتُ أبِي يقول: قال لي أبو يَزِيد ﷺ: قُم بِنا حتّى ننظرَ إلى هذا الرجل الّذي قد شَهرَ نَفسَه بالولاية، وكان رجلاً مقصوداً مشهوراً بالزُّهد، فمضَينا إليه، فلمّا خرج من بَيته ودخلَ المسجدَ، رمَى ببُصاقه تجاهَ القبلة، فانصرفَ أبو يَزِيد ولم يسلِّم عليه، وقال: هذا غيرُ مأمونٍ على أدبٍ من آداب رَسُول الله ﷺ، فكيف يكون مأموناً عَلَى ما يدّعيه؟!"(٢).

"حضرت معروف بعمی بسطامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کہتے ہیں، کہ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا: فرمایا کہ مجھے ابو یزید رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے کہا، کہ میرے ساتھ چلو، اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے! یہ شخص زاہد مشہور تھا، اور لوگ دُور دُور سے اس کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ ہم اس کی طرف چل دیے، ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکلا، اور مسجد میں داخل ہونے سے پہلے قبلے کی طرف منہ کرکے تھوک دیا۔ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ تعالی علیہ یہ دیکھتے ہی واپس لَوٹ گئے، اور اسے سلام تک نہ کیا۔ فرمایا کہ یہ شخص تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب کا لحاظ نہیں کرپارہا، اپنے دعوئ ولایت کا لحاظ کیا کرپائے گا؟!"۔

قال الإمام القشَيري ﷺ: "يجب على المريد أن يتأدّبَ بشيخ، فإن لم يكن له أستاذٌ لا يفلح أبداً. هذا أبو يَزِيد يَقُول: مَن لَم يكن لَهُ أستاذٌ، فإمامه الشَّيْطَانُ!"(٣). "مرید کے لیے یہ بھی ضرور ہے، کہ وہ کسی شیخ سے آدابِ طریقت سیکھے؛ کیونکہ جس کا طریقت میں کوئی استاد نہیں، وہ اس راہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا، چنانچہ حضرت ابو یزید فرماتے ہیں، کہ جس کا کوئی استاد نہیں، اس کا پیشوا شیطان ہے!"۔

---

(١) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والإباحہ، تصوف وبیعت، رسالہ: "مقالِ عُرفاءباعزازِ شرع وعلماء" ١٣٨/٢١۔

(٢) "الرسالة القشَيرية" باب في ذكر مشايخ هذه الطريقة، صـ٢٩.

(٣) المرجع نفسه، باب الوصية للمريد، صـ٣٩٠.

قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالى: "المُريد يحتاج إلى شيخٍ وأستاذٍ يقتدي به لا محالةَ؛ ليَهديَه إلى سواءِ السّبيل؛ فإنّ سبيلَ الدِّين غامضٌ، وسُبل الشّيطان كثيرةٌ ظاهرة، فمَن لم يكن له شيخٌ يَهديه، قادَه الشّيطانُ إلى طُرقِه لا محالةَ، فمَن سلكَ سُبلَ البوادي المهلِكة بغير خَفير، فقد خاطَر بنفسِه وأهلكَها!"(۱).

"راہِ حق کے مرید کو، کسی شیخ اور استاد کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی پیروی کرے؛ تاکہ وہ شیخ اسے سیدھے راستے کی طرف رَہنمائی کرتا رہے؛ کیونکہ دین کا راستہ نہایت گہرا ہے، اور شیطانی راستے کثیر بھی ہیں اور ظاہر و سطحی بھی (فوری سمجھ آنے والے)، لہذا جس کا کوئی رَہنما مرشد نہیں، ضرور اسے شیطان اپنے راستوں پر لے جائے گا، جیسے وہ شخص جو بغیر کسی مُحافظ کے ہلاکت خیز وادیوں سے گزرے، تو وہ گویا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے!"۔

قال الإمام الشيخ شهاب الدّين السُهروَردي رحمه الله تعالى: "لُبس الخرقةِ ارتباطٌ بين الشيخ وبين المريد، وتحكيمٌ من المريد للشّيخ في نفسِه، وتحكيمٌ سائغٌ في الشّرع لمصالِح دُنيويّة، فماذا يُنكِر المنكرُ للُبس الخرقة على طالبٍ صادقٍ في طلبه؟ ويقصد شيخاً بحُسن ظنٍّ وعقيدةٍ يحكمه في نفسِه لمصالح دِينه، يُرشِده ويَهديه ويعرّفه طريقَ المواجيد، ويُبصِره بآفاتِ النّفوس، وفسادِ الأعمال، ومَداخل العدُو"(۲).

"خرقہ پوشی یا خرقہ، شیخ اور مرید کے درمیان ایک رشتہ اور تعلق ہے، اور مرید کی طرف سے شیخ کی خدمت میں ایک ذریعۂ تحکیم ہے (یعنی مرید شیخ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیتا ہے)، جب دُنیوی مصلحتوں کے لیے یہ تحکیم (کسی کو حاکم بنانا) شریعت میں جائز وپسندیدہ امر ہے، تو پھر منکرِ خرقہ (خرقہ پوشی) کس طرح اس کا انکار کر سکتا ہے؟! جو ایک ایسے طالبِ صادق کو شیخ پہناتا ہے، جو اپنے مرشد کے پاس حسنِ عقیدت کے ساتھ حاضر ہو کر،

---

(۱) "إحياء علوم الدّين" كتاب رياضة النفس، بيان شروط الإرادة ومقدمات المجاهدين ...إلخ، ۳/ ۸۱.

(۲) "عوارف المعارف" الباب ۱۲ في شرح خرقة المشايخ الصوفية، ۵/ ۱۰۲.

دینی اُمور میں اسے اپنا رَہبر بنالیتا ہے؛ تاکہ شیخ اسے راہِ ہدایت پر گامزن کرے، اسے آفاتِ نفس وفسادِ اعمال کی بصیرت عطا کرے، اور اسے تعلیم دے کہ نفس دشمن کن کن راستوں سے حملہ آور ہوتا ہے"۔

پیر وشیخ کی شرائط

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ بیعت (پیری مریدی) کی اَقسام، شرائط اور ضوابط ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ "مرشدِ خاص جسے پیر وشیخ کہتے ہیں، دو ۲ قسم ہے، **قسمِ اوّل:** شیخِ اتّصال، یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ، حضور پُر نور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متّصل ہو جائے، اس کے لیے چار ۴ شرطیں ہیں:

(۱) شیخ کا سلسلہ باتصالِ صحیح، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو؛ کہ منقطع کے ذریعہ سے اتّصال ناممکن ہے۔ بعض لوگ بلا بیعت محض بزعمِ وراثت، اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں، **یا** بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی، بلااِذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں، **یا** سلسلہ ہی وہ ہو کہ قطع کر دیا گیا، اس میں فیض نہ رکھا گیا، لوگ براہِ ہوَس اس میں اذن وخلافت دیتے چلے آتے ہیں، **یا** سلسلہ فی نفسہٖ اچھا تھا، مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا، جو بوجہِ انتفائے بعض شرائط، قابلِ بیعت نہ تھا، اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔ ان صورتوں میں اس بیعت سے ہرگز اتّصال حاصل نہ ہوگا۔ بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مَت جُدا ہے!۔

(۲) شیخ سنّی العقیدہ ہو۔ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت کھلے ہوئے بدِدینوں، بلکہ بے دینوں، حتی کہ وہابیہ نے (کہ سرے سے منکِر ودشمنِ اولیاء ہیں) مکّاری کے لیے، پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار خبردار! احتیاط احتیاط!!۔

(۳) عالِم ہو۔ اقول: علمِ فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی ہو، اور لازم ہے کہ عقائدِ اہلِ سنّت سے پورا واقف ہو، کفر واسلام وضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف (جاننے والا) ہو۔ ورنہ آج بدمذہب نہیں، تو کل ہو جائے گا! ع

من لم يعرف الشّرَ فيوماً يقع فيه

جو شَر سے آگاہ نہیں، ایک دن اُس میں مبتلا ہو ہی جائے گا! صدہا کلمات وحرکات ہیں، جن سے کفر لازم آتا ہے، اور جاہل براہِ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں، اوّل تو خبر ہی نہیں ہوتی، کہ ان کے قول یا فعل سے کفر سرزَد ہوا، اور بے اطلاع تَوبہ ناممکن ہے، تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے۔ اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیمُ الطبع جاہل ڈَر بھی جائے، تَوبہ بھی کرلے، مگر وہ جو سجادۂ مشیخت پر ہادی ومرشِد بنے بیٹھے ہیں، ان کی عظمت جو خود ان کے قلوب میں ہے، کب قبول کرنے دے؟!۔

(۴) فاسقِ مُعلِن نہ ہو۔ **اقول:** اس شرط پر حصولِ اتّصال کا توقّف نہیں؛ کہ مجرّد فِسق باعثِ فسخ نہیں، مگر پیر کی تعظیم لازِم ہے، اور فاسِق کی توہین واجب ہے، دونوں کا اجتماع باطل ہے۔ "تبیین الحقائق" امام زَیلعی وغیرہ میں دربارۂ فاسق ہے: "في تقديمه للإمامة تعظيمُه، قد وجبَ عليهم إهانتُه شرعاً"[1].

"امامت کے لیے اسے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے، اور شریعت میں تو اس کی توہین واجب ہے!"۔

قسم دُوم ۲: شیخِ اِیصال، کہ شرائطِ مذکورہ کے ساتھ مَفاسِدِ نفس ومکائدِ شیطان (شیطان کی مکاریاں) ومصائدِ ہَوا (خواہشاتِ نفس کے حملے) سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت کرنا جانتا ہو، اور اپنے متوسِّل پر شفقت تامّہ رکھتا ہو، کہ اس کے عیوب پر اسے مطّلع کرے، ان کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے، نہ محض سالک ہو، نہ نِرا مجذوب۔ "عوارف شریف" میں فرمایا: "یہ دونوں قابلِ پیری نہیں"[2]۔

اقول: اس لیے کہ اوّل (یعنی سالک) خود اَب تک راہ میں ہے، اور دوسرا (یعنی مجذوب) طریقِ تربیت سے غافل ہے۔

اقول: اس لیے کہ وہ مراد ہے، اور یہ مرید۔

پھر بیعت بھی دو ۲ قسم ہے:

---

(۱) "تبيين الحقائق" كتاب الصّلاة باب الإمامة، الجزء ۱، صـ۱۳٤.

(۲) "عوارف المعارف" الباب ۱۰ في شرح رتبة المشيخة، ٥/ ۹۷.

بیعت اوّل: بیعتِ برکت (بیعت اتصال) کہ صرف تبرک کے لیے داخلِ سلسلہ ہو جانا۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہیں، وہ بھی نیک نیتوں کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اَغراضِ فاسدہ کے لیے ہوتی ہے، وہ خارج اَز بحث ہے۔ اس بیعت کے لیے شیخِ اتّصال (جو شرائطِ اربعہ کا جامع ہو) بَس ہے۔

اقول: بے کار یہ بھی نہیں، مفید اور بہت مفید، اور دنیا وآخرت میں بکارآمد (کام آنے والی) ہے۔ محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا، ان سے سلسلہ متّصل ہو جانا، فی نفسہٖ سعادت ہے!۔

اوّلاً: ان کے خاص غلاموں سالکانِ راہ سے، اس امر میں مشابہت ہے، اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: «مَن تشبّه بقومٍ فهو منهم»[1] "جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرلے، وہ انہی میں سے ہے!"۔

ثانیاً: ان غلامانِ خاص کے ساتھ، ایک سلک (لڑی، ہار) میں منسلک ہونا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ ان کا رب عزّوجلّ فرماتا ہے: «هُم القومُ لا يشقَى بهم جليسُهم!»[2] "کچھ لوگ وہ ہیں، کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا!"۔

ثالثاً: محبوبانِ خدا رحمت کی علامت ہیں، وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کر لیتے ہیں، اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ امامِ یکتا سیّدی ابو الحسن نور الملّۃ والدّین علی "بہجۃ الاَسرار شریف" میں فرماتے ہیں کہ "حضور پُرنور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی، کہ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو، اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو، نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو، کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: "مَن انتمى إليَّ وتسمَّى لي، قبلَه اللهُ تعالى وتاب عليه، وإن كان على سبيلِ مكروهٍ، وهو من جملة أصحابي، وأنّ ربّي ﷻ وعدَني أن يُدخلَ أصحابي، وأهلَ مذهبِي، وكلَّ محبٍّ لي الجنّةَ!""[3].

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ر: ٤٠٣١، صـ٥٦٩.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الذكر ...إلخ، باب فضل مجالس الذكر، ر: ٦٨٣٩، صـ١١٧٠، ١١٧١.

(٣) "بهجة الأسرار" فضل أصحابه وبُشراهم، صـ١٠٠.

"جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے، اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے، اللہ تعالی اسے قبول فرمالے گا، اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو، تو اسے توبہ کی توفیق عطا کرے گا، اور وہ میرے مریدوں کے زُمرے میں ہے، اور بے شک میرے رب عزّوجلّ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، کہ میرے مریدوں، ہم مذہبوں، اور میرے ہر چاہنے والے کو، جنّت میں داخل فرمائے گا!"۔

بیعت دُوم ۲: بیعتِ ارادت (بیعتِ اِیصال) کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہوکر، اپنے آپ کو شیخ مرشِد، ہادیٔ برحق، واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے، اسے مطلقًا اپنا حاکم ومالک ومتصرّف جانے، اس کے چلانے پر راہِ سُلوک چلے، کوئی قدم بے اِس کی مرضِی کے نہ رکھے، اس کے لیے اس کے بعض اَحکام، یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام، اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں، انہیں اَفعالِ خضر علیہ الصلوۃ والسلام کے مثل سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے، غرض اس کے ہاتھ میں مُردہ بدستِ زندہ ہو کر رہے، یہ بیعتِ سالکین ہے[1]۔

مُراقبہ تصوّرِ شیخ

قال الشّاهْ وليُّ الله المحدِّث الدهلوي رحمه الله تعالى: "وإذا غاب الشّيخُ عنه، يخيّل صورتَه بينَ عينَيه بِوَصفِ المحبّةِ والتَعظيمِ، فتُفِيدُ صورتُه ما تُفِيدُ صُحبتُه"[2]. "جب مرشِد اس کے پاس نہ ہو، تو محبت وتعظیم کے ساتھ مرشِد کی صورت کو، اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان تصوّر کرتا رہے، تب مرشِد کی خیالی صورت اِسے وہ فائدہ دے گی، جو فائدہ مرشِد کی صحبت دیتی ہے"۔

---

(۱) "فتاوی افریقہ" ص ۱۲۳ تا ۱۲۶۔

(٢) "القول الجميل مع شفاء العليل" فصل ٦، صـ٩٦، ٩٧.

وقال أيضاً رحمه الله تعالى: "إن وَقَفتَ عن التَرقّي، فينبغِي أن تجعلَ صورةَ الشَّيخِ عَلى كتفك الأيمَن، وتعتبر من كتفك إلى قلبك أمراً ممتَدّاً، وتأتي بالشّيخ على ذلك الأمر الممتَدّ، وتجعله في قلبك؛ فإنّه يرجَى لك بذلك حصولُ الغَيبة والفَناء"[١].

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی مزید فرماتے ہیں کہ "اگر تم ترقی سے رُک گئے ہو، تو چاہیے کہ صورتِ شیخ کو اپنے داہنے شانے پر، اور شانے سے دل تک ایک امر کشیدہ فرض کر لو، اور اس پر صورتِ شیخ کو لا کر اپنے دل میں رکھو؛ کہ اس سے امید ہے، کہ تمھیں مقامِ غیب وفنا حاصل ہوجائے"۔

وقال أيضاً رحمه الله تعالى: "صحبتُنا متّصلَةٌ إلى رسولِ الله ﷺ، وإن لم يثبت تعيّن الآدَابِ ولا تلك الأشغال"[٢]. "ہماری صحبت تو رسول اللہ ﷺ تک متّصل ہے، اگرچہ خاص یہ آداب واَشغال ثابت نہ سہی!"۔

خلاصۂ کلام

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ مرید ہونے کا مقصد اپنے باطن کی اِصلاح، اَحکامِ شریعت کا پابند ہونا، اور اپنی دنیا وآخرت کو سنوارنا ہے۔ ہر انسان پر واجب ہے کہ اپنے باطن کی اصلاح کرے، اس کے لیے جہاں دیگر ذرائع ہیں، وہیں کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی ایک ذریعہ ہے۔ لہذا کسی سے بیعت ہو کر، یعنی کسی کی مریدی اختیار کر کے بھی اپنی اصلاح کی کوشش جائز ہے، اور کسی متبعِ سنّت پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی جائز ہے۔

ایک اِصلاحی پہلو

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے، کہ جاہل، بے عمل، بلکہ بدعمل پیروں کی اصلاح بھی ضروری ہے، جو اَحکامِ شریعت پر عمل کیے بغیر جنّت میں جانا چاہتے ہیں۔ ان کی جہالت میں سے ان کا یہ

---

(١) "الانتباه في سلاسل الأولياء الله" طريقة نقشبندية، صـ٤٦.

(٢) "القول الجميل مع شفاء العليل" فصل ١١، صـ٢١١، ملخصاً.

طرزِ عمل بھی ہے، کہ یہ لوگ خود کو شریعتِ مطہَّرہ کے اَحکام سے آزاد سمجھتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے بھی اَحکامِ شریعت کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ جبکہ بعض جاہلوں نے محض دنیا کمانے کے لیے پیری مریدی کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔

لہذا ہم سب کی یہ ذمّہ داری ہے، کہ ہم خود بھی ایسے جاہل اور بدعمل پیروں کی صحبت سے بچیں، اور اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی ان کے شَر وفساد سے بچائیں!۔

فائدہ: پیری مریدی اور بیعت وخلافت کے اَحکام سے متعلق مزید تفصیل کے لیے، حضرت شیخ اکبر محی الدّین ابن عربی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "شرائط المرشد والمريد"[۱]، امام سُیوطی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "إتحاف الفرقة برفو الخرقة"[۲]، اور امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی تالیفات: (۳) "نقاء السُّلافة في البيعة والخلافة"[۳] (۴) اور "الياقوتة الواسطة في قلب عقد الرّابطة"[۴] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعہ مسلم کتابوی، لاہور۔

(۲) مطبوعة من دار الفكر، بيروت.

(۳) "فتاوی رضویہ" ۱۷/۱۰۹تا۱۲۸، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) ایضاً، ۱۷/۱۶۷تا۱۹۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳۷) عرسِ بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم

(برسی یا سالانہ فاتحہ)

عرس کے لُغوی معنیٰ: شادمانی اور خوشی کے ہیں، اسی لیے عربی زبان میں دلہن کو "عروس" اور دولہا کو "عریس" کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی تاریخِ وفات کو، عُرس اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ "ترمذی شریف" کی حدیث کے مطابق، جب نکیرَین (فرشتے) میّت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے، تو وہ میّت سے کہتے ہیں کہ «نَمْ كَنَوْمَةِ العَرُوسِ!» "دلہن کی طرح سو جاوٴ!"[1]۔

چونکہ اس دن نکیرَین (دونوں فرشتوں) نے انہیں "عروس" کہا، اس لیے وہ دن یومِ عُرس کہلایا، یا اس لیے کہ وہ دن قبر میں جمالِ مصطفی ﷺ دیکھنے کا دن ہے؛ کہ نکیرَین حضور اکرم ﷺ کا چہرۂ انور دکھاکر پوچھتے ہیں کہ "اِن کے بارے میں تُو کیا کہتا تھا؟" اور وہ تو ساری کائنات کے دولہا ہیں، تمام عالَم انہی کے دم قدم کی بہار ہے، لہٰذا رسولِ کریم ﷺ سے ملاقات کا دن، یومِ عُرس قرار پایا!۔

عرس کی حقیقت یہ ہے، کہ ہر سال تاریخِ وفات پر قبورِ اولیاء کی زیارت کرتے ہیں، اور قرآن خوانی وصدقہ وخیرات کا ثواب، صاحبِ مزار کو پہنچاتے ہیں، اس اصل عرس کا ثبوت حدیثِ پاک اور اقوالِ فقہاء میں موجود ہے۔

عرسِ بزرگانِ دین، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

امام عبد الرزّاق (استاذ الاستاذ امام بخاری) علیہ الرحمۃ نے، "مصنَّف" میں محمد بن ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی: "كان النبيُّ ﷺ يأتي قبورَ الشّهداء عندَ رأسِ الحولِ، فيقول: «السَّلَامُ عليكم بِمَا صَبَرْتُم! فَنِعمَ عُقبى الدَّار!» قال: وكان أبو بكرٍ وعمرُ وعثمانُ يفعلون

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر، ر: ۱۰۷۱، صـ۲۵۸.

ذلك"(۱). نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے: "تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے بدلے! کہ آخرت کا گھر کیا ہی عمدہ گھر ہے!"۔ نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد حضرت سیّدنا صدیق اکبر، حضرت سیّدنا فاروقِ اعظم اور سیّدنا عثمانِ غنی ذی النورَین رضی اللہ تعالی عنہم بھی ایسا ہی کرتے رہے"۔

عرسِ بزرگانِ دین، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "مشایخِ کرام کے عرس کا اہتمام کرنا، ان کی قبور کی زیارت پر ہمیشگی اختیار کرنا، فاتحہ خوانی کا اِلتزام کرنا، ان کے واسطے صدقہ دینا، اور ان اولیائے کرام کے آثار، اولاد اور متعلقین کی تعظیم کرنا، بہت اچھا عمل ہے"(۲)۔

عرس بزرگان دین کی متعدّد صورتیں

حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "سال میں کسی معیّن دن قبور پر جانے کی تین ۳ صورتیں ہیں: (۱) کسی معیّن و مخصوص دن، ایک یا دو ۲ شخص بغیر کثیر لوگوں کے زیارت واستغفار کی غرض سے قبر پر جائیں، تو یہ احادیث سے ثابت ہے۔ تفسیر "در منثور" میں منقول ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر سال قبروں پر تشریف لے جاتے، اور اہلِ قبور کے لیے دعا واستغفار فرماتے، یہ طریقہ ثابت و مستحب ہے۔

(۲) اجتماعی طور پر کثیر لوگ قبورِ مسلمین پر جمع ہوں، قرآن کریم کا ختم کریں اور شیرینی یا کھانے پر فاتحہ دے کر، حاضرین میں تقسیم کریں، تو اگرچہ یہ طریقہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانۂ مبارکہ میں نہیں تھا، اگر کوئی ایسا کرتا ہے، تو اس میں (از رُوئے شریعت) کوئی قباحت بھی نہیں؛ کیونکہ اس میں کوئی بُرائی نہیں، بلکہ زندہ اور مُردہ دونوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

---

(۱) "المصنَّف" كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، ر: ٦٧١٦، ٣/ ٥٧٣، ٥٧٤.

(۲) "ہمعات" ہمعہ ۱۱، ص:۵۸۔

(۳) کسی مخصوص دن لوگ روزِ عید کی طرح مسرور وشادماں، بہترین لباس زیبِ تن کر کے جمع ہوں، اور مزامیر کے ساتھ رقص کریں، اور دیگر ممنوع بدعتوں کا ارتکاب کریں، جیسے قبروں پر سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا، تو یہ طریقہ حرام وممنوع ہے"[1]۔

ہر طرح کے عمل صالح کا ثواب ایصال کرنا جائز ہے

علّامہ علاء الدّین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ "در مختار") فرماتے ہیں: "الأصلُ أنّ كلَّ مَن أتى بعبادةٍ مّا، له جعلُ ثوابِها لغيره، وإن نواها عندَ الفعل لنفسِه لظاهرِ الأدلّة"[2]. "اصل یہ ہے کہ جو کوئی عبادت کرے، اُسے اختیار ہے کہ اس کا ثواب دوسرے کو دے دے، اگرچہ ادائے عبادت کے وقت وہ عمل خود اپنے لیے کیا ہو، دلائل سے یہی ظاہر ہے"۔

قال العلّامةُ ابن عابدين الشّامي رحمه الله: "أي: سواءٌ كانت صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءةً أو ذِكراً أو طوافاً أو حجّاً أو عمرةً، أو غيرَ ذلك من زيارةِ قبور الأنبياء عليهم الصلاة والسلام والشّهداءِ والأولياءِ والصّالحينَ، وتكفين الموتَى، وجميعِ أنواع البرِّ"[3].

"چاہے نماز ہو، یا روزہ، یا صدقہ، یا قراءت، یا ذکر واَذکار، یا طواف، یا حج، یا عمرہ، یا اس کے علاوہ زیارتِ قبورِ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وشہداء واولیاء وصالحین، یا میّت کی تکفین ہو، نیز تمام اچھے کاموں میں یہی قاعدہ ہے، یعنی اس کا ثواب آگے کسی کو ایصال کرنا (پہنچانا) جائز ہے۔

ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی میں اہلِ سنّت کا مذہب

"رد المحتار" میں "تاتارخانیہ" سے، اور اُس میں "محیط" سے منقول ہے: "الأفضلُ لمن يتصدّق نفلاً، أن ينويَ لجميعِ المؤمنين والمؤمنات؛ لأنّها تصلُ إليهم، ولا ينقص من

---

(۱) "فتاوی عزیزیہ" حصہ اوّل، ص:۳۸۔

(۲) "الدر المختار" كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ۷/ ۳۷۹-۳۸۳.

(۳) "رد المحتار" كتاب الحجّ، باب الحجّ عن الغير، مطلب في إهداء ...إلخ، ۷/ ۳۸۰، ۳۸۱.

أجرِه شيءٌ اهـ. هو مذهبُ أهلِ السنّة والجماعةِ"[1]. "جو کوئی نفلی صدقہ وخیرات کرے، تو بہتر یہ ہے کہ تمام مؤمنین ومؤمنات کی نیّت کرلے؛ اس لیے کہ وہ ثواب سب کو پہنچے گا، اور خود اس کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی، یہی مذہب اہلِ سنّت وجماعت ہے"۔

ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی کا ایک طریقہ

قال الملّا علي القاري في "المسلك المتقسط": "ويقرأ من القرآنِ ما تيسَّر له مِنَ الفاتحةِ، وأوّلِ البقرةِ إلَى المفلحون، وآيةِ الكرسيّ، وآمَنَ الرّسولُ، وسورةِ يس، وتبارك الملك، وسورةِ التكاثُر، والإِخلاَصِ اِثنتَي عشرةَ مرّةً، أو إحدَى عشرةً، أو سبعاً، أو ثلاثاً، ثمّ يقول: اللّهُمّ! أَوصِلِ ثوابَ ما قرأنا إلَى فُلانٍ، أو إليهم"[2].

"قرآن پاک میں سے جتنا آسانی سے پڑھ سکے پڑھے، سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے شروع سے **مُفلِحُون** تک، آیۃ الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخری رکوع، سورۂ یس، سورۂ ملک، سورۂ تکاثر، سورۂ اخلاص بارہ ۱۲ بار، یا گیارہ ۱۱ بار، یا سات ۷ بار، یا تین ۳ بار، پھر کہے: اے اللہ! ہم نے جو کچھ پڑھا، اس کا ثواب فُلاں کو یا ان سب کو پہنچا!"۔

نوٹ: نیز سینکڑوں علماء وفقہاء کے اقوال سے، اس عمل کی تحسین، خوبی اور جائز ہونا ثابت ہے، مزید تفصیل کے لیے "ہدایہ"، "فتح القدیر"، "فتاوی عالمگیریہ"، "البحر الرائق" اور دیگر کتب کا مطالعہ کیجیے!۔

خلاصۂ کلام

عرس کی حقیقت یہ ہے، کہ ہر سال تاریخِ وفات پر قبورِ صالحین کی زیارت کرتے ہیں، اور قرآن خوانی وصدقہ وخیرات کا ثواب، صاحبِ مزار کو پہنچاتے ہیں، اس کا ثبوت حدیثِ پاک اور اقوالِ فقہاء میں موجود ہے۔

---

(۱) المرجع نفسه، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميّت ...إلخ، ٥/ ٣٦٩، ٣٧٠.

(۲) "المسلك المتقسط" باب المتفرقات، فصل يستحب زيارة أهل المعلى، صـ٥٠٢.

ایک اِصلاحی پہلو

بعض مزارات کا ماحول، بدعات، خرافات، منکَرات، نشہ فروشوں، اور نشہ کے عادی افراد کا اڈا بن چکا ہے، بزگانِ دین کے مزارات کو اِن بدعات، خرافات اور گندگیوں سے پاک رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اسی طرح ناچ گانا، ہُلڑ بازی، ڈھول تماشے، مروّجہ دھمال، مرد وزَن کا مخلوط رقص واجتماع، اور سجدہ ریزی سے بچنا بھی لازم وضروری فرض ہے۔ جب مزارات پر حاضری دیں، تو اس بات کا خاص خیال رکھیں، کہ خُرافات وغیر شرعی کاموں سے مکمل اجتناب کریں، اور باادب طریقہ پر حاضری دیں، خصوصاً غیر اللہ کو صرف تعظیم کی نیّت سے بھی سجدہ کرنا حرام ہے۔ اور مزار پر ایک چادر اظہارِ عظمت کے لیے کافی ہے، زیادہ چادریں چڑھانا ممنوع ہے، لہٰذا اس سے بھی اجتناب لازم وضروری ہے۔

اس بیہودہ کلچر کا، تصوّف، روحانیت، تزکیۂ نفس، تربیت، عرفان اور احسان سے کوئی تعلق نہیں، صوفیۂ کرام کے وجد وتواجُد کا مروّجہ دھمال سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ آج کل میڈیا پر گانے بجانے والے مراثیوں کو، بعض صوفیانہ کلام پڑھتے دیکھا جاتا ہے، اور سونے پر سہاگہ یہ، کہ رقص وسُرود کے فحش وعُریاں ماحول میں، ناجائز موسیقی کے ساتھ، صوفیانہ کلام پڑھنے والے یہ مراثی گویّے لوگ، بڑے فخر سے تصوّف کی باریکیوں پر، اس انداز سے گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں، جیسے کوئی ماہرِ فنِ تصوّف وروحانیت ہوں، حالانکہ اگر ان نام نہاد ماہرینِ فن حضرات کو کھنگالا جائے تو پتا چلے، کہ یہ حضراتِ محترم طہارت وپاکی حاصل کرنے کے طریقے سے بھی پوری طرح واقف نہیں، موصوف کو نماز روزہ اور دیگر ضروریات کی تو خبر ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی خاص فکر وہدف کے تحت، مُعاشرے میں لادینیت سے بھرپور، ایک خاص نَوعیت کا دھمالی تصوّف متعارف کرایا جارہا ہے، جس کا کم از کم دینِ اسلام، اور اس کی تعلیمات سے تو ہرگز کوئی تعلق نہیں۔

حالانکہ سچا تصوّف تو یہ ہے، کہ تمام ظاہری وباطنی گناہوں برائیوں سے بچنے، اور تمام تر فرائض وواجبات پر عمل کی بھرپور عملی کوشش کی جائے۔ لہٰذا تصوّف کے نام پر پیدا شدہ، ان تمام خرابیوں سے بچنا، اور اپنے اپنے ماحول کو بچانا انتہائی ضروری ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا رسالہ (۱) "الحجّة الفائحة لطيب التعيين والفاتحة"[۱]، ملک العلماء حضرت علّامہ ظفر الدّین بہاری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "مَواهب أرواح القُدس لكشف حكم العُرس"[۲]، اور حضرت علّامہ محمد عبد الماجد بدایونی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "عرس کی شرعی حیثیت"[۳] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۷/۳۶۵تا۴۲۳، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) "فتاوی ملک العلماء" ص۴۲۱تا۴۵۴، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

(۳) مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔

(۳۸) اِیصالِ ثواب /فاتحہ خوانی

اِیصالِ ثواب کا مفہوم یہ ہے، کہ کوئی مسلمان اپنے کسی عملِ صالح کا ثواب، کسی دوسرے مسلمان زندہ یا مردہ کو دے دے۔ جُمہور علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے، کہ زندوں کے نیک اعمال کا اجر وثواب، اُن کے مرحومین کو بھی ملتا ہے؛ کیونکہ نیکی ایک ایسا عمل ہے جو ضائع نہیں ہوتا۔ اسلام کے ابتدائی دَور سے لے کر آج تک، مسلمانوں کے ہاں میّت کے ایصالِ ثواب کے لیے جو خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے، کبھی تلاوت وذکر کی محفل کی صورت میں، اور کبھی مالی صدَقات وخیرات کی صورت میں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر میّت خود نیک وصالح ہے، تو اس اہتمام سے اسے درَجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے، اور اگر گنہگار ہے تو ایصالِ ثواب کی برکت سے، اللہ تعالی اس کی بخشش ومغفرت فرماتا ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے قرآنِ مجید، یا درود وسلام، یا کلمہ طیّبہ، یا کسی بھی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے، عباداتِ مالیہ یا بدَنیہ، فرض ونفل سب کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ ایصالِ ثواب سے زندوں اور مُردوں سب کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح تیجہ، دسواں، چہلم، گیارہویں، اور اولیائے کرام کے لیے نیاز یا اَعراس سے بھی مقصود، انہیں ثواب پہنچانا ہے۔

ایصالِ ثواب، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾[۱] "اے ہمارے رب! مجھے، میرے ماں باپ کو، اور سب مسلمانوں کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہوگا!"۔

(۲) پھر فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾[۲] "جو لوگ ان کے بعد آئے

---

(۱) پ۱۳، إبراهيم: ٤١.

(۲) پ۲۸، الحشر: ١٠.

وہ کہتے ہیں، کہ اے ہمارے رب! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اے ہمارے رب! یقیناً تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے"۔

(۳) حضرت سیّدنا نُوح علیہ الصلاۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں جو دعا کی، اللہ تعالی نے اسے یوں بیان فرمایا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾[1] "اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو، اور اُسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے، اور سب مسلمان مَردوں اور سب مسلمان عورتوں کو بخش دے"۔

ان آیاتِ طیّبہ میں بالعموم تمام مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت ہے، اور یہ بھی ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح بات دیگر آیاتِ مبارکہ میں بھی واضح دلیل کے طور پر موجود ہیں۔

ایصالِ ثواب، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالی علیہ سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ "کسی نے نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کی: یا رسولَ اللہ! میری والدہ اچانک فَوت ہوگئی ہیں، اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ اس وقت بات کرتیں، تو صدقہ کرنے کو کہتیں، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «نعم» "ہاں پہنچے گا"[2]۔

(۲) امام مسلم رحمہ اللہ تعالی علیہ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إذا مات الإنسَانُ انقطعَ عنه عملُه إلَّا مِن ثلاثةٍ: (۱) إلَّا مِن صدقةٍ جاريةٍ، (۲) أو عِلمٍ يُنتفَعُ به، (۳) أو ولدٍ صالحٍ يَدعُو له»[3] "انسان جب فَوت ہوتا ہے تو اس کا عمل

---

(۱) پ۲۹، نوح: ۲۸.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب موت الفجأة البغتة، ر: ۱۳۸۸، صـ۲۲۳.

(۳) "صحيح مسلم" كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ر: ۴۲۲۳، صـ۷۱۶.

منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین ۳طرح کے اعمال پھر بھی جاری رہتے ہیں: (۱) صدقۂ جاریہ، (۲) وہ علم جس سے نفع اٹھایا جارہا ہو، (۳) وہ نیک اولاد جو والدین کے بعد ان کے لیے دعا کرتی رہے"۔

(۳) امام ابو داود علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا سعد بن عُبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا، توانہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: "یارسولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے، تو کونسا صدقہ افضل ہے جو اُن کے لیے کروں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «المَاء» "پانی کا صدقہ افضل ہے"، حضرت سیّدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنواں کُھدوایا اور کہا، کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کے لیے ہے!"[1]۔

ایصالِ ثواب، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام عمر النّسَفي رحمہ اللہ تعالیٰ: "(وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم) أي: صدقة الأحياء (عنهم) أي: عن الأموات (نفعٌ لهم) أي: للأموات"[2]. "زندوں کا مُردوں کے لیے دعا اور خیرات کرنا، مُردوں کے لیے نفع بخش ہے"۔

قال الإمام برهان الدّين المَرغيناني رحمہ اللہ تعالیٰ: "الأَصلُ في هذا البابِ: أنّ الإنسانَ له أن يجعلَ ثوابَ عملِه لغَيرِه، صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرَها، عندَ أهلِ السنّة والجماعة"[3]. صاحبِ "ہدایہ" فرماتے ہیں کہ "قاعدہ کلیہ ہے کہ "انسان کے لیے جائز ہے، کہ اپنے عمل کا ثواب کسی بھی مسلمان کو ہدیہ کر دے، خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا ان کے علاوہ کوئی بھی نیک عمل ہو، یہی اہلِ سنّت وجماعت کا مذہب ہے"۔

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الزكاة، باب في فضل سقي الماء، ر: ١٦٨١، صـ٢٤٩.

(۲) "العقائد النَّسَفية" صـ٢٦٣.

(۳) "الهداية" كتاب الحج، باب الحج عن الغير، الجزء ١، صـ٢١٦.

قال الإمام بدر الدّين العيني ﷫: "أنّ المسلمين يجتمعون في كلّ عصر وزمان، ويقرؤون القرآنَ ويُهدون ثوابَه لموتاهم. وعلى هذا أهلُ الصّلاح والدِّيانة من كلّ مذهبٍ، من المالكيّة والشّافعية وغيرهم، ولا ينكر ذلك منكرٌ، فكان إجماعاً"[۱].

"ہر زمانہ میں مسلمان جمع ہوکر قرآنِ کریم پڑھتے ہیں، اور اس کا ثواب مُردوں کو بھیجتے ہیں، اس پر مذہبِ مالکی وشافعی وغیرہ کا بھی اتفاق ہے، کوئی اس کا انکاری نہیں، لہذا اس پر اِجماع ہو چکا"۔

وقال أيضاً ﷫: "فَذهب أبو حنيفةَ وَأحمدُ ﷺ إِلَى وُصُول ثَوَابِ قراءةِ القُرآن إلى الميِّت"[۲]. نیز فرماتے ہیں: "امام ابو حنیفہ وامام احمد ﷺ کا مذہب بھی یہی ہے، کہ میّت کو تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچتا ہے"۔

قال العلّامةُ علاءُ الدّين الكاساني ﷫: "فإنّ مَن صامَ أو صلَّى أو تصدّقَ، وجعلَ ثوابَه لغيرِه مِن الأمواتِ أو الأَحياءِ جاز، ويصلُ ثوابُها إليهم، عندَ أهلِ السنّة والجماعة"[۳]. "یقیناً کسی نے روزہ رکھا، یا نماز پڑھی، یا صدقہ دیا، اور اس کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو بھیجا، تو یہ عمل جائز ہے، اور اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک یہ ثواب ان سب کو پہنچتا ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ علماء سے ثابت ہوا، کہ مسلمانوں (زندہ یا مردہ) کو ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے، اور جن کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے وہ انہیں پہنچتا بھی ہے۔ لہذا فاتحہ خوانی، قرآن خوانی، اسی طرح دسواں، چہلم، برسی، گیارہویں شریف، چھٹی شریف کی نیاز وغیرہ، یہ تمام اُمور ایصال ثواب کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور کوئی لازم وضروری نہیں کہ ایصالِ ثواب صرف مخصوص ایّام ہی میں ہو، بلکہ

(١) "البناية في شرح الهداية" كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ٤/ ٤٢٣.

(٢) "عمدة القاري" كتاب الوضوء، باب [من الكبائر أن لا يستترَ من بَوله] تحت ر: ٢١٦، ٢/ ٥٩٨.

(٣) "بدائع الصنائع" كتاب الحج، فصل، ٢/ ٤٥٤.

پورے سال کے کسی بھی دن ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بات بظاہر ایک کم علم مسلمان بھی بہت اچھی طرح جانتا ہے، کہ یہ کام کوئی فرض وواجب نہیں، بلکہ یہ ایک مستحب عمل ہے۔ لہذا اس سے روکنا، یا اسے ناجائز وبدعت کہنا، ظلم، زیادتی اور حرام ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "كشف الحجاب عن مسائلِ إيصال الثواب"[۱]، ملک العلماء حضرت علّامہ ظفر الدّین بہاری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "نصرة الأصحاب بأقسام إيصالِ الثواب"[۲]، حضرت علّامہ عبد الرزّاق بُھترالوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "ایصالِ ثواب مستحب امر ہے"[۳]، اور حضرت مولانا قاری ارشد مسعود صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ (۴) "القول الصّواب في مسألة إيصالِ ثواب"[٤] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی صدر الاَفاضل" ص۲۱۱ تا۲۹۲، مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ، کراچی۔

(۲) "فتاوی ملک العلماء" ص۳۲۰ تا۴۲۱، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

(۳) مطبوعہ جامعہ جماعتیہ مہر العلوم، اسلام آباد۔

(٤) مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

(۳۹) مزاراتِ اولیاء پر گنبد

مسلمان دو ۲ طرح کے ہیں: (۱) ایک تو عام مؤمنین ہیں، (۲) دوسرے علماء، مشائخ، صالحین اور اولیاء اللہ ہیں، جن کی تعظیم وتوقیر در حقیقت دینِ اسلام کی تعظیم وتوقیر ہے۔

عامّۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا[1]، یا ان پر قُبہ (گنبد) وغیرہ تعمیر کرنا، چونکہ بے فائدہ ہے، اس لیے ممنوع ہے، ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا چاہیے؛ تاکہ اس کا نشان باقی رہے۔ جبکہ علمائے کرام، مشائخِ عظام اور اولیاء اللہ کے مزارات پر، چونکہ خلقِ خدا کا ہجوم رہتا ہے، لوگ عام طَور پر وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی وفاتحہ خوانی وغیرہ کرتے ہیں، لہٰذا ان کی سہولت وآسانی کے لیے، نیز صاحبِ قبر کی تعظیم کی خاطر بھی، ان قبروں کے آس پاس سایہ کے لیے قُبہ (گنبد) وغیرہ تعمیر کرنا شرعًا جائز ہے۔ اور جن عوام مؤمنین کی قبریں پختہ بنانا، یا ان پر قُبہ (گنبد) بنانا منع ہے، اگر ان کی قبریں پختہ بن چکی ہوں، تو انہیں بھی گرانا منع ہے[2]۔

اب ہم پہلے مزاراتِ اولیاء کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے ہیں:

---

(۱) اس جگہ تین ۳ اُمور ہیں: (۱) ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا، (۲) دوسرے قبرِ ولی کو قدرِ سنّت، یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا، (۳) تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا۔

پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو ۲ صورتیں ہیں: (۱) ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میّت سے ملا ہوا ہے، اسے پختہ بنانا، (۲) دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو اوپر نظر آتا ہے، اسے پختہ کرنا۔ قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا، وہاں لکڑی لگانا منع ہے، ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جائے تو جائز ہے؛ کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامّۃ المسلمین کے لیے منع ہے، اور خاص علماء ومشائخ کے لیے جائز ہے۔

["جاء الحق" مزاراتِ اولیاء پر گنبد بنانا، حصہ اوّل، ص۲۸۲]

(۲) "شرح الصدور" الباب ٤٨ باب تأذيه بسائر وجوه الأذى، صـ٢٨٦. و"مرقاة المفاتيح" كتاب الجنائز، باب دفن الميّت، الفصل ١، تحت ر: ١٦٩٧، ٤/ ١٨٧. "جاء الحق" مزاراتِ اولیاء پر گنبد بنانا، حصہ اوّل، ص۲۸۲۔

مزاراتِ اولیاء کے گنبد، قرآنِ کریم کی روشنی میں

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾[1] "بولے کہ ان (اصحابِ کہف) کے غار پر کوئی عمارت بناؤ! ان کا رب تعالی انہیں خُوب جانتا ہے، وہ بولے جواس کام میں غالب رہے تھے، قسم ہے کہ ہم تواِن پر مسجد بنائیں گے!"۔

امام حافظ الدین نَسَفی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي: على باب كهفِهم؛ لئلا يتطرّقَ إليهم النّاسُ ضناً بتربتهم، ومحافظةً عليها، كما حفظت تربة رسول الله ﷺ بالحظيرة"[2]. "یعنی اصحابِ کہف کے غار کے دروازے پر عمارت بنا دو؛ تاکہ لوگ غار کے اندر نہ داخل ہوسکیں، اور ان کی قبروں کو ہٹانہ سکیں، اور ان کی حفاظت ہو سکے، جیسے رسول اللہ ﷺ کی قبرِ انور کی حفاظت چار دیواری کے ذریعے کی گئی"۔

امام ابن جریر علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "قال المسلمون: بَل نحن أَحَقُّ بِهِم، هُم منّا، نَبني عليهم مسجداً نصلّي فيه، ونعبد اللهَ فيه"[3]. "اس پر امّتِ مسلمہ نے کہا کہ ہم اصحابِ کہف کے زیادہ قریب ہیں، وہ ہمارے اپنے ہیں، لہذا ہم ان کی قبروں پر ایک مسجد بنائیں گے؛ تاکہ ہم اس میں نماز ادا کریں، اور اللہ تعالی کی عبادت کریں!"۔

---

(۱) پ۱۵، الكهف: ۲۱.

(۲) "المدارك" الكهف، تحت الآية: ۲۱، ۲/ ۹.

(۳) "جامع البيان" الكهف، تحت الآية: ۲۱، الجزء ۱۵، ص۲۸۱.

مزاراتِ اولیاء کے گنبد، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

امام بخاری علیہ الرحمۃ تعلیقًا روایت کرتے ہیں کہ "ولمّا مات الحسنُ بن الحسنِ بنِ عليّ رضي الله تعالى عنهم، ضربتِ امرأتُه القبّةَ علَى قَبره سنةً"[1]. "جب حسن بن حسن بن علی فَوت ہوئے، تواُن کی اہلیہ محترمہ نے ایک سال تک، اُن کی قبر پر خیمہ لگائے رکھا"۔

مزاراتِ اولیاء کے گنبد، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامةُ علي القاري رحمه الله تعالى: "وقَد أباحَ السَّلَفُ البِناءَ علَى قبرِ المَشَايخِ والعلماءِ والمشهُورِين؛ ليزورَهم النّاسُ، ويستريحوا بالجلوسِ فيه"[2]. حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "اَسلافِ امّت نے معروف ومشہور مشایخ عظام، اور علمائے کرام کی قبروں پر عمارت (گنبد) بنانا جائز فرمایا ہے؛ تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں، اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں"۔

قال الإمام ابن عابدين الشّامي رحمه الله تعالى: "وقِيل: لا يكره البنَاءُ إذا كانَ الميّتُ مِنَ المشايخِ والعُلماءِ والسّاداتِ"[3]. "اگر میّت مشایخ اور علمائے کرام اور سادات میں سے ہو، توان کی قبر پر عمارت (گنبد) بنانا مکروہ نہیں ہے"۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ عام مسلمان کی قبر کو نہ پختہ کیا جائے، نہ اس پر عمارت بنائی جائے، ہاں انبیائے کرام، اولیاء اللہ، صالحین، علمائے ذی وقار اور مشایخ عظام کی قبروں پر گنبد تعمیر کرنا جائز ہے، اور اس سے مقصود یہی ہے، کہ زائرین کوان کے مقام ومرتبہ، رُتبہ وعظمت سے آگاہی حاصل ہو؛ تاکہ ان کے رُوحانی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوں، اور وہاں بیٹھ کر فاتحہ خوانی، تلاوتِ قرآن، اور ذکر ودعا وغیرہ

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور، صـ٢١٢.

(٢) "المرقاة" كتاب الجنائز، باب دفن الميّت، الفصل ١، تحت ر: ١٦٩٧، ٤/ ١٧٨.

(٣) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت، ٥/ ٣٥٠.

کر سکیں۔ البتہ اس جائز کام کو حرام کہنا، یا اس سے روکنا، ضرور ناجائز و گناہ ہے، نیز اس اعتقاد و نظریہ کو بدعت و باطل سمجھنا بھی، سراسر ظلم و زیادتی ہے۔

ایک اِصلاحی پہلو

بعض مزارات کا ماحول، بدعات، خرافات، منکَرات، نشہ فروشوں، اور نشہ کے عادی افراد کا اڈا بن چکا ہے، بزگانِ دین کے مزارات کو اِن بدعات، خرافات اور گندگیوں سے پاک رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ اسی طرح ناچ گانا، ہُلڑبازی، ڈھول تماشے، مروّجہ دھمال، مرد و زَن کا مخلوط رقص و اجتماع، اور سجدہ ریزی سے بچنا بھی لازم و ضروری فرض ہے۔ جب مزارات پر حاضری دیں، تو اس بات کا خاص خیال رکھیں، کہ خُرافات و غیر شرعی کاموں سے مکمل اجتناب کریں، اور باادب طریقہ پر حاضری دیں، خصوصًا غیر اللہ کو صرف تعظیم کی نیّت سے بھی سجدہ کرنا حرام ہے۔ اور مزار پر ایک چادر اظہارِ عظمت کے لیے کافی ہے، زیادہ چادریں چڑھانا ممنوع ہے، لہذا اس سے بھی اجتناب لازم و ضروری ہے۔

اس بیہودہ کلچر کا، تصوّف، روحانیت، تزکیۂ نفس، تربیت، عرفان اور احسان سے کوئی تعلق نہیں، صوفیۂ کرام کے وجد و تواجُد کا مروّجہ دھمال سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ آج کل میڈیا پر گانے بجانے والے مراثیوں کو، بعض صوفیانہ کلام پڑھتے دیکھا جاتا ہے، اور سونے پر سہاگہ یہ، کہ رقص و سُرود کے فحش و عُریاں ماحول میں، ناجائز موسیقی کے ساتھ، صوفیانہ کلام پڑھنے والے یہ مراثی گویّے لوگ، بڑے فخر سے تصوّف کی باریکیوں پر، اس انداز سے گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں، جیسے کوئی ماہرِ فنِ تصوّف و روحانیت ہوں، حالانکہ اگر ان نام نہاد ماہرینِ فن حضرات کو کھنگالا جائے تو پتا چلے، کہ یہ حضراتِ محترم طہارت و پاکی حاصل کرنے کے طریقے سے بھی پوری طرح واقف نہیں، موصوف کو نماز روزہ اور دیگر ضروریات کی تو خبر ہی نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی خاص فکر و ہدف کے تحت، مُعاشرے میں لادینیت سے بھرپور، ایک خاص نَوعیت کا دھمالی تصوّف متعارف کرایا جا رہا ہے، جس کا کم از کم دینِ اسلام، اور اس کی تعلیمات سے تو ہرگز کوئی تعلق نہیں۔

حالانکہ سچا تصوّف تو یہ ہے، کہ تمام ظاہری وباطنی گناہوں برائیوں سے بچنے، اور تمام تر فرائض وواجبات پر عمل کی بھرپور عملی کوشش کی جائے۔ لہٰذا تصوّف کے نام پر پیدا شدہ، ان تمام خرابیوں سے بچنا، اور اپنے اپنے ماحول کو بچانا انتہائی ضروری ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، علّامہ عبد الغنی نابلُسی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "كشف النور عن أصحاب القبور"[1]، امام اہل سنّت امام احمد رضا کا رسالہ (۲) "إهلاك الوهابيين على توهين قبور المسلمين"[2]، حضرت علّامہ سیّد دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "القبّة الصغرى للمستفيضين عن الأولياء"[3] اور حضرت علّامہ صدر الاَفاضل سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "أسواط العذاب على قوامع القباب"[4] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ دار الآثار الاسلامیہ، سری لنکا۔ اردو ترجمہ علّامہ عبد الحکیم شرف قادری، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور۔

(۲) "فتاوی رضویہ" ۷/۲۵۹تا۲۹۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ مسلم کتابوی، لاہور۔

(۴) "فتاوی صدر الاَفاضل" ص۱۸۵تا۲۹۲، مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ، کراچی۔

(۴۰) زیارتِ قبور ومزارات

آخرت کی یاد سے دنیوی زندگی کی بے ثباتی وناپائیداری کا احساس بخوبی ہوتا ہے، نیز آخرت کی حقیقی زندگی کے لیے حسنِ عمل کا جذبہ ورغبت بھی پیدا ہوتے ہیں۔ یادِ آخرت کا ایک اہم ذریعہ زیارتِ قُبور بھی ہے، زُہد وتقویٰ اور یادِ آخرت کے لیے، زیارتِ قُبور ایک بہترین عمل ہے، جیسا کہ صحیح احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ "حضور نبئ کریم ﷺ خود قبورِ شہداء پر تشریف لے جایا کرتے تھے"۔ حضور اقدس ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی معمول رہا۔ لہٰذا یہ عمل نہ شرک ہے نہ مُنافئ توحید۔ ان شاء اللہ تعالی عنقریب زیارتِ قبور کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر بحث کی جائے گی:

زیارتِ قُبور ومزارات، حدیثِ نَبَوی کی رَوشنی میں

ابتدائے اسلام میں جب لوگ کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر، اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے، تو بُت پرستی اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا زمانہ، ابھی تازہ تازہ گزرا تھا، لہذا حضور نبئ کریم ﷺ نے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ کے لیے، مسلمانوں کو قبروں پر جانے سے منع فرمایا، لیکن جب اسلام مستحکم اور مسلمانوں کے دلوں میں خوب راسخ وپختہ ہو گیا، تب حضور اقدس ﷺ نے حکمِ ممانعت منسوخ کرکے زیارتِ قبور کا حکم دیا، اور مختلف پہلوؤں سے اس کی ترغیب بھی دلائی، چنانچہ اس طرح مزاراتِ اولیاء وعامّۃ المسلمین کی قُبور پر زیارت وفاتحہ کی غرض سے جانا ایک مستحب عمل ٹھہرا۔ ذَیل میں اسی حوالے سے چند احادیثِ مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت سیّدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «كُنتُ نَهيتُكم عَن زيارةِ القبورِ، فزُوْرُوْها!»[۱] "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کر رکھا تھا، اب کہتا ہوں کہ زیارتِ قبور کیا کرو!"۔

---

(۱) "صحیح مسلم" کتاب الجنائز، باب استئذان النّبي ﷺ ربّه ﷻ في زيارة قبر أمّه، ر: ۲۲٦۰، صـ۳۹۳.

زیارتِ قُبور مَوت کی یاد دلاتی ہے

(۲) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور نبئ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «فزُورُوا القبورَ؛ فإنّها تُذَكِّرُ المَوتَ!»(۱) "تم قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کہ اس سے مَوت کی یاد آتی ہے!"۔

زیارتِ قبور آخرت کی یاد دلاتی ہے

(۳) حضرت سیّدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّي كنتُ نَهيتُكم عَن زيارةِ القبورِ، فمَن شاء أن يَزُورَ قبراً فَليَزُره؛ فإنّه يُرِقُّ القَلبَ، ويُدمِعُ العينَ، ويُذكِّرُ الآخِرةَ!»(۲) "یقیناً میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب جو بھی قبر کی زیارت کرنا چاہے اسے اجازت ہے؛ کیونکہ یہ زیارت دل کو نرم کرتی ہے، آنکھوں سے (خشیتِ الٰہی میں) آنسو بہاتی ہے، اور آخرت کی یاد دلاتی ہے"۔

(۴) حضرت سیّدنا بریدہ بن حُصَیب اَسلَمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «قد كنتُ نَهيتُكم عَن زيارَةِ القبورِ، فقد أُذِنَ لمحَمّدٍ في زيارَةِ قَبرِ أمّهِ فزُورُوها؛ فإنّها تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ!»(۳) "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب مجھے اپنی والدۂ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت مل گئی ہے، تو تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے!"۔

قال الإمام الترمذي: "حديثُ بريدةَ حديثٌ حسنٌ صحيحٌ، والعملُ علَى هذا عِندَ أهلِ العِلمِ، لَا يرونَ بِزيارةِ القبورِ بأساً، وهو قَولُ ابنِ المُباركِ، والشّافِعِي، وأحمدَ، وإسحاقَ"(٤). "حدیثِ بریدہ حسن صحیح ہے، علمائے کرام کا اس پر عمل ہے،

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الجنائز، باب استئذان النّبي صلى الله عليه وسلم ربَّه عز وجل في زيارة قبر أمّه، ر: ٢٢٥٩، صـ٣٩٢.

(٢) "مستدرَك الحاكم" كتاب الجنائز، ر: ١٣٩٤، ٢/ ٥٣٧.

(٣) "سنن الترمذي" أبواب الجنائز، باب ما جاء في الرخصة في زيارة القبور، ر: ١٠٥٤، صـ٢٥٤.

(٤) المرجع نفسه.

اور وہ زیارتِ قبور میں کچھ حرج نہیں سمجھتے، امام ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی بات کے قائل ہیں"۔

(۵) "سنن ابی داوٗد" میں حضرت سیّدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت، قدرے مختلف الفاظ سے مروی ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کا حکم فرمایا، ارشاد ہوتا ہے: «نَهيتُكم عَن ثلاث، وأنا آمرُكم بهنّ: (١) نَهيتُكم عَن زيارةِ القبور فزُوروها؛ فإنّ في زيارتها تذكرةً. (٢) ونَهيتُكم عن الأشربة أن تشربوا إلّا في ظروف الأدم، فاشربوا في كلِّ وعاءٍ، غير أن لا تشربوا مسكراً. (٣) ونَهيتُكم عن لُحوم الأضاحي أن تأكلوها بعد ثلاث، فكُلوا واستمتعوا بها في أسفاركم»[۱].

"میں نے تمہیں تین ۳ کاموں سے منع کیا تھا، اور اب ان کے کرنے کا حکم دیتا ہوں: (۱) میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب ان کی زیارت کیا کرو؛ کہ اس میں نصیحت ہے (یعنی آخرت کی یاد دلاتی ہے)، (۲) میں نے تمہیں چمڑے کے سوا دوسرے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا، اب ہر برتن میں پی لیا کرو، البتہ نشے والی چیز مت پینا! (۳) اور میں نے تمہیں قربانی کا گوشت تین ۳ دن کے بعد کھانے سے منع کیا تھا، اب کھالیا کرو اور اپنے سفر میں بھی اس سے فائدہ اٹھایا کرو!"۔

زیارتِ قُبور ایک نیک عمل ہے

جن جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زیارتِ قبور کی روایات بیان کی ہیں، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ زیارتِ قبور سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، اور جو عمل نیکیوں میں اضافے کا باعث ہو، وہ یقیناً عملِ صالح اور شرعاً مستحب و مستحسن ہے۔

(۶) حضرت سیّدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک اَور حدیث پاک مروی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّي كنتُ نَهيتُكم عَن ثلاثٍ: عَنْ زيارةِ القبورِ فزُوروها، ولتَزِدْكم زيارَتُها

(١) "سنن أبي داود" كتاب الأشربة، باب في الأوعية، ر: ٣٦٩٨، صـ٥٣٠.

خَيراً!» ...إلخ(۱) "میں نے تمھیں تین ۳ باتوں سے منع کیا تھا: ان میں سے ایک بات قبروں کی زیارت ہے، لیکن اب قبروں کی زیارت کیا کرو، اور اس زیارت سے اپنی نیکیاں بڑھاؤ!" (کہ زیارت قبور سے تمھاری نیکیوں میں اضافہ ہوگا، یعنی خوفِ خدا کے سبب گناہوں کو چھوڑ کر، نیکیوں پر راغب ہو جاؤ گے!)۔

امام بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ "شرح صحیح بخاری" میں امام سراج الدین ابن ملقّن کی "توضیح شرح صحیح بخاری" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہے کہ "حدیثِ سیّدنا بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ زیارتِ قبور کی ممانعت کے منسوخ ہونے پر واضح دلیل ہے، امام شعبی وامام نخعی تک زیارتِ قبور کے جواز والی احادیث نہیں پہنچی تھیں۔

(۷) حضور نبئ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا معمول تھا، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سال کی ابتداء میں شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے، پھر یوں کہتے: «السّلَام عليكم بِمَا صَبَرْتُم! فَنِعمَ عُقبَى الدَّار!»(۲) "تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے بدلے! اور کیا ہی بہترین ہے آخرت کا گھر!۔

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق، سیّدنا عمر فاروق اور سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالی عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فتحِ مکّہ کے دن، ایک ہزار مسلح افراد کے ساتھ، اپنی والدۂ محترمہ کی قبر کی زیارت کی۔ اس کو ابنِ ابی دنیا(۳) نے ذکر کیا ہے"۔

ابن ابی شیبہ(۴) نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہم سے، زیارت قبور کی اجازت کو ذکر کیا ہے۔

---

(۱) "سنن النَّسائي" كتاب الضحايا، باب الإذن في ذلك، ر: ٤٤٣٦، الجزء ٧، صـ٢٤٨.

(۲) "مصنَّف عبد الرزّاق" كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، ر: ٦٦١٦، ٣/ ٥٧٣.

(۳) انظر: "تخريج الإحياء" للعراقي، كتاب ذكر الموت ومابعده، الباب ٧، ٤/ ٥٢١، نقلاً عن ابن أبي الدنيا في "كتاب القبور". ["كتاب القبور" مطبوع، ولكنّه طبع ناقصاً كما قال محقّق "كتاب القبور"]

(٤) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الجنائز، [باب] من رخّص في زيارة القبور، ر: ١١٩٢٧، و١١٩٢٨، و١١٩٣١، ٣/ ٣٤٢، ٣٤٣.

امام عبد الرزّاق[1] نے ذکر کیا، کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا ہر جمعہ کو، حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر کی زیارت کیا کرتیں۔

حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما اپنے والد کی قبر کی زیارت کرتے، اور وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے[2]۔

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے بھائی، حضرت سیّدنا عبد الرحمن رضی اللہ تعالی عنہ (جن کی قبر مکہ مکرّمہ میں تھی) کی زیارت کیا کرتیں تھیں"[3]۔

زیارتِ قبور باعثِ عبرت ہے

(۸) حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّي نَهيتُكم عَن زيارةِ القبورِ فزُوروها؛ فإنّ فيها عِبرَةً!»[4] "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو؛ کہ اس میں عبرت ہے!"۔

(۹) اُم المؤمنین حضرت سیّدہ اُمِ سَلَمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے، حضور نبئ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «نَهيتُكم عَن زيارةِ القبورِ فزُوروها؛ فإنّ لكم فيها عِبرَةً!»[5] "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اَب قبروں کی زیارت کیا کرو، یقیناً اس میں تمہارے لیے عبرت ہے!"۔

---

(١) "مصنَّف عبد الرزّاق" كتاب الجنائز، باب في زيارة القبور، ر: ٦٧١٣، ٣/ ٥٧٢.

(٢) المرجع نفسه، ر: ٦٧٠٩، ٣/ ٥٦٩.

(٣) "عمدة القاري" كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، تحت ر: ١٢٨٣، ٦/ ٩٦. "التوضيح لشرح الجامع الصحيح" كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ر: ١٢٨٣، ٩/ ٥١٠، ٥١١.

(٤) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي سعيد الخدري، ر: ١١٣٢٩، ٤/ ٧٦.

(٥) "المعجم الكبير" أمّ سلَمة، عبد الله بن أبي مليكة عن أمّ سلمة، ر: ٦٠٢، ٢٣/ ٢٧٨.

زیارتِ قبور سنّتِ نبوی ہے

حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا، کہ بقیع کے قبرستان تشریف لے جاتے، انہیں سلام کہتے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا فرماتے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس بات کی تعلیم دیتے۔ ذیل میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

(۱) اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ "جب حضور نبی کریم ﷺ میرے ہاں قیام فرما ہوتے، تو (اکثر) حضور اقدس ﷺ رات کے آخری حصہ میں، بقیع (قبرستان) تشریف لے جاتے، اور (اہلِ قبرستان کو خطاب کر کے) فرماتے: «السَلامُ عليكم دَارَ قَومٍ مُؤمنين! وَآتَاكُم مَا تُوعَدُونَ، غَداً مُؤَجَّلُونَ، وَإِنَّا -إِن شَاءَ اللهُ- بِكُم لَاحِقُونَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهلِ بَقِيعِ الغَرقَدِ!»[1] "تم پر سلامتی ہو اس گھر کے رہنے والے مؤمنو! تمہارے پاس وہ چیز (موت) آچکی جس کا تم سے وعدہ تھا، اور اِن شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیعِ غرقد والوں کی مغفرت فرما!"۔

(۲) حضرت سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ مدینۂ منوّرہ کے قبرستان سے گزرے، تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: «السَّلَامُ عَلَيكُم يَا أَهلَ القُبُورِ! يَغفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُم، أَنتُم سَلَفُنَا وَنَحنُ بِالأَثَرِ!»[2] "اے قبروں میں رہنے والو تم پر سلامتی ہو! اللہ تعالی ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے! تم ہم سے پہلے پہنچے ہو، اور ہم بھی تمھارے پیچھے آنے والے ہیں!"۔

حضورِ اکرم ﷺ کی دو سنتیں

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے، حضور نبئ اکرم ﷺ کی دو ۲ اہم سنتیں ثابت ہوئیں:

(۱) زیارتِ قبور کو جانا حضور نبئ اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

(۲) مسلمانوں کے قبرستان جا کر اُنہیں سلام کرنا، اپنے لیے اور اُن کے لیے مغفرت کی دعا کرنا۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور ...إلخ، ر: ۲۲۵۵، صـ۳۹۱.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الجنائز، باب ما يقول الرجل إذا دخل المقابر، ر: ۱۰۵۳، صـ۲۵٤.

زیارتِ قبور ومزارات، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قبور کی زیارت باعثِ اجر وثواب اوریادِ آخرت کا ذریعہ ہے، علمائے حدیث وتفسیر نے شرح وبسط کے ساتھ اس کی مشروعیت بیان کی ہے، علمائے امّت کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ تمام مسلمانوں کو زیارتِ قبور کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے حنفی علماء میں سے امام بدر الدین عینی (شارح "صحیح بخاری") سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

(۱) "ابنِ حبیب نے کہا کہ "زیارتِ قبور، اور ان کے پاس بیٹھنے، اور قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا ہے"۔

(۲) حضرتِ امام مالک سے زیارتِ قبور کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ "سرکار دو عالم ﷺ نے (ابتدئے اسلام) میں زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا، پھر بعد کو اس کی اجازت دے دی، اگر کوئی انسان یہ عمل کرے، اور خیر کے سِوا کچھ نہ کہے، تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا"۔

(۳) "توضیح" میں یہ بھی ہے، کہ حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی قبرِ انور، اسی طرح حضرتِ ابو بکر صدیق اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبروں کی زیارت پر تمام امّت کا اتفاق ہے۔ حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا، کہ جب سفر سے واپس لَوٹتے، تو حضورِ اکرم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوتے اور کہتے: «السّلامُ عليك يا رسولَ الله!» "یارسول اللہ آپ پر سلامتی ہو!" «السّلامُ عليك يا أبا بكرٍ!» "اے ابو بکر آپ پر سلامتی ہو!" «السّلام عليك يا أبتاه!» "اے ابّا جان آپ پر بھی سلامتی ہو!"۔

(۴) حضرتِ طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں، کہ بزرگانِ دین اس عمل کو پسند کرتے تھے، کہ تدفین کے بعد سات ۷ روز تک، میّت کی قبر سے جُدا نہ ہوا جائے؛ کیونکہ سات ۷ روز تک قبر میں میّت کی آزمائش

ہوتی ہے، اور اس کا حساب ہوتا ہے"[1]۔

(۵) متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے، حضرتِ شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فتاوی عزیزیہ" میں، نہ صرف یہ کہ زیارتِ قبور کو جائز کہا، بلکہ زیارتِ قبور کے آداب اور اہلِ قبور سے استمداد (مدد مانگنے) کا طریقہ بھی بتایا، اس حوالے سے حضرت کی عبارت ملاحظہ ہو:

سوال(۱): زیارتِ قبور کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: جو کسی مؤمن کی قبر پر جائے، تو قبلہ کی طرف پشت کرکے اس طرح کھڑا ہو، کہ چہرہ میّت کے سینے کی طرف ہو، پھر ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین ۳ بار سورۂ اِخلاص پڑھے، اور اس کا ثواب انہیں اِیصال کرے۔ جب قبرستان میں داخل ہو تو یہ الفاظ کہے: السّلامُ عليكم أهل الدّيارِ مِنَ المؤمنين والمسلمين! يَغفِرُ اللهُ لنا ولكم! وإنّا -إن شاء الله- بِكم لَلَاحِقُون. "اے مؤمن مسلمانو تم پر سلامتی ہو! اللہ تعالی ہماری اور تمھاری مغفرت فرمائے! ہم بھی -اِن شاءاللہ- تم سے آکر ملنے والے ہیں"۔ اگر وہ قبر اولیاء وصالحین میں سے کسی بزرگ کی ہو، تو اپنا چہرہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف کرکے بیٹھ جائے، اور ۲۱ بار چار۴ ضربوں کے ساتھ اِن اسماء مبارکہ کا وِرد کرے: سبّوحٌ قدّوس ربُّنا وربُّ الملائكَةِ والرُّوحِ، اور سورۃ القدر تین ۳ بار پڑھے، اس بزرگ ہستی کے سامنے اپنے قلب کو وساوِس وخطراتِ قلب سے پاک رکھے، تو اِس زیارت کرنے والے کے دل میں، اُس بزرگ ہستی کی رُوحانی برکات پہنچیں گی"[2]۔

اسی سے متّصل ایک اَور سوال حضرت سے پوچھا گیا، کہ صاحبِ مزار کے کامل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بتائیں، نیز ان سے استمداد کا طریقہ بھی بتائیں، تو حضرت نے وہ بھی بتایا، ذیل میں سوال وجواب ملاحظہ کریں:

---

(١) "عمدة القاري" كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، تحت ر: ١٢٨٣، ٦/ ٩٦. "التوضيح لشرح الجامع الصحيح" كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ر: ١٢٨٣، ٩/ ٥١٠، ٥١١.

(۲) "فتاوی عزیزیّہ" جزء اوّل، ص:۱۷۶۔

سوال(۲): معلوم یہ کرنا ہے، کہ صاحبِ مزار کامل ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ کامل ہو تو ان سے مدد مانگنے کی صورت کیا ہے؟

جواب: بعض صاحبانِ مزار کا کامل ہونا مشہور ہوتا ہے، اور ان کا باکمال ہونا تسلسل کے ساتھ ثابت ہوتا ہے، ایسے باکمال صاحبانِ مزار ہستیوں سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ ہے، کہ قبر کے سرہانے انگلی رکھ کر سورۂ بقرہ کے آغاز سے ﴿الْمُفْلِحُوْنَ﴾ تک تلاوت کرے، پھر قبر کی پائنتی کی طرف آئے اور سورۂ بقرہ میں سے ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے لے کر آخر تک مکمل پڑھے، اور اپنی زبان سے یوں کہے: "اے حضرت! میں اپنی فُلاں حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کرتا ہوں، آپ بھی بارگاہِ الٰہی میں اپنی دعا اور سفارش سے میری مدد فرمائیں!"۔

اگر وہ صاحبِ مزار جن کے بارے میں کامل ہونا معلوم نہ ہو، اور عوام میں ان کا کامل ہونا بھی معروف و متواتر نہیں، ایسے لوگوں کا مقام ومرتبہ اس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ "سورۂ فاتحہ اور دُرود شریف پڑھ کر "سُبّوحٌ سُبّوحٌ" کا ذکر کرے، اپنا دل صاحبِ مزار کے سینہ کے مقابل کرے، اگر راحت وسکون پائے تو جان لے، کہ صاحبِ مزار کامل شخصیت کا مالک ہے، لیکن پھر بھی صرف معروف صاحبانِ کمال بزرگوں سے ہی مدد مانگنی چاہیے!""[1]۔

علّامہ محمد شربینی رحمۃ اللہ علیہ خطیب شافعی لکھتے ہیں کہ "جس قبرستان میں مسلمان مدفون ہوں، اس کی زیارت کرنا مَردوں کے لیے بالاِجماع مستحب ہے۔ پہلے زیارتِ قبور کی ممانعت تھی، بعد اَزاں یہ ممانعت اس حدیثِ پاک سے منسوخ ہوگئی، جس میں حضور نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: «كنتُ نَهيتُكم عَن زيارةِ القبورِ، فزُوروها!» "میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، اب ان کی زیارت کیا کرو!"۔ جبکہ خواتین کے لیے زیارتِ قُبور مکروہ ہے؛ کیونکہ وہاں ان سے رونا دھونا، اور آواز بلند کرنا متوقع

---

(۱) "فتاوی عزیزیّہ" جزء اوّل، ص:۱۷۶، ۱۷۷۔

ہے، البتہ حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت، خواتین کے لیے بھی مستحب ہے؛ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت سب سے بڑی قُربت ہے"[1]۔

علاّمہ احمد دردیر مالکی "شرح کبیر" میں لکھتے ہیں کہ "زیارتِ قبور جائز بلکہ مستحب ہے، اس میں اس بات کی کوئی قید نہیں، کہ کس دن یا کس وقت زیارت کی جائے، یا قبروں کے پاس کتنی دیر ٹھہرا جائے"[2]۔

مزارات پر خواتین کی حاضری

امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "زیارتِ قبور پہلے مطلقاً ممنوع تھی پھر اجازت فرمائی، علماء کو اختلاف ہوا کہ عورتیں بھی اس رخصت میں داخل ہوئیں یا نہیں؟ عورتوں کو خاص ممانعت میں حدیث: «لعن اللهُ زوّارات القبور!»[3] "قبروں پر جانے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے" سے قطع نظر کرکے تسلیم کیجیے، کہ ہاں عورتوں کو بھی شامل ہوئی، مگر جس قدر اوّل کی عورتوں کو، جن میں حضورِ مساجد وجمعہ وعیدین کی اجازت بلکہ حکم تھا، جب زمانۂ فساد آیا، ان ضروری تاکیدی حاضریوں سے عورتوں کو ممانعت ہوگئی"۔

امام اہل سنّت "غنیہ" کے حوالے سے مزید تحریر فرماتے ہیں: "سُئل القاضي عن جواز خروج النِّساء إلى المقابر، قال: لا يُسئل عن الجواز والفساد في مثل هذا، وإنّما يسئل عن مقدار ما يلحقها من اللَّعن فيها! واعلمْ أنّها كلّما قصدت الخروجَ، كانت في لعنة الله وملائكتِه، وإذا خرجت تحفُّها الشياطينُ من كلِّ جانب، وإذا أتت القبورَ يَلعنها روحُ الميّت، وإذا رجعتْ كانت في لعنة الله!"[4].

"امام قاضی سے استفتاء ہوا، کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز وعدم جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے؟ جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے، اللہ

---

(۱) "الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع" كتاب الصّلاة، فصل في صلاة الجنازة، ۱/ ۲۰۸.

(۲) "الشرح الكبير" باب في بيان أوقات الصّلاة ...إلخ، فصل أحكام الموتى ...إلخ، ۱/ ۴۲۲.

(۳) "مسند أبي يعلى" مسند أبي هريرة، ر: ۵۹۰۱، ۴/ ۴۰۴.

(۴)"الغنية" فصل في الجنائز، صـ۵۹۴.

اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے، ہر طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے، میّت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے، اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے[1]۔

چند قباحتیں

گزشتہ صفحات میں ہم نے احادیث اور اقوالِ بزرگانِ دین کی رَوشنی میں، زیارتِ قبور کی شرعی حیثیت بیان کی، جُمہور علمائے کرام کا اس بات پر اِجماع ہے، کہ زیارتِ قبور ایک مستحسن اور مستحب عمل ہے، ائمۂ متقدمین ومتاخرین کا زیارتِ قبور کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، ان دلائل کے ساتھ ساتھ مزاراتِ اولیاء اور زیارتِ قبور سے متعلق، چند قباحتوں کی نشاندہی بھی ضروری ہے، ان قباحتوں اور غیر شرعی اُمور کا خلاصہ یہ ہے:

☆ مزار کے اِحاطہ میں فرض نماز کی جماعت ہو رہی ہو، اور لوگ فاتحہ خوانی میں مصروف ہوں، نماز کا وقت نکل رہا ہو اور زائرین مزار پر پھول چڑھا رہے ہوں، یہ ایک بڑی قباحت (برائی) ہے۔

☆ بعض مزارات پر عام دنوں میں بالعموم، اور عرس کے وقت بالخصوص، ناچ گانے بھنگڑے دھمال اور دیگر خُرافات کا باقاعدہ اہتمام ہوتا ہے، اس قسم کی تقریبات اگرچہ علاقائی ثقافت کی علامت بن چکی ہوں، اس کے باوجود بھی بزرگانِ دین کے ساتھ ان خُرافات کو منسوب کرنا، تعلیماتِ اسلام وتصوّف اور بزرگوں کے طریقہ کے سراسر خلاف ہے، ان اعمالِ غیر شرعیّہ کا ارتکاب قطعًا جائز نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی ناراضگی کا باعث ہے۔ ان اُمور سے اجتناب ضروری ہے، جبکہ حکومت وانتظامیہ پر لازم ہے، کہ بزورِ طاقت و قانون، ان حرکات کو رکوائیں!۔

☆ بعض مزاراتِ مقدّسہ پر، بعض دیگر قباحتیں بھی ایک عرصہ سے جڑ پکڑ چکی ہیں، جیسے نو۹ راتیں ماننا، مَنّتیں مان کر کپڑے وغیرہ میں گرہیں لگانا، یہ غیر شرعی اعمال ہیں۔ مزار شریف کا طواف کرنا بھی ممنوع ہے۔ دیکھنے والوں کو بدگمانی کا موقع ملتا ہے، اور انسان ثواب کے بجائے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے!!۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الجنائز، باب اَحوال قُربِ مَوت، رسالہ "جُمل النُّور فی نہی النّساء عن زیارۃ القبور" ۷/۳۵۱ و ۳۵۴۔

خلاصۂ کلام

زیارتِ روضۂ رسول ﷺ اور زیارتِ قبورِ صالحین، ہرگز توحیدِ باری تعالیٰ کے مُنافی اور شرک میں داخل نہیں، بعد وصال حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبور کی زیارت بھی، حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے عمل اور متعدّد ارشاداتِ عالیہ سے ثابت ہے۔

درج بالا احادیثِ مبارکہ، اور بزرگانِ دین کے اَقوال پر مشتمل، تمام تحقیقی بحث کو مدِ نظر رکھ کر، یہ کہا جاسکتا ہے کہ "حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے روضۂ انور، اولیائے کرام وصالحین کی زندگی میں ان کی بارگاہوں میں، اور بعد وصال ان کے مزارات پر، جائز طریقہ سے حاضری دینا، حرام یا شرک یا بدعت ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا سبب ہے"۔ ہمیں ان شرعی اصولوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے، جن پر جائز، ناجائز اور حلال وحرام میں حدِ فاصل رکھی گئی ہے۔

اس عملِ خیر اور اعتقاد ونظریہ کو، کفر، شرک اور بدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

ایک اصلاحی پہلو

بعض لوگ مزارات اور قبرستان میں مجاوِر بن کر بیٹھ جاتے ہیں، ان میں سے بعض خود بُرے ہوتے ہیں، اس لیے اہلِ ایمان کی قبروں کی حرمت کے تقاضوں سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں، ان شیطان صفت لوگوں میں کئی پیشہ ور مجرم بھی پائے جاتے ہیں، جو رُوپ بدل کر ایسے مقامات کو ناجائز کاموں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ مزارات کے ماحول کو خراب کرتے ہیں، چرس، افیون اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال، خود بھی کرتے ہیں اور زائرین کو بھی دعوتِ گناہ دیتے ہیں، بعض بھولے بھالے دینی تعلیمات سے دُور مسلمان، اسے خصوصی فیض سمجھ کر ان کی دعوت قبول بھی کرلیتے ہیں، یہاں سے بُرائی کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کے لوگ عام طور پر انسانی تجارت، عصمت فروشی اور اِغوا

برائے تاوان جیسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بھی کرتے ہیں، لہذا حتّی المقدور ایسے عناصر سے مزارات کے ماحول کو پاک صاف رکھنا بھی، اہلِ ایمان کی ذمّہ داری ہے۔

مشہور ومعروف مزارات کے اِحاطے میں، جہاں عوام الناس کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، وہیں آئے دن جرائم کا اِرتکاب بھی ہوتا ہے، پھر اخبارات کے خصوصی فیچرز کی زینت بھی بنتا ہے، ان خبروں کو پڑھنے سننے والے یہ سمجھتے ہوں گے، کہ مزاراتِ اولیاء شاید انہی برائیوں کا مرکز ہیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ چند بدقماش وبد اندیش لوگ، اپنی رذالتِ طبع کا مظاہرہ کرتے ہیں، ورنہ اکثر زائرین تو حُسنِ مقصد لے کر آتے ہیں، اور بامراد واپس لَوٹتے ہیں!۔

اختلاطِ مرد وزَن بھی ایک بڑی قباحت وبُرائی ہے، اور یہ عام طور پر وہاں دیکھنے میں آتا ہے، جہاں ماحول حکومتی اوقاف کے زیرِاہتمام ہے، مرد وعورت کے اسی ناجائز اختلاط میں موجود پوشیدہ برائیوں کے باعث، فقہائے کرام نے عورتوں کا مزارات پر جانا ممنوع قرار دیا ہے۔

الغرض ایسی تمام بے احتیاطیاں جو آگے چل کر بڑی برائیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوں، ان کا سختی سے قلع قمع ہونا چاہیے؛ تاکہ لوگ زیارت کے جواز سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر گناہ کے مرتکِب نہ ہوں۔ اللہ تعالی عملِ خیر کی توفیق عطا فرمائے!۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام جلال الدّین سیوطی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "شرح الصّدور بشرح حال الموتی والقبور"[۱]، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "جُمل النُّور في نهي النّساء عن زيارة القبور"[۲]، اور نبیرۂ اعلی حضرت علّامہ ابراہیم رضا خان علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "زیارتِ قبور"[۳] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) مطبوعة من دار الكتاب العربي، بيروت.

(۲) "فتاوی رضویہ" ۷/۳۴۴تا۳۶۳، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور۔

(۴۱) زیارتِ روضۂ رسول ﷺ

مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے روضۂ مبارکہ کی زیارت، مسلمانوں کے لیے صرف عزّوشرف کا ہی باعث نہیں، بلکہ علمائے اُمّت کا اس بات پر اِجماع واتفاق بھی ہے، کہ یہ زیارت باعث عزّوشرف اور مسنون بھی ہے۔ روضۂ رسول ﷺ کی زیارت، اور مدینۂ منوّرہ میں زندگی کے چند لمحات گزارنا، ہر مسلمان کی دلی تمنّا اور مَن کی خواہش ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں بذات خود حضور نبیٔ اکرم ﷺ نے زیارتِ مدینہ طیّبہ، اور قبرانور پر حاضری کی ترغیب دلائی ہے، مزید یہ کہ زیارت کرنے والوں کے لیے، احادیث مبارکہ میں بِشارتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

روضۂ رسول ﷺ میں زمین کا وہ حصہ، جو حضور کے جسدانور سے ملا ہوا ہے، اس مقام کا تمام کائنات، بلکہ کعبۂ معظّمہ، عرش وکرسی، لوح وقلم، اور بیت المعمور سے بھی افضل واعلیٰ ہونا، متفَق علیہا اور مسلّمہ مسئلہ ہے[1]۔

یاد رہے کہ حضور نبیٔ کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر، جس طرح حضور اقدس کی حیات طیّبہ میں مسلمانوں پر فرض تھی، اسی طرح دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد بھی، فرض، لازمی اور بہت ضروری ہے۔ ابتدائے اسلام سے مسلمانوں کا یہ طریقہ رہاہے، کہ جب بھی حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرّمہ حاضر ہوتے ہیں، تو حج سے پہلے یا بعد، ضرور مدینۂ منوّرہ میں بھی حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں؛ کیونکہ زیارتِ روضۂ رسول ﷺ گویا حضورِ اکرم ﷺ کی ظاہری حیات طیّبہ میں، حضور ﷺ کی بارگاہ ہی کی حاضری ہے!۔

---

(١) "الشفا" القسم ٢، الباب ٤، فصل، الجزء ٢صـ٥٨. و"نسيم الرياض" القسم ٢، الباب ٤، فصل، ٥/ ١٢١. و"منح الجليل شرح مختصر خليل" باب اليمين، فصل في النذر، ٣/ ١٣٣. "الدر المختار" كتاب الحج، باب الهدي، فروع، ٧/ ٤٧٧.

روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کے لیے بالقصد سفر کرنا، روضۂ انور پر حاضر ہوکر صلاۃ وسلام عرض کرنا، اور حضور اکرم ﷺ سے شفاعت طلب کرنا، یہ سب وہ اُمور ہیں جو خیرِ قُرون (زمانۂ صحابہ وتابعین) سے لے کر، بابائے وہابیت ابن تیمیہ (متوفّٰی ۷۲۸ھ) کے زمانے تک، بغیر کسی نزاع واختلاف کے، امّتِ مسلمہ کا معمول رہا۔ ائمۂ مجتہدین، محدّثین، مفسّرین اور اس خیر امّت کے تمام اصحابِ علم وفضل، اس سلسلہ میں اپنی اپنی کتب میں، لوگوں کو زیارتِ قبرِ انور ﷺ کی ترغیب دیتے رہے، اس حاضری کو واجب، قریب الواجب اور مستحب قرار دیتے رہے۔ سب سے پہلے اس مسئلہ میں ابن تیمیہ (امام الوہابیہ) نے اختلاف کیا، اور کہا کہ زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کی نیّت وارادہ سے مدینۂ منوّرہ کا سفر کرنا حرام ہے[1]۔

حاضریٔ سرکارِ اعظم ﷺ

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(۱) زیارتِ اقدس قریب بواجب ہے، بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں، کہ راہ میں خطرہ ہے، وہاں بیماری ہے۔ خبردار! کسی کی نہ سنو، اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو! جان ایک دن جانی ضرور ہے! اس سے کیا بہتر ہے کہ ان کی راہ میں جائے! اور تجربہ ہے کہ جو اُن کا دامن تھام لیتا ہے، اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں، کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا، والحمد للہ! ع

ہم کو تو اپنے سائے میں آرام ہی سے لائے — حیلے بہانے والوں کو یہ راہ ڈر کی ہے[2]

(۲) حاضری میں خاص زیارتِ اقدس کی نیّت کرو! یہاں تک کہ امام ابن ہُمام فرماتے ہیں کہ "اس بار مسجد شریف کی بھی نیّت نہ کرے"[3]۔

(۳) راستے بھر درود وذکر شریف میں ڈوب جاؤ!۔

---

(۱) "الفتاوی الکبری" لابن تیمیة، مسائل منثورة، مسألة في رجل نوى ...إلخ، ٥/ ٢٨٧- ٢٨٩.

(۲) "حدائق بخشش" حصہ اوّل، ص۲۰۲۔

(۳) "فتح القدیر" کتاب الحج، مسائل منثورة، ٣/ ٩٤.

(۴) جب حرمِ مدینہ نظر آئے، بہتر یہ ہے کہ پیادہ ہولو! روتے سر جھکاتے، آنکھیں نیچی کیے، اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو، بلکہ ع

جائے سر است اینکہ تو پامی نہی پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے!

(۵) جب قبۂ انور پر نگاہ پڑے، درود و سلام کی کثرت کرو!۔

(۶) جب شہر اقدس تک پہنچو، جلال و جمالِ محبوب ﷺ کے تصوّر میں غرق ہو جاؤ!۔

(۷) حاضریٔ مسجد سے پہلے تمام ضروریات، جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو، ان سے نہایت جلد فارغ ہو، ان کے سوا کسی بے کار بات میں مشغول نہ ہو، ساتھ ہی وضو اور مسواک بھی کرلو، اور غسل کرو تو بہتر ہے۔ سفید و پاکیزہ کپڑے پہنو، اور نئے کپڑے ہوں تو بہتر ہے۔ سرمہ اور خوشبو لگاؤ، اور مشک ہو تو افضل ہے۔

(۸) اب فوراً آستانۂ اقدس کی طرف نہایت خشوع و خضوع سے متوجہ ہو، رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ، اور دل کو بزور رونے پر لاؤ، اور اپنی سنگدلی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف التجا کرو!!۔

(۹) جب درِ مسجد پر حاضر ہو، صلاۃ و سلام عرض کرکے تھوڑا ٹھہرو، جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو! بسم اللہ کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ، کہ ہمہ تن ادب ہو کر داخل ہو۔

(۱۰) اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے، ہر مسلمان کا دل جانتا ہے کہ آنکھوں، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیال غیر سے پاک کرو۔ مسجد اقدس کے نقش و نگار نہ دیکھو!۔

(۱۱) اگر کوئی ایسا سامنے آجائے جس سے سلام کلام ضروری ہو، تو جہاں تک بنے کترا جاؤ، ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو، پھر بھی دل سرکار ہی کی طرف ہو!۔

(۱۲) ہرگز ہرگز مسجد اقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ نکلے!۔

(۱۳) یقین جانو کہ حضورِ اقدس ﷺ سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں، جیسے وفات شریف سے پہلے تھے[1]۔ ان کی اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی موت، صرف وعدۂ خدا کی تصدیق کو کو ایک آن کے لیے تھی، ان کا انتقال صرف نظرِ عوام سے چُھپ جانا ہے"[2]۔ حضرت سیّدنا اَنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الأنبياءُ أحياءٌ في قبورِهم يُصَلُّون»[3] "انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز بھی پڑھتے ہیں"۔

(۱۴) اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جاؤ، کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی، ورنہ اگر غلبۂ شوق مہلت دے، اور اس وقت کراہت نہ ہو، تو دو ۲ رکعت تحیۃ المسجد و شکرانۂ حاضریٔ دربارہ اقدس صرف قُل یا اور قُل سے بہت ہلکی، مگر رعایتِ سنّت کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ، جہاں اب وسطِ مسجد کریم میں محراب بنی ہے، اور وہاں نہ ملے تو جہاں تک ہو سکے اس کے نزدیک ادا کرو، پھر سجدۂ شکر میں گرو اور دعا کرو کہ الٰہی! اپنے حبیب ﷺ کا ادب اور ان کا اور اپنا قبول [اور قُرب] نصیب کر، آمین!۔

(۱۵) اب کمال ادب میں ڈوبے ہوئے، گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے، لرزتے کانپتے، گناہوں کی نَدامت سے پسینہ پسینہ ہوتے، حضور پُر نور ﷺ کے عفو و کرم کی امید رکھتے، حضور والا کی پائیں (قدمین شریفین) کی طرف سے مُواجہہ عالیہ میں حاضر ہو؛ کہ حضور اقدس ﷺ مزار انور میں رُو بقبلہ جلوہ فرما ہیں، اس سمت سے حاضر ہو؛ کہ حضور کی نگاہ بیکس پناہ تمھاری طرف ہوگی، اور یہ بات تمھارے لیے دونوں جہان میں کافی ہے، والحمد للہ!۔

---

(١) "حياة الأنبياء" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلّون، ر: ١، صـ٦٩. "الاعتقاد" للبَيهقي، فصل، صـ٣٠٥. "الحاوي للفتاوي" كتاب البعث، رسالة "أنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" ٢/ ١٨٠.

(۲) "فتاویٰ رضویہ" کتاب الحج، رسالہ "انور البِشارۃ فی مسائل الحجّ والزِّیارۃ" ۸/۶۰۰،۶۰۱۔

(٣) "مسند البزّار" مسند أبي حمزة أنس بن مالك، ١٣/ ٢٩٩. "مسند أبي يعلى" مسند أنس بن مالك، ثابت البُناني عن أنس، ٣/ ١٤٠. "حياة الأنبياء" الأنبياء أحياء في قبورهم يصلّون، ر: ١، صـ٦٩.

(۱۶) اب کمال ادب وہیبت وخوف وامید کے ساتھ، زیرِ قندیل اس چاندی کی کیل کے، جو حجرۂ مطہّرہ کی جنوبی دیوار میں چہرۂ انور کے مقابل لگی ہے، کم از کم چار ۴ ہاتھ کے فاصلہ سے، قبلہ کو پیٹھ اور مزار انور کو منہ کرکے، نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو، "يقف كما في الصّلاة"[1] "حضور کے سامنے ایسے کھڑے ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے"۔ یہ عبارت "عالمگیری" و"اختیار" کی ہے، اور لباب میں فرمایا: "وَاضِعًا يَمِيْنَه عَلى شِمَالِه"[2] "دست بستہ دہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو"۔

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو؛ کہ خلافِ ادب ہے، بلکہ چار ۴ ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ، یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اور اپنے مُواجہۂ اقدس میں جگہ بخشی! ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمھاری طرف تھی، اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے، والحمد للہ!۔

(۱۸) الحمد للہ اب کہ دل کی طرح تمھارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے، جو اللہ عزّوجلّ کے محبوب عظیم الشان ﷺ کی آرام گاہ ہے، نہایت ادب ووقار کے ساتھ بآوازِ حزیں، وصورتِ دردآگیں، ودلِ شرمناک وجگر چاک چاک، معتدل آواز سے، نہ کہ بلند وسخت (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہوجاتے ہیں)۔ نہ نہایت نرم وپست (کہ سنّت کے خلاف ہے، اگرچہ وہ تمھارے دلوں کے خطرات تک سے آگاہ ہیں، جیسا کہ ابھی تصریحاتِ ائمہ سے گزرا) سلام وتسلیم بجا لاؤ، اور عرض کرو: السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ! وَرَحْمَةُ الله وَبَرَكَاتُه، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ الله! السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ الله! السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ! السَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلى آلِكَ وَأَصْحَابِكَ وَأُمَّتِكَ أجمعين[3].

---

(۱) "الفتاوى الهندية" كتاب المناسك، خاتمة في زيارة قبر النبي ﷺ، ۱/ ۲٦٥.

(۲) "شرح اللباب" مع إرشاد الساري" باب في زيارة سيّد المرسلين، صـ۵۰۸.

(۳) المرجع نفسه، صـ۵۰۸، ۵۰۹ ملتقطاً.

(۱۹) جہاں تک ممکن ہو اور زبان ساتھ دے، اور ملال وکسل نہ ہو، صلاۃ وسلام کی کثرت کرو، حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ، پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو: "أَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ يَا رَسُوْلَ الله!"[۱].

(۲۰) پھر اگر کسی نے عرضِ سلام کی وصیت کی ہو تو بجالاؤ، شرعًا اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں، وصیت کرتا ہے کہ جب انہیں حاضریٔ بارگاہ نصیب ہو، فقیر کی زندگی میں یا بعد، کم از کم تین ۳ بار مُواجہۂ اقدس میں ضرور یہ الفاظ عرض کرکے، اس نالائق ننگِ خلائق پر احسان فرمائیں! الله ان کو دونوں جہاں میں جزا بخشے، آمین!: "الصلاة وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ الله! وَعَلى آلِكَ وَذُرِّيَّتِكَ فِيْ كُلِّ آنٍ وَلَحْظَةٍ، عَدَدَ كُلِّ ذَرَّةٍ أَلْفَ أَلْفَ مَرَّةٍ، مِنْ عُبَيْدِكَ أَحْمَدَ رَضَا ابْنِ نَقِيْ عَلِيْ، يَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ فَاشْفَعْ لَه وَلِلْمُسْلِمِيْنَ!".

(۲۱) پھر اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ نورانی کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرو: "السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ الله! السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ الله فِيْ الْغَارِ، وَرَحْمَةُ الله وَبَرَكَاتُه"[۲].

(۲۲) پھر اتنا ہی اور ہٹ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رُوبرو کھڑے ہو کر عرض کرو: "السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنِ! السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُتَمِّمَ الْأَرْبَعِيْنِ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عِزَّ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ! وَرَحْمَةُ الله وَبَرَكَاتُه"[۳].

(۲۳) پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو، اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑے ہو کر عرض کرو: "السَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا خَلِيْفَتَيْ رَسُوْلِ الله! السَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ الله!

---

(۱) المرجع سابق، صـ۵۱۰ ملتقطاً.

(۲) المرجع سابق، صـ۵۱۰، ۵۱۱ ملتقطاً.

(۳) المرجع سابق، ملتقطاً وبتصرّف.

السَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللهِ! وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرْكَاتُه، أَسْئَلُكُمَا الشَّفَاعَةَ عَنْدَ رَسُوْلِ اللهِ، صَلَّى الله تعالى عَلَيْهِ وَعَلَيْكُمَا وَبَارَكَ وَسَلَّمَ"[1].

(۲۴) یہ سب حاضریاں محلِ اِجابت ہیں، دعا میں کوشش کرو، دعائے جامع کرو، اور درود شریف پر قناعت بہتر ہے۔

(۲۵) پھر منبر اَطہر کے قریب دعا مانگو۔

(۲۶) پھر روضۂ جنّت میں (یعنی جو جگہ منبر و حجرۂ منوّرہ کے درمیان ہے، اور اسے حدیث میں جنّت کی کیاری فرمایا[2]، آکر دو ۲ رکعت نفل غیر وقتِ مکروہ میں پڑھ کر دعا کرو۔

(۲۷) یونہی مسجد شریف کے ہر سُتون کے پاس نماز پڑھو اور دعا مانگو؛ کہ محلِ برکات ہیں، خصوصًا بعض میں خاص خصوصیت ہے۔

(۲۸) جب تک مدینہ طیّبہ کی حاضری نصیب ہے، کوئی ایک سانس بھی بے کار نہ جانے دو! ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر رہو، نماز و تلاوت و درود میں وقت گزارو، دنیا کی بات کسی بھی مسجد میں نہیں چاہیے، یہاں مزید خیال رکھو!!۔

(۲۹) ہمیشہ ہر مسجد میں جاؤ تو اعتکاف کی نیّت کرلو۔ یہاں تمھاری یاد دہانی ہی کو دروازے سے بڑھتے ہی یہ کَتبہ ملے گا: "نَوَيْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِكَاف".

(۳۰) مدینہ طیّبہ میں روزہ نصیب ہو، خصوصًا گرمی میں، تو کیا کہنا! کہ اس پر وعدۂ شفاعت ہے۔

(۳۱) یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے، لہذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو، کھانے پینے کی کمی ضرور کرو!۔

(۳۲) قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم یہاں اور حطیمِ کعبۂ معظمہ میں کرلو۔

---

(۱) المرجع سابق.

(۲) المرجع سابق، صـ٥١٤.

(۳۳) روضۂ انور پر نظر بھی عبادت ہے، جیسے کعبۂ معظمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا، تو ادب کے ساتھ اس کی کثرت کرو، اور درود وسلام عرض کرو۔

(۳۴) پنجگانہ یا کم از کم صبح وشام مُواجہہ شریف میں عرضِ سلام کے لیے حاضر رہو۔

(۳۵) شہر میں یا شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک پر نظر پڑے، فوراً دست بستہ ادھر منہ کرکے صلاۃ وسلام عرض کرو، بغیر اس کے ہرگز نہ گزرو؛ کہ خلاف ادب ہے!۔

(۳۶) ترکِ جماعت بلا عذر ہر جگہ گناہ ہے، اور کئی بار ہو تو سخت حرام وگناہ کبیرہ ہے، اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے، والعیاذ باللہ تعالی! صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جو شخص میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں چالیس ۴۰ نمازیں مسلسل پڑھ لے، اس کے لیے دوزخ ونفاق سے آزادیاں لکھ دی جائیں گی"[1]۔

(۳۷) قبر کریم کو ہرگز پیٹھ نہ کرو! اور حتی الاِمکان نماز میں بھی ایسی جگہ کھڑے ہو کہ پیٹھ نہ کرنی پڑے۔

(۳۸) روضۂ انور کا نہ طواف کرو، نہ سجدہ، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ان کی اِطاعت میں ہے!۔

(۳۹) بقیع واُحُد وقُبا کی زیارت سنّت ہے۔ مسجد قبا کی دو ۲ رکعت کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔ اور چاہو تو یہیں حاضر رہو، سیّدی ابن ابی جمرہ قدّس سرّہ جب حاضر ہوتے، آٹھوں پہر برابر حضوری میں کھڑے رہتے، ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا، پھر فرمایا کہ یہ ہے اللہ کا دروازہ، بھیک مانگنے والوں کے لیے کھلا ہے، اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں! ؏

سر ایں جا سجدہ ایں جا بندگی ایں جا قرار ایں جا

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، ر: ۱۲۵۸٤، ٤/ ۳۱۱.

(۴۰) وقتِ رخصت مُواجہۂ انور میں حاضر ہو، اور حضور سے بار بار اس نعمت کی عطا کا سوال کرو، اور تمام آداب جو کعبۂ معظمہ سے رخصت میں گزرے، یہاں بھی ملحوظ رکھو، اور سچے دل سے دعا کرو کہ الٰہی! ایمان وسنّت پر مدینہ طیّبہ میں مرنا، اور بقیع پاک میں دفن ہونا نصیب ہو!۔

اللّٰهم ارزقنا، آمين آمين يا أرحم الراحمين! وصلّى الله تعالى على سيّدنا محمّد وآلہٖ وصحبه وابنه وحزبه أجمعين، والحمد لله رب العالمين!"[1].

ابن تیمیہ کی سوءادبی

زیارتِ قبرِانور کی غرض سے سفر کرنے کے بارے میں، ابن تیمیہ (بابائے وہابیت) کے اقوال، اس کے پیروکار صبح وشام ذکر کرتے رہتے ہیں، ایسے مکروہ اقوال ابن تیمیہ کے علاوہ، علمائے اہل سنّت میں سے کسی نے نہیں کہے۔ ان لوگوں نے ایسے گندے الفاظ استعمال کیے جنہیں نقل کرنا، زبان پر لانا، اور ان کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں لکھا کہ "حضور اکرم ﷺ کی قبر کی طرف، زیارت کے لیے سفر کرنا حرام ہے، اور اگر کسی نے قبرِ نبی کی زیارت کے لیے سفر کیا، تو گناہ کی وجہ سے اس سفر میں نماز قصر نہیں کرے گا"[2]۔

حدیث لاتشدّ الرِحال کی شرح

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا تُشدّ الرّحالَ إلَّا إلى ثلاثةِ مساجدَ: (١) المسجدِ الحرامِ، (٢) ومسجدِ الرّسولِ ﷺ،

---

(١) "الفتاوى الرضوية" كتاب الحج، باب الجنايات، رسالة: "أنور البشارة في مسائل الحجّ والزيارة"، ٨/ ٦٠١-٦٠٤ بتصرّف.

(٢) "الفتاوى الكبرى" لابن تيمية، مسائل منثورة، مسألة في رجل نوى زيارة قبر نبي من الأنبياء ...إلخ، ٥/ ٢٨٧- ٢٨٩.

(۳) و مسجدِ الأقصَى»[1] "ان تین ۳ مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف سفر مت کرو: (ا) مسجد حرام، (۲) میری یہ مسجد (مسجد نبوی)، (۳) اور مسجد اقصی"۔

بعض نادان لوگوں نے، اس حدیث پاک سے، زیارتِ نبوی کے لیے سفر حرام قرار دیتے ہوئے کہا، کہ یہ سفر سفرِ معصیت ہے، حالانکہ یہ استدلال قطعًا غلط، اور فہم باطل پر مبنی ہے۔ آپ اس کی شرح میں ملاحظہ کریں گے، کہ اس حدیث پاک کا، زیارتِ نبوی کے لیے سفر کے ساتھ کوئی تعلّق نہیں!۔

اس کی تفصیل یہ ہے، کہ اس حدیث پاک میں استثناء کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے، جس کا تقاضا مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں کا وجود ہے، مستثنیٰ سے مراد وہ شَے ہے جو "إلّا" کے بعد ہو، اور "إلّا" کا ماقبل مستثنیٰ منہ کہلاتا ہے۔

الغرض استثناء کے لیے دو ۲ چیزوں کا ہونا ضروری ہے، چاہے لفظًا ہوں یا تقدیراً (پوشیدہ)، اور یہ بات علمِ نحو (عربی گرامر) کے مسلّمہ اُصول میں سے ہے۔

حدیث پاک میں مستثنیٰ منہ کی شرح

الحمد للہ درج ذیل احادیثِ معتبرہ میں مستثنیٰ منہ کی تصریح موجود ہے:

(ا) "مسند امام احمد" میں شہر بن حوشب سے مروی ہے، کہ میں نے حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، جب حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں کوہِ طور کے پاس نماز ادا کرنے کا ذکر کیا گیا، تو انہوں نے کہا کہ حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لا ينبغي للمَطِيِّ أن تشَدَّ رحَالُه إلَى مسجد، يُبتغَى فيه الصّلاةُ، غيرَ المسجدِ الحرام، والمسجدِ الأقصَى، ومسجدِي هذا!»[2]

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب فضل الصّلاة في مسجد مكّة والمدينة، باب فضل الصّلاة في مسجد مكّة والمدينة، ر: ١١٨٩، صـ١٩٠. و"صحيح مسلم" كتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ر: ٣٣٨٤، صـ٥٨٤.

(٢) "مسند الإمام أحمد" مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، ر: ١١٦٠٩، ٤/١٢٨.

"کسی کے لیے جائز نہیں، کہ ثواب کی خاطر کسی مسجد کا سفر کرے، ماسوائے مسجدِ حرام، مسجدِ اقصی اور میری اس مسجد کے"۔ یعنی ان تین ۳ مساجد کے سوا، باقی تمام مساجد کا ثواب برابر ہے۔

(۲) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: «أحقّ المساجِدِ أن يُزارَ، ويُشدّ إليه الرّواحِلُ: المسجدُ الحرام، ومسجِدِي. صلاةٌ في مسجِدِي أفضَلُ من ألفِ صلاةٍ فيما سِوَاه مِنَ المساجد، إلّا المسجدَ الحرام»[1] "مسجدِ حرام اور میری یہ مسجد اس لائق ہیں، کہ ان کی زیارت کی جائے، اور ان کے لیے سفر کیا جائے۔ میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب، دیگر مساجد کے مقابل، ہزار نمازوں سے افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے"۔

ان روایات سے واضح ہوا، کہ اس کلام سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد، امّت پر واضح کرنا تھا، کہ ان تین ۳ کے سوا، باقی تمام مساجد ثواب میں مُساوی ہیں، لہذا ان تین ۳ کے سوا کسی بھی مسجد کی طرف سفر کی مشقّت اٹھانا (زیادہ ثواب کی خاطر) بے فائدہ ہے۔ ہاں ان تین ۳ کو دیگر مساجد پر افضلیت حاصل ہے۔ اس حدیث پاک میں قبور کی طرف سفر تو زیرِ بحث ہے ہی نہیں!۔

اب اتنے واضح شواہد کے بعد، اس حدیث پاک میں مقابر کو زیرِ بحث لانا، گویا حضورِ اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا ہے، جو کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

زیارتِ روضۂ رسول، قرآن کریم کی رَوشنی میں

حضور نبئ کریم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کی شرعی حیثیت پر، اُمّتِ مسلمہ کا اِجماع واتفاق ہے۔ یہ زیارت کئی ائمۂ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، جبکہ ائمۂ مالکیہ کے نزدیک بھی واجب ہے۔ اُن کے علاوہ اہلِ سنّت کے دیگر مَکاتب ومذاہب بھی، اُسے واجب قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) "كشف الأستار عن زوائد البزّار" للهيثمي، كتاب الحج، باب في مسجد النبي ﷺ، ر: ١١٩٣، ٢/٥٦.

(ا) قرآن مجید میں اللہ تعالی نے واضح الفاظ میں، اپنے حبیبِ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا حکم یوں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾[١] "اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کریں، تو اے حبیب! تمھارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے مُعافی چاہیں، اور رسول ان کی شَفاعت (سفارش) فرمائے، تو ضرور اللہ تعالی کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے!"۔

اس آیتِ مبارکہ کے تحت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالی علیہ تحریر کرتے ہیں: عن العُتبِيّ، قال: كنتُ جالساً عندَ قبرِ النّبيّ ﷺ، فجاءَ أعرابِيٌّ فقال: السّلامُ عليك يا رسولَ الله! سمعتُ اللهَ يقُول: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ وقَدْ جئتُك مُسْتغفِراً لذَنْبِي، مُسْتشفِعاً بك إلى ربِّي! ثمّ أنشأ يقول: [البسيط]

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَت بالقَاعِ أَعْظُمُهُ فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنتَ سَاكِنُهُ فِيهِ العَفَافُ وَفِيهِ الجُودُ وَالكَرَمُ

ثمّ انصرف الأعرابيُّ، فغلَبَتْني عَينِي فرأيتُ النّبِيَّ ﷺ في النّومِ فقال: «يا عُتْبِي! الحَقْ الأعرابي، فبشِّرْهُ أنّ اللهَ قد غفرَ لَه!»[٢].

"حضرت عتبی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں، کہ میں ایک روز حضورِ اکرم ﷺ کی قبرِ انور کے پاس حاضر تھا، ایک اعرابی (عرب کا دیہاتی) آیا، اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور عرض کی: "یا رسولَ اللہ! میں نے اللہ تعالی کا فرمان: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ﴾ ...الآیۃ سن رکھا ہے، اور یا رسول اللہ!

---

(١) پ٥، النساء: ٦٤.

(٢) "تفسير ابن كثير" النساء، تحت الآية: ٦٤، ١/ ٥٠٩. و"الجامع لأحكام القرآن" النساء، تحت الآية: ٦٤، ١/ ٥٠٩.

بے شک میں آپ کی خدمت میں، اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے، اور اپنے رب عزّوجلّ کے ہاں آپ کو وسیلہ بنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں!"۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے:

"اے ساری مخلوق سے بہتر! جن کا مبارک جسم اس (بابرکت) زمین میں تشریف فرما ہے! پس ان (کے جسدِ اقدس) کی پاکیزہ خوشبو سے، اس زمین کے ٹکڑے اور ٹیلے بھی معطّر و پاکیزہ ہیں! یا رسولَ اللہ! میری جان اس روضۂ اقدس پر فدا ہو، جس میں آپ آرام فرما ہیں! اور آپ ﷺ اپنی اس قبرِ انور میں پاکدامنی اور جود و کرم کا سرچشمہ و منبع ہیں!"

پھر (حضرت عتبی رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ) "وہ اعرابی (روتا ہوا وہاں سے) چلا گیا، اور میری آنکھ لگ گئی، میں اسی وقت خواب میں، حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرّف ہوا، مصطفی جانِ رَحمت ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عتبی! فوراً اس اعرابی کے پاس جاؤ، اور اسے یہ خوشخبری سنا دو، کہ بے شک اللہ تعالی نے اس کی مغفرت فرما دی ہے!"۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قُرطبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے، اسی واقعہ کو اس طرح نقل فرمایا: "قدِم علينا أعرابيٌّ بعدما دفنّا رسولَ الله ﷺ بِثلاثةِ أيّامٍ، فرمَى بنفسِه علَى قبرِ رسولِ الله ﷺ وحثا على رأسِه مِن ترابِه، فقال: قلتَ يا رسولَ الله! فسمِعْنَا قولَكَ، ووَعَيْتَ عَنِ الله فوَعَينَا عنك، وكان فيما أنزلَ اللهُ عليك ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ ...الآية، وقَد ظلمتُ نفسي وجِئْتُك تستَغْفِر لِي! فنُودِيَ مِنَ القبرِ: إنّه قَد غفرَ لكَ!"[1].

"حضور اکرم ﷺ کی وفات شریف کے تین ۳ دن بعد، ایک اعرابی (عرب کا دیہاتی) روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، اور روضۂ انور کی خاکِ پاک اپنے سر پر ڈال کر عرض کرنے لگا: یا رسولَ اللہ! جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سنا، اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل ہوا، اس میں یہ آیت بھی ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ ...الْآیَۃ، اور میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم (گناہ) کیا، اور میں آپ کی بارگاہ

(۱) "الجامع لأحكام القرآن" النساء، تحت الآية: ٦٤، الجزء٥ صـ٢٥٥.

میں اس لیے حاضر ہوا ہوں، کہ آپ میری بخشش کے لیے، اللہ عزّوجلّ کے حضور سفارش وشفاعت فرما دیں! اس پر قبر شریف سے ندا آئی، کہ تجھے بخش دیا گیا!"۔

مفتیٔ مکہ مکرّمہ شیخ جمال بن عبد اللہ بن شیخ عمر، اس آیتِ مبارکہ سے، زیارتِ روضۂ رسول ﷺ پر استدلال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ علمائے امّت نے تصریح کی ہے: "وَيستفاد من وقوع ﴿جَآءُوْكَ﴾ في حيّز الشّرط الدالّ على العموم، أنّ الآيةَ الكريمة طالبةٌ للمَجيء إليه من بُعد ومن قُرب بسفرٍ وبغير سفر"[1]. "لفظ: ﴿جَآءُوْكَ﴾ مقامِ شرط میں واقع ہونے کے سبب، اس طرح عموم پر دلالت کرتا ہے، کہ یہ آیتِ مبارکہ مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضری کا مطالبہ کر رہی ہے، چاہے زائر قریب ہو یا دُور، چاہے اسے سفر کرنا پڑے یا نہ کرنا پڑے!"۔

(۲) ایک اَور مقام پر ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَ قَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾[2] "جو اپنے گھر سے نکلا، اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا، پھر اسے موت نے آلیا، تو اس کا ثواب اللہ تعالی کے ذمّۂ کرم پر ہے، اور اللہ تعالی بخشنے والا مہربان ہے!"۔

اس آیتِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے، علّامہ سیّد محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں: "إن لم يكنْ نصّاً للزّيارة، فلا شكَّ أنّ زيارتَه ﷺ لا سيّما مِن الأمكِنةِ البعيدةِ، من الهجرَةِ إلى الله ورسولِه ﷺ، فَمَن زَارَ عليه الصلاة والسلام فهو ممن يَدخل في هذه الآيةِ ونحوِها، فإن لم تَكنْها في معناها كما لا يخفى عَلى مُنصِفٍ"[3].

---

(۱) "شفاء الفؤاد بزيارة خير العباد" الزيارة النبوية في القرآن، صـ۱۱.

(۲) پ۵، النساء: ۱۰۰.

(۳) "شفاء الفؤاد بزيارة خير العباد" الزيارة النبوية في القرآن، صـ۱۰.

"اس آیت مبارکہ میں اگرچہ زیارتِ نبوی کی صراحت نہیں، مگر اللہ ورسول کی طرف ہجرت کا ذکر ضرور ہے، لیکن یہ بات واضح ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضری، خصوصًا دُور سے سفر کر کے آنا، اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرنا ہی ہے! تو جو کوئی آپ ﷺ کی زیارت کے ارادے سے آئے گا، وہ اس آیتِ مبارکہ کے حکم میں داخل ہے، یعنی اگر اسے راستے میں موت آگئی، تب بھی اللہ تعالی اسے زیارت کا اجر وثواب عطا فرمائے گا، اور یہ بات کسی بھی انصاف پسند سے مخفی نہیں!"۔

زیارتِ روضۂ رسول، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

اکثر علماء نے کتب مناسِک حج میں، زیارتِ روضۂ انور کو مستحب لکھ کر، بہت سی احادیث کا تائیداً ذکر کیا ہے، ہم بھی ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَن زار قبري، وجبتْ لَه شفاعتِي!»[۱] "جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی!"۔

(۲) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «مَن جاءنِي زائراً لَا تعمِلُه حاجةٌ إلّا زيارتِي، كان حقّاً عليَّ أن أكونَ لَه شفيعاً يومَ القيامة!»[۲] "جو میری زیارت کے لیے آئے، اور میری زیارت کے سوا اسے کوئی حاجت نہ ہو، تو مجھ پر لازم ہے کہ بروزِ قیامت اُس کی شفاعت کروں!"۔

---

(۱) "سنن الدارقُطني" كتاب الحج، باب المواقيت، ر: ٢٦٦٩، ٢/ ٣٥١. و"شعب الإيمان" ٢٥ من شعب الإيمان: وهو باب في المناسك، فضل الحج والعمرة، ر: ٤١٥٩، ٣/ ١٥١٢.

(٢) "المعجم الكبير" باب سالم عن ابن عمر، ر: ١٣١٤٩، ١٢/ ٢٢٥. و"المعجم" لابن المقرئ، باب الألف، ر: ١٥٨، صـ٨٠.

(۳) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، رحمت عالمیان ﷺ نے فرمایا: «مَن حجّ فزار قبرِي بعدَ وفاتِي، كان كمَن زارني في حياتِي»[1] "جس نے میرے وصال کے بعد حج کیا، پھر میری قبر کی زیارت کی، گویا اس نے ظاہری حیات میں میری زیارت کی"۔

(۴) حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: «مَن حجّ البيتَ فلم يزُرنِي، فقد جَفانِي!»[2] "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی، اس نے مجھ پر جفا (بے رخی) کی!"۔

زیارتِ روضۂ رسول، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام ابن الهمام رحمه الله تعالى: "قال مشايخُنا رحمهم الله تعالى: مِن أفضَلِ المندُوبَاتِ، وأنّها قرِيبَةٌ مِن الوجُوبِ"[3]. صاحب "فتح القدیر" فرماتے ہیں کہ "ہمارے مشایخ رحمہم اللہ تعالی نے فرمایا، کہ حضور اکرم ﷺ کی قبرِانور کی زیارت، افضل ترین مستحب عمل ہے، اور یہ قریب بواجب ہے"۔

قال الإمام ابن عابدين الشّامي رحمه الله تعالى: "(وزيارةُ قبرِه مندُوبَةٌ، بل قيل: واجِبةٌ) أي: بإجماعِ المسلمين، كما في اللُّباب"[4]. "حضور رحمتِ عالم ﷺ کی قبرِانور کی زیارت مستحب ہے، بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ واجب ہے، یعنی اس پر تمام مسلمانوں کا اِجماع واتفاق ہے، جیسا کہ "لُباب" میں فرمایا"۔

---

(١) "المعجم الكبير" باب، مجاهد عن ابن عمر، ر: ١٣٤٩٧، ١٢/ ٣١٠. و"سنن الدارقُطني" كتاب الحج، باب المواقيت، ر: ٢٦٦٨، ٢/ ٣٥١. و"شعب الإيمان" ٢٥ من شعب الإيمان: وهو باب في المناسك، فضل الحج والعمرة، ر: ٤١٥٤، ٣/ ١٥١١.

(٢) "الكامل في ضعفاء الرجال" من ابتداء اسمه نون، تحت ر: ١٩٥٦-النعمان بن شبلٍ الباهلي البصري، ٨/ ٢٤٨.

(٣) "فتح القدير" كتاب الحج، مسائل منثورة، ٣/ ٩٤.

(٤) "رد المحتار" كتاب الحج، حرم المدينة ومكّة، ٢/ ٦٢٦.

قال الإمام الحافظ القاضي أبو الفضل عياض رحمه الله: "زيارةُ قبرِه ﷺ سنّةٌ مِنْ سُنَنِ المسلمين مُجْمَعٌ عليها، وفضِيلةٌ مُرَغَّبٌ فيها"(۱). قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حضور اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت، مسلمانوں کا بہترین طریقہ ہے، اور اس پر امّت کا اِجماع واتفاق ہے، اور یہ ایک فضیلت کا کام ہے، جو بہت مرغوب ہے"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي رحمه الله: "أما إجماعُ المسلمين فقد نقلَ جماعةٌ من الأئمة حمَلة الشّرع الشّريف -الذين عليهم المدارُ والمعوَّلُ في نقل الخلاف- الإجماعَ، وأنّما الخلافُ بينهم في، أنّها واجبةٌ أو مندوبةٌ، فقيل: واجبةٌ"(۲).

"حضور تاجدارِ رسالت ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کرنے پر، علمائے امّت نے اِجماع (اتفاق) نقل کیا ہے، اور اس میں اختلاف کی نفی کی ہے، اور ان کے درمیان اختلاف صرف اس بات پر ہے، کہ یہ آیا زیارت مبارکہ واجب ہے یا مستحب؟ اور کہا یہ گیا ہے کہ یہ واجب ہے"۔

قال الإمام ابن الملقَّن سراج الدّين عُمر بن علي الشّافعي رحمه الله: "الأمّةُ مُجمِعةٌ على زيارة قبرِ نبيِّنا ﷺ وأبي بكرٍ وعمرَ، وكان ابنُ عمرَ إذا قدمَ من سفرٍ، أتَى قبرَه المكرَم فقال: «السّلام عليك يا رسولَ الله! السّلام عليك يا أبا بكرٍ! السّلام عليك يا أبَتاه!»"(۳).

"حضور نبیٔ اکرم ﷺ کی قبرِ انور، اسی طرح حضرتِ ابو بکر صدیق اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کی زیارت پر، تمام امّت کا اتفاق ہے۔ حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معمول تھا، کہ وہ

---

(۱) "الشفا" القسم ۲، الباب ٤، الجزء ۲ صـ٥٣.

(۲) "الجوهر المنظَّم" الفصل ۱، صـ۷.

(۳) "التوضيح لشرح الجامع الصحيح" كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، ر: ١٢٨٣، ٩/ ٥١٣. "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الجنائز، [باب] من كان يأتي قبرَ النبي ﷺ فيسلّم، ر: ١١٩١٥، ٣/ ٣٤١. "مصنَّف عبد الرزّاق" كتاب الجنائز، باب السّلام على قبر النبي ﷺ، ر: ٦٧٢٤، ٣/ ٥٧٦.

جب سفر سے واپس لَوٹتے، تو حضورِ اکرم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوکر عرض کرتے: «السّلام عليك يا رسولَ الله! السّلام عليك يا أبا بكرٍ! السّلام عليك يا أبَتاه!»".

علّامہ محمد شربینی رحمۃ اللہ علیہ خطیب شافعی لکھتے ہیں کہ "حضورِ نبئ اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت، خواتین کے لیے بھی مستحب ہے؛ کیونکہ حضور ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت سب سے بڑی قُربت (نیکی) ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ اس حکمِ زیارت میں دیگر انبیاء علیہم السلام، صالحین اور شہداء کی زیارت کو بھی شامل کر لیا جائے"[1]۔

خلاصۂ کلام

زیارتِ روضۂ رسول ﷺ مستحب ہے، جبکہ بعض ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔ بعد وصال حضور نبئ اکرم ﷺ کے روضۂ انور کی زیارت، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے۔ عامّۃ المسلمین کی قبور کی زیارت بھی، خود حضور نبئ اکرم ﷺ کے عمل، اور متعدّد ارشاداتِ عالیہ سے ثابت ہے۔

درج بالا احادیثِ مبارکہ، اور بزرگانِ دین کے اَقوال پر مشتمل، تمام تحقیقی کلام کو مدِ نظر رکھ کر، یہ کہا جا سکتا ہے کہ "حضور نبئ اکرم ﷺ کی حیات طیّبہ میں اور بعد وصالِ ظاہری، حضور اکرم ﷺ کے روضۂ انور پر حاضر ہونا، حرام، شرک یا بدعت ہرگز نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

اس عملِ خیر اور اعتقاد و نظریہ کو، شرک وبدعت سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو گمراہی کے اندھیرے کی طرف دھکیلنے کے مترادِف ہے!۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام تقی الدین سُبکی علیہ الرحمۃ کی کتاب **(۱)** "شفاء السِّقام في زيارة خير الأنام"[2]، امام ابن حجر مکّی علیہ الرحمۃ کے رسائل **(۲)** "الجوهر المنظَّم في زيارة القبر النّبوي المكرَّم"[3] **(۳)** اور "تحفة الزُوّار إلى قبر النبي

---

(۱) "الإقناع" كتاب الصّلاة، فصل في صلاة الجنازة، ۱/ ۲۰۸.

(۲) مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن۔

(۳) مطبوعة من المكتبة القادرية بالجامعة النظامية الرضوية، لاهور.

المختار"[1]، حضرت علّامہ فضلِ رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "إكمال في بحث شدِّ الرِّحال"[2]، حضرت علّامہ مفتی صدر الدین آزُردہ علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۵) "منتهَى المقال في شرح حديث لا تشدّ الرِّحال"[3]، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے رسائل (۶) "أنور البِشارة في مسائل الحجّ والزيارة"[4] (۷) اور "النَيّرةُ الوضية شرح الجَوهرةِ المضية" مع حاشية "الطُرّة الرَّضية"[5] اور علّامہ سیّد محمد بن علوی مالکی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۸) "شفاء الفُؤاد بزيارة خير العِباد"[6] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعة من دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔

(۳) مطبوعہ مصلح الدین پبلی کیشنز، کراچی۔

(۴) "فتاوی رضویہ" ۸/۵۶۷تا۶۰۴، مطبوعہ ادارہ اہل سنّت، کراچی۔

(۵) "فتاوی رضویہ" ۸/۶۰۸تا۶۴۶، مطبوعہ ادارہ اہل سنّت، کراچی۔

(۶) مطبوعة من المكتبة العالمية، بيروت.

(۴۲) اذانِ قبر

مسلمان میّت کو قبر میں دفن کرکے اذان دینا، اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک امرِ مستحب وجائز ہے، مگر کچھ نافہم لوگ اس عمل کو بدعت کہتے ہیں؛ تاکہ عوام النّاس کو گمراہ کرسکیں، اور یہ نہیں بتاتے کہ یہ کونسی بدعت ہے، سیئّہ یعنی بُری بدعت ہے، یا حَسَنہ یعنی اچھی بدعت ہے!!۔

اذانِ قبر، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

تدفین کے بعد میّت کے لیے سب سے بڑا امتحان یہ ہوتا ہے، کہ اُس سے نکیرَین (دو ۲ فرشتے منکَر ونکیر) سوالات کرتے ہیں۔ اس وقت شیطان میّت کو سوالات کے جوابات میں بہکاتا ہے، جبکہ اذان دینے سے شیطان دُور بھاگ جاتا ہے، جیساکہ صحیح حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے:

"صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضورِ اقدس سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إذا أذّن المؤذّنُ، أَدْبَرَ الشّيطانُ وله حُصَاصٌ»[1] "جب مؤذّن اذان کہتا ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے"۔

امام احمد وطبرانی رحمۃ اللہ علیہما حضرتِ سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "جب حضرتِ سیّدنا سعد بن مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہوچکے، اور ان کی قبر درست کر دی گئی، تو نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیر تک تسبیح فرماتے رہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تسبیح کرتے رہے، پھر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تکبیر کہی، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! پہلے تسبیح پھر تکبیر فرماتے رہے؟! ارشاد فرمایا: «لقَد تضايقَ على هذا الرّجلِ الصّالحِ قبرُه، حتى فرَّجهُ اللهُ عَنه» "اس نیک مرد پر اُس کی قبر تنگ ہُو گئی تھی، یہاں

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ر: ۸۵۷، صـ١٦٤.

تک کہ اللہ عزّوجلّ نے وہ تکلیف اُس سے دُور فرماکر، قبر کشادہ فرما دی"[1]۔

نتیجہ: اذان ذکرِ الٰہی ہے، اور ذکرِ الٰہی عذاب کو دُور کرتا ہے، امام بیہقی علیہ الرحمۃ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّ لكلّ شيءٍ سِقالةً، وإنّ سِقالةَ القلوبِ ذِكرُ الله، وما مِن شيءٍ أنجَى مِن عذابِ الله، مِن ذِكرِ الله!» "یقیناً ہر شَے کی ایک چمک ہے، اور دلوں کی چمک اللہ تعالی کا ذِکر ہے، اور ذِکرُ اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نَجات دِلانے والی کوئی چیز نہیں!"[2]۔

اذانِ قبر، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

علّامہ مُناوی رحمہ اللہ "تیسیر شرح جامع صغیر" میں فرماتے ہیں: "فَكَبِّرُوْا سے مراد یہ ہے کہ "اللہ اکبر اللہ اکبر" کثرت کے ساتھ بار بار کہو"[3]۔

قال الإمام ابن عابدين الشّامي رحمہ اللہ:"قَد يُسنّ الأذانُ لِغَيرِ الصّلاةِ، كما في أَذانِ المولُودِ، والمهمُومِ، والمصرُوعِ، والغَضبانِ، ومَن ساء خُلقُه مِن إنسانٍ أو بهيمةٍ، وعند مُزدَحمِ الجَيشِ، وعندَ الحَرِيقِ، قيل: وعندَ إنزالِ الميّتِ القبرَ، قياساً علَى أوّل خرُوجِه للدّنيا"[4].

"نماز کے علاوہ بھی اذان دینا سنّت ہے، جیسے نَومَولود کے کان میں، غمزدہ، مرگی والے اور غصہ والے کے کان میں، جس جانور یا آدمی کی عادات خراب ہوں ان کے سامنے، جنگ کے وقت، آگ لگ جائے تب۔ اور کہا گیا ہے، کہ میّت کو قبر میں اُتارتے وقت بھی اذان کہی جائے، اس کی پیدائش کے وقت پر قیاس کرتے ہوئے"۔

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند جابر بن عبد الله، ر: ١٤٨٧٩، ٥/ ١٤٢.

(٢) "شعب الإيمان" باب في محبّة الله ﷻ، فصل في إدامة ذكر الله ﷻ، ر: ٥٢٢، ١/ ٣٤٠.

(٣) "التيسير" حرف الهمزة، تحت ر: ٦٤١، ١/ ٢٨٥.

(٤) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع التي يندب ...إلخ، ٢/ ٥٧٨.

خلاصۂ کلام

تمام کلام کا خلاصہ یہ ہے، کہ قبر پر اذان دینا ایک مستحب وجائز کام ہے، اور اس کا فائدہ یقیناً مرنے والے کو ہوگا، اور اگر کوئی قبر پر اذان نہیں دیتا، تو اس پر شرعاً کوئی مؤاخذہ نہیں۔ البتہ اس جائز کام کو حرام کہنا، یا اس سے روکنا، ضرور ناجائز وگناہ ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "إيذان الأجر في أذان القبر"[۱] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاویٰ رضویہ" ۴/۵۰۷ تا ۵۲۹، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴۳) جنازہ کے آگے کلمہ شریف اور درود وسلام پڑھنا

جنازے کے ساتھ اونچی آواز سے، کلمہ شریف پڑھنے سے کہیں منع نہیں کیا گیا، یہی اس کے جائز ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جو منع کرے وہ منع کی دلیل پیش کرے! نہ اس میں کوئی قباحت ہے، جس کے سبب منع کیا جائے۔ عوام کو اللہ عزّوجلّ کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً جائز ہو، محض بدخواہئ عامۂ مسلمین ہے، اور مسلمانوں میں اختلاف ڈالنا ہے!!۔

بلکہ علمائے کرام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ "منع کرنا اُس برائی سے ضروری ہے، جو بالاِتفاق حرام ہو"، بلکہ یہاں تک وضاحت فرماتے ہیں کہ "عوام اگر کسی طرح اللہ عزّوجلّ کی یاد میں مشغول ہوں، تو ہرگز انہیں منع نہ کیا جائے، اگرچہ وہ طریقہ کسی فقہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں حرام ہو، مثلاً سُورج نکلتے وقت نماز پڑھنا حرام ہے، اور عوام پڑھتے ہوں تو روکا نہ جائے؛ کہ آخر کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں! کسی طرح اسے سجدہ تو کریں! اگرچہ کسی دوسرے فقہ پر ہی صحیح ہو"[1]۔

اسلام کے ابتدائی دَور میں یہ معمول رہا ہوگا، کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں یہ معلوم نہ ہوتا، کہ ہمارے سیدھے ہاتھ پر کون ہے اور الٹے ہاتھ پر کون، ہر شخص اپنی اپنی فکر میں رہتا، اور اپنی مَوت کو یاد کرتا، کہ مَوت کے وقت میرے ساتھ کیا ہوگا؟ مجھ پر کیا گزرے گی؟ غرض کہ اپنی مَوت کی یاد میں مستغرق ہوتا، گویا ہر شخص اس جنازہ کو اپنا ہی جنازہ سمجھتا، بلا شبہ اُس وقت خاموش رہنا ہی مناسب تھا۔ جب زمانہ بدلا اور اس ابتدائی دَور جیسا خوفِ خدا عام مسلمانوں میں نہ رہا، تب محض خاموشی کے سبب اکثر مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی، کہ وہ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے، دنیاوی باتوں میں مشغول رہتے ہیں، لہذا دنیا کی فضول باتوں سے ذکرِ الٰہی بہتر ہے[2]۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الجنائز، باب اَحوالِ قربِ مَوت، ۷/۶۰بتصرّف۔

(۲) ایضًا، ۷/۶۶، بتصرّف۔

جنازہ کے آگے کلمہ شریف اور درود وسلام پڑھنا
قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) قرآنِ کریم میں اللہ کے ذکر کا حکم مطلق ہے، کہیں ارشاد ہوا: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾[۱] "تم میری یاد کرو میں تمھارا چرچا کروں گا! اور میرا حق مانو، اور میری ناشکری مت کرو!"۔

(۲) کہیں یوں ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾[۲] "اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ!"۔

(۳) کہیں ربّ العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾[۳] "اے ایمان والو! اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو!"۔

جنازہ کے آگے کلمہ شریف اور درود وسلام پڑھنا
حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرتِ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں: «لم يكنْ يُسْمَع مِن رسولِ الله ﷺ -وهو يَمشِي خَلفَ الجنازةِ- إلّا قولَ: لا إلَه إلّا الله، مُبدِياً وراجعاً»[٤] "حضور اکرم ﷺ جب جنازہ کے پیچھے چلتے، تو جاتے اور لوٹتے وقت، کلمہ طیّبہ "لا الہ الا اللہ" کا ذکر کیا کرتے"۔

(۲) حضرتِ سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أكْثِرُوا ذِكْرَ الله، حتّى يقولُوا: مجنونٌ»[٥] "اللہ تعالی کو اتنا یاد کرو، کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں!"۔

---

(١) پ٢، البقرة: ١٥٢.

(٢) المرجع نفسه، ٢٠٠.

(٣) پ٢٢، الأحزاب: ٤١.

(٤) "الكامل في ضعفاء الرجال" من اسمه إبراهيم، تحت ر: ١١٠، ١/ ٤٣٧.

(٥) "مستدرَك الحاكم" كتاب الدعاء والتكبير، ر: ١٨٣٩، ٢/ ٧٠٢. قال الذهبي: "صحيح".

(۳) حضرتِ سیّدنا مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، سرکارِ دوعالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «واذكُرِ اللهَ عزوجل عندَ كلِّ حجرٍ وشجرٍ»[۱] "ہر حجر وشجر کے پاس اللہ عزوجل کا ذکر کیا کرو!"۔

(۴) حضرتِ سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: «كان النّبِيُّ ﷺ يذكرُ اللهَ علَى كلّ أحيانِه»[۲] "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت اللہ عزوجل کا ذکر کیا کرتے"۔

جنازہ کے آگے کلمہ شریف اور درود وسلام پڑھنا

اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام عبد الوہاب شَعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "وكان سيّدي علي الخوّاص رضي الله تعالى عنه يقول: إذا عُلم من الماشِين مع الجنازة، أنّهم لا يتركون اللَّغوَ في الجنازة، ويشتغلون بأحوال الدّنيا، فينبغي أن نأمرَهم بقول "لا إلهَ إلّا الله محمّد رسولُ الله"؛ فإنّ ذلك أفضلُ مِن تركِه، ولا ينبغي للفقيه أن يُنكِرَ ذلك إلّا بنصٍّ أو إجماعٍ؛ فإنّ مع المسلمين الإذنَ العامّ من الشّارع بقول "لا إلهَ إلّا اللهُ محمدٌ رسولُ الله ﷺ" كلَّ وقتٍ شاءوا، وبالله للعَجب مِن عَمي قلبِ مَن يُنكِر مثلَ ذلك!"[۳].

"حضرت علی الخوّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے، کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے، اور دنیاوی احوال میں مشغول ہیں، تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ طیّبہ پڑھنے کا حکم دیں؛ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے، اور فقیہ عالِم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے، مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اِجماع سے؛ اس لیے کہ شارِع علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اِذن عام ہے، جس وقت بھی چاہیں پڑھیں، اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل پر جو انکار کرے!"۔

---

(۱) "الزُّهد" للإمام أحمد، ر: ۲٤، صـ۲٥.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب هل يتتبع المؤذّن ...إلخ، صـ۱۰٤.

(۳) "لواقح الأنوار القدسيّة في بيان العهود المحمديّة" القسم ۱: المأمورات، صـ٤۳۱.

علّامہ عبدالغنی نابُلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "لكن بعضَ المشايخ جوّزوا الذِّكرَ الجهريّ ورفعَ الصَّوت بالتعظيم، قُدّام الجنازة وخلفَها؛ لتلقين الميّت والأموات والأحياء؛ وتنبيه الغَفَلة والظَّلَمة وإزالة صداء القلوب وقساوتها بحبّ الدّنيا ورئاستها!"[۱]۔
"بعض مشایخ نے جہری ذکر کو بھی جائز کہا ہے، اس طرح کہ جنازہ کے آگے اور پیچھے تعظیم کے ساتھ، بآواز بلند ذکر کریں؛ تاکہ میّت اور دوسرے زندوں، مُردوں کو تلقین ہو، غافلوں، ظالموں کو تنبیہ ہو، نیز دنیا کی محبت وریاست سے دلوں میں جو زنگ اور درشتی ہے، وہ دور ہو!"۔

خلاصۂ کلام

ان مذکورہ عبارات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا، کہ جنازے کے ساتھ ذکرُ اللہ کرتے ہوئے چلنے کے بارے، میں حکمِ کراہت اس وقت تھا جب جنازے کے ساتھ چلنے والے لوگ، تصوّرِ مَوت میں ایسے غرق ہوتے تھے، کہ ناواقف کو معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ اہلِ میّت کون ہیں۔ اسی لیے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے محض خاموشی کو پسند فرمایا تھا؛ کیونکہ کلام (اگرچہ ذکرُاللہ ہی کیوں نہ ہو، چاہے آہستہ ہی کیوں نہ ہو) اس تصوّرِ مَوت سے ضرور روکے گا، جو انتہائی مفید اور نافع ہے، تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تَر تھی۔ اب چونکہ زمانے کی حالت بدل چکی، لوگ جنازے کے ساتھ اور وقتِ تدفین قبروں پر بیٹھ کر لَغویات، فضولیات اور دنیاوی باتوں، بلکہ ہنسی مذاق، لَہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں، لہٰذا انہیں ذکرِ خدا اور سول کی طرف مشغول کرنا، عین ثواب، صواب اور کارِ خیر ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ عمر الدّین ہزاروی علیہ الرحمۃ (ت۱۳۴۹ھ) علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "الإجازة في الذكر مع الجنازة"، اور حکیم الامّت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کی کتاب (۲) "جاء الحق"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) "الحديقة الندية" القسم ۲ في آفات اللسان، المبحث ٦، الصنف ٣، ٢/ ٤٠٨، ملتقطاً.

(۲) پہلا باب: جنازہ کے آگے کلمہ طیّبہ یا نعت خوانی کا ثبوت۔ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات، پاکستان۔

(۴۴) کفن وغیرہ پر کلمہ طیّبہ لکھنا -قبر میں عہد نامہ رکھنا

مسلمانوں کے ہاں یہ طریقہ چلا آرہا ہے، کہ شہادت کی انگلی سے میّت کے کفن یا علیحدہ کپڑے پر، کلمہ طیّبہ تحریر کرتے ہیں؛ تاکہ اس کی برکت سے عذابِ قبر سے حفاظت ہو، یہ طریقہ درست ہے جائز ہے۔ نیز اکثر اہلِ طریقت کا معمول ہے، کہ تبرکاً اپنے بزرگوں کے استعمال شدہ کپڑوں میں کفن دیتے ہیں، یہ طریقہ بھی اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح ہے جائز ہے۔

کتابتِ کفن اور عہد نامہ، حدیث نبوی کی رَوشنی میں

(۱) امام عبد الرزّاق (امام بخاری کے شیخ الشیخ) علیہ الرحمۃ اپنی "مصنَّف" میں، محمد بن عقیل بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "أنّ فاطمةَ لما حضرتْها الوَفاةُ، أمَرتْ عليّاً فوضع لها غُسلاً، فَاغْتسلَتْ وتَطهَّرتْ ودعَتْ ثيابَ أكفانِها، فأُتِيتْ بثيابٍ غِلاظٍ فلبسَتْها، ومسّت مِنَ الحَنوط، ثمّ أمَرتْ عليّاً أنْ لا تُكشَفَ إذا قضَتْ، وأن تُدراج كما هي في ثيابِها.

قال: فقلتُ له: هل عَلِمْتَ أحداً فعل ذلك؟ قال: نعم، كثيرُ بنُ عبّاسٍ، وكتب في أطرَافِ أكفانِه: شهدَ كثيرُ بْنُ عبّاس أنْ لَا إله إلّا اللهُ"[1].

"حضرت سیّدہ فاطمہ زہراءطیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے انتقال کے وقت، امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ -کرّم اللہُ تعالی وجہہ- سے اپنے غسل کے لیے پانی رکھوایا، پھر نہائیں اور اپنے کفن کے کپڑے منگوائے، چنانچہ موٹے (دبیز) کپڑے انہیں پیش کیے گئے، جو انہوں نے زیب تن فرمائے، اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولیٰ علی کو وصیت فرمائی، کہ میرے انتقال کے بعد مجھے کوئی نہ کھولے، اور اسی کفن میں دفنا دی جائیں۔

---

(١) "المصنَّف" كتاب الجنائز، باب المرأة تغسل الرجل، ر: ٦١٢٦، ٣/ ٤١١.

راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: کیا کبھی کسی اَور نے بھی ایسا کیا ہے؟ کہا کہ ہاں، کثیر بن عباس رضی اللہ تعالی نے بھی ایسا ہی کیا تھا، اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: "شَہِدَ كَثِيرُ بْنُ عَبَّاسٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا الله" یعنی کثیر بن عباس نے گواہی دی کہ "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔

اسی روایت کو امام طَبرانی نے "معجم کبیر" میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کیا ہے[1]۔

امام جلال الدین سیوطی "دُرِ منثور" میں حکیم ترمذی سے، اور وہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: قال رسول الله ﷺ: «مَن قال في دُبُر كلِّ صلاةٍ -بعدما سلّم- هؤلاء الكلمات: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ فاطِر السَماواتِ والأرض، عَالم الغَيْب والشّهادَة، الرَّحمن الرّحِيم، إنّي أَعهد إليك في هذه الحياة الدّنيا، بأنّك أنْتَ اللهُ الّذِي لَا إله إلّا أنت وَحدَك لَا شريكَ لَك، وأنّ محمّداً عَبدُك ورسولُك، فلَا تكِلنِي إلَى نَفسِي! فإنّك إن تكِلنِي إلَى نَفسِي، تقرّبني من الشَّرّ وَتُبَاعِدنِي من الخَيْر، وَإنِّي لَا أَثِق إلّا بِرَحْمَتك، فَاجْعَلْ رحمتَك لي عهداً عندك، تُؤَدِّيه إلَيّ يومَ القِيامة، إِنَّك لَا تُخلِفُ المِيعَادَ"، كَتَبَهُ ملَكٌ في رِقٍّ فختم بخاتم، ثمّ دَفعَها إلَيّ يومَ القيامة، فإذا بعث اللهُ العبدَ من قبره، جاءه الملَكُ ومعه الكتابُ ينادي: أين أهلُ العهود حتّى تدفعَ إليهم» "وعن طاؤس: أنّه أمرَ بهذه الكلمات، فكتبتْ في كفنه"[2].

"فرشتہ اسے کاغذ کے ٹکڑے میں لکھ کر مُہر لگا کر، روزِ محشر کے لیے محفوظ رکھ لیتا ہے، جب اللہ تعالی اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے گا، تو فرشتہ وہ نوشتہ (لکھا ہوا کاغذ) ساتھ لا کر ندا کرے گا کہ "عہد نامہ والے کہاں ہیں؟" پھر انہیں وہ عہد نامہ دیا جائے گا۔ امام طاؤس کی وصیت کے مطابق، یہ عہد نامہ لکھ کر اُن کے کفن میں رکھ دیا گیا"۔

---

(١) "المعجم الكبير" ذكر سِنّ فاطمة رضي الله عنها ووفاتها ...إلخ، ر: ٩٩٦، ٢٢/ ٣٩٩.

(٢) "نوادر الأصول" ١٧٤، ر: ١٠٨٧، صـ٣٩٨. و"الدر المنثور" سورة مريم، تحت الآية: ٨٧، ٥/ ٥٤٢، ٥٤٣.

کتابتِ کفن اور عہد نامہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

"فتاوی بزّازیہ" میں ہے کہ امام صفّار نے فرمایا: "لو كتب على جبهة الميّت، أو على عمامته، أو كفنه عهد نامَه، يُرجى أن يغفرَ اللهُ تعالى للميّت، ويجعله آمناً من عذاب القبر". "اگر میّت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے، تو امید ہے کہ اللہ تعالی اسے بخش دے، اور وہ عذابِ قبر سے مامون رہے"[1]۔

علّامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "بعض محققین نے "فوائد الشرجی" سے نقل کیا، کہ بغیر رَوشنائی کے میّت کی پیشانی پر انگلی سے "بِسْمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم" لکھ دیا جائے، اور سینے پر "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ الله" لکھ دیا جائے، اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو"[2]۔

خلاصۂ کلام

تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے، کہ کفن پر یا میّت کی پیشانی پر، کلمۂ طیّبہ، بسم اللہ وغیرہ بغیر رَوشنائی کے لکھنا جائز ومستحسن ہے، اور اس میں فائدہ اس امید کا ہے، کہ اللہ تعالی اپنے مبارک نام اور کلامِ پاک کی برکت سے میّت کی مغفرت فرمائے، اور اسے عذابِ قبر سے امان نصیب ہو! البتہ اس جائز کام کو حرام کہنا، یا اس سے روکنا، ضرور ناجائز وگناہ ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا رسالہ "الحرف الحَسَن في الكتابة على الكفن"[3] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

---

(۱) "الفتاوى البزّازية" كتاب الاستحسان، ٦/ ٣٧٩، ٣٨٠.

(۲) "رد المحتار" كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في ما يكتب على كفن الميت، ٥/ ٣٨١.

(۳) "فتاوی رضویہ" ۷/۱۴۰تا۱۰۲، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴۵) اولیاءاللہ کے نام پر جانور پالنا - قبروں پر پھول ڈالنا

عام طَور پر جو لوگ فاتحہ خوانی، گیارہویں یا میلاد شریف کے پابند ہوتے ہیں، وہ اس کام کے لیے گائے بکرا وغیرہ بھی پال لیتے ہیں، انہیں فربہ کرتے ہیں، اور میلاد شریف، گیارہویں شریف، یا کسی کی فاتحہ کے موقع پر وہ جانور، اللہ کے نام پر "بسم الله، اللهُ أكبر" پڑھ کر ذَبح کرتے ہیں، کھانا پکا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں، فقراء وصالحین کو کھلاتے ہیں۔

چونکہ وہ جانور میلاد شریف، گیارہویں شریف وغیرہ کی نیّت سے پالا جاتا ہے، اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ "یہ میلاد شریف کی گائے ہے"، "یہ غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بکرا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کہنا شرعًا جائز وحلال ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ "یہ قربانی کی گائے ہے"، "یہ عقیقے کا بکرا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ نیز اسی طرح جس حلال جانور کو مسلمان یا اہلِ کتاب، اللہ تعالی کا نام لے کر ذَبح کریں وہ حلال ہے، اور جس حلال جانور کو بھی مشرِک یا مُرتد ذَبح کرے، وہ مردار ہے حرام ہے۔

مسلمانوں کے ہاں ایک طریقہ یہ بھی ہے، کہ اپنے مرحومین کی قبروں پر پھول ڈالتے ہیں، اور قرآن خوانی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ اور ہر مؤمن کی قبر پر پھول ڈالنا جائز ہے، چاہے ولی اللہ ہو یا عام مسلمان ہو، ہر شَے اللہ تعالی کی تسبیح وذکر کرتی ہے، اسی لیے مسلمانوں کی قبروں پر پھول ڈالے جاتے ہیں؛ کہ وہ پھول جب تک تر وتازہ رہیں گے، اللہ تعالی کی تسبیح وذکر کرتے رہیں گے، اور اس تسبیح وذکر کے سبب صاحبِ قبر کے عذاب میں تخفیف ہوگی، یا اسے راحت وسکون نصیب ہوگا!۔

قبروں پر پھول ڈالنا، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

حضرتِ سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی دو۲ قبروں کے پاس سے گزرے، جن پر عذاب ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنّهما ليعَذَّبَانِ، وما يعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أمّا أحدُهما فكان لا يستتر من البَولِ، وأمّا الآخَرُ فكان يَمشِي بِالنّمِيمةِ» "یہ دونوں عذاب

میں مبتلا ہیں، اور انہیں کسی بڑے سبب سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ان میں سے ایک پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ایک سبز ٹہنی توڑی، اس کے دو ۲ حصے کیے، اور ہر قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ کر فرمایا: «لعلّه أنْ يخفّفَ عنهما ما لم ييْبَسا!» "کہ جب تک یہ دونوں ٹہنیاں ترو تازہ رہیں گی، ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی!"[1]۔

قبروں پر پھول ڈالنا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

علّامہ طحطاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "وقد أفتَى بعضُ الأئمّة من متأخِّرِي أصحابِنا، بأنّ ما اعتيدَ من وضع الرَّيحان والجريد سنّةٌ؛ لهذا الحديث"[2]. "ہمارے بعض متأخرین اصحاب نے اس حدیث کی بنا پر فتوی دیا، کہ قبر پر پھول اور تازہ ٹہنی ڈالنے کی جو عادت ہے، وہ سنّت ہے"۔

"فتاوی عالمگیریہ" میں ہے: "وضعُ الوُرود والرّياحين على القبور حَسنٌ"[3]. "قبروں پر پھول اور خوشبودار پودا رکھنا، اچھا عمل ہے"۔

علّامہ شامی رحمہ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "ويُؤْخَذُ مِنْ ذلك ومِنَ الحديثِ، نَدْبُ وَضْعِ ذلك للاتِّبَاعِ، ويُقَاسُ عليهِ ما اُعْتِيدَ في زمانِنا، مِنْ وَضْعِ أَغْصَانِ الْآسِ ونَحْوِه"[4]. "اس حدیث سے، نیز دیگر حدیثوں سے بھی قبروں پر پھول ڈالنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے، اور ہمارے زمانہ میں قبروں پر آس (خوشبودار پودے) کی شاخیں وغیرہ ڈالنے کا جو طریقہ رائج ہے، اس کی دلیل بھی یہی حدیث ہے"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر، ر: ١٣٦١، صـ٢١٨.

(۲) "حاشية الطحطاوي على المراقي" كتاب الصّلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، صـ٦٢٤.

(۳) "الفتاوى الهندية" كتاب الكراهية، الباب ١٦ في زيارة القبور وقراءة القرآن في المقابر، ٥/ ٣٥١.

(٤) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في وضع الجريد ...إلخ، ٥/ ٣٧٨.

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوال علمائے کرام سے ثابت ہوا، کہ قبروں پر پھول ڈالنا ایک اچھا عمل ہے، اور مرحومین کے لیے باعثِ نزولِ رحمت وتخفیفِ عذاب بھی ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "بريق المنار بشُموع المزار"[۱] اور حضرت صدر الافاضل علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "فرائد النُّور في جرائد القُبور"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۷/۲۹۹ تا ۳۴۶، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) "فتاوی صدر الافاضل" ص ۲۹۳ تا ۳۶۳، مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ، کراچی۔

(۴۶) ہاتھ پیر چُومنا اور تبرکات کی تعظیم

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چُومنا، اور ان کے تبرکات بال ولباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا بھی مستحب عمل ہے، نیز یہ عمل احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ثابت ہے۔

بزرگوں کے ہاتھ پیر چُومنا اور تبرکات کی تعظیم، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىٕكَةُؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾[۱] "اور بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے فرمایا، کہ سلطنتِ طالوت کی نشانی یہ ہے، کہ تمھارے پاس وہ تابوت آئے گا، جس میں تمھارے رب تعالیٰ کی طرف سے سکینہ ہے، اور موسیٰ وہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے، یقیناً اس میں تمھارے لیے عظیم نشانی ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو!"۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں امام بَغَوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "وَكَانَ فِيهِ عَصَا مُوسى وَنَعْلاه، وعمامةُ هارُون وعصاه"[۲]. "اس تابوت میں حضرتِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کے نعلین، اور حضرتِ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ اور عصا تھا"۔

امام حافظ الدّین نَسَفی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "هي رضاض الألواح، وعصا موسى وثيابُه، وشيءٌ من التوارة، ونعلَا موسى وعمامةُ هارون

---

(۱) پ۲، البقرة: ۲٤۸.

(۲) "مَعالم التنزيل" البقرة، تحت الآية: ۲٤۸، ۱/ ۲۲۹.

علیہما السلام"[1]. "ان بقیہ اشیاء میں توریت کی تختیوں کے ٹکڑے، اور موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا عصا، ان کے کپڑے، توریت شریف کا کچھ حصہ، اور موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے نعلین، اور ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کا عمامہ تھا"۔

(۲) حضرتِ سیّدنا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی قمیص مبارک، اپنے والدِ محترم حضرتِ سیّدنا یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے بھیجی، جس کی برکت سے اُن کی بینائی لَوٹ آئی، اسے اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا: ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًاۚ وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾[2] "میرا یہ کُرتہ لے جاؤ، اسے میرے والد کے منہ پر ڈالو! اُن کی آنکھیں کُھل جائیں گی، اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لے آؤ!"۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وهو قميصُ إبراهيم الذي لبسَه حين ألقيَ في النّار، كان في عنقه في الجُب، وهو من الجنّة"[3]. "وہ حضرتِ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ لباس تھا، جو انہوں نے آگ میں ڈالے جانے کے وقت زیبِ تن فرمایا تھا، وہی لباس حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے کنویں میں ڈالے جانے کے وقت، ان کے گلے میں تھا، وہ ایک جنّتی کُرتہ تھا"۔

علّامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ذلك أنّه لما جرّد من ثيابه وألقيَ في النّار عُرياناً، أتاه جبريلُ بقميص من حرير الجنّة فألبسَه إيّاه، فكان ذلك القميصُ عند إبراهيم، فلمّا مات ورثَه إسحاقُ، فلمّا مات ورثَه يعقوبُ، فلمّا شبّ يوسفُ جعل يعقوبُ ذلك القميصَ في قصبةٍ من فضّةٍ وسدَّ رأسَها، وجعلَها في عنق يوسفَ كالتعاويذ؛ لما كان يخاف عليه من العَين، وكانت لا تفارقه، فلمّا ألقيَ يوسفُ في البئر عُرياناً، أتاه جبريلُ وأخرجَ ذلك القميصَ وألبسَه إيّاه، وفيه ريحُ الجنّة، فلا يقع على مبتلَى ولا سقيم إلّا عُوفي"[4].

---

(١) "المدارك" البقرة، تحت الآية: ٢٤٨، ١/ ١٣٩.

(٢) پ١٣، يوسف: ٩٣.

(٣) "تفسير الجلالين" يوسف، صـ١٩٨.

(٤) "تفسير الخازن" يوسف، ٣/ ٤٣، ملتقطاً وبتصرّف.

"جب حضرتِ سیّدنا ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا، اس وقت حضرتِ سیّدنا جبریل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جنّت کا ریشمی لباس لے کر آئے، اور اسے انہیں پہنا دیا، پھر یہ قمیص حضرتِ ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے پاس رہی، جب آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا وصال ہوا، تو یہ قمیص حضرتِ اسحاق عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو وِرثے میں ملی، جب آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا وصال ہوا تو یہ قمیص حضرتِ یعقوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو ورثے میں ملی، اور جب حضرتِ یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جوان ہوئے، تو ان کے والد حضرتِ یعقوب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اس قمیص کو، آپ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے گلے میں تعویذ بنا کر ڈال دیا؛ کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ کہیں یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو نظر نہ لگ جائے، پھر جب حضرتِ یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو کنویں میں بغیر کپڑوں کے ڈالا گیا، تو حضرتِ جبریل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اس قمیص کو، آپ کے گلے سے نکال کر آپ کو پہنا دیا، اس میں جنّت کی خوشبو تھی۔ یہ جس مصیبت زدہ پر ڈالی جاتی اسے شفایاب کر دیتی"۔

نتیجہ: یہاں سے معلوم ہوا، کہ بزرگوں کی استعمالی اشیاء سے برکت لینا جائز، بلکہ باعثِ فلاح وکامیابی وشفایابی بھی ہے!۔

بزرگوں کے ہاتھ پیر چُومنا اور تبرکات کی تعظیم، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرتِ اُمّ اَبان بنت وازِع بن زارِع، اپنے دادا جان (جو وفدِ عبدِ قیس میں تھے) سے روایت کرتی ہیں کہ "جب ہم مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے، تو تیزی سے اپنی سواریوں سے اُتر کر، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دستِ مبارک اور پائے اقدس کو چُومنے لگے"[۱]۔

(۲) حضرتِ سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے، "نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرتِ عثمان بن مظعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی میّت کو بوسہ دیا، اس وقت آپ رو رہے تھے، یا آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے"[۲]۔

(۳) امام مسلم عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ اپنی "صحیح" میں حضرتِ سیّدہ اسماء بنت ابی بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کرتے ہیں کہ "یہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جبہ ہے، انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا، جس کی آستینوں اور گریبان

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب قبلة الرِّجل، ر: ٥٢٢٥، صـ٧٣٣.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الجنائز، باب ما جاء في تقبيل الميّت، ر: ٩٨٩، صـ٢٤٠.

پر ریشم کے نقش و نگار تھے، حضرتِ سیّدہ اسماء رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا، کہ یہ جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات تک ان کے پاس تھا، اور جب ان کی وفات ہوئی، تو میں نے اسے لے لیا، نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس جبّہ کو پہنتے تھے، ہم اس جبّہ مبارکہ کو دھوکر، اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں، اور اس جبّہ کی برکت سے ان کے لیے اللہ تعالی سے شفا طلب کرتے ہیں"[1]۔

(۴) "سنن ترمذی" کی روایت میں یوں آتا ہے کہ "نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصالِ پُر ملال پر، حضرتِ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو بوسہ دیا"[2]۔

(۵) حضرتِ سیّدنا ابو جحیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «رأيتُ رسولَ الله ﷺ في قبة حمراء من أدم، ورأيتُ بلالاً أخذَ وَضوءَ رسولِ الله ﷺ، ورأيتُ النّاسَ يَبتدرون ذاك الوَضوءَ، فمَن أصابَ منه شيئاً تمسّح به، ومَن لم يُصب منه شيئاً، أخذَ من بَلل يدِ صاحبِه»[3] "میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو دیکھا، کہ آپ سرخ کھال کے خیمہ میں رَونق افروز تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کے وضو کا پانی لے لیا، اور لوگ اس پانی کو لینے کے لیے لپک رہے تھے، جسے پانی مل گیا وہ اسے اپنے جسم اور چہرے پر ملتا، اور جسے وہ پانی نہ ملتا، وہ دوسرے کے ہاتھ کی تری اور نمی لے کر ملتا"۔

(۶) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں: أنّه أَتى النّبيَّ ﷺ وهو يَحْتَجِمُ، فلمّا فرغ قال: «يا عبدَ الله! اذْهَبْ بهذا الدّمِ، فَأَهْرِقْهُ حيث لَا يراكَ أحدٌ!» فلمّا بعُد عمدَ إلى ذلك الدّمِ فشرِبَه، فلمَّا رجع قال: «ما صنعتَ بالدَّم؟» قال: إنّي شربتُه لأزداد

---

(۱) "صحيح مسلم" كتب اللباس والزينة، باب تحريم لبس ...إلخ، ر: ۵٤٠٩، صـ۹۲٦، ۹۲۷.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الجنائز، باب ما جاء في تقبيل الميت، ر: ۹۸۹، صـ۲٤٠.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب الصّلاة في الثوب الأحمر، ر: ۳۷٦، صـ٦٧.

به علماً وإيماناً، وليكونَ شيءٌ من جَسَدِ رَسُولِ الله ﷺ في جسدِي، وجسدِي أَولى به من الأرض، فقال: «اِبشِرْ لا تمسُّكَ النّارُ أبداً!»[1].

"حضرت سیّدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ میں حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اُس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حِجامہ کروا رہے تھے، جب فارغ ہوئے تو فرمایا: اے عبد اللہ! اس خون کو لے جاؤ، اور ایسی جگہ بہادو جہاں کوئی نہ دیکھے!۔ جب وہ دُور گئے تو اُس خون مبارک کو اِرادۃً پی لیا، جب واپس آئے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے عبد اللہ تم نے اُس خون کا کیا کیا؟ عرض کی: یارسول اللہ! میں نے اسے پی لیا ہے؛ تاکہ اس کے ذریعے میرے علم وایمان میں اضافہ ہو، اور یہ کہ میرے جسم میں آپ کے جسم مبارک کا کوئی حصہ ہوجائے، اور میرا جسم زمین کے مقابلے میں اس بات کا زیادہ حقدار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہیں بِشارت ہو کہ اب آگ تمہیں کبھی نہیں چُھوئے گی!"۔

(۷) جنگ یرموک کے موقع پر، حضرت سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی مبارک گم ہوگئی، تلاش بسیار کے بعد وہ بھی مل پائی، آپ کے ساتھیوں نے اس سے متعلق پوچھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «اعتمر رسولُ الله ﷺ فحلقَ رأسَه، فابتدرَ النّاسُ جوانبَ شَعرِه، فسبقتُهم إلى ناصيته فجعلتُها في هذه القلنسُوة، فلم أشهد قتالاً وهي معي، إلّا رُزقتُ النّصر!»[2]

"رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد جب اپنے بال مبارک منڈوائے، تو لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مُوئے مبارک حاصل کرنے کے لیے، ایک دوسرے سے آگے دَوڑنے لگے، میں نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی کے بال مبارک حاصل کرلیے، پھر ان بالوں کو اپنی ٹوپی میں رکھ لیا۔ میں ہر میدان جنگ میں اس ٹوپی کو پہن لیتا ہوں، اللہ تعالی ان کی برکت سے مجھے فتح ونصرت سے ہمکنار کرتا ہے"۔

---

(١) "البداية والنهاية" ترجمة أمير المؤمنين عبد الله بن الزبير، ٨/ ٣٦٨.

(٢) "المعجم الكبير" باب الخاء، خالد بن الوليد المخزومي، ر: ٣٨٠٤، ٤/ ١٠٤، ١٠٥.

اس حدیثِ پاک کے بارے میں، امام نور الدین ہیثمی فرماتے ہیں: "رواه الطَّبَراني، ورِجالُه رِجَالُ الصَّحِيحِ"(۱). "اس حدیث کو امام طَبرانی نے روایت کیا، اور اس کو روایت کرنے والے تمام راوی رجالِ صحیح ہیں"۔

نتیجہ: یہاں سے معلوم ہوا، کہ بزرگوں کی استعمالی اشیاء سے برکت حاصل کرنا جائز، بلکہ باعثِ فلاح وکامیابی وشفایابی بھی ہے!۔

بزرگوں کے ہاتھ پیر چُومنا اور تبرکات کی تعظیم، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام قاضي خانْ رحمه الله تعالى: "لَا بَأسَ بِتقبِيلِ يدِ العالِمِ والسُّلطان"(۲). "عالم اور سلطان کے ہاتھ چُومنے میں کوئی حرج نہیں"۔

قال العلّامة حَسن بن عمّار الشُّرُنبُلالي رحمه الله تعالى: "عن سفيان بن عيَينة أنّه قال: تقبيلُ يد العالِمِ والسّلطان العادِل سنّةٌ، فقام عبد الله بن المبارك وقبّل رأسَه"(۳). "حضرت سیّدنا سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ عالم اور عادِل ومُنصِف بادشاہ کا ہاتھ چُومنا سنّت ہے، اسی وقت حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے، اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا"۔

وقال أيضاً رحمه الله تعالى: "لَا بَأسَ بِتقبيلِ يَدِ العَالِمِ والسُّلطانِ؛ لأنّ الصّحابةَ رضي الله تعالى عنهم كانوا يقبِّلون أطرافَ رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم"(٤). "مزید ارشاد فرماتے ہیں، کہ عالِم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چُومنا جائز ہے؛ کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا کرتے تھے"۔

---

(۱) "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" كتاب المناقب، باب ما جاء في خالد بن الوليد رضي الله تعالى عنه، ٩/ ٤٣١.

(۲) "الخانية" كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليل ...إلخ، الجزء ٤، صـ٣٧٨.

(۳) "غنية ذوي الأحكام" كتاب الكراهية والاستحسان، فصل في ملك أمة بشراء ونحوه، ١/ ٣١٨.

(٤) المرجع نفسه.

امام بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، کہ متبرک مقامات کو حصولِ برکت کے لیے، بوسہ دینا اچھا فعل ہے، نیز صالحین کے ہاتھ پیر کو نیک ارادے سے بوسہ دینا بھی بہترین عمل ہے"[1]۔

علّامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اولیائے کرام کے تابوتوں، اور ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینے کے جواز میں اختلاف ہے ہی نہیں، بلکہ بطور تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں"[2]۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک، عمل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اقوالِ علمائے کرام سے ثابت ہوا، کہ اللہ عزوجل کے نیک وصالح بندوں کے، ہاتھ پیر چومنا جائز وباعثِ برکت ہے، متبرک چیزوں کو چومنا بھی جائز ہے، اور ان سے برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے رسالے (۱) "بدر الأنوار في آداب الآثار"[3]، (۲) "أبرّ المقال في استحسان قُبلة الإجلال"[4]، حضرت علّامہ عبد الحلیم فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "نور الإيمان بزيارة آثار حبيب الرّحمن"[5]، اور حضرت علّامہ صدر الاَفاضل مفتی سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "آداب الأخيار في تعظيم الآثار"[6] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) "عمدة القاري" كتاب الحجّ، باب ما ذكر في الحجر الأسود، تحت ر: ۱۵۹۷، ۷/۱٦٦.

(۲) "شواهد الحق" القسم ۱ من المقدّمة، فصل في ذكر شيء مما لا ينبغي فعله للزائر، صـ۸۹.

(۳) "فتاوی رضویہ" ۲۲/۲۲۳ تا ۲۴۱، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴) ایضًا، ۱۵/۴۵۷ تا ۴۹۱، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۵) مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ، کراچی۔

(۶) "فتاوی صدر الافاضل" ص۳٦۵ تا ۴۰۹، مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ، کراچی۔

(۴۷) عبدالنبی یاعبدالرسول لقب رکھنا

"عبدالنبی"، "عبدالرسول"، "عبدالمصطفی" وغیرہ لقب رکھنا جائز ہے، اسی طرح اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کا بندہ وغلام کہنا بھی جائز ہے۔ اور یہ قرآن وحدیث اور اقوالِ علماء سے ثابت ہے، لہذا ذیل میں ہم قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علماء پیش کرتے ہیں:

عبدالنبی یاعبدالرسول لقب، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾[۱] "نکاح کر دو اپنوں میں سے ان کا جو بے نکاح ہوں، اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا (مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ)، اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ تعالی اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں "عبد" کی نسبت مجازی طور پر انسانوں کی طرف کی گئی ہے، یعنی انسانوں کے بندے۔

(۲) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[۲] "اے حبیب آپ فرما دیجیے! کہ میرے وہ بندو! جنہوں نے (گناہ کرکے) اپنے آپ پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو! بے شک اللہ تعالی سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے!"۔

---

(۱) پ۱۸، النور: ۳۲.

(۲) پ۲٤، الزمر: ٥٣.

علّامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "وَأَنِيبُوا يا عبادي إِلى رَبِّكُمْ، أي: ارجعوا إلى ربِّكم بالتوبة من المعاصي"[۱]. "اے میرے غلامو! تم اپنے رب کی طرف لَوٹو! اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے!"۔

حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں کہ "اس سے مراد مؤمن گنہگار ہے، نہ کہ کافر؛ کیونکہ کافر اگرچہ اللہ عزّوجلّ کا بندہ تو ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بندہ وغلام نہیں، اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بندوں غلاموں سے خطاب ہو رہا ہے"[۲]۔

عبدالنبی یاعبدالرسول لقب، آثارِ صحابہ کی رَوشنی میں

حضرت سیّدنا سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "جب حضرت سیّدنا عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرّر ہوئے، تو آپ نے منبر پر خطبہ دیا، اللہ تعالی کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: «أيّها النّاسُ! إنّي قَد علمتُ منكم أنّكم تؤْنِسُونَ منّي شدّةً وغِلظَةً، وذلِكَ أنّي كنتُ مع رسولِ الله ﷺ، فكنتُ عَبْدَه وخَادِمَه!»[۳] "اے لوگو! میں جانتا ہوں کہ تم مجھ میں بہت زیادہ سختی پاتے ہو، اور یہ سختی اس وقت بھی تھی جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بندہ (عبد) اور خادم تھا!"۔

عبدالنبی یاعبدالرسول، لقب اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامةُ المُناوي رحمه الله تعالى: "وقال الأذرعي من أجلّاء الشّافعية: ووقع في الفتاوى أنّ إنساناً سُمّي بـ"عبد النّبي" فتوقفتُ فيه، ثمّ مِلتُ إلى أنّه لا يحرم إذا قصدَ

---

(۱) "روح البيان" الزمر، تحت الآية: ٥٣، ٨/ ١٢٧.

(۲) "نور العرفان" سورۃ الزمر، ص ۷۴۰۔

(۳) "مستدرَك الحاكم" كتاب العلم، فصل في توقير العالِم، ر: ٤٣٤، ١/ ١٨٥.

به التشريفَ بالنّسبة إلى النّبي ﷺ، ويعبَّر بالعبد عن الخادِم" انتهى. قال العلّامةُ الدميري: "التسمّي بعبد النّبي، قيل: يجوز إذا قصد به النّسبةَ إلى رسول الله ﷺ"[1].

"ائمۂ شافعیہ کے جلیل القدر عالم امام اذرعی فرماتے ہیں، کہ مجھ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا، جس کا نام "عبدالنبی" ہو، تو میں نے اس کے جواب میں غور وفکر کیا، پھر میں اس جانب مائل ہوا، کہ یہ نام رکھنا حرام نہیں، جبکہ اس سے ارادہ یہ ہو، کہ نبئ کریم ﷺ سے شرفِ نسبت حاصل ہو جائے، اور "خادِم" کو "عبد" سے تعبیر کیا جائے۔ علّامہ دمیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "عبدالنبی نام رکھنا جائز ہے، جبکہ اس سے قصد وارادہ، حضور نبئ کریم ﷺ سے نسبت وتعلّق ہو!"۔

علّامہ عابد سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ "عبدالنبی" یا "عبدالرسول" نام رکھنے سے وقصد وارادہ حضور نبئ آخر الزمان ﷺ کی ذاتِ اقدس سے برکت وعنایت حاصل کرنا ہے، اور ہمارے نزدیک "عبد النبی" و"عبد الرسول" نام رکھنے کے معنی یہ ہیں، کہ نبی ورسول ﷺ کا مطیع وفرمانبردار"[2]۔

امامِ اَہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تمام جہان ان کی مِلک ان کا بندہ ان کا عبد ہے یوں اپنا لقب عبد النبی، عبدالرسول، عبدالمصطفی رکھنا عین سعادت ہے اور اس سے اسلام وکفر کا فرق روشن ہے کہ اللہ عزّوجلّ کی عبدیت سے کسی کافر کو بھی استنکاف[3] نہ ہوگا"[4]۔

چند علمائے کرام کے اسمائے گرامی، جن کے نام عبدالنبی ہیں

الإمام العلّامة عبد النّبي المغربي المالكي، مفتي السّادة المالكيّة بدِمشق (ت۹۲۳ھ).

الإمام الفقيه العلّامة عبد النّبي بن أحمد بن عبد القدّوس الحنفي النعماني (ت۹۹۰ھ).

---

(۱) "فيض القدير شرح جامع الصغير" حرف الهمزة، تحت ر: ۲۰۷، ۱/ ۱۶۹، التقاطاً.

(۲) "الصارم المسلول على مَن أنكرَ التسميةَ بعبد النّبي وعبد الرّسول" صـ۲۲، ۳۲.

(۳) یعنی عار، بڑائی، غرور، ناگواری۔

(۴) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاباحہ، نام رکھنے کا بیان، ۲۶۶/۱۵۔

الشيخ عبد النّبي بن محمد بن عبد القادر بن جماعة المقدسي الشّافعي (ت ۹۹۰ھ).

الشيخ عبد النّبي بن عبد الرّسول الأحمد النكري (كان حياً ۱۱۸۳ھ).

الشيخ الفقيه عبد النّبي الخليلي الحنفي، شيخ العلّامة الحَصكفي، وغيرهم كثيرٌ من العلماء والشّعراء، الذين أنزلوا أنفسَهم منزلةَ الأرقّاء المماليك لجنابه الشّريف ﷺ.

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ علمائے کرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ "عبدالنبی" یا "عبد الرسول" لقب رکھنا جائز ہے، اور یہ شرک نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم ﷺ سے نسبت ومحبت کا اظہار ہے، اور آپ ﷺ کے نامِ اقدس سے فیوض وبرکات حاصل کرنا ہے، ان ناموں سے بھی مقصود ومراد وہی ہے، جو مقصود "غلام رسول"، "غلام مصطفی"، "غلام محمد"، "غلام علی"، "غلام حسین"، "خادم حسین" اور "غلام غوث" وغیرہ ناموں سے ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حضرت شیخ محدّث مفتیٔ مدینہ منوّرہ، محمد عابد سندھی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "الصّارم المسلول على مَن أنكَر التسمية بـ عبد النّبي وعبد الرّسول"[۱]، اور امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "النُور والضياء في أحكام بعض الأسماء"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ المکتبۃ المجددیۃ النعیمیۃ، کراچی۔

(۲) "فتاوی رضویہ" ۱۵/۲۷۵تا۲۹۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۴۸) دعا بعد نمازِ جنازہ

دعا ایک عبادت ہے، دعا کرنا قرآن کریم اور حدیث پاک کے عین مطابق ہے، اللہ تعالی سے دعا کرنا، نیکی وسعادتمندی ہے۔ نماز، روزہ، حج، یہ عبادات مَوقوتہ (مقرّر وقت کے ساتھ) ہیں، مگر دعا کے لیے اللہ تعالی اور اس کے رسولِ پاک ﷺ نے کسی وقت کی قید وپابندی نہیں لگائی۔

دعا بعد نمازِ جنازہ، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾[1] "اے حبیب! جب میرے بندے آپ سے میرے تارے میں پوچھیں، تو (انہیں بتادو کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے، لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری فرمانبرداری کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں؛ تاکہ راہِ مراد پائیں!"۔

(۲) پھر فرمایا: ﴿وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾[2] "تمہارے رب تعالی نے فرمایا، کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا! یقیناً وہ جو میری عبادت[3] (یعنی دعا) سے اونچے کھنچتے ہیں (تکبّر کرتے ہیں)، عنقریب جہنم میں جائیں گے!"۔

(۳) نیز فرمایا: ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾[4] "وہ (اللہ) جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے، اور بُرائی دُور کردیتا ہے!"۔

---

(١) پ٢، البقرة: ١٨٦.

(٢) پ٢٤، المؤمن: ٦٠.

(۳) "یہاں عبادت سے مراد دُعا ہے"۔ "احسن الوعاء لآداب الدعاء"، فصل اوّل فضائل دعا میں، ص ۳۔

(٤) پ٢٠، النمل: ٦٢.

دعا بہت عمدہ نیکی ہے، بلکہ عبادتوں کا بھی مغز ہے، جسے ربِ کریم نے بغیر کسی وقت کی پابندی کے، بندوں کے لیے جائز رکھا ہے، لہٰذا بغیر دلیل کے اس نیک کام سے روکنا، درحقیقت "منّاع للخیر" میں داخل ہونا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے: ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ﴾[1] "بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار!"۔

دعا بعد نمازِ جنازہ، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: «إذا صلَّيتم علَى الميّتِ، فأَخْلِصُوا له الدُّعاءَ!»[2] "جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھ چکو، تو خلوصِ دل سے اس کے لیے دعا کرو!"۔

(۲) حضرتِ ابراہیم ہجری کہتے ہیں، کہ میں نے ابن ابی اَوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا (یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں) کہ جب ان کی بیٹی کا انتقال ہوا، ان پر جنازے کی چار ۴ تکبیریں کہیں، پھر اس کے بعد دو ۲ تکبیروں کی قدر کھڑے ہو کر دعا کی، اور فرمایا: «رأيتُ رَسولَ الله ﷺ كان يصنع على الجنائز هكذا»[3] "میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنازوں پر ایسا ہی کرتے دیکھا ہے"۔

(۳) حضرتِ عمیر بن سعید کہتے ہیں، کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یزید بن مکفف کی نماز جنازہ پڑھی، آپ نے ان پر جنازے کی چار ۴ تکبیرات پڑھیں (پھر سلام پھیرنے کے بعد) چلے، یہاں تک کہ میّت کے قریب تشریف لے آئے اور یوں دعا کرنے لگے: «اللّهُمّ عَبْدُك وابنُ عَبْدِك نزل بك اليوم، فَاغفِرْ له ذنبَه، ووَسِّعْ عليه مُدْخَله، فإنّا لا نعلَم إلّا خيراً، وأنت أعلَم

---

(۱) پ۲۹، القلم: ۱۲.

(۲) "سنن أبي داود" كتاب الجنائز، باب الدعاء للميت، ر: ۳۱۹۹، صـ٤٦٧.

(۳) "مسند الإمام أحمد" مسند الكوفيين، بقية حديث عبد الله بن أبي أوفى عن النّبي ﷺ ر: ١٩١٦١، ٧/ ٥٢، ٥٣.

به!»[1] "اے اللہ! یہ تیرا بندہ ہے، اور تیرے بندے کا بیٹا ہے! آج تیرے حضور حاضر ہے، تُو اس کے گناہ مُعاف فرمادے، اس کی قبر کو اس کے لیے وسیع فرمادے! ہم اس کے بارے میں خیر کے سِوا کچھ نہیں جانتے، تُو اس کا حال بہتر جانتا ہے!"۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہوا، کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا، شریعتِ مطہّرہ میں کہیں منع نہیں، اور ہم نے قرآن وحدیث سے یہ جان لیا، کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کی جائے؛ کہ یہ جائز ومستحب ہے۔ البتہ اس جائز کام کو حرام کہنا، یا اس سے روکنا، ضرور ناجائز وگناہ ہے، نیز اس اعتقاد ونظریہ کو بدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم وزیادتی ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "بذل الجوائز على الدعاء بعد صلاة الجنائز"[2]، حضرت علاّمہ فقیہِ اعظم مفتی محمد شریف کوٹلوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "نمازِ جنازہ کے بعد دعا"[3] اور حضرت علاّمہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "دعا بعدِ جنازہ کا ثبوت"[4] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الجنائز، باب في الدعاء للميّت بعدما يدفن ويسوّى عليه، ر: ۱۱۸۳۱، ۳/ ۳۳۱.

(۲) "فتاوی رضویہ" ۷/۱۲۴تا۱۴۳، مطبوعہ "ادارہ اہلِ سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ کریمی پریس، لاہور۔

(۴) مطبوعہ مکتبہ اویسیہ، بہاولپور۔

(۴۹) اذان واِقامت سے پہلے اور بعد، صلاۃ وسلام پڑھنا

اذان واِقامت سے پہلے درود وسلام پڑھنا مستحب ہے، پڑھنے والے کو اس کا ثواب ہوگا، اگر کوئی اذان سے پہلے دُرود وسلام نہیں پڑھتا، تب بھی کوئی گناہ نہیں؛ کیونکہ یہ فرض وواجب نہیں بلکہ مستحب ہے، مگر جو خوش نصیب عاشقانِ رسول ﷺ اذان سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں، انہیں بدعتی کہنا ناجائز ہے ظلم ہے، جبکہ اذان کے بعد صلاۃ وسلام پڑھنا توخود صحابۂ کرام سے بھی ثابت ہے۔

دُرود وسلام، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[1] "اے ایمان والو! نبی پر خُوب درود وسلام بھیجا کرو!"۔ اس حکم عام میں وقتِ معیّن کی کوئی قید نہیں!۔

دُرود وسلام، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إذا سمعتمُ المؤذّنَ، فقُولُوا مثلَ ما يقُول، ثمّ صلُّوا عليَّ، فإنّه مَن صلّى عليَّ صلاةً صلّى اللهُ علَيه بها عشراً، ثمّ سَلُوا اللهَ لِي الوَسيلةَ، فإنّها منزلةٌ في الجنّةِ، لا تنبغي إلّا لعبدٍ مِن عبادِ الله، وأرجو أن أكونَ أنا هو، فمَن سأل لي الوسيلةَ حلّتْ له الشَّفاعةُ!»[2].

"جب مؤذّن کو اذان دیتے سنو، تواُس کی مثل کلمات کہو، پھر مجھ پر درود پڑھو؛ کہ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالی اس پر دس ۱۰ رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے "مقامِ وسیلہ" کی دعا کرو؛ کہ وہ جنّت میں ایک ایسا مقام ہے، جو اللہ کے بندوں میں سے صرف کسی ایک کو ملنا ہے، اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں! اور جو میرے لیے مقامِ وسیلہ کی دعا کرے گا، اس کے حق میں میری شَفاعت واجب ہوجائے گی!"۔

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ٥٦.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن ...إلخ، ر: ٨٤٩، صـ١٦٣.

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «كان بلالٌ إذا أرادَ أن يُقِيمَ الصّلاةَ قال: السّلامُ عليكَ أيّها النبِيُّ ورحمةُ اللهِ وبركاتُه! الصّلاةَ رحِمك اللهُ!»[1] "حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ تعالی عنہ نماز کی اِقامت سے پہلے یوں فرماتے: "السّلام عليك أيّها النبِيُّ ورحمةُ الله وبركاتُه! الصّلاةَ رَحِمَك اللهُ!"۔

دُرودوسلام، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامة علي القاري رحمہ اللہ تعالی: "إنّه تعالى لم يوقّت؛ ذلك ليشملَ سائرَ الأوقات"[2].

"اللہ تعالی نے دُرود وسلام کے حکم میں، کوئی وقت معیّن نہیں کیا؛ تاکہ تمام اوقات کو حکمِ عام وشامل رہے"۔ نیز فرماتے ہیں کہ "اذان سے مراد اطلاع وخبر دینا ہے، جو اذانِ شرعی واِقامت دونوں کو شامل ہے"[3]۔

امام ابنِ حجر مکّی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "الدر المنضود في الصّلاة والسّلام على صاحب المقام المحمود" میں رقم طراز ہیں کہ "اذانِ مغرب کے علاوہ دیگر اذانوں کے بعد، مساجد کے میناروں پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام پڑھنے کی جو عادت اہلِ اسلام میں رائج ہے، اسے سلطان صلاح الدّین ایوبی رحمہ اللہ تعالی علیہ نے جاری کیا، نمازِ جمعہ اور نمازِ فجر میں اذان سے پہلے پڑھا جاتا تھا، اور نمازِ مغرب کا وقت تنگ ہونے کے باعث، اذان کے بعد صلاۃ وسلام نہیں پڑھا جاتا تھا ...الخ۔

مزید لکھتے ہیں کہ "بعض متأخرین نے اس عمل کو درست قرار دیا ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ بدعتِ حَسَنہ ہے، اس پر عمل کرنے والے کو حُسنِ نیّت پر اجر وثواب ہوگا۔ اور ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام زکریا رحمہ اللہ تعالی علیہ کا قول بھی اسی کے قریب ہے، انہوں نے اپنے "فتاویٰ" میں فرمایا، کہ اس کی اصل مستحب ہے، اور کیفیت بدعت حَسَنہ ہے[4]۔

---

(١) "المعجم الأوسَط" باب الميم، من اسمه مقدام، ر: ٨٩١٠، ٦/ ٣٢٠.

(٢) "شرح الشفاء" القسم ٢، الباب ٤، فصل، ٢/ ١٠٧.

(٣) المرجع نفسه، ٢/ ١١٦.

(٤) "الدر المنضود" الفصل ٦ في ذكر أمور مخصوصة ...إلخ، الرابع: عقب إقامتها، فائدة، صـ٢٠٩.

علّامہ علاء الدّین حصکفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ لکھتے ہیں: التّسليمُ بعدَ الأذانِ، حدثَ في رَبِيعِ الآخَرِ سنةَ سبعِمِئةٍ وإِحدَى وثمانين، في عشاءِ ليلةِ الإثنين، ثمّ يومَ الجمعةِ، ثمّ بعدَ عَشْرِ سِنِينَ حدثَ في الكلّ إلّا المغرِبَ، ثمّ فيها مرّتَين، وهو بدعةٌ حسنةٌ[1]. "اذان کے بعد صلاۃ وسلام پڑھنے کا رَواج، ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں ہوا، پہلے پہل شبِ پیر اذانِ عشاء میں، پھر جمعہ کے دن بھی، پھر دس ۱۰ سال کے بعد مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان میں اس کا رَواج ہو گیا، اور پھر اذانِ مغرب کے بعد بھی دو ۲ بار درود وسلام پڑھنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور یہ ایک اچھی ایجاد ہے!"۔

خلاصۂ کلام

مطلقاً درود وسلام پڑھنا، بلا تعیینِ وقت مستحب ہے۔ اب اگر کوئی اذان یا اِقامت سے پہلے، یا ان کے بعد، درود وسلام پڑھتا ہے، تو یہ عمل شرعاً جائز ومستحب ہے۔ ہاں اس عمل کو لازم وضروری نہیں سمجھنا چاہیے، اور نہ اس پر شدّت اختیار کرے، نہ اسے اذان کا حصہ سمجھے۔ لہذا اذان سے پہلے دُرود وسلام پڑھنے والے کو چاہیے، کہ درود وسلام پڑھنے کے بعد کچھ وقفہ کرے؛ تاکہ یہ اذان کا حصہ معلوم نہ ہو!۔ چنانچہ اگر کوئی نہیں پڑھتا تو شرعاً اس پر کوئی الزام نہیں، مگر جو خوش نصیب عاشقانِ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذان سے پہلے یا بعد، درود وسلام پڑھتے ہیں، انہیں روکنا، یا انہیں بدعتی کہنا حرام وظلم ہے!۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حضور مفتی اعظم ہند علّامہ مصطفی رضا خان علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "القول العجيب في جواز التثويب"[2]، حضرت علّامہ مفتی عبد اللہ نعیمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "تحفة الإخوان في الصّلاة والسّلام قبل الأذان"[3]، حضرت علّامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمۃ کا

---

(۱) "الدر المختار" كتاب الصّلاة، باب الأذان، ۲/ ۵۹۶، ۵۹۷.

(۲) مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ مجدّدیہ نعیمیہ، کراچی۔

رسالہ (۳) "رجم الشّيطان في الصّلاة والسّلام عند الأذان"[۱]، اور حضرت مفتی شوکت علی سیالوی کا رسالہ (۴) "صلاۃ وسلام قبل الاَذان"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ مکتبہ اویسیہ، بہاولپور۔

(۲) مطبوعہ بزم غلامان سیال، خانیوال۔

(۵۰) اِقامتِ نماز میں کب کھڑے ہونا چاہیے

جب نماز کے لیے اِقامت کہی جائے، تو مقتدی کب کھڑے ہوں؟ اس بارے میں فقہائے حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم نے تین ۳ صورتیں بیان کی ہیں، ان کا جاننا ضروری ہے؛ تاکہ محلِ اختلاف متعیّن ہو جائے: (۱) اوّل یہ کہ امام اِقامت کے وقت محراب کی طرف سے مسجد میں آئے، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ جب مقتدیوں کی نظر امام پر پڑے، تو وہ کھڑے ہو جائیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ امام پیچھے یا اَطراف سے مسجد میں آئے، اس صورت میں حکم یہ ہے، کہ جس صف سے امام گزرے، اس صف کے مقتدی کھڑے ہوتے جائیں۔ (۳) تیسرے یہ کہ امام و مقتدی اِقامت کے وقت مسجد میں موجود ہوں، اس صورت میں حکم یہ ہے، کہ امام و مقتدی "حَيَّ عَلَى الْفَلاَحِ" پر کھڑے ہوں، اس سے پہلے کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ اب اس کے مختصر دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

اِقامتِ نماز میں کھڑے ہونا، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إذا أُقيمتِ الصّلاةُ، فلا تقُومُوا حتّى تَرَونِي!»[1] "جب اِقامتِ نماز پڑھی جائے، تو اُس وقت تک کھڑے مت ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو!"۔

(۲) امام بَیہقی نقل کرتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن ابی اَوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِقامت میں "قَدْ قامتِ الصّلاةُ" کہتے، تب رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھتے، اور پھر "اللہ اکبر" کہتے "[2]۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب متى يقوم النّاس إذا رأوا ...إلخ، ر: ٦٣٧، صـ١٠٥.

(٢) "السنن الكبرى" كتاب الصّلاة، جُماع أبواب صفة الصّلاة، باب من زعم أنّه يكبّر ...إلخ، ٢/ ٢٢.

اِقامتِ نماز میں کھڑے ہونا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

علّامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "إنّ المؤَذّنَ إذا قال: "حيَّ على الفلاحِ"، فإن كان الإمامُ معهم في المسجدِ، يُستحَبُّ للقومِ أن يقُومُوا في الصّفّ"[1].
"جب امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو، توامام ومقتدی سب کو صف میں اس وقت کھڑے ہونا مستحب ہے، جب مؤذِّن "حی علی الفلاح" کہے"۔

علّامہ سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "وإذا أخذ المؤذِّنُ في الإقامة ودخل رجلٌ المسجد، فإنّه يقعد ولا ينتظر قائماً؛ فإنّه مكروه. ويفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة، والنّاس عنه غافلون!"[2]. "جب مؤذِّن نے اِقامت شروع کی، اور کوئی مسجد میں داخل ہواتو بیٹھ جائے، کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے؛ کہ یہ مکروہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابتدائے اِقامت میں کھڑے ہونا مکروہ ہے، اور لوگ اس سے غافل ہیں!"۔

"فتاوی عالمگیریہ" میں ہے کہ "يقوم الإمامُ والقومُ إذا قال المؤَذّنُ: "حيَّ علَى الفلَاحِ" عندَ علمائنَا الثّلاثةِ، وهو الصَّحِيحُ"[3]. "ہمارے تینوں ائمہ (یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن) کے نزدیک، امام اور مقتدِی اس وقت کھڑے ہوں، جب مؤذِّن "حی علی الفلاح" کہے، اور یہی صحیح ہے"۔

(١) "بدائع الصنائع" كتاب الصّلاة، فصل في سنن الصّلاة، ١/ ٤٦٧.
(٢) "حاشية الطحطاوي على المراقي" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة وأركانها، فصل من آدابها، صـ٢٧٨.
(٣) "الفتاوى الهندية" كتاب الصّلاة، الباب ٢ في الأذان، الفصل ٢، ١/ ٥٧.

خلاصۂ کلام

احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علماء کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ اِقامت میں کھڑے ہونے کی مختلف صورتیں ہیں، لہذا ان میں سے جو صورت پیش آئے، اس پر عمل کیا جائے۔ کچھ لوگ اِقامت کی ابتداء ہی سے کھڑے ہوجاتے ہیں، جبکہ امام صاحب بھی وہیں تشریف فرماہیں، ایسا کرنا مکروہ ہے، لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے!۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، ملک العلماء حضرت علّامہ ظفر الدّین بہاری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "تنوير المصباح للقيام عند حيّ على الفلاح"[۱]، اور حضرت علّامہ قاضی عبد الرزاق بھُترالوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "اِقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی ملک العلماء" ص۸۱ تا۱۰۵، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور۔

(۲) مطبوعہ مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی۔

(۵۱) تکبیرِ تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ اُٹھانا

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کانوں کی لَو تک اٹھانا سنّت ہے۔

تکبیرِ تحریمہ، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا: «كبّر فحاذَى بإبهامَيهِ أُذنَيهِ»[1] "کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے، اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے"۔

(۲) حضرت سیّدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «أنّه أَبصرَ النبيَّ ﷺ حينَ قام إلَى الصّلاةِ، رفع يدَيهِ حتّى كانتا بحيالِ منكبيهِ، وحاذَى بإبهامَيهِ أذنَيهِ، ثمّ كبّر»[2] "انہوں نے دیکھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر ہوگئے، اور انگوٹھے کانوں سے لگائے، پھر تکبیرِ تحریمہ کہی"۔

(۳) حضرت سیّدنا بَراء بن عازِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «كان رسولُ الله ﷺ إذا كبّر، رفع يدَيهِ حتّى يُرَى إبهَامُه قريباً مِن أذنَيهِ»[3] "جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کے لیے تکبیرِ تحریمہ فرماتے، تو یہاں تک ہاتھ اٹھاتے، کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لَو کے مقابل ہوجاتے"۔

---

(۱) "مستدرَك الحاكم" كتاب الصّلاة، ر: ۸۲۲، ۱/ ۳۳۷. وقال الحاكم: "هذا إسنادٌ صحيحٌ علَى شرطِ الشّيخَين، ولا أعْرِفُ له علّةً ولم يُخرِجَاه". وقال الذهبي: "على شرطهما ولا أعرف له علّة".

(۲) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب رفع اليدين في الصلاة، ر: ۷۲٤، صـ۱۱٤.

(۳) "مصنَّف عبد الرزّاق" كتاب الصلاة، باب تكبير الافتتاح ورفع اليدين، ر: ۲۵۳۰، ۲/ ۷۰.

تکبیرِ تحریمہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام سرخسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "والمسنُونُ عندنا أنْ يرفعَ يدَيه، حتّى يُحاذيَ إبهاماهُ شحمتَيْ أذنَيه"(۱). "ہمارے نزدیک (تکبیر تحریمہ میں) سنّت یہ ہے، کہ ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھایا جائے"۔

امام برہان الدّین مَرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ويرفعُ يدَيهِ حتّى يُحاذِيَ بإبهامَيهِ شَحمَتَيْ أذنَيْه"(۲). "تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کانوں کی لَو تک بلند کرے"۔

امام حافظ الدّین نَسَفی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "وإذا أرادَ الدُّخولَ في الصّلاةِ، كبّر ورفعَ يدَيهِ حِذاءَ أذنَيهِ"(۳). "جب نماز شروع کرنا چاہے تو تکبیر کہے، اور ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک بلند کرے"۔

خلاصۂ کلام

احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی روشنی میں ثابت ہوا، کہ تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت کانوں کی لَو تک ہاتھ اٹھانا سنّت ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب "جاء الحق"(۴) کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

(۱) "المبسوط" كتاب الصّلاة، كيفية الدخول في الصلاة، الجزء ١، صـ١٠.

(٢) "الهداية" كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الجزء ١، صـ٥٧.

(٣) "كنز الدّقائق" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، صـ٢٤.

(۴) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵۲) نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

سینے پر ہاتھ باندھنے کے حوالے سے دلائل کا جائزہ

نماز میں قیام کی حالت میں، مَرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنّت ہے، جس کے دلائل پیش خدمت ہیں:

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: «رأيتُ النّبيَّ ﷺ وضعَ يمينَهُ علَى شمالِهِ في الصّلاةِ، تحتَ السُّرّة»[۱] "میں نے حضور نبیٔ کریم ﷺ کو نماز میں، ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا"۔

(۲) حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «مِنَ السُّنّةِ وَضْعُ الْكَفّ علَى الْكَفّ في الصّلاةِ، تحتَ السُّرّةِ»[۲] "نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنّت ہے"۔

(۳) امام بَیہقی علیہ الرحمۃ حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: «مِن أخلاق النبوّة تعجيلُ الإفطار، وتأخيرُ السُّحور، ووضعُك يمينَك على شمالِك في الصّلاة، تحت السُّرة»[۳] "انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اَخلاق وعادات میں سے ہے: (۱) (وقت ہو جائے پر) جلد اِفطار کرنا، (۲) دیر سے سحری کرنا (وقت کے اندر رہتے ہوئے)، (۳) اور نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر، ناف کے نیچے رکھنا"۔

---

(۱) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الصّلاة، باب وضع اليمين على الشّمال، ر: ٣٩٥٩، ١/ ٣٩٠.

(۲) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب وضع اليُمنى على اليُسرى في الصّلاة، ر: ٧٥٦، صـ١١٨.

(۳) "الخلافيات" والسنّة أن يضعَ اليُمنى على اليُسرى تحت صدره ...إلخ،الجزء ٢، صـ٢٥٤.

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

شیخ الاسلام، قاضی القضاہ، ابو الحسن علی بن حسین سُغدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "وضعُ اليَمين على الشّمال، تَحت السُّرَّة، فِي حَال القيام"[1]. "نمازی قیام کی حالت میں، دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر، ناف کے نیچے باندھے"۔

امام قاضی خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "لما فرغَ من التكبير، يضعُ يدَه اليُمنى على اليُسرى، تحت السُّرة"[2]. "جب تکبیرِ تحریمہ سے فارغ ہو، تو اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر، ناف کے نیچے باندھے"۔

امام برہان الدین مَرغینانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الوضعُ تحت السُّرة، أقرَبُ إلى التعظيم، وهو المقصودُ"[3]. "ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، تعظیم سے قریب تر ہے، اور یہی تعظیم نماز میں مقصود ہے"۔

خلاصۂ کلام

احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام سے ثابت ہوا، کہ نماز میں قیام کی حالت میں، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنّت ہے۔ غیر مقلّدین حضرات جو سینے پر ہاتھ باندھنے پر بہت زور دیتے ہیں، اس کی دلیل میں ان کے پاس، کوئی ایک روایت بھی صحیح نہیں، اور اگر ہے تو پیش کی جائے، اور ہم کہے دیتے ہیں، کہ قیامت تک کوئی صحیح حدیث اس باب میں پیش نہیں کر پائیں گے، ان شاء اللہ!۔

نوٹ: اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے، کہ اگر کوئی شخص نماز میں سینے پر ہاتھ باندھے، اور وہ مذاہب اربعہ فقہیہ میں سے، کسی امام کی پیروی کرتے ہوئے یہ عمل کر رہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

---

(١) "النتف في الفتاوى" كتاب الصّلاة، آداب الصّلاة، ١/ ٦٥.

(٢) "الفتاوى الخانية" كتاب الصّلاة، باب افتتاح الصّلاة، الجزء ١، صـ٤٢.

(٣) "الهداية" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، الجزء ١، صـ٥٩.

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ محدِّث شیخ ہاشم ٹھٹھوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "درهم الصُّرة في وضع اليدَين تحت السُّرة"[۱] اور حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۲) "جاء الحق"[۲] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

(۱) مطبوعة من إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

(۲) دوسرا باب: ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنّت ہے، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵۳) نماز میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا

سنّت یہ ہے، کہ نمازی سورۂ فاتحہ سے پہلے، بسم اللہ شریف، آواز بلند کیے بغیر آہستہ سے پڑھے، اس بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں، جن میں سے چند یہاں پیش کی جاتی ہیں:

نماز میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «صلّيتُ خَلْفَ رسولِ الله ﷺ، وخلفَ أَبِي بَكْرٍ، وعُمَرَ، وعثمَانَ، فكانُوا لَا يجهرُونَ بـ"بِسمِ الله الرّحمَنِ الرّحِيمِ"»[1] "میں نے نبئ کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نماز ادا کی ہے، ان میں سے کوئی بھی نماز میں، بلند آواز سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں پڑھتا تھا"۔

(۲) امام ابن ابی شَیبہ روایت کرتے ہیں: عن أبي وائل، عن عبد الله "أنّه كان يُخفي "بسم الله الرّحمن الرّحيم"، و"الاستعاذةَ"، و"ربّنا لك الحمد""[2]. "حضرت ابو وائل حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم"، "اَعوذ باللہ" اور "ربّنا لک الحمد" آہستہ پڑھا کرتے تھے"۔

---

(۱) "سنن النّسائي" كتاب الافتتاح، باب ترك الجهر بـ"بسم الله الرحمن الرحيم"، ر: ٩٠٣، الجزء ٢، صـ١٤٥. و"مسند الإمام أحمد" مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٢٨٤٥، ٤/٣٥٨.

(۲) "المصنَّف" كتاب الصّلوات، باب من كان لا يجهر بـ"بسم الله الرحمن الرحيم" ر: ٤١٦٠، ١/٤١١.

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام طحاوی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: "وقَد جاءتِ الآثارُ متواترةً، عَن رسولِ الله ﷺ، وعَن أبي بكرٍ، وعمرَ، وعثمانَ رضي الله تعالى عنهم، أنّهم كانُوا لَا يجهرُونَ بها في الصَّلَاةِ"(۱).

"رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے، تواتُر کے ساتھ منقول ہے، کہ یہ حضرات نماز میں "بسم اللہ" بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے"۔

امام سَرَخسی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ "حضورِ اکرم ﷺ نماز میں "بسم اللہ" آہستہ سے پڑھا کرتے، اور یہی ہمارا مذہب ہے، اور حضرت سیّدنا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- اور حضرت سیّدنا ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بھی قول ہے"(۲)۔

خلاصۂ کلام

احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ نمازی سورۂ فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ شریف" آہستہ پڑھے، یہی سنّت ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی کتاب "جاء الحق"(۳) کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب قراءة بسم الله ...إلخ، تحت ر: ۱۱۶۰، ۱/ ۲۶۰.

(۲) "المبسوط" كتاب الصّلاة، باب كيفية الدخول في الصّلاة، الجزء ۱، صـ۱۵.

(۳) تیسرا باب: نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵۴) قراءت خَلف الاِمام

نماز میں امام کے پیچھے، مقتدِی فاتحہ یا قرآنِ مجید کی کوئی سورت یا آیت نہ پڑھے!۔ اس بارے میں ہم پہلے قرآنِ کریم سے ہدایت لیں گے، پھر حدیثِ پاک سے:

قراءت خَلف الاِمام، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[1] "اور جب قرآن پڑھا جائے، تو اسے توجہ سے سنا کرو، اور خاموش رہا کرو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے!"۔

یہ قرآنِ حکیم کا حکم ہے، کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو، اور چُپ رہو! فاتحہ بھی قرآنِ مجید کی ایک سورت ہے، جب امام تلاوت کرے، تو مقتدِی کو غور سے سننے، اور چُپ رہنے کا حکم ہے۔ باقی رہی وہ حدیث جس میں ارشاد ہوا: «لا صلاةَ إلّا بفاتحة الكتاب» کہ "بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی"، اس کا جواب آگے آتا ہے، ان شاء اللہ!۔

قراءت خَلف الاِمام، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) "صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إذا صلّيتمْ فأقيمُوا صفوفكم، ثمّ ليَؤُمَّكم أحدُكم، فإذا كبَّر فكبِّروا، وإذا قرأَ فأنْصِتُوا»[2] "جب نماز پڑھو تو اپنی صفیں سیدھی کر لو! پھر تم میں سے کوئی امامت کرے، تو جب وہ تکبیر کہے، تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قراءت کرے تو تم چُپ رہو!"۔

(۲) امام ابوداؤد و امام نَسائی رحمہما اللہ تعالی نے اپنی اپنی "سُنن" میں، حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «إنّما جُعِلَ الإمامُ ليُؤْتَمّ به، فإذا كبّر فكبّرُوا، وإذا

---

(۱) پ۹، الأعراف: ۲۰٤.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب التشهّد في الصّلاة، ر: ۹۰٤ و۹۰٥، صـ۱۷۲، ملتقطاً.

قرأَ فأنْصِتُوا!»[1] "امام توہوتا ہی اس لیے ہے، کہ اس کی پیروی کی جائے، توجب وہ تکبیر کہے تم بھی کہو، اور جب وہ قراءت کرے تب تم خاموش رہو!"۔

(۳) امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی "سنن" میں، حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: «مَن صلّى ركعةً لم يقرأْ فيها بأُمّ القرآنِ، فلم يُصَلِّ إلّا أن يكونَ وراءَ الإمامِ»[2] "جو سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھے اس کی نماز نہیں، مگر جب امام کے پیچھے ہو، توفاتحہ نہ پڑھے!"۔

(۴) اسی روایت کو امام مالک رحمہ اللہ تعالی علیہ نے "مُوطّا" میں موقوفاً، اور امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی علیہ نے "شرح مَعانی الآثار"[3] میں روایت کیا، اور اسے ارشاداتِ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے قرار دیا، واللہ تعالی اعلم۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث حسن صحیح ہے"[4]۔

(۵) حضرت سیّدنا امام الائمہ، مالک الاَزِمّہ، سراج الاُمّہ، کاشف الغُمّہ، امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَن صلّى خلفَ الإمامِ، فإنّ قراءةَ الإمامِ له قراءةٌ»[5] "جو امام کے پیچھے نماز پڑھے، توامام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے!"۔

(۶) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جہری قراءت والی نماز (بلند آواز سے تلاوت کی جانے والی نماز) سے فارغ ہوئے تو فرمایا: «قرأَ معيَ أحدٌ منكم آنِفًا؟»

---

(١) "سنن النَّسائي" كتاب الافتتاح، باب تأويل قوله ﷻ ...إلخ، ر: ٩١٨، الجزء ٢، صـ١٥٣.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب الصّلاة، باب ما جاء في ترك القراءة خلف الإمام، ر: ٣١٣، صـ٨٦. [قال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ حسنٌ صحيح".

(٣) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب القراءة خلف الإمام، ر: ١٢٦٥، ١/ ٢٨٢.

(٤) "سنن الترمذي" أبواب الصّلاة، باب ما جاء في ترك القراءة خلف الإمام، تحت ر: ٣١٣، صـ٨٦.

(٥) "مُسند الإمام أبي حنيفة" باب الميم، روايته عن أبي الحسن موسى ...إلخ، صـ٢٢٦، ملتقطاً.

"کیا ابھی ابھی تم میں سے کسی نے، نماز میں میرے ساتھ قرآن پڑھا؟ کسی نے عرض کی: جی ہاں یارسولَ اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: «إنّي أقول: ما لِي أُنازَعُ القرآنَ؟» میں یہی اپنے مَن میں کہوں، کہ آخر قرآن پڑھنے میں، میرے ساتھ جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟! جب لوگوں نے یہ بات خود رسول اللہ ﷺ سے سُن لی، تو اس کے بعد، آپ ﷺ کے پیچھے جہری نمازوں میں قراءت ترک کر دی"(۱)۔

قراءت خَلف الامام، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام سَرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "منعُ المقتدِي مِنَ القراءةِ خلفَ الإمامِ، مرويٌّ عَن ثمانِينَ نفراً مِن كبارِ الصّحابةِ، وقد جمع أساميهم أهلُ الحديثِ"(۲). "مقتدِی کو امام کے پیچھے قراءت کرنے سے ممانعت کا قول، اسّی ۸۰ اکابر صحابہ سے مروی ہے، جن کے نام ائمۂ حدیث نے اپنی اپنی کتابوں میں جمع کر دیے ہیں"۔

امام برہان الدّین مَرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولا يقرأُ المؤتمُّ خلفَ الإمامِ"(۳). "مقتدِی امام کے پیچھے تلاوت قرآن نہ کرے!"۔

علّامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أنّ محمّداً قال في كتابِه "الآثار": لَا نرَى الْقراءةَ خلفَ الإمامِ في شيءٍ مِنَ الصّلواتِ، يجهرُ فيهِ أو يسِرُّ"(۴). "امام محمد نے اپنی کتاب "الآثار" میں فرمایا کہ "ہمارے نزدیک امام کے پیچھے، سرّی وجہری کسی نماز میں مقتدِی کی قراءت درست نہیں!"۔

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب من رأى القراءة إذا لم يجهر، ر: ۸۲٦، صـ۱۲۷، ۱۲۸.

(۲) "المبسوط" كتاب الصّلاة، باب الحدث في الصّلاة، الجزء ۱، صـ۱۹۹.

(۳) "الهداية" كتاب الصّلاة، فصل في القراءة، الجزء ۱، صـ٦۸.

(٤) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، مطلب: السنّة تكون سنّة عين وسنّة كفاية، ۳/ ٤۷٤، ٤۷٥.

فائدہ: حدیث شریف میں فرمایا کہ "جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی، اس کی نماز نہیں" [1]۔ اگر ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے، نماز میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کریں، تو اس سے قرآنِ کریم کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے؛ کیونکہ قرآنِ مجید ہمیں حکم دیتا ہے کہ "جب قرآن پڑھا جائے، تو خاموش رہو اور توجہ سے سنو!"، اور اگر خاموش رہیں، اور سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں، تو حدیثِ مذکور کی مخالفت لازم آتی ہے، اور یہاں یہ وہم پیدا ہوتا ہے، کہ قرآن وحدیث کے اَحکام آپس میں متضاد ہیں۔

اس کا جواب علماء یہ دیتے ہیں، کہ ہم قرآن وحدیث دونوں پر عمل کریں گے، وہ اس طرح کہ امام کے پیچھے مقتدِی قراءت کو ترک کردے، چاہے جہری نماز ہو یا سرّی؛ اس لیے کہ امام کی قراءت مقتدِی کے لیے کافی ہے، جیسا کہ حدیثِ جابر بن عبد اللہ سے گزرا۔ اور حدیث پر عمل اس طرح ہوگا، کہ جب امامت کرے یا تنہا نماز پڑھے، تو سورۂ فاتحہ ضرور پڑھے، اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوگی۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوال علمائے کرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ نماز میں امام کے پیچھے مقتدِی، فاتحہ یا قرآنِ مجید کی کوئی سورت، یا آیت تلاوت نہ کرے!۔

نوٹ: اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے، کہ اگر کوئی شخص نماز میں امام کے پیچھے قراءت، امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے علاوہ، کسی اور امام مجتہد کی پیروی میں کرتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "إمام الكلام فيما يتعلّق بالقراءة خلف الإمام" [2]، حضرت علّامہ نور بخش توکّلی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "تحقیق

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ...إلخ، ر: ۷۵٦، صـ۱۲۳.

(۲) مطبوعہ مطبع یوسفی، لکھنؤ۔

المرام في منع القراءة خلفَ الإمام"، اور حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۳) "جاءالحق"(۱) کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے۔

(۱) چوتھا باب: امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵۵) نماز میں آمین آہستہ کہنا

امام ومنفرِد کے لیے سنّت ہے، کہ سورۂ فاتحہ کے آخر میں ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کے بعد "آمین" آہستہ سے کہے، مقتدِی بھی امام کے پیچھے آہستہ سے "آمین" کہے۔

نماز میں آمین آہستہ کہنا، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: "صلّى بِنا رسولُ الله ﷺ، فلمّا قرأ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ قَالَ: «آمِينَ» وأخفَى بِها صوتَه". "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پڑھا، تو آپ ﷺ نے آہستہ سے "آمین" کہی"[1]۔

(۲) حضرت سیّدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «كان عليٌّ وابنُ مسعُودٍ لَا يجهرانِ بـ"بسمِ الله الرّحمنِ الرّحِيمِ"، ولا بـ"التّعوُّذِ"، ولا بـ"آمِينَ"»[2] "حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ، اور حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ "تسمیہ"، "تعوّذ" اور "آمین" بلند آواز سے نہیں کہتے تھے"۔

---

(۱) "مُسند الإمام أحمد" مسند الكوفيين، حديث وائل بن حُجر، ر: ١٨٨٧٦، ٦/ ٤٧٥. و"مستدرَك الحاكم" كتاب التفسير، ر: ٢٩١٣، ٣/ ١١٠١. [وقال الإمام الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط الشّيخَين ولم يخرجاه". و[قال الذهبي]: "على شرط البخاري ومسلم". و"سنن الدارقُطني" كتاب الصّلاة، باب التأمين في الصّلاة بعد فاتحة الكتاب والجهر بها، ر: ١٢٥٦، ١/ ٤٤٨.

(۲) "المعجم الكبير" باب، ر: ٩٤٠٤، ٩/ ٢٦٣.

(۳) حضرت سیّدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «كان عمرُ وعليٌّ رضي الله عنهما لا يجهرانِ بـ"بسمِ الله الرّحمنِ الرّحِيمِ"، ولا بـ"التّعوُّذِ"، ولا بـ"التّأمِينِ"»[1] "حضرت سیّدنا عمر اور سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما "تسمیہ"، "تعوّذ" اور "آمین" بلند آواز سے نہیں کہتے تھے"۔

نماز میں آمین آہستہ کہنا، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام إبراهيم النَّخعي رضي الله عنه: "خمسٌ يخفين: (١) سبحانك اللّهمّ وبحمدك، (٢) والتعوّذ، (٣) وبسم الله الرّحمن الرّحيم، (٤) وآمين، (٥) واللّهم ربّنا لك الحمد"[2]. "حضرت امام ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ پانچ ۵ چیزوں میں اِخفاء کیا جائے گا (یعنی آواز پست رکھی جائے گی): (۱) ثناء، (۲) تعوّذ، (۳) تسمیہ، (۴) آمین، (۵) اور تحمید"۔

قال الإمام برهان الدّين البخاري: "إذا فرغَ من الفاتحة، قال: "آمين"، والسنّةُ فيه الإخفاءُ"[3]. "جب کوئی شخص نماز میں سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو تو "آمین" کہے، اور آمین آہستہ کہنا سنّت ہے"۔

قال العلّامة علاء الدّين الحَصكفي رحمه الله تعالى: "والثّناء والتّعوُّذ والتّسميَة والتّأمِين وكونُهُنَّ (سِرّاً)"[4]. "ثناء"، "تعوّذ"، "تسمیہ" اور "آمین" آہستہ آواز سے کہنا سنّت ہے"۔

---

(١) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب قراءة بسم الله الرّحمن الرّحيم في الصّلاة، ر: ١١٧٣، ١/ ٢٦٣.

(٢) "مصنَّف عبد الرزّاق" كتاب الصّلاة، باب ما يخفي الإمام، ر: ٢٥٩٧، ٢/ ٨٧.

(٣) "المحيط البُرهاني" كتاب الصّلاة، الفصل ١٦ في التغنّي والألحان، ١/ ٤١١.

(٤) "الدر المختار" كتاب الصّلاة، واجبات الصّلاة، ٣/ ٢٤١.

في "الفتاوى الهنديّة": "إذا فرغَ من الفاتحة، قال: آمين، والسنّةُ فيه الإخفاءُ"[1].

"جب کوئی شخص نماز میں سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو تو "آمین" کہے، اور آمین آہستہ کہنا سنّت ہے"۔

خلاصۂ کلام

احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ امام و منفرِد کے لیے سنّت ہے، کہ سورۂ فاتحہ کے آخر میں ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کے بعد، آہستہ سے "آمین" کہیں، مقتدِی بھی امام کے پیچھے آہستہ سے "آمین" کہے۔

نوٹ: اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے، کہ اگر کوئی شخص نماز میں امین بالجہر (آمین اونچی آواز میں)، امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے علاوہ، کسی اور امام مجتہد کی پیروی میں کہتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، بحر العلوم حضرت علّامہ مفتی عبد المنّان اعظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ "مسئلہ آمین کتاب وسنّت کی روشنی میں"[2] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

(۱) "الفتاوى الهنديّة" كتاب الصّلاة، الباب ٤ في صفة الصّلاة، الفصل ٣ في سنن الصّلاة ...إلخ، ١/ ٧٤.

(۲) مفتی پبلی کیشنز، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

(۵٦) نماز میں رفعِ یدَین کے اَحکام

اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں مفسّرینِ کرام، محدّثینِ عظام اور فقہائے امّتِ خیرِ الاَنام پر، جنھوں نے نہایت اِخلاص کے ساتھ، شب وروز محنت کرکے، عوام النّاس کو قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ کے شانِ نُزول، اور تفسیری نِکات بتائے، احادیثِ رسول کے مبارک الفاظ امّت تک پہنچائے، اور آنے والے نِت نئے مسائل کو، قرآن وحدیث کی رَوشنی میں حل فرماکر، عامۃُ النّاس کو سمجھائے، اس عظیم خدمت پر ان نُفوسِ مقدّسہ کو جتنا بھی خراجِ تحسین پیش کیا جائے کم ہے!!۔

ان حضراتِ مقدّسہ کے درمیان، اگر کبھی کسی مسئلہ پر اختلاف ہوا بھی، تو اسے حق وباطل، یا اسلام وکفر کا مسئلہ نہیں بنایا۔ انہی مسائل میں سے ایک "مسئلہ رفعِ یدَین" بھی ہے، اس میں علمی اختلاف اکابرِ امّت سے چلا آرہا ہے، بعض نے نماز میں رفعِ یدَین زیادہ مناسب وراجح جانا، اور بعض نے نماز میں رفعِ یدَین نہ کرنا زیادہ مناسب وراجح مانا۔ تمام اکابر اپنی اپنی تحقیق پر عمل کرنے کے باوجود، دوسرے کی نماز کو باطل نہیں قرار دیتے، یہی وجہ ہے کہ جب تک یہ مسئلہ رفعِ یدَین، مخلص اور خَوفِ خدا رکھنے والے علماء کے درمیان رہا، اس پر بحث محض درسگاہوں میں علماء کے طبقے میں ہوا کرتی تھی، مگر جب یہ خالص علمی بحث ان لوگوں کے ہاتھ آئی، جو مثلِ نیم حکیم ہیں، تو الاَمان والحفیظ!!۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہر مسجد، ہر مکتب، ہر بازار میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا، اور یہ ہنگامہ مسجد آنے والے نمازیوں کے ساتھ کیا گیا، کہ "تیری تو نماز ہی نہیں ہوئی"، "تیری تو نماز ہی سنّت کے مطابق نہیں" وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سُن کر وہ نمازی جو مسلمانوں کے متواتر عمل کے مطابق، پچھلے پچاس ۵۰ سال سے نماز ادا کررہا تھا، اب وہ بے چارہ پریشان ہوکر پوچھتا ہے، کہ آخر وجہ کیا ہے کہ میری نہیں ہوئی؟ اس پر جواب ملتا ہے کہ "چونکہ تم نے نماز میں رفعِ یدَین نہیں کیا، اس لیے تمھاری نماز نہیں ہوئی"۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس نیم ملّا نے یہ بھی نہیں سوچا، کہ اس کی طرف سے نماز کو باطل کہنا، یہ حکم صرف ہمارے زمانے تک

محدود نہیں رہتا، بلکہ اصحابِ رسول رضی اللہ تعالی عنہم، ائمۂ مجتہدین، مفسّرینِ قرآن، محدّثینِ عظام، اولیائے کبار اور فقہائے امّت تک، سب کے سب اس حکمِ باطل کی لپیٹ میں آتے ہیں!۔

چونکہ سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے مزاج میں، ہمیشہ سے اعتدال اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا جذبہ کار فرما رہا ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں جہاں تک وسعت تھی، ہماری طرف سے درگزر واعتدال سے کام لیا گیا، مجالس کو بے نور ہونے، اور باہمی رنجشوں سے بچایا گیا، مگر اس دَوران فریقِ ثانی نے سادہ لَوح مسلمانوں کو خُوب وَرغلایا کہ "دلائل کی دنیا میں حنفیہ کا دامن، قرآن وحدیث سے بالکل خالی ہے، ان کے پاس صرف وصرف فقہِ حنفی ہے، اس کے سِوا کچھ نہیں"، ان حالات میں بادِلِ ناخواستہ، حالات وواقعات سے مجبور ہوکر، محض اللہ تعالی کی رِضا کے لیے، اہلِ سنّت وجماعت حنفیّہ کی تائید میں، چند دلائل احادیثِ مبارکہ سے پیش کیے جاتے ہیں؛ تاکہ عوامِ اہلِ سنّت حنفیّہ کو، اپنے مسلک کے دلائل معلوم ہوسکیں:

نماز میں رفعِ یدَین کے اَحکام، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا جابر بن سمُرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: «مَا لِي أراكم رَافِعِي أيدِيكم، كأنّها أذنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ! اسْكُنُوا في الصّلاةِ!»[۱] "کیا وجہ ہے کہ تمہیں سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح، نماز میں رفعِ یدَین کرتے دیکھتا ہوں؟! نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو!"۔

(۲) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «ألَا أُصَلِّي بكم صلاةَ رسولِ الله ﷺ! فصلَّى فلَمْ يرفَعْ يدَيْهِ إلّا في أوّلِ مرَّة»[۲] "کیا میں تمہیں رسول اللہ

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب الأمر بالسكون في الصّلاة ...إلخ، ر: ٩٦٨، صـ١٨٣.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الصّلاة، باب ما جاء أنّ النّبي ﷺ لم يرفع إلّا في أوّل مرّة، ر: ٢٥٧، صـ٧١.

ﷺ کی نماز کی طرح، نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں! پھر آپ نے نماز پڑھی، اور صرف ایک بار تکبیرِ تحریم کے وقت رفعِ یدَین کیا"۔

(۳) حضرت سیّدنا بَراء بن عازِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «رأيتُ رسولَ الله ﷺ رفعَ يدَيهِ حينَ افْتتحَ الصّلاةَ، ثمّ لَم يَرفعهُما حتّى انصَرَف»[1] "میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، کہ حضور نماز شروع کرتے وقت رفعِ یدَین کرتے، پھر نماز ختم ہونے تک رفعِ یدَین نہیں کرتے تھے"۔

نماز میں رفعِ یدَین کے اَحکام، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام الطحاوي رحمہ اللہ تعالیٰ: "فإنّهم قَد أجمعُوا أنّ التكبِيرةَ الأُولَى، معها رَفعٌ"[2]. امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "اہلِ علم کا اس بات پر اِجماع ہے، کہ رفعِ یدَین صرف تکبیرِ تحریمہ (تکبیرۂ اُولی) کے وقت ہے"۔

قال الإمام بدر الدّين العَيني رحمہ اللہ تعالیٰ: "عند أبي حنيفةَ وأصحابِه، لا يرفع يدَيه إلّا في التكبيرةِ الأُولى، وبِه قال الثَّوريُّ، والنَّخَعِيُّ، وابنُ أبي لَيلى، وعَلقمةُ بن قَيس، والأسودُ بن يزِيد، وعامرُ الشَّعبِي، وأبو إسحاق السّبيعي، وخيثمة، والمغيرة، ووكيع، وعاصم بن كُلَيْب، وزُفَر، وهو روايةُ ابن القاسم عن مالك، وهو المشهورُ من مذهبه، والمعمولُ عند أصحابه. وقال الترمذي: وبه يقول غيرُ واحدٍ من أصحاب النَّبِي ﷺ والتابِعِين، وهو قول سُفيان وأهل الكُوفة"[3].

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، ر: ۷۵۲، صـ۱۱۸.

(۲) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود ...إلخ، ۱/ ۲۹۵.

(۳) "عمدة القاري" كتاب الصّلاة، باب رفع اليدين في التكبيرة ...إلخ، تحت ر: ۷۳۵، ٤/ ۳۷۹.

"حضرت امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب، صرف تکبیرۂ تحریمہ میں رفعِ یدَین کرتے، اور اسی طرح امام ثَوری، امام نخعی، امام ابن ابی لیلی، علقمہ بن قیس، اسوَد بن یزید، عامر شعبی، ابو اسحاق سبیعی، خیثمہ، مغیرہ، وکیع، عاصم بن کلَیب اور امام زُفر کے نزدیک بھی ہے۔ ابن قاسم نے اسی طرح کی روایت حضرت امام مالک سے نقل کی، امام مالک کا مذہبِ مشہور، اور ان کے اصحاب کا معمول بھی یہی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں، کہ نبئ کریم ﷺ کے کئی اصحاب اور تابعین کا بھی یہی معمول ہے۔ حضرت امام سفیان اور اہلِ کوفہ کا بھی یہی قول ہے"۔

قال الإمام علاء الدّين أبو بكر بن مسعود الكاساني رحمه الله تعالى: "وأمّا رَفعُ اليَدَينِ عندَ التّكبِيرِ، فليس بسُنّةٍ في الفرائِضِ عندَنا، إلّا في تكبيرة الافتِتاحِ"[1]. "ہمارے نزدیک فرض نماز میں، صرف تکبیرۂ تحریمہ ہی میں رفعِ یدَین سنّت ہے"۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ واقوالِ علماء سے یہ نتیجہ نکلا کہ: حنفیہ کے نزدیک، وتر اور عیدین کے علاوہ، کسی اَور نماز میں، صرف تکبیرۂ تحریمہ کے وقت، رفعِ یدَین کرنا، نماز کی سنّتوں میں سے ہے۔ چنانچہ تکبیرۂ تحریمہ کے علاوہ تمام تر تکبیرات میں، رفعِ یدَین نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ ان مقامات پر حنفیہ کے نزدیک رفعِ یدَین منسوخ ہے۔

یاد رہے کہ اصولی طور پر یہ مسئلہ (یعنی رفع یدین نہ کرنا) حنفیہ کے نزدیک سنّت ہے، اور جو رفع یدین کرتے ہیں، ان کے نزدیک بھی فرض وواجب نہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ "اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی"، یا "نماز باطل ہوگئی"، بہت جرأت اور شریعت پر افتراء (جھوٹ باندھنا) ہے!۔

نوٹ: اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے، کہ اگر کوئی شخص، نماز میں رفع یدین، امامِ اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے علاوہ، کسی اور امام مجتہد کی پیروی میں کرتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(١) "بدائع الصنائع" كتاب الصّلاة، فصل في سنن الصّلاة، رفع اليدين في الصّلاة، ١/ ٤٨٤.

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "جاء الحق"[1] اور حضرت علّامہ غلام مصطفی نوری قادری اشرفی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (۲) "ترکِ رفع یدَین"[2] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) چھٹا باب: رفع یدین کرنا منع ہے، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۲) مطبوعہ اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی۔

(۵۷) تین رکعت وِتر واجب ہے

وِتر طاق عدد کو کہتے ہیں، عشاء کی نماز میں فرض اور سنّت کے بعد وِتر کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ نمازِ وِتر تین ۳رکعات ہے، اس میں قعدۂ اُولی واجب ہے، اسی طرح ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورت ملانا بھی واجب ہے۔ حضرتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے نبئ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی رَوشنی میں فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب قرار دیا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے احادیثِ مبارکہ کی رَوشنی میں یہی فرمایا ہے کہ نمازِ وِتر کا اہتمام ہمیشہ کرنا ہے، اور وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کی قضا بھی کرنی ہوگی۔ غرض کہ عملی اعتبار سے امّتِ مسلمہ متفق ہے کہ نمازِ وِتر کی ہمیشہ پابندی کرنی ہے۔

تین رکعات وِتر واجب حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «أنّ النّبيَّ ﷺ كان يُوتِرُ بِثَلاثٍ»[۱] "حضور نبئ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تین ۳رکعات وِتر ادا کیا کرتے تھے"۔

(۲) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے: «كان رسولُ الله ﷺ يُوتِرُ بثَلاثٍ، لَا يُسلِّمُ إلّا في آخِرِهنّ»[۲] "حضور شافعِ یومِ نشور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تین ۳رکعات وِتر پڑھا کرتے، اور سلام آخری رکعت میں پھیرتے تھے"۔

(۳) حضرت سیّدنا امام حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «أجمعَ المسلمون على أنّ الوِترَ ثلاثٌ، لا يسلّم إلّا في آخِرهنّ»[۳] "تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں، کہ وِتر تین ۳رکعتیں ہیں، اور سلام ان کے آخر میں پھیرا جائے گا"۔

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، ر: ٦٨٥، ١/ ١٩٤.

(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب الوتر، ر: ١١٤٠، ٢/ ٤٤١.

(۳) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الصّلوات، مَن كان يُوتِر بثلاث أو أكثر، ر: ٦٨٣٤، ٢/ ٩٠.

(۴) حضرت سیّدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: «أنّ رسولَ الله ﷺ كان يُوتِرُ بثلاثِ ركعاتٍ، كان يقرأُ في الأُولَى بـ"سَبّح اسْمَ ربّك الْأَعلَى"، وفي الثّانيةِ بـ"قل ياأيّها الكافرون"، وفي الثالثةِ بـ"قل هو اللهُ أحدٌ"، ويَقْنتُ قبلَ الرُّكُوعِ»(۱) "حضور اکرم ﷺ تین ۳ رکعات وِتر ادا فرماتے، پہلی رکعت میں "سبِّحِ اسْمَ ربّكَ الأَعْلىٰ"، دوسری میں "قل يا أيّها الكافرُون"، اور تیسری میں "قل هو اللهُ أحدٌ" پڑھتے، اور دعائے قُنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے"۔

(۵) حضرت عبد العزیز بن جریج رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ "ہم نے حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے دریافت کیا، کہ حضور اکرم ﷺ وِتر میں کیا پڑھا کرتے؟ آپ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: «كان ﷺ يقرأ في الأُولى بـ"سبّح اسم ربّك الأعلى"، وفي الثانية بـ"قُل يا أيّها الكافرون"، وفي الثالثة بـ"قُل هو الله أحد"، و"المعوّذتَين"»(۲) پہلی رکعات میں "سَبِّحِ اسْمَ ربّكَ الأَعْلىٰ"، دوسری میں "قل ياأيّها الكَافِرُون"، اور تیسری میں "قل هو اللهُ أحدٌ" اور "سورۂ فلق وناس" بھی پڑھا کرتے"۔

(۶) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: «وِتر اللّيل ثلاثٌ، كوِتر النّهار صلاة المغرب»(۳) "رات کے وِتر تین ۳ رکعات ہیں، جیسے دن کے وِتر نمازِ مغرب ہے"۔

(۷) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: «أنّ رسولَ الله ﷺ كان يُوتِر بثلاثِ ركعاتٍ»(٤) "حضور نبیٔ کریم ﷺ وِتر تین ۳ رکعتیں ادا کیا کرتے"۔

---

(۱) "سنن النَّسائي" كتاب قيام اللّيل وتطوّع النّهار، باب الذكر ...إلخ، ر: ۱٦۹٥، الجزء ۲، صـ۲۳٤.

(۲) المرجع نفسه، باب ما جاء [في] ما قرأ [به] في الوتر، ر: ٤٦۳، صـ۱۲۳.

(۳) "سنن الدارقُطني" كتاب الوتر، باب الوتر ثلاث كثلاث الغرب، ر: ۱٦۳۷، ۲/ ۳۳.

(٤) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب الوتر ركعة من آخر اللّيل، ر: ۱٦٦٦، ۱/ ۳۷۳.

(۸) حضرت ابن سباق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أنّ عمرَ دفنَ أبا بكرٍ ليلاً، ثمّ دخل المسجدَ فأوترَ بثلاث"[1]. "حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رات میں حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کی، پھر مسجد میں آکر تین ۳ رکعات وتر ادا کیے"۔

(۹) حضرت سیّدنا مکحول رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "أنّه أوترَ بثلاثِ ركعاتٍ، لم يفصل بينهنّ بسلام"[2]. "حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین ۳ رکعات وِتر پڑھے، اور آخر میں سلام پھیرا"۔

(۱۰) حضرت عبد الملک رحمہ اللہ حضرت سیّدنا سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "أنّه كان يُوتِر بثلاث، ويقنُت في الوتر قبل الرّكوع"[3]. "حضرت سیّدنا سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین ۳ رکعات وِتر ادا کیا کرتے، اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے"۔

اسی طرح کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نمازِ وتر تین ۳ رکعات ادا کیا کرتے، جن میں سے چند کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت سیّدنا عمر بن خطّاب، (۲) حضرت سیّدنا علی، (۳) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود، (۴) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ، (۵) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس، (۶) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر، (۷) حضرت سیّدنا انس بن مالک، (۸) حضرت سیّدنا اُبَی بن کعب، (۹) حضرت سیّدنا سعید بن جبیر، (۱۱) حضرت سیّدنا زید بن اَسلم، (۱۲) حضرت سیّدنا ابو اُمامہ، (۱۳) اور حضرت سیّدنا امام حسن[4] رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

---

(١) المرجع نفسه، ر: ٦٨٢٢، ٢/ ٨٩.

(٢) المرجع السابق، ر: ٦٨٣١، ٢/ ٩٠.

(٣) المرجع السابق، ر: ٦٨٣٥، ٢/ ٩٠.

(٤) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب الوتر ركعة من آخر اللّيل، ر: ١٦٢٧، ١/ ٣٦٢.
"مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الصّلوات، من كان يوتر بثلاث، أو أكثر، ر: ٦٨٢٤، ٢/ ٨٩.
"مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الصّلوات، من كان يوتر بثلاث أو أكثر، ر: ٦٨٢٦، ٢/ ٩٠.

تین رکعات وِتر واجب، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام برہان الدّین مَرغینانی صاحبِ "ہدایہ" رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حكى الحسنُ رضي الله عنه إجماعَ المسلمين على الثلاث"[1]. "امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہ وِتر کی تین ۳ رکعات پر مسلمانوں کا اِجماع واتفاق ہے"۔

علّامہ حسن بن عمّار شُرُنبُلالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الوِترُ واجبٌ، وهو ثَلَاثُ ركعاتٍ بتسليمةٍ"[2]. "نمازِ وِتر واجب ہے، اور وہ ایک سلام کے ساتھ تین ۳ رکعتیں ہیں"۔

علّامہ ابراہیم حلَبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الوِترُ واجبٌ، وهو ثلَاثُ ركعاتٍ بِسلَامٍ واحدٍ"[3]. "نمازِ وِتر واجب ہے، اور وہ ایک سلام کے ساتھ تین ۳رکعتیں ہیں"۔

خلاصۂ کلام

احادیث کریمہ اور اقوالِ علماء کا خلاصہ یہ ہے، کہ نمازِ وتر واجب ہے، اور تین ۳ رکعات نمازِ وِتر، ایک سلام کے ساتھ ہے۔ نمازِ وِتر کا اہتمام ہمیشہ کرنا ہے، اور وقت پر ادانہ ہونے کی صورت میں، اس کی قضا بھی لازم ہے۔ غرض کہ عملی اعتبار سے امّتِ مسلمہ اس بات پر متفق ہے، کہ نمازِ وِتر کی ہمیشہ پابندی کرنی ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حکیم الامّت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "جاء الحق"[4] اور علّامہ سعید اللہ خان حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (۲) "سعید الحق فی تخریج جاء الحق"[5] کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

---

(١) "الهداية" كتاب الصّلاة، باب صلاة الوِتر، الجزء ١، صـ٨٠.

(٢) "نور الإيضاح" كتاب الصّلاة، باب الوتر، صـ٩٧.

(٣) "ملتقَى الأبحُر" كتاب الصّلاة، باب الوتر والنوافل، ١/ ١٩١، ملتقطاً.

(۴) ساتواں باب: "وتر واجب ہے، اور تین ۳ رکعت ہیں"، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵) ساتواں باب: "وتر واجب ہے اور تین ۳ رکعت ہیں"، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی۔

(٥٨) جماعت ہوتے ہوئے سنّتِ فجر کا حکم

فجر کے فرض سے پہلے دو ۲ رکعت سنّت ادا کرنا، تمام سنّتوں میں سب سے زیادہ مؤکّد ہے، حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت وتاکید آئی ہے، گویا کہ اسے واجب کا درجہ حاصل ہے۔ ایک حدیث پاک میں فرمایا: «رَكعتَا الفجرِ خيرٌ مِنَ الدّنيا وما فيها!»(١) "فجر کی دو ۲ رکعت سنّت، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، ان سب سے بہتر ہے!"۔ ایک اَور روایت میں ہے: «لَا تدَعُوهما! وإن طرَدَتْكم الخيلُ!»(٢) "فجر کی دو ۲ سنّتیں ہرگز مت چھوڑو! چاہے تمہیں گھوڑے ہی کیوں نہ رَوند ڈالیں!"۔ لہذا اگر فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد، کوئی شخص مسجد میں حاضر ہوا، اور توقّع یہ ہے کہ وہ دو ۲ رکعت سنّت پڑھ کر، امام کو دوسری رکعت کے قعدہ میں پالے گا، تو اسے سنّتِ فجر کا ترک جائز نہیں، بلکہ اسے چاہیے کہ سنّت ادا کرکے، پھر جماعت میں شریک ہو جائے، اگرچہ جماعت کے آخری حصہ میں ہی کیوں نہ ہو!۔ لیکن یہ سنّتیں کسی دیوار یا سُتون کی آڑ میں، صفوں سے جُدا ہو کر ادا کرے۔

اگر ایسے وقت مسجد پہنچا، کہ جماعت آخری مرحلے میں ہے، اور اتنا وقت نہیں کہ سنّتیں پڑھ کر امام کے ساتھ شریکِ جماعت ہو سکے، بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ اگر سنّت پڑھے گا، تو جماعت بالکل فَوت ہو جائے گی! ایسی صورت میں چاہیے کہ سنّتیں چھوڑ کر شریکِ جماعت ہو جائے، پھر اگر بعد میں سنّتیں پڑھنا چاہے، تو فجر کے بعد طلوعِ شمس سے پہلے نہ پڑھے؛ کیونکہ ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے، بلکہ طلوعِ شمس کے بعد مکروہ وقت ختم ہو جانے پر پڑھے، یعنی آفتاب طلوع ہونے کے تقریبًا ۲۰ منٹ بعد۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب المسافرين وقصرها، ر: ١٦٨٨، صـ٢٩٤.

(٢) "سنن أبي داود" كتاب التطوع، باب ركعتي الفجر، ر: ١٢٥٨، صـ١٨٩.

سنّتِ فجر، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے، حضرتِ سیّدنا عبداللہ بن ابی موسی اَشعری سے روایت کی: «أنّه دخل المسجدَ والإمامُ في الصّلاة، فصلّى ركعتَي الفجر»[۱] "حضرت سیّدنا عبداللہ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ جب مسجد میں داخل ہوئے، توامام صاحب نمازِ فجر پڑھا رہا تھا، تب آپ نے فجر کی دو ۲ رکعت سنّت پڑھی"۔

(۲) امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے، حضرت سیّدنا ابو عثمان انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی: «جاء عبدُ الله بن عبّاس، والإمامُ في صلاةِ الغَداة، ولم يكن صلّى الرَّكعتَين، فصلّى عبدُ الله بن عبّاس رضي الله تعالى عنهما الرَّكعتَين خلفَ الإمام، ثمّ دخل معهم»[۲] "حضرت سیّدنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما مسجد میں تشریف لائے، اس وقت امام صاحب نمازِ فجر میں تھے، اور حضرتِ ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما نے ابھی سنّتِ فجر ادا نہیں کی تھی، لہذا آپ نے جماعت سے پیچھے دُور رہ کر، دو ۲ رکعت سنّت ادا کی، پھر سب کے ساتھ جماعت میں شریک ہوگئے"۔

(۳) امام طحاوی رحمہ اللہ نے، حضرتِ سیّدنا ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی: «أنّه كان يدخل المسجدَ، والنّاسُ صفوفٌ في صلاة الفجر، فيصلّي الرّكعتَين في ناحيةِ المسجد، ثمّ يدخل مع القَوم في الصّلاة»[۳] "وہ مسجد میں داخل ہوتے، اور دیکھتے کہ لوگ نمازِ فجر میں صفیں باندھے مشغول ہیں، تو وہ مسجد کے ایک گوشہ میں دو ۲ رکعت ادا کرتے، اور پھر سب کے ساتھ شریکِ جماعت ہوجاتے"۔

---

(۱) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب الرجل يدخل المسجد ...إلخ، ر: ۲۱۵۸، ۱/ ٤۸٥.

(۲) المرجع نفسه، ر: ۲۱٦۰، ۱/ ٤۸٦.

(۳) المرجع السابق، ر: ۲۱٦٤، ۱/ ٤۸۷.

سنّتِ فجر، اقوالِ علماء کی روشنی میں

علّامہ ابراہیم حلَبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سنّةُ الفجر، فإنّه يجوز أداؤُها إذا علمَ، أنّه يُدرِكه في التشهُّد"(۱). "اگر امام کو تشہد میں پالینے کا قوی اِمکان ہو، تو اس صورت میں دَورانِ جماعت سنّتِ فجر ادا کرنا چاہیے!"۔

علّامہ فخر الدین زَیلعی حنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "إن لم يَخشَ أن تفوتَه الرّكعَتان إلى أن يصلِّيَ سُنّةَ الفجرِ، فإن كان يَرجُو أن يُدرِكَ إحداهما، لَا يترُكُها"(۲). "اگر نمازِ فجر کی فرض رکعتوں کے فَوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اور قوی امید ہو کہ سنّتِ فجر پڑھنے کے بعد، فرض کی دو ۲ رکعتوں میں سے کم از کم ایک ضرور پالے گا، تو سنّتِ فجر نہ چھوڑے!"۔

علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "إذا رجا إدْراكَ الإمامِ في التشَهُّدِ، لَا يترُكُها بل يصلِّيها"(۳). "جب امام کو تشہد میں پالینے کی قوی امید ہو، تو سنّتِ فجر نہ چھوڑے، بلکہ سنّتِ فجر ادا کرے!"۔

خلاصۂ کلام

احادیث کریمہ اور اقوالِ علماء سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ فجر کے فرض سے پہلے دو ۲ رکعت سنّت ادا کرنا، تمام سنّتوں میں سب سے زیادہ مؤکَّد ہے، لہٰذا اگر فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد، کوئی شخص مسجد میں حاضر ہوا، اور توقّع یہ ہے کہ وہ دو ۲ رکعت سنّت ادا کرکے، امام کو دوسری رکعت کے قعدہ میں پالے گا، تو اسے سنّتِ فجر ترک کرنا جائز نہیں، بلکہ اسے چاہیے کہ پہلے سنّتیں ادا کرے، پھر جماعت میں شریک ہو، اگرچہ امام قعدۂ اخیرہ میں کیوں نہ ہو، جبکہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے جماعت میں شامل

(۱) "الغنية" فصل في النوافل، صـ۳۹۷.

(۲) "التبيين" كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، الجزء ۱، صـ۱۸۲.

(۳) "ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة ...إلخ، ۴/ ۴۰۱.

ہونے کی امید ہو۔ اور اگر ایسے وقت مسجد آیا، کہ سنّت پڑھتا ہے تو جماعت فَوت ہوتی ہے! تو ایسی صورت میں جماعت میں شامل ہو جائے، ایسے وقت میں سنّتوں کی ادائیگی جائز نہیں!۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حکیم الامّت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "جاء الحق"[۱]، اور علّامہ سعید اللہ خان حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (۲) "سعید الحق فی تخریج جاء الحق"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) تیرہواں باب: "بوقت جماعت سنّت فجر پڑھنا"، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۲) تیرہواں باب: "بوقت جماعت سنّت فجر پڑھنا"، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی۔

(۵۹) ذِکر بالجہر

دینِ اسلام کے اَحکام وتعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں، کھانا پینا، نماز، روزہ، اِنفاق فی سبیل اللہ، حج، جہاد، خوشی وغمی کا اِظہار، تمام کاموں میں ہمیں اِعتدال ومیانہ روی کی راہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اِفراط وتفریط نہ عبادات میں جائز ہے نہ مُعاملات میں۔ اگر نماز باجماعت ہو رہی ہو، یا پاس مریض لیٹا ہو، یا کوئی آرام کر رہا ہو، تو اس کے پاس بلند آواز سے ذِکر کرنے کو، کوئی بھی جائز قرار نہیں دیتا! اگر نماز باجماعت ہو چکی ہے، مذکورہ عوارض بھی نہیں، اور لوگ اجتماعی طور پر درمیانی آواز سے ذِکر بالجہر (بلند آواز سے ذکرُ اللہ) کریں، اس طَور پر کہ کسی کو تکلیف وایذاء نہ پہنچائی جائے، تو یہ عین منشائے قرآن وحدیث ہے، اسی پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا عمل رہا، اور اسی کا انہیں حکم بھی تھا، فقہائے کرام نے اسی کی صراحت فرمائی، اور یہی آج تک اہلِ سنّت وجماعت کا معمول چلا آرہا ہے!۔

ذِکر بالجہر، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(۱) اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾[۱] "اللہ تعالی کا خوب ذکر کیا کرو، جیسے تم اپنے باپ دادا کا (بڑے شَوق وفخر سے) ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی زیادہ شدّتِ شَوق سے اللہ تعالی کا ذکر کیا کرو!"۔

دراصل کفّارِ مکّہ اپنے تئیں جوحج کیا کرتے، اس سے فراغت کے بعد، مجلسیں سجا کر اپنی قومی خُوبیاں اور نَسبی عظمتیں بیان کیا کرتے۔ اسے اللہ تعالی نے منع فرمایا، اور اس کی جگہ اللہ تعالی کے ذکر کا حکم دیا۔ وہ اپنے آبا واَجداد کا بلند آواز سے ذکر کیا کرتے، اسے چھوڑ کر ان مجالس میں ذکرِ الٰہی کا حکم دیا گیا، لہٰذا یہ ذکر بالجہر کا حکم ہوا[۲]۔

---

(۱) پ۲، البقرة: ۲۰۰.

(۲) "جامع البيان" البقرة، تحت الآية: ۲۰۰، الجزء ۲، صـ۴۰۴، ۴۰۵.

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا﴾(۱) "اُس سے بڑھ کر ظالم کون؟ جو اللہ تعالی کی مسجدوں میں، اُس کا نام لینے سے روکے! اور مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے!"۔

اس آیتِ مبارکہ میں سب سے بڑا ظالم اسے بتایا گیا، جو مسجد میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کو ذکر سے روکتا ہے، اور مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں بھی پوشیدہ طَور پر ذِکر بالجہر (بلند آواز سے ذکرُاللہ) ہی مراد ہے؛ کیونکہ اگر لوگ دل میں ذکر کریں، تو انہیں کون روک سکتا ہے؟! ظاہر ہے کہ بلند آواز سے ہی ذکر کیا جاتا ہے، جسے سُن کر ظالم لوگ منع کرتے ہیں، اور مساجد کو ویران کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالی نے دردناک عذاب کی وعید سُنائی ہے۔

(۳) اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾(۲)

"ایمان والے تو وہی لوگ ہیں، کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہو، تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں!"۔

اہلِ علم وعقل جانتے ہیں، کہ اس آیتِ کریمہ سے بھی ذِکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے؛ کہ جب کسی کے سامنے بالجہر ذکر (بلند آواز سے ذکرُاللہ) کیا جائے، تبھی تو اس ذکر کا اثر قبول کرے گا؛ کیونکہ خفی ذکر تو وہ سُن نہیں سکتا، اور جو ذکر سُنا جاتا ہے، وہی ذکر بالجہر کہلاتا ہے۔

فرض نماز کے بعد ذِکر بالجہر

(۴) نماز کے بعد ذکرُ اللہ کا حکم، قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ فقہائے کرام سے ثابت ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے، اور اس میں بڑی برکت بھی ہے، حیلے بہانوں سے اسے منع کرنا، قبیح بدعت

---

(۱) پ۱، البقرة: ١١٤.

(۲) پ۹، الأنفال: ٢.

اور گناہ ہے، قرآنِ کریم میں فرمایا: ﴿فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ﴾[1] "پھر جب تم نماز پڑھ چکو، تو اللہ کی یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے!"۔

ذکرِ الٰہی اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہے

(۵) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾[2] "جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے!"۔

ذکرُ اللہ سے منع کرنے والوں کا انجام

(۶) مسجدوں میں اللہ تعالی کے ذکر سے منع کرنے والوں کو، قرآنِ کریم نے ظالم فرمایا، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ﴾[3] "اُس سے بڑھ کر ظالم کون؟ جو اللہ کی مسجدوں میں، اُس کا نام لینے سے روکے! اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے! انہیں ایسا کرنا مناسب نہیں تھا کہ مسجدوں میں داخل ہوتے، مگر ڈرتے ہوئے! ان کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے، اور ان کے لیے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے!"۔

ذِکر بالجہر حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أَكْثِرُوا ذِكرَ الله، حتّى يَقُولُوا مجنُونٌ!»[4] "اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو، کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں!"۔

---

(۱) پ٥، النساء: ١٠٣.

(۲) پ١٣، الرعد: ٢٨.

(٣) پ١، البقرة: ١١٤.

(٤) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي سعيد الخدري، ر: ١١٦٧٤، ٤/ ١٤٢.

اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے پر، لوگ تبھی دیوانہ کہیں گے جب لوگ سنیں گے، اور سُن اسی وقت سکتے ہیں جب ذِکر بالجہر ہو گا!۔

(۲) حضرت سیّدنا ابن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «اذْكُروا اللهَ ذِكراً يقولُ المنافقُونَ: إنّكم تُراؤُون!»[1] "اللہ کا ذکر اس طرح کرو، کہ مُنافق تمہیں رِیاکار کہیں!"۔ اس حدیثِ پاک میں بھی واضح طَور پر ذِکر بالجہر ہی کی بات کی گئی ہے، جس پر مُنافق رِیاکار کہیں۔

(۳) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: أنّ رجلاً كان يرفعُ صوتَه بالذِّكر، فقال رجلٌ: لو أنّ هذا خفض مِن صوتِه، فقال رسولُ الله ﷺ: «فإنّه أوّاهٌ!» قال: فمات فرأى رجلٌ ناراً في قبرِه فأتاهُ، فإذا رسولُ الله ﷺ فيه وهو يقولُ: «هلُمُّوا إلى صاحِبكُم!» فإذا هو الرّجلُ الّذِي كان يرفعُ صوتَه بالذِّكْرِ[2].

"ایک شخص بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، دوسرے نے کہا: کاش یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا تو بہتر تھا! رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ تو خُوب آہیں بھرنے والا ہے!"۔ راوی کہتے ہیں کہ جب وہ ذاکر شخص انتقال کر گیا، تو کسی نے دُور سے اس کی قبر میں نور ورَوشنی دیکھی اور قریب آیا، تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وہاں پہلے سے موجود تھے، اور حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے اس بھائی کی طرف آجاؤ، جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا"۔ یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں بھی رائج تھا۔

(۴) حضرت سیّدنا ابن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: «كنتُ أعرِفُ انْقضاءَ صلاةِ النّبيِّ ﷺ بالتّكبيرِ»[3] "میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نماز سے فراغت کو، ذکرُ اللہ کی آواز سُن کر معلوم کر لیتا تھا"۔ یعنی دُور ہونے کے باوجود، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے آوازِ ذکر سُن کر معلوم ہو جاتا، کہ آپ نے نماز مکمل فرمالی ہے۔

---

(۱) "المعجم الكبير" أبو الجوزاء عن ابن عباس، ر: ۱۲۷۸٦، ۱۲/ ۱۳۱.

(۲) "مستدرَك الحاكم" كتاب الجنائز، ر: ۱۳٦۱، ۲/ ۵۲۵.

(۳) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصّلاة، ر: ۸٤۲، صـ۱۳٦.

ذِکر بالجہر، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام جلال الدین سُیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "وقَد وردَتْ أحاديثُ تقتضي استحبابَ الجهرِ بالذِّكرِ، وأحاديثُ تقتضي استحبابَ الإسرَارِ به، والجمعُ بينهما أن ذلك يختلفُ باختلافِ الأحوالِ والأشخاصِ"(۱). "کچھ احادیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ بلند آواز سے ذکر مستحب ہے، اور کچھ احادیث سے ثابت ہے، کہ آہستہ آواز سے ذکر مستحب ہے، دونوں قسم کی احادیث پر ذکر کرنے والوں کے، مختلف اَحوال کے اعتبار سے عمل ہوگا"۔

امام ابنِ عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "إنّ الجهرَ أفضلُ؛ لأنّه أكثرُ عملاً؛ ولتعدّي فائدتِه إلَى السّامعين، ويُوقظُ قلبَ الذّاكرِ، فيَجمَعُ همَّه إلَى الفِكرِ، ويصرفُ سمعَه إليه، ويطرَدُ النّومَ، ويزِيد النَّشاطَ"(۲). "بلند آواز سے ذکر افضل ہے؛ کہ اس میں مشقّت زیادہ ہے، اس کا فائدہ تمام سننے والوں کو پہنچتا ہے، یہ ذکر کرنے والے کے دل کو بیدار کرتا ہے، اس کے خیالات کو مجتمع رکھتا ہے، کانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے، نیند بھگاتا ہے، اور چُستی میں اضافہ کرتا ہے!"۔

خلاصۂ کلام

قرآنِ کریم، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علماء سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ بلند آواز سے ذکرُ اللہ جائز ہے، اور ذکر بالجہر کی مختلف صورتیں ہیں، جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ، فقیہِ اعظم ہند، علّامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "بعض حالتوں میں جائز و بہتر ہے، اور بعض میں مکروہ ہے۔ جب اس کا مقصد صحیح

---

(۱) "الحاوي للفتاوي" رسالة: نتيجة الفكر في الجهر في الذِّكر، ١/ ٤٦٦.

(۲) "رد المحتار" كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصوت بالذِكر، ٤/ ٢١٣.

ہو، اور نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو، اور سونے والوں کو اِیذاء نہ ہو، اور رِیا کاری کی مداخلت سے خالی ہو، تو جائز ہے، اور نماز کے بعد ذکر کا جواز احادیث سے ثابت ہے"[1]۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام جلال الدّین سُیوطی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "نتيجة الفكر في الجهر في الذِّكر"[۲]، حضرت علّامہ عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "سباحة الفكر في الجهر بالذِّكر"[۳]، صدر الاَفاضل حضرت علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "تسكين الذاكرين وتنبيه المنكِرين"[٤]، اور حضرت علّامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "ذکر بالجہر"[5] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی امجدیہ" "کتاب الصّلاۃ، باب صفة الصلاة، ج۱، ص۸۳۔

(٢) مطبوعة من دار الفكر، بيروت.

(٣) مطبوعة من مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب.

(۴) "فتاوی صدر الاَفاضل" ص۴۴۲تا۴۶۰، مطبوعہ مکتبہ برکات مدینہ، کراچی۔

(۵) مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور۔

(٦٠) قُنوتِ نازِلہ

قُنوت کے معنی اِطاعت، خشوع اور دعا کے ہیں، نازِلہ کا معنی شدید مصیبت، یعنی زمانے کے آفات وبلیّات میں گرفتار ہو جانے کے وقت، نماز میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں، گریہ، زاری اور اِلتجاء کرنا، ان آفات وبلیّات سے نَجات کے لیے دعا کرنا، قنوتِ نازِلہ کہلاتا ہے۔ مثلاً دشمن کی طرف سے حملہ وتشدّد، خوفناک جنگ، ہلاکت خیز طوفان، آندھی، تیز بارش، یا طاعون وغیرہ کی وَبا پھیل جائے، تو اس سے نَجات کے لیے فرض نمازوں میں، قُنوتِ نازِلہ پڑھی جاتی ہے، جب تک وہ مصیبت دُور نہ ہو یہ عمل جاری رکھا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ تَوبہ واستغفار کی بھی کثرت کی جائے! اور ہر قسم کے گناہوں سے سچی تَوبہ کی جائے۔ حضور سیّدِ عالَم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت کے وقت، تقریبًا ایک ماہ تک دعائے قُنوت، فجر کی دوسری رکعت میں پڑھی۔

علمائے حنفیہ کرام کے نزدیک، احادیثِ صحیحہ کی رَوشنی میں، قُنوتِ نازِلہ صرف نمازِ فجر میں، دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے، اور وہ بھی مَصائب وآلام میں مبتلاء ہونے پر، اُن کے دفع کے لیے پڑھنا جائز ہے۔

قنوتِ نازِلہ، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرتِ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: «قنتَ النبيُّ ﷺ شهراً يدعو على رعلٍ وذكوان»[1] "رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ قُنوت پڑھی، اور اس میں قبیلہ رعل وقبیلہ ذکوان کے لیے بددعا فرمائی"۔

(۲) حضرتِ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، "حضورِ اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد سمع اللهُ لمن حمده کہنے پر قنوت پڑھی، اور قُنوت میں یہ پڑھا کرتے: «اللّهمّ أنجِ الوليدَ بنَ الوليدِ، اللّهمّ نجِّ سلَمَةَ بنَ هِشامٍ، اللّهمّ نجِّ عيّاشَ بنَ أبي رَبيعةَ، اللّهمّ نجِّ المستضعفينَ مِنَ المؤمِنِينَ، اللّهمّ اشْدُدْ وطْأَتَك علَى مُضَرَ، اللّهمّ اجعلْها علَيهِم سِنِينَ

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الوتر، باب القنوت قبل الركوع وبعده، ر: ۱۰۰۳، صـ۱٦۱.

كسِني يوسفَ»[۱] "اے اللہ! ولید بن ولید کو دشمنوں سے نَجات دے، اے اللہ! سَلَمہ بن ہِشام کو دشمنوں سے نَجات دے، اے اللہ! عیّاش بن ابی ربیعہ کو دشمنوں سے نَجات دے، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو دشمنوں سے نَجات دے، اے اللہ! قبیلہ مُضَر پر اپنی سخت پکڑ فرما، اے اللہ! ان پر قحط مسلّط فرما، جتنے برس حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں قحط نازل ہوا"۔

(۳) حضرتِ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: «مازال رسولُ الله ﷺ يَقنُت في الفَجر، حتّى فارَقَ الدّنيا»[۲] "رسول اللہ ﷺ جب تک دنیا میں ظاہری طور پر رہے، نمازِ فجر میں (مصیبتوں کے وقت) قُنوت پڑھتے رہے"۔

قُنوتِ نازِلہ، اقوالِ علماء کی روشنی میں

محقّق علی الاِطلاق، امام ابن ہُمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "إنّ القنوتَ للنّازلة مستمرٌّ لم ينسخ. وبه قال جماعةٌ من أهل الحديث، وحملوا عليه حديثَ أبي جعفر عن أنسٍ: «ما زالَ يَقنُت حتّى فارقَ الدّنيا» أي: عند النَّوازل"[۳]. "محدّثینِ کرام فرماتے ہیں، کہ مصیبت کے وقت قُنوت پڑھنے کا حکم باقی ہے، منسوخ نہیں۔ اور محدّثینِ کرام نے حدیثِ ابو جعفر بروایت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہ "رسول اللہ ﷺ جب تک دنیا میں ظاہری طور پر رہے، نمازِ فجر میں قُنوت پڑھتے رہے" کو مصیبت کے وقت پر محمول کیا ہے"۔

علّامہ ابنِ عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "قال الحافظ أبو جعفر الطحاويّ: إنّما لا يقنُت عندنا في صلاةِ الفجر مِن غيرِ بليّة، فإنْ وقعَتْ فتنةٌ أو بليّةٌ، فلا بأسَ به"[٤].

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب المساجد ...إلخ، باب استحباب القنوت ...إلخ، ر: ١٥٤٠، صـ٢٧٢.

(٢) "مصنَّف عبد الرزّاق" كتاب الصّلاة، باب القنوت، ر: ٤٩٦٤، ٣/ ١١٠.

(٣) "فتح القدير" كتاب الصّلاة، باب صلاة الوتر، ١/ ٣٧٩.

(٤) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، ٤/ ٢٤٩.

"امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ نے فرمایا، کہ ہمارے مذہبِ حنفی میں، بغیر نزولِ مصیبت، نمازِ فجر میں قُنوت نہیں پڑھی جائے گی، اگر کوئی فتنہ یا مصیبت درپیش ہو، تو اس صورت میں قُنوتِ نازِلہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں"۔

خلاصۂ کلام

احادیث کریمہ اور اقوالِ علماء کا خلاصہ یہ ہے کہ قنوتِ نازلہ، یعنی زمانے بھر کے آفت ومصیبت میں گرفتار ہو جانے کے وقت، نماز میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں اِلتجاء کرنا، اور ان آفات وبلیّات سے نَجات کے لیے دعا کرنا ہے، حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ایک بار ایک خاص مصیبت کے وقت، تقریبًا ایک ماہ تک دعائے قُنوت، فجر کی نماز میں پڑھنا ثابت ہے۔

علمائے حنفیہ کرام کے نزدیک، احادیثِ صحیحہ کی رَوشنی میں، قُنوتِ نازِلہ صرف نمازِ فجر میں، دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے، اور وہ بھی مَصائب وآلام میں مبتلاء ہونے پر، اُن کے دفع کے لیے پڑھنا جائز ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا رسالہ (۱) "اجتناب العمّال عن فتاوی الجهّال"[۱]، صدر الشریعہ حضرت مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "التحقیق الکامل في حکم قنوت النّوازِل"[۲]، صدر الاَفاضل حضرت علّامہ مفتی سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "ہدایہ کاملہ بَر قنوتِ نازلہ"[۳]، حکیم الامّت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۴) "جاء الحق"[۴]، اور علّامہ سعید اللہ خان حفظہ اللہ تعالی کی کتاب (۵) "سعید الحق فی تخریج جاء الحق"[۵] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" ۵/۲۳۷ تا ۲۷۷، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) "فتاوی امجدیہ" جلد ۱، ص ۲۰۳ تا ۲۳۲، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی۔

(۳) "فتاوی صدر الاَفاضل" ص ۴۲۲ تا ۴۳۹، مطبوعہ مکتبہ برکات المدینہ، کراچی۔

(۴) آٹھواں باب: "قنوتِ نازلہ پڑھنا منع ہے"، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات پاکستان۔

(۵) آٹھواں باب: "قنوتِ نازلہ پڑھنا منع ہے"، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی۔

(۶۱) بدعت اور اس کی اقسام

لُغوی اعتبار سے لفظِ بدعت بنیادی طَور پر عربی لفظ "بِدْعٌ" سے مشتَق ہے، اس کے معنی ہیں: "نیا، انوکھا، پہلے پہل کیا جانے والا کام"[1]۔ کسی شَے کے عدم سے وجود میں آنے کو بدعت کہتے ہیں۔ اس طرح نئے کام کرنے والے کو مُبتدِع یا بدعتی، اور عربی میں بِدعی بھی کہا جاتا ہے[2]۔

رئیس المتکلّمین علّامہ نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب "أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد" میں فرماتے ہیں کہ "لفظِ بدعت باصطلاحِ شریعت دو ۲ معنی میں استعمال ہوتا ہے:

اوّل: "ما لم يفعله النبيُّ ﷺ، ولا أذِنَ فيه". وہ کام جو نبئ کریم ﷺ نے نہ خود کیا، نہ کسی دوسرے کو اُس کی اجازت دی۔

ثانی: "ما لم يكن في عهد رسول الله ﷺ". وہ کام جو نبئ کریم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں نہ ہو۔

یہ بدعت افعالِ صحابہ، اقوالِ مجتہدینِ اَربعہ اور اتفاقِ اہلِ سنّت کی رَوشنی میں، نہ مطلقاً ضَلالت وگمراہی ہے، نہ حرام ومکروہ۔ اس کی تقسیم حسَنہ (اچھی) وسیّئہ (بُری)، یا اقسامِ خمسہ: (۱) حرام، (۲) مکروہ، (۳) مُباح (جائز)، (۴) مندوب (مستحب)، (۵) اور واجب میں سے، کسی ایک کی طرف ضرور ہے۔

ولہٰذا ائمۂ دین وعلمائے محققین اس کے قائل ہوئے، اور کتبِ سابقین ولاحقین میں بلا ذکرِ خلاف مذکور ہوئے۔ نمازِ تراویح کے بارے میں امیر المؤمنین سیّدنا عُمر رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی اسی قبیل سے ہے: «نعمتِ البدعةُ هذه!»[3] "کیا ہی اچھی بدعت ہے یہ جو ہم نے ایجاد کی ہے!" یعنی نمازِ تراویح۔

---

(۱) "القاموس المحيط" باب العين، فصل الباء، صـ۷۲۲.

(۲) "كشّاف اصطلاحات الفُنون والعلوم" حرف الباء، ۱/ ۳۱۳.

(۳) "الموَطّأ" كتاب الصّلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ر: ۲۵۲، صـ۷۰.

اسی طرح سیّدنا عبد اللہ بن عُمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا قول بھی، نمازِ چاشت کے بارے میں اسی قسم سے ہے: «وإنّها لَبدعةٌ، ونعمتِ البدعةُ! وإنّها لمِن أحسَنِ ما أحدثَه النّاسُ!»[1] یعنی نمازِ چاشت کی اِیجاد اچھی بدعت ہے! اور یہ اُن عمدہ ترین کاموں میں سے ہے، جو لوگوں نے نئے اِیجاد کیے!"۔

بدعتِ حَسَنہ کی اَقسام

بدعتِ حَسَنہ کی تین ۳ قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ جائز، (۲) بدعتِ مستحبہ، (۳) بدعتِ واجبہ۔

بدعتِ جائز: جیسے فجر کی نماز کے بعد ہمیشہ مُصافحہ کرنا، عمدہ عمدہ کھانوں اور مشروبات کی فراوانی، نیز ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہیں، وہ بدعت جائز و مُباح ہے۔

بدعتِ مستحبہ: جیسے مسافر خانوں اور مدارس وغیرہ کا قیام، نیز ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہیں تھی، جیسے قرآن کریم کے تیس ۳۰ پارے بنانا، ان میں علامات ورکوع وغیرہ قائم کرنا، یہ سب اِیجادات بدعتِ مستحبہ ہیں۔

بدعتِ واجبہ: جیسے علمِ نحو (عربی گرامر) وغیرہ سیکھنا، اور اصولِ فقہ کا جمع کرنا، یہ بدعتِ واجبہ ہے؛ کیونکہ اس کے بغیر قرآن وحدیث کو صحیح طَور پر سمجھنا ممکن نہیں۔

بدعتِ سیّئہ کی اَقسام

بدعتِ سیّئہ وبُری بدعت کی بھی دو ۲ قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ مکروہ، (۲) بدعتِ حرام۔

بدعتِ مکروہ: جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا۔

---

(۱) "فتح الباري شرح صحيح البخاري" كتاب التهجد، باب صلاة الضحى في السفر، تحت ر: ١١٧٥، ٣/ ٦٢ ملتقطاً. "اصول الرَّشاد" مقدّمہ، فائدہ رابعہ، ص۴۸، ۴۹، بتصرّف۔

بدعتِ حرام: جیسے اہلِ سنّت وجماعت کے سِوا، دیگر عقائد ونظریات اور فِرقوں کی ایجاد، مثلاً فرقۂ جَبریہ، قَدَریہ، رافضیہ، خارجیہ اور وہابیہ وغیرہ[1] نیز دیوبندیہ اور غامدیہ بھی۔

بدعتِ حَسَنہ، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ﴾[2] "راہب بنا تو انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نئی چیز نکالی، ہم نے ان پر مقرّر نہیں کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ تعالی کی رِضا کے لیے پیدا کی تھی"۔

امام ابنِ جریر طَبری علیہ الرحمۃ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "يقول [تعالى ذكرُه:] أحدَثوها. يقول: ما افترضنا تلك الرَّهبانيةَ عليهم، يقول: لكنّهم ابتدعوها ابتغاءَ رضوانِ الله"[3]. "رب تعالی فرماتا ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنی طرف سے نکالی۔ رب تعالی فرماتا ہے کہ ہم نے ان پر راہب بنا فرض نہیں کیا تھا، انہوں نے راہب بننے کی بدعت، اللہ کی رضا کے لیے، خود سے ایجاد کی تھی"۔

امام حافظ الدّین نَسَفی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وابتدعوا رهبانيةً، أي: أخرجوها من عند أنفُسهم، ونذرُوها لم نفرضها نحن عليهم، ولكنّهم ابتدعوها ابتغاءَ رضوانِ الله"[4]. "انہوں نے خود اپنی طرف سے راہب بنا اختیار کیا، اور اس کی نذر مانی، ہم نے ان پر راہب بنا فرض نہیں کیا تھا، لیکن انہوں نے راہب بننے کی بدعت، اللہ کی رضا کے لیے خود سے ایجاد کی"۔

---

(١) "الفتح المبين لشرح الأربعين" الحديث ٥ و٢٨، صـ١٠٦، ١٠٧ وصـ٢٢٢. و"جاءالحق" بدعت کے معنی اور اس کی اَقسام، ص۱۸۱ تا ۱۸۳۔

(٢) پ٢٧، الحديد: ٢٧.

(٣) "جامع البيان" الحديد، تحت الآية: ٢٧، الجزء ٢٧، صـ٣٠٩.

(٤) "المدارك" الحديد، تحت الآية: ٢٧، ٢/ ٦٥٢.

علّامہ بَغَوی علیہ الرحمۃ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "قال: أي: جاؤوا بها من قِبل أنفُسهم، أي: ما فرضناها، يعني ولكنّهم ابتغوا رضوانَ الله بتلك الرّهبانية، وتلك الرّهبانيةُ ما حملوا أنفسَهم من المشاق في الامتناع، من المطعم والمشرب والملبس والنكاح والتعبُّد في الجِبال"[۱]. "انہوں نے اپنی طرف سے راہب بننا اختیار کیا، یعنی ہم نے ان پر یہ فرض نہیں کیا، لیکن انہوں راہب بننا اللہ کی رضا کی خاطر اختیار کیا، اور یہ رہبانیت جو انہوں نے اختیار کی، وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو کھانے پینے، کپڑے پہننے، اور نکاح کرنے سے باز رکھا، اور پہاڑوں میں رہ کر عبادت کی مشقت اختیار کی"۔

تو معلوم ہوا کہ مقاصدِ شریعتِ اسلام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اچھی چیز کی ایجاد اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو محمود ہے، جبکہ اس کے سبب فرض وواجب یا سنّت زائل نہ ہوں۔

بدعتِ حَسَنہ، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(ا) امام بخاری علیہ الرحمۃ اپنی "صحیح" میں، حضرت سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ میرے پاس آئے اور فرمایا، کہ جنگِ یمامہ میں کثیر حفّاظِ قرآن نے شہادت پائی ہے، اور قاریوں کے مختلف جنگوں میں شہید ہو جانے کے باعث، قرآنِ کریم کا کثیر حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے! لٰہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآنِ کریم یکجا کرنے کے لیے کسی کو حکم فرمائیں! میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: «كيفَ تفعلُ شيئاً لم يفعلْه رسولُ الله ﷺ؟» "وہ کام کیسے کر سکتے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟" حضرتِ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: خدا کی قسم اس کام میں خیر ہے! حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مجھ سے بار بار مُطالبہ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے اس مُعاملہ میں، مجھے بھی شرحِ صدر عطا فرمایا (یعنی میرا سینہ بھی کھول دیا)، اور میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی بات سے متفق ہو گیا"[۲]۔

---

(١) "معالم التنزيل" الحديد، تحت الآية: ٢٧، ٤/ ٣٠٠.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ٤٩٨٦، صـ٨٩٤.

(۲) امام مسلم علیہ الرحمۃ اپنی "صحیح" میں، حضرت سیّدنا جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ سَنّ في الإسلام سنّةً حسَنةً، فلَه أجرُها، وأجرُ مَن عمِل بها بعدَه، مِن غيرِ أن ينقُصَ مِن أُجورِهم شيءٌ! ومَنْ سَنّ في الإسلامِ سنّةً سيّئةً، كان عليه وِزرُها ووِزرُ مَنْ عمِل بها مِن بعدِه، مِن غيرِ أنْ ينقُصَ مِن أوزارِهم شيءٌ!»[1].

"جو اسلام میں اچھا طریقہ (اچھا عمل) جاری کرے، اسے اس کا ثواب ہوگا، اور اُن تمام لوگوں کا بھی ثواب ملے گا جو بعد میں اس پر عمل کرتے رہیں گے، اور اُن کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی! اور جو اسلام میں کوئی بُرا طریقہ (بُرا کام) جاری کرے، اس پر اپنا بھی گناہ ہے، اور اُن تمام لوگوں کا بھی گناہ ہے جو بعد میں اس پر عمل کرتے رہیں گے، اور ان کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی!"۔

امام طَبرانی رحمہ اللہ "معجمِ اَوسط" میں، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: «فما رَآه المسلمُون حسَناً فهو عندَ الله حسنٌ! ومَا رأَوْه سيِّئاً فهو عندَ الله سَيِّئٌ!»[2]

"جس کام کو مسلمانوں کی اکثریت اچھا جانیں، وہ اللہ تعالی کے ہاں بھی اچھا ہے! اور جس کام کو مسلمانوں کی اکثریت بُرا جانیں، وہ اللہ تعالی کے نزدیک بھی بُرا ہے!"۔

تو معلوم ہوا کہ مقاصدِ شریعتِ اسلام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اچھی چیز کی ایجاد اللہ کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو، محمود ہے!۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو ...إلخ، ر: ۲۳۵۱، صـ۴۱۰، ۴۱۱.

(۲) "المعجم الأوسط" باب الزّاي، من اسمه زكريا، ر: ۳۶۰۲، ۲/ ۳۸۴.

بدعتِ حَسَنہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالى: "إنّما البِدْعةُ المذمومةُ ما يصادم السنّةَ القديمة، أو يكاد يُفضي إلى تغييرها"[1]. "بُری بدعت وہ ہے، جو سنّتِ قدیمہ کے متصادِم ہو، یا سنّت کو بدلنے والی ہو"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي رحمه الله تعالى: "قال الشّافعي رضي الله عنه: ما أحدثَ وخالَف كتاباً أو سنّةً أو إجماعاً أو أثراً، فهو البدعةُ الضالّةُ، وما أحدثَ من الخير ولم يخالف شيئاً من ذلك، فهو البدعةُ المحمودة"[2]. "حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "بدعت کی دو ۲ قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ جو قرآن یا حدیث یااِجماع یااثرِ صحابی کے خلاف ہو، یہ بدعت گمراہی ہے۔ (۲) دوسری وہ جو کسی نئے اچھے کام کے طور پر ایجاد کی گئی ہو، اور وہ قرآن وحدیث یااِجماع کے خلاف نہ ہو، تو یہ بدعتِ حَسَنہ ہے"۔

قال الإمام التفتازاني رحمه الله تعالى: "ولا نسلِّم أنّ مجرّدَ فعلِ ما لم يَفعلْه النبيُّ صلى الله تعالى عليه وسلم، مخالفةٌ لَهُ وتركٌ لاتّباعه! وإنّما يكون ذلك إذا فعل مَا نَهى عَنهُ، أو ترك مَا أمرَ بِهِ"[3]. "وہ کام جو نبئ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو، اسے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت، یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی قرار دینا، ہمیں تسلیم نہیں! بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت یانافرمانی تو تب لازم آئے گی، جب کوئی ایسا کام کرے، جسے کرنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو، یا ایسا کام ترک کر دے، جسے کرنے کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو!"۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک اور اَقوالِ علماء سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ ہر بدعت حرام، مکروہ اور ناجائز وگناہ نہیں، بلکہ بدعت کی متعدّد اَقسام ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا حکم جُدا جُدا ہے، جیسا کہ امام

---

(۱) "إحياء علوم الدين" كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب ٢ في ظاهر آداب التلاوة، ١/ ٣٢٦.

(۲) "الفتح المبين شرح الأربعين" تحت الحديث ٥، صـ١٠٧.

(۳) "شرح المقاصد" المقصد ٧، الفصل ٤، المبحث ٥، الجزء ٥، صـ٢٨٠.

نَوَوی "شرحِ صحیح مسلم" میں فرماتے ہیں کہ "بدعت کی پانچ ۵ قسمیں ہیں: (۱) واجب، (۲) مندوب (مستحب)، (۳) حرام، (۴) مکروہ، (۵) مُباح (جائز)[1]۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنے "فتاوی" میں، مُعاشرے کے رسم ورَواج اور عُرف وعادات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے، بیان فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان، نرمی اور آسانی کے ساتھ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو سرانجام دینے کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بنیادی نکتہ یہ بیان فرمایا، کہ فرائض کی ادائیگی، اور حرام کاموں سے اجتناب کو، مخلوق کی خوشنودی سے زیادہ اہم جانے، اور فتنہ وفساد سے بچنے، اور انسانی قلوب کی مُدارات ومُراعات کی خاطر، غیر اَولی (خلافِ افضل) پر عمل کر لیا جائے، اور مستحبات کو ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ "پس ان اُمور میں ضابطۂ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے، کہ فعلِ فرائض وترکِ محرّمات کو، اِرضائے خَلق پر مقدَّم رکھے، اور ان اُمور میں کسی کی مطلقاً پرواہ نہ کرے! اور اِتیانِ مستحب وترک غیر اَولی پر مُداراتِ[2] خَلق ومُراعات قلوب کو اہم جانے، اور فتنہ ونفرت واِیذاء ووَحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے"[3]۔

یہ بات شاید کسی وضاحت کی محتاج نہیں، کہ جو لوگ شریعتِ مطہَّرہ کی رُوح، اور حکمت وعلّت سے غفلت برتتے ہیں، نیز ظاہری الفاظ کی پیَروی پر زور دیتے ہیں، وہ لوگ بعض اوقات امّت میں اختلاف وتشتّت (انتشار وافتراق) کا باعث بنتے ہیں، اور لوگوں کو مشقّت وتنگی سے دوچار کر بیٹھتے ہیں۔ اگر ان کی نگاہ سے شریعت کا بنیادی مقصد اوجھل نہ ہوتا، تو ان کا زُہدِ خشک لوگوں کو غیر اَولی اور لایعنی (فضول) باتوں میں اُلجھنے نہ دیتا۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) "شرح صحيح مسلم" كتاب الجمعة، خطبته ﷺ في الجمعة، الجزء ٦، صـ١٥٤.

(۲) مُدارات کے معنی ہیں: "دینی مصلحت کی خاطر کسی کے ساتھ نرمی برتنا"۔

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، رسالہ "الاحلی من السکر لطلبۃ سُکر روسَر" ۵۹۲/۳۔

"اسی طرح جو عادات ورُسوم، خَلق میں جاری ہوں، اور شریعت مطہّرہ سے ان کی حرمت وشناعت (بُرائی) ثابت نہ ہو، ان میں اپنے ترفّع (بڑائی تکبّر) وتنزّہ (طہارت وپاکبازی کا دکھلاوا) کے لیے خلاف وجِدال (جھگڑا) نہ کرے؛ کہ یہ سب اُمور اِیتلاف ومُوانست (باہمی اُنس، محبت ودوستی) کے مُعارِض (خلاف)، اور مراد ومحبوبِ شارع کے مُناقض (برعکس) ہیں۔

ہاں ہاں ہوشیار وگوش دار! کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکوچۂ سلامت وجادۂ (راہ، راستہ) کرامت ہے، جس سے بہت زاہدانِ خشک اور اہلِ تکشُّف، جاہل وغافل ہوتے ہیں، وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں، اور فی الواقع مغزِ حکمت ومقصودِ شریعت سے دُور پڑتے ہیں"[1]۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، رئیس المتکلّمین حضرت علّامہ مفتی نقی علی خان علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد"[2] اور اس کا خلاصہ (۲) "قواعد أصولية"[3] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، رسالہ "الاحلی من السکر لطلبۃ سُکر روسَر" ۳/۵۹۲۔

(۲) مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) ایضًا۔

(٦٢) بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم

تمام اہلِ اسلام کے نزدیک یہ حقیقت مسلّمہ ہے، کہ کسی امام کے پیچھے صحتِ اقتداء کے بغیر نماز دُرست نہیں، جس کے لیے مقتدی وامام کے درمیان ایک مخصوص رابطہ ضروری ہے، اس مخصوص رابطے کے بغیر صحتِ اقتداء متصوّر نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رابطہ ظاہری، مادّی اور جسمانی نہیں، بلکہ یہ رابطہ صرف باطنی، روحانی اور اعتقادی ہے، جس کا وجود امام ومقتدی کے درمیان، اصولی اعتقاد میں مُوافقت کے بغیر ممکن نہیں۔

شرک توحید کے مُنافی ہے، اور کفر وجاہلیت، اسلام وایمان سے قطعًا متضاد ہے۔ اگر مقتدی جانتا ہے کہ میرا کوئی عقیدہ امام کے نزدیک شرکِ جلی، یا کفر وجاہلیت ہے، تو دونوں کے درمیان اعتقادی مُوافقت نہ رہی، اور اس عدمِ مُوافقت کے باعث، صحتِ اقتداء کی بنیاد منہدم ہو کر رہ گئی۔ ایسی صورت میں اس امام کے پیچھے، اس مقتدی کی نماز کا صحیح ہونا کیسے متصوّر ہوسکتا ہے؟! اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے، کہ مثلاً کسی منکرِ ختمِ نبوّت کے پیچھے، کسی مسلمان کی نماز نہیں ہوتی؛ کیونکہ مقتدی ختمِ نبوّت کا عقیدہ رکھتا ہے، اور امام ختمِ نبوّت کا منکِر ہے، دونوں کے درمیان اعتقادی مُوافقت نہ ہونے کے سبب، صحتِ اقتداء کی بنیاد باقی نہ رہی، لہٰذا نماز نہ ہوئی[1]۔

بدمذہب امام کے پیچھے نماز، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ولا يَؤُمُّ فاجرٌ مؤمنًا!»[2] "ہرگز کوئی فاسق، کسی مؤمن کی امامت نہ کرے!"۔

(۲) حضرت سیّدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «لا يقبلُ اللهُ لصاحبِ بِدعَةٍ صَوماً، ولا صلاةً، ولا صدقةً، ولا حجّاً، ولا عمرةً، ولا جهاداً،

(۱) "مقالاتِ کاظمی" بدعقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم، ج۳، ص۳۰۳، ۳۰۴۔

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب التشهّد في الصّلاة، ر: ٩٠٤ و٩٠٥، صـ١٧٢، ملتقطاً.

ولا صَرفاً، ولا عدلاً، يخرجُ مِن الإسلامِ كما تخرجُ الشَّعرةُ مِنَ العَجِين!»[1] "اللہ تعالی کسی (بدعتی) بدمذہب کی نہ نماز قبول کرے، نہ روزہ، نہ زکاۃ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ فرض، نہ نفل، بدمذہب شخص دینِ اسلام سے یوں نکل جاتا ہے، جیسے آٹے سے بال!"۔

(۳) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «فلا تُجالِسُوهم، ولا تُؤَاكِلُوهم، ولا تُشَارِبُوهم، ولا تُنَاكِحُوهم، ولا تُصَلُّوا معهم، ولا تُصَلُّوا عليهم!»[2] "نہ ان کی صحبت میں بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ نہ پیو، نہ ان کے ساتھ نکاح کرو، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو، نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھو!"۔

(۴) کسی کو امام بنانا اُس کی توقیر وعزّت افزائی ہے۔ حضرت سیّدنا ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَن وقّر صاحبَ بدعةٍ، فقد أعانَ على هدمِ الإسلام!»[3] "جس نے کسی بدمذہب (بدعتی) کی تعظیم وتوقیر کی، اس نے دینِ اسلام کے ڈھانے میں مدد کی!"۔

بدمذہب امام کے پیچھے نماز، اقوالِ علماء کی روشنی میں

علّامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "ولا تجوزُ الصّلاةُ خلفَ مَن يُنكِرُ شفاعةَ النّبي عليه الصلاة والسلام، أو يُنكِرُ الكِرَامَ الكاتبين، وعذابَ القبرِ، ومَن يُنكِرُ الرّؤيةَ؛ لأنّهُ كافرٌ"[4]. "جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شَفاعت کا منکِر ہو، یا کراماً کاتبین، یا عذابِ قبر، یا دیدارِ الٰہی (آخرت میں) کا منکِر ہو، اس کی اقتداء میں نماز جائز نہیں؛ کیونکہ یہ سب کافر ہیں"۔

---

(۱) "سنن ابن ماجه" مقدّمة المؤلّف، باب اجتناب البِدع والجدل، ر: ٤٩، صـ١٩.

(۲) "السنّة" لأبي بكر، الخلال ذكر أصحاب رسول الله، ر: ٧٦٩، ٢/ ٤٨٣.

(۳) "شعب الإيمان" باب في مباعدة الكفّار ...إلخ، فصل في مجانبة الفسقة ...إلخ، ر: ٩٤٦٤، ٧/ ٣١١٤.

(٤) "خلاصة الفتاوى" كتاب الصّلاة، الفصل ١٥ في الإمامة والاقتداء، الجزء ١، صـ١٤٩.

علّامہ علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "إنّ الصّلاةَ خلفَ المُبتَدِعِ لا تجوزُ، وذكرَ في "المُنتَقَى" روايةً عن أبِي حنيفةَ، أنّه كان لا يرى الصّلاةَ خلفَ المُبتَدِعِ"(۱). "یقیناً بدعتی (بدمذہب) امام کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ "منتقی" میں منقول ہے، کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ بدعتی (بدمذہب) کے پیچھے نماز جائز نہیں جانتے تھے"۔

علّامہ برہان الدّین بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "فلا تجوزُ الصّلاةُ خلفَ المُبتَدِعِ"(۲). "بدعتی (بدمذہب) امام کے پیچھے نماز جائز نہیں"۔

قال الدّارمي: "عن أبي قلابة، وعن الحسَنِ البصري، ومحمد ابن سِيرِين، أنّهم قالوا: "لا تجالِسوا أهلَ الأهواء"(۳). "امام دارمی نے ابو قلابہ، حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت کی، کہ ان سب نے فرمایا: "بدمذہبوں کے پاس مَت بیٹھو!"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي: "أُمِرنا بمهاجَرة أهل البِدَع"(٤). "ہمیں بدمذہبوں سے قطع تعلق کرنے کاحکم دیا گیا ہے"۔

قال الإمام القاضي عياض: "مَن أحبَّ صاحبَ بدعةٍ، أحبطَ اللهُ عملَه، وأخرجَ نورَ الإيمان من قلبه"(٥). "جو کسی صاحب بدعت، یعنی بدمذہب سے محبت رکھے، اللہ تعالی اس کے اعمال برباد فرمادے گا، اور نورِ ایمان اس کے دل سے نکال لے گا"۔

---

(١) "بدائع الصنائع" كتاب الصّلاة، فصل بيان من يصلح للإمامة في الجملة، ١/ ٣٨٧.

(٢) "المحيط البُرهاني" كتاب الصّلاة، فصل في بيان من يصلح إماماً لغيره، ١/ ٤٦٤.

(٣) "السنن الدّارمي" باب اجتناب أهل الأهواء والبدع والخصومة، ر: ٣٩١، ١/ ١٢٠.

(٤) "فتح الإله شرح المشكاة" كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل ٣، تحت ر: ١١٦، ١/ ٤٨٩.

(٥) انظر: "غنية الطالبين" القسم ٢: العقائد والفرق الإسلامية، باب في معرفة الصانع، فصل، ١/ ١٦٥، نقلاً عن قاضي عياض.

قال الإمام شِهاب الدّين أحمد بن محمد القسطلاني: "إنّ هجرةَ أهل الأهواء والبِدَع دائمةٌ على ممرّ الأوقات، ما لم تظهر التَوبةُ والرّجوعُ إلى الحقّ"[1]. "گمراہوں بدمذہبوں سے ترکِ سلام وکلام ہمیشہ کے لیے ہے، چاہے کتنی ہی مدّت گزر جائے، جب تک ان کی توبہ اور حق کی طرف لَوٹ آنا ظاہر نہ ہوجائے"۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ اگر امام کی بدمذہبیت حدِ کفر تک پہنچ چکی ہے، تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں، اور اگر اس کی بدمذہبیت حدِ کفر کو نہیں پہنچی، تو اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے، یعنی ایسی نماز دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت کا رسالہ "النّهي الأكيد عن الصّلاة وراء عدى التقليد"[2] کا مطالعہ کیجیے!۔

❁ ❁ ❁

---

(١) "إرشاد السّاري" كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسُد ...إلخ، تحت ر: ٦٠٦٥، ١٣/ ١٠٠.

(٢) "فتاویٰ رضویہ" ۵/۳۵۴تا۴۲۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۶۳) ذکرِ اسم شریف "محمد" ﷺ پر انگوٹھے چُومنا

حضور پُرنور، شفیع یوم النشور، صاحبِ لَولاک ﷺ کا نامِ پاک سنتے وقت، انگوٹھے یا شہادت کی انگلیوں کو چُوم کر، آنکھوں سے لگانا، جائز ومستحب عمل ہے، اس کے جواز پر کثیر دلائل قائم ہیں، اور خود اگر کوئی دلیلِ خاص نہ ہوتی، تب بھی منع پر شریعت سے دلیل کا نہ ہونا ہی، جواز کے لیے دلیل کافی ہے، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشاداتِ علمائے کرام وعملِ قدیم سلَف صالحین سب کچھ موجود ہے:

امام سخاوی علیہ الرحمۃ "المقاصد الحسنة" میں فرماتے ہیں کہ "مؤذّن سے "أشهدُ أنّ محمّداً رسولُ الله" سُن کر، شہادت کی انگلیوں کے پورے چُوم کر آنکھوں سے ملنا، اور یہ پڑھنا: "أشهدُ أنّ محمّداً عبدُه ورسولُه، رضِيتُ بالله ربّاً، وبالإسلامِ ديناً، وبمحمّدٍ ﷺ نبيّاً" اس حدیث پاک کو دَیلمی نے "مُسند الفردَوس" میں، سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، کہ جب حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤذّن کو "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ الله" کہتے سنا، تو یہ دعا پڑھی، اور شہادت کی دونوں انگلیوں کے پورے چُوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: «مَنْ فعل مِثلَ ما فعل خليلي، فَقَد حَلَّتْ عليهِ شفاعتِي!» "جو ایسا کرے جیسے میرے اس پیارے نے کیا، اُس پر میری شَفاعت لازم ہو گئی!"[1]۔

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے اس فعل کا ثبوت، اس پر عمل کے لیے کافی ہے؛ کہ حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں: «عليكم بسنّتِي وسنّةِ الخلفاءِ الرّاشدينَ!»[2] "تم پر میری سنّت، اور میرے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنّت لازم ہے"۔

حضرت امام سخاوی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں کہ "شمس الدین محمد بن صالح مدنی، مسجد مدینہ طیّبہ کے امام وخطیب، جو مصر کے بزرگوں میں سے ہیں، انہوں نے اپنی "تاریخ" میں نقل کیا، کہ میں نے

---

(۱) "المقاصد الحسنة" حرف الميم، ر: ۱۰۲۱، صـ۳۹۰.

(۲) "الأسرار المرفوعة" حرف الميم، تحت ر: ۸۲۹، صـ۲۱۰.

صالحین کو فرماتے سنا ہے کہ "جو شخص نبیٔ کریم ﷺ کا ذکرِ پاک اذان میں سُن کر، شہادت کی اُنگلی اور انگوٹھا ملائے، اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے، اُس کی آنکھیں کبھی نہیں دُکھیں گی!"[1]۔

علاّمہ محدّث محمد طاہر پٹّنی (گجرات-الہند) رحمہ اللہ تکملہ "مجمع بحار الانوار" میں حدیث کو صرف "لا يصحّ" فرما کر لکھتے ہیں کہ "اس کے تجربے (یعنی انگوٹھے چُوم کر آنکھوں سے لگانے، اور اس کی برکت سے آنکھوں کی صحتیابی کے تجربات) کی روایات بکثرت ہیں"[2]۔

"شرحِ نُقایہ" میں ہے کہ "خبردار! یقیناً مستحب ہے، کہ جب اذان میں پہلی بار أشهدُ أنّ محمّداً رّسوْلُ الله سُنے، صلَّى اللهُ عليكَ يا رسولَ الله کہے، اور دوسری بار قرّةُ عينِيْ بكَ يا رسولَ الله! کہے، پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے: اللّٰهُمَّ متِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، ایسا کرنے والے کو نبیٔ کریم ﷺ اپنے پیچھے پیچھے جنّت میں لے جائیں گے"[3]۔

علاّمہ شامی رحمہ اللہ "رد المحتار" میں "شرح نقایہ" سے نقل کرتے ہیں: "يُستحبّ أنْ يقالَ عندَ سماعِ الأُولى مِنَ الشّهادةِ: صلَّى اللهُ عليك يا رسولَ الله! وعندَ الثّانيةِ منها: قرَّةُ عيني بِك يا رسولَ الله! ثمّ يقولُ: اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، بعدَ وضعِ ظُفْرَيْ الإبهامَينِ علَى العينَينِ؛ فإنّهُ عليه السلام يكونُ قائداً لَه إلَى الجنّةِ"[4].

"مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار أشهدُ أنّ محمّداً رّسولُ الله سنے، صلَّى اللهُ عليكَ يا رسولَ الله! کہے، اور جب دوسری بار سنے، تو قرّةُ عينِيْ بِكَ يا رسولَ الله کہے، پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے: اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، کہ حضور اکرم ﷺ اُسے

---

(١) "المقاصد الحسنة" حرف الميم، تحت ر: ١٠٢١، صـ٣٩١.

(٢) "مجمع بِحار الأنوار" فصل في تعيين بعض الأحاديث المشتهرة ...إلخ، الأذان، ٥/ ٢٣٤.

(٣) "جامع الرموز" كتاب الصّلاة، فصل الأذان، ١/ ١٢٥.

(٤) "ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب الأذان، تتمة، ٢/ ٦٢٧.

اپنے پیچھے پیچھے جنّت میں لے جائیں گے!"۔

خلاصۂ کلام

حدیث وفقہ وارشاداتِ علمائے کرام، اور عملِ قدیم سلَف صالحین سے یہ ثابت ہوا، کہ حضور اقدس ﷺ کا نام مبارک سُن کر، انگوٹھے چُومنا مستحب وجائز ہے۔ اس عملِ مستحب کے منع پر کوئی دلیلِ شرعی نہیں، لہذا اس سے روکنا، یا اسے ناجائز وبدعت کہنا، ظلم وزیادتی ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے رسالے (۱) "منیر العین في حکم تقبیل الإبهامین"[۱]، (۲) "نهج السّلامة في حکم تقبیل الإبهامین في الإقامة"[۲] اور علّامہ عبد الرزاق بھترالوی رحمہ اللہ تعالی علیہ کا رسالہ (۳) "اَذان میں انگھوٹھے چُومنا مستحَب ہے"[۳] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

❀ ❀ ❀

(۱) "فتاوی رضویہ" ۴/۴۴۳تا۴۸۳، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۴/۴۸۷تا۵۰۳، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی۔

(٦٤) نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ

علمائے حنفیہ کے نزدیک، نمازِ جنازہ میں تلاوتِ قرآن، مطلقاً خلافِ سنّت ہے، اس میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے نہ کوئی اَور سورت، اس نماز میں صرف ثناء، درود شریف اور دعا پڑھی جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی کو دعائے جنازہ نہیں آتی، تو وہ الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت، ثنائے الٰہی یا دعا کی نیّت سے پڑھ سکتا ہے، تلاوتِ قرآن کی نیّت سے پڑھنا جائز نہیں۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) "مُوطّا امام مالک" میں حضرت سیّدنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "أنّ عبدَ الله بنَ عمرَ، كان لا يقرأُ في الصّلاةِ علَى الجِنازةِ"[1]. "حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نمازِ جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہیں کیا کرتے تھے"۔

(۲) حضرتِ سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «لم يوَقَّتْ لنا علَى الجنازةِ قَولٌ ولا قراءةٌ، كبِّرْ ما كبَّر الإمامُ!»[2] "ہمارے لیے نمازِ جنازہ میں قراءت یا کسی اَور قول کو معیّن نہیں کیا گیا، صرف امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہا کرو!"۔

(۳) عظیم محدّث امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "ولا قراءةَ في الصّلاة على الجنازة". "نمازِ جنازہ میں قراءت نہیں ہے"۔ اس کی شرح میں امام جصّاص فرماتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھی: «اللّهم أنتَ ربُّها، وأنت خلقتَها!»[3] اس روایت میں آپ نے دعا ذکر کی، اور تلاوت کا ذکر نہیں فرمایا۔

---

(۱) "موطّأ الإمام مالك" كتاب الجنائز، باب ما يقول المصلّي على الجنازة، ر: ٥٣٥، صـ١٣٦.

(۲) "المعجم الكبير" باب، ر: ٩٦٠٤، ٩/ ٣٢٠.

(۳) "شرح مختصر الطحاوي" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، ٢/ ٢١٤، ٢١٥.

(۴) اسی طرح حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ایک اَور روایت ہے، جس میں آپ نے فرمایا، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھی: «اللّهمّ اغفرْ لحيِّنا وميِّتِنا» ...إلخ[1].

ان دونوں صحابہ نے نمازِ جنازہ میں دعا پڑھنا، نبئ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کیا، اگر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سورۂ فاتحہ پڑھی ہوتی، تو یہ اسے ضرور ذکر کرتے، جیسے نمازِ جنازہ میں دعا پڑھنے کو ذکر کیا[2]۔

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام بدر الدین عینی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "ممّن كان لا يقرأُ في الصّلاةِ علَى الجنازةِ ويُنكِر: عمرُ بن الخطّاب، وعليُّ بن أبي طالب، وابنُ عمرَ، وأبو هريرة. ومِنَ التّابعين: عطاءٌ، وطاووسٌ، وسعيدُ بن المسيّب، وابنُ سِيرين، وسعيدُ بن جبَير، والشَّعبي، والحكم. وقال ابنُ المنذر: وبه قال مجاهدٌ وحمّاد والثَوري. وقال مالك: قراءةُ الفاتحةِ ليسَتْ معمولاً بها في بلدِنا، في صلاةِ الجنازة"[3].

"جو حضرات نمازِ جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہ کرتے، بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں، ان میں حضرتِ سیّدنا عمر بن خطّاب، حضرتِ سیّدنا علی بن ابی طالب، حضرتِ سیّدنا ابن عمر اور حضرتِ سیّدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔ تابعین میں سے حضرتِ عطا، طاؤس، سعید بن مسیّب، محمد بن سِیرین، سعید بن جبیر، امام شَعبی اور حکم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم ہیں۔ ابن مُنذر کہتے ہیں، کہ یہی قول حضرتِ مجاہد، حضرتِ حمّاد اور حضرتِ ثوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم کا بھی ہے۔ حضرتِ سیّدنا امام مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ "ہمارے ہاں (مدینہ منوّرہ) میں نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا رَواج ہی نہیں"۔

---

(١) المرجع نفسه.

(٢) المرجع السابق.

(٣) "عمدة القاري" كتاب الجنائز، تحت باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة، ٦/ ١٩١.

خلاصۂ کلام

احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علماء سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ نمازِ جنازہ میں تلاوتِ قرآن، مطلقاً خلافِ سنّت ہے، اس میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، نہ کوئی اَور سورت، اس نماز میں صرف ثناء، درود شریف اور دعا پڑھی جاتی ہے، اور اگر کسی کو دعائے جنازہ نہیں آتی، تو وہ الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت، ثنائے الٰہی، یا دعا کی نیّت سے پڑھ سکتا ہے، تلاوتِ قرآن کی نیّت سے پڑھنا جائز نہیں۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حکیم الامّت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "جاء الحق"[۱]، اور علّامہ سعید اللہ خان حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (۲) "سعید الحق فی تخریج جاء الحق"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) پچیسواں باب: "نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو"، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۲) ایضًا۔

(٦٥) تقلید کا بیان

تقلید کے لغوی معنیٰ: گلے میں ہار یا کوئی چیز ڈالنا، یا کسی کی پیروی کرنے کے ہیں[1]۔ علمائے اصول نے تقلید کی حقیقت بیان کرتے ہوئے، اس کی کئی تعریفات ذکر کی ہیں، ان میں سے بعض علمائے اصول کا یہ قول ہے کہ "کسی کہنے والے کی بات، دلیل جانے بغیر قبول کر لینا، تقلید کہلاتا ہے"[2]۔

اَحکام کی قسمیں

اَحکام کی دو۲ قسمیں ہیں: (۱) ایک عقلی، (۲) اور دوسری شرعی۔

اَحکامِ عقلیہ: عقلی اَحکام میں تقلید جائز نہیں، جیسے صانعِ عالَم (خالقِ کائنات)، اور اس کی صفات کی معرفت۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور حضور کے سچے ہونے کی معرفت وغیرہ[3]۔

اَحکامِ شرعیّہ اور اس کی قسمیں

اَحکامِ شرعیہ کی دو۲ قسمیں ہیں: (۱) **پہلی قسم:** ضروریاتِ دین، جیسے: پانچ ۵ نمازیں، روزہ، حج، زکاۃ۔ اسی طرح زِنا اور شراب کی حُرمت وغیرہ کے اَحکام۔ لہٰذا ان اَحکام میں تقلید جائز نہیں؛ کیونکہ ان کے جاننے میں سارے لوگ برابر ہیں، اس لیے ان اَحکام میں تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔

---

(۱) "القاموس المحيط" باب الدال، فصل القاف، صـ٣٣٦. "غیاث اللغات" باب التاء مع الدال، فصل تائے فوقانی مع قاف، ج۱، ص۱۷۱۔

(۲) "التحرير في أصول الفقه" المقالة ٣ في الاجتهاد ...إلخ، صـ٣٧٧. "مسلَّم الثبوت مع فواتح الرَّحموت" خاتمة، فصل التقليد، ٢/ ٤٣٢.

(۳) "الفقيه والمتفقّه" باب الكلام في التقليد وما يسوغ منه، ٢/ ١٢٨.

دوسری قسم: دین کے وہ اَحکام، جنہیں نظر واستِدلال کے بغیر نہیں جاناجاسکتا، جیسے عبادات، مُعاملات اور نکاح وغیرہ کے فُروعی مسائل میں، اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا ان مسائل میں تقلید کی جاتی ہے[1]۔

تقلیدِ شخصی اور غیر شخصی

تقلید کی تعریف کے بعد یہ جاننا چاہیے، کہ تقلید کی بھی دو۲ قسمیں ہیں: (۱) تقلیدِ شخصی، (۲) تقلیدِ غیر شخصی۔

تقلیدِ شخصی یہ ہے، کہ ایک معیّن مذہب کی تقلید کی جائے، جو کسی معیّن امام سے منسوب ہو۔

تقلیدِ غیر شخصی یہ ہے، کہ تمام مسائل میں ایک معیّن مذہب کی پابندی نہ کرے، بلکہ ایک مسئلہ کسی مجتہد کا لے لے، اور دوسرا مسئلہ کسی اَور مجتہد سے لے لے۔

تقلید کا ثبوت، قرآنِ کریم کی روشنی میں

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[2] "اے ایمان والو! اللہ ورسول کی، اور جو تم میں سے حکم والے ہیں، اُن کی اِطاعت کرو!"۔

پھر فرمایا: ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾[3] "تو کیوں نہ ہوا، کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے: کہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں، اس امید پر کہ وہ بچیں!"۔

مزید فرمایا: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[4] "اگر تم نہیں جانتے، تو اہلِ علم سے پوچھو!"۔

---

(١) "الفقيه والمتفقّه" باب الكلام في التقليد وما يسوغ منه، ٢/ ١٣٢.

(٢) پ٥، النساء: ٥٩.

(٣) پ١١، التوبة: ١٢٢.

(٤) پ١٤، النحل: ٤٣.

تقلید کا ثبوت، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(١) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ "ہم ایک سفر میں تھے، کہ ایک ساتھی کے سر میں پتھر آکر لگا، جس سے اس کا سر شدید زخمی ہوگیا، پھر اسے اسی حالت میں احتلام بھی ہوا، اس نے دیگر ساتھیوں سے پوچھا، کہ کیا میرے لیے شریعت میں تیمم کی اجازت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہماری معلومات کے مطابق آپ تیمم نہیں کرسکتے؛ کیونکہ پانی موجود ہے، سواُس نے غسل کیا، جس کے باعث وہ وفات پاگیا، جب ہم نے نبئ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر، اس بات کا ذکر کیا، تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «قتلوهُ قتلَهم الله! ألَا سألُوا إذ لَم يعلمُوا، فَإنّما شِفاءُ العِيِّ السُّؤالُ!»[1] "اللہ انہیں مارے جنہوں نے اسے مار ڈالا! جب انہیں معلوم نہیں تھا، تو اہلِ علم سے مسئلہ کیوں نہیں پوچھ لیا! کہ مرضِ جَہل کا علاج پوچھنے میں ہے!"۔

(٢) حضرت سیّدنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «اقْتَدُوا بِاللّذَينِ مِن بعدِيْ: أَبِي بَكرٍ وعمرَ»[2] "میرے بعد ابو بکر وعمر ہوں گے، ان کی پیروی کرنا"۔

(٣) امام ابو داؤد عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ حضرت سیّدنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے، جب حضرت سیّدنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو ارشاد فرمایا: «كيف تقضِي إذا عرضَ لكَ قضاءٌ؟» "اے مُعاذ! جب تمہارے پاس کوئی مقدّمہ پیش کیا جائے، تو کیسے فیصلہ کرو گے؟" حضرت سیّدنا مُعاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کی: کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «فإن لم تجِدْ في كتابِ الله؟» "اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر؟" عرض گزار ہوئے، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنّت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «فإن لم تجِدْ في سنّةِ رسولِ الله؟» "اگر رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنّت میں بھی نہ پاؤ تو؟" عرض کی کہ پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور حقیقت تک

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب الطهارة، باب المجدور يتيمّم، ر: ٣٣٦، صـ٦١.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، باب [«اقتدوا باللذين من بعدي أبي بكر وعمر» ر: ٣٦٦٢، صـ٨٣٤.

پہنچنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ تب نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے سینے پر، پیار سے ہاتھ مبارک مار کر فرمایا: «الحمدُ لله الّذي وفّقَ رسولَ رسولِ الله، لما يُرضِي رسولَ الله!» "اللہ کا شکر ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کے نائب وقاصد کو، اس بات کی توفیق دی، کہ جس نے اللہ کے رسول کو خوش کیا"[1]۔

تقلید کا ثبوت، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

علّامہ ابو العباس شہاب الدّین قرافی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "عام آدمی پر، معتبر مجتہد کی تقلید واجب ہے"[2]۔ علّامہ ابن نُجَیم مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "اس بات پر اِجماعِ امّت منعقد ہوچکا ہے، کہ جو حکم چاروں ائمہ کے مذاہب کے خلاف ہو، اُس پر عمل نہ کیا جائے"[3]۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "مذاہبِ حق صرف چار۴ ہی باقی رہ گئے ہیں، لہٰذا اَب ان کا اتّباع سوادِ اعظم کا اتّباع ہے، اور ان سے اختلاف سوادِ اعظم سے اختلاف ہے"[4]۔

چار مذاہب میں سے کسی ایک کی پیروی کیوں ضروری ہے؟

از اِفادات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ[5]:

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب القضاء، باب اجتهاد الرأي في القضاء، ر: ٣٥٩٢، صـ٥١٦.

(٢) "شرح تنقيح الفصول في علم الأصول" الباب ١٦ في الخبر، الفصل ٩، صـ٣٧٩.

(٣) "الأشباه والنظائر" النوع ٢ من القواعد، القاعدة الأولى، صـ١١٩.

(٤) "عقد الجِيد في أحكام الاجتهاد والتقليد" المقدّمة، صـ١٣.

(۵) اعلیٰ حضرت کی مملوکہ ردالمحتار للعلّامہ شامی، جلد اوّل کے اخیر میں منسلک اَوراق کے ایک صفحہ پر، خود اعلیٰ حضرت کی مبارک تحریر سے شب سہ شنبہ ٦ ربیع النور ١٣٩٨ھ کو، میں نے مولانا عبد المبین صاحب نعمانی کی معیّت میں نقل کیا ہے، عربی مضمون امام احمد رضا کا ہے، توضیحی ترجمہ میں نے کیا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مضمون اعلیٰ حضرت نے کسی سوال کے پیش نظر تحریر کیا ہے، اور اس کمال ایجاز واختصار کے باوجود، اصولِ شرع پر مبنی مضبوط دلیلِ عقلی سے =

"میں کہتا ہوں اور توفیق خدا ہی کی طرف سے ہے: فُروعی مسائل میں "عامّی" کو کس بات کا حکم دیا جائے گا؟ عامّی سے میری مراد ہر وہ شخص ہے، جو مجتہد نہ ہو، نہ ہی نقد و ترجیح میں نظر کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جیسا کہ زمانۂ صحابہ کے بعد، قُرونِ سابقہ میں عامّۂ امّت کا حال ہے، اور اب صدیوں سے ساری امّت کا یہی حال ہے۔ (ان میں علماء، محدثین، ذمّہ دارانِ فتویٰ، اُدباء، بُلغاء وغیرہم سبھی لوگ ہیں)۔

(۱) تو کیا عامّی اجتہاد کرنے پر مامور ہوگا؟ یہ تو ایسی بات کا حکم ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہے، ساتھ ہی ارشادِ باری تعالی: "اے لوگو علم والوں سے پوچھو! اگر تمہیں علم نہ ہو" کے مخالف بھی ہے۔

(۲) یا اسے تقلید کا حکم دیا جائے گا؟ مگر اس طرح کہ دلائل میں نظر، اور اقوال کی چھان بین بھی کرے، جیسا کہ اَربابِ وُجوہ (تخییر)، اہلِ اِفتاء اور اصحابِ ترجیح کی شان تھی۔ یہ بھی اس کے بس میں نہیں، انہیں تو اللہ تعالی نے بس یہ حکم دیا کہ "علماء کی طرف رُجوع کریں!"، اس پر مامور نہ فرمایا کہ علماء سے پوچھیں، پھر ان کے اقوال کی چھان بین کرکے، جو اِن کی نظر میں زیادہ راجح ہو، اسے اختیار کریں۔

اس تقدیر پر تو یہ بھی واجب ہوگا، کہ عامّی "کسی ایک امام" کے فتوے پر کبھی اطمینان نہ کرے، بلکہ اس پر لازم کیا جائے گا، کہ متعدّد ائمہ سے دریافت کرے؛ تاکہ چھان بین اور اختیارِ اَرجح کا عمل ممکن ہو (اس لیے کہ چھان بین اور انتخاب اُسی وقت ہو سکتا ہے، جب متعدّد اَقوال ہوں، اگر صرف ایک امام کا قول ہو تو تنقید، اور مختلف اَقوال میں سب سے زیادہ راجح کے اختیار وانتخاب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!)۔

=

ثابت کر دکھایا ہے، کہ عامّی کے لیے امامِ معیّن کی تقلید ضروری ہے۔ دَورِ حاضر میں بھی یہ اِفادہ، چراغِ راہ اور دلیلِ منزل کی حیثیت رکھتا ہے! واللهُ يهدي مَن يشاء إلى سَواء السّبيل! محمد احمد اعظمی مصباحی

دار العلوم ندائے حق، جلال پور، فیض آباد،

۱۹ ربیع النور ۱۳۹۸ھ

(۳) یا اسے یہ حکم دیا جائے گا، کہ ہر مسئلہ میں جس مذہب پر چاہے عمل کرے؟ اس سوال پر اگر یہ کہا جائے، کہ ہر مذہب اور ہر امام کی پیروی کا اختیار نہ ہوگا، بلکہ صرف ائمۂ اربعہ میں سے جس کی چاہے، جس مسئلہ میں چاہے تقلید کرے۔ تو ہم پوچھیں گے، کہ آخر ائمۂ اربعہ کی تخصیص کیوں؟ اور تمھاری طرح ہم بھی یوں کہیں گے، کہ اللہ تعالی نے تو انہیں بس علماء سے پوچھنے کا حکم دیا ہے، ان کے لیے چار۴ اماموں کی تخصیص تو نہیں فرمائی!۔ پھر اگر تم تخصیص کرتے ہو، تو یہ اپنی طرف سے تمھاری قانون سازی، اور شریعت گری ہے! تو واجب ہوا کہ حکم مطلق رکھا جائے! اور علماء میں سے ہر عالم کے مسئلہ و مذہب پر، اسے عمل کرنے کا اختیار ہو!۔

جب ایسا ہوا، تو تمام تَر اجتہادی مسائل باطل ہو گئے؛ کیونکہ علماء میں داؤد ظاہری، اس کے متبعین، اور جامد محدثین بھی ہیں، یہ سب تمامی قیاسات کے منکِر ہیں (اس لیے ان کے نزدیک قیاس سے مستنبط تمام اجتہادی مسائل باطل ہیں، اور عامّی جب کسی ایسے ہی عالم کی تقلید کرے گا، تو سارے مسائلِ اجتہادیّہ، اس کے نزدیک بھی باطل ہو جائیں گے!)۔

پھر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو وُجودِ اجماع کے منکِر ہیں، کچھ اِجماع کے علمِ یقینی کے منکِر ہیں، کچھ اس کے حجّت اور دلیلِ شرعی ہونے کے منکِر ہیں، عامّی کو اختیار ہے کہ جس کی چاہے تقلید کرے، تو تمام مسائلِ اِجماعیہ بھی رُخصت ہوئے!۔

پھر علماء ایسے بھی ہیں، جو اَحادیثِ آحاد کو مطلقاً نہیں مانتے، اب تو احادیث میں سے بھی اکثر جاتی رہیں! بس قرآنِ عظیم رہ گیا اور احادیثِ متواترہ!۔

(۴) پھر ہر نص روایۃً قطعی ہے دِرایۃً قطعی نہیں؛ اس لیے کہ خود علماء کا نظم و معنی سے متعلق اصول میں بے حد اختلاف ہے (جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ لفظ آیت و حدیث کے قطعی ہونے کے باوجود، ہر معنی مُراد قطعی نہ رہے گا؛ اس لیے کہ اختلافِ علماء شُبہ و ظنّیت پیدا کر دیتا ہے۔ البتہ قطعی وہ معنی ہوگا، جس کا بیان خود شارِع کی طرف سے تواتُراً منقول ہو) لہذا اَب تو قرآن اور اَحادیثِ متواترہ میں سے بھی اکثر حصہ رُخصت ہوا۔ بس متواترِ مفسَّر باقی رہ گیا (یہ ہے ایسی تقلیدِ عام ماننے کا نتیجہ، کہ سارے مسائلِ اجتہادیّہ،

تمام مسائلِ اِجماعیہ، جملہ احادیثِ آحاد، اکثر احادیثِ متواترہ، بیشتر آیاتِ قرآنیہ، سب ناقابلِ عمل! ولا حولَ ولا قوّۃَ إلّا باللہ العظیم! پھر توانسان بالکل آزاد اور لغو وبے کار ہو کر رہ جائے گا!)۔

لہٰذا لازم ہے، کہ کسی ایک امامِ معیّن کی تقلید سے مقیّد کریں؛ تاکہ نظامِ دِین خراب اور مختل نہ ہو! اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے، ہدایت یافتہ حضرات کے راستہ کی طرف!۔

یہ بھی ضروری ہے، کہ یہ امامِ معیّن ایسا ہو، جس کے مذہب کا منقول وتدوین شُدہ حصہ، عام ضروریات اور نَوپیدواقعات کے لیے کافی ہو۔ اس منزل میں بجز ائمۂ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوئی نہیں، تولوگوں پر خاص کر، ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے، یہی ہمارا مقصود ہے! واللہ تعالیٰ اعلم"۔

خلاصۂ کلام

اِن تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے، کہ ایک عام آدمی (جو مجتہد نہیں) اس پر کسی نہ کسی اِمام کی پیَروی لازم ہے، اگر غیر مجتہد شخص کسی اِمام کی پیَروی نہیں کرے گا، تو وہ دین پر عمل کیسے کرے گا؟! نتیجۃً گمراہ ہو جائے گا؛ کیونکہ قرآن وحدیث کو براہِ راست سمجھنا، ہر ایک کے بس میں نہیں، اور تمام آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ طیّبہ پیش نظر ہوں، یہ غیر مجتہد کے لیے ممکن نہیں، لہٰذا عامّی پر تقلید واجب ہے!۔

اس عملِ خیر واعتقاد ونظریہ کو، کفر وشرک وبدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

دینِ اسلام میں اجتہاد کی اجازت تو ہے، پر ہر ایک کو نہیں؛ کیونکہ اگر ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت مل جائے، اور وہ اپنے مزاج ومنشا کے مطابق، شرعی اَحکام میں فتویٰ صادر کرنے لگے، تو اس طرح شریعت بچوں کا کھیل تماشا بن کر رہ جائے۔ لہٰذا ائمہ وفقہاء نے اجتہاد کی شرائط مقرّر کر رکھی ہیں، اور مجتہد کے لیے مخصوص صلاحیتوں کا حامل ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے۔

فتنۂ انکارِ تقلید

اجتہاد کے بارے میں، ہمارے زمانے کے بعض تجدّد پسند ٹیڈی سکالرز نے، کئی قسم کی غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں، ایک بنیادی غلط فہمی ان کی طرف سے، اجتہاد کی تعریف میں پھیلائی گئی، ان کے ہاں لفظ "اجتہاد" کے معنی کوشش کرنا ہے، جس کا مفہوم آزاد رائے دینا (مادر پدر آزادی) ہے۔ یہیں سے غلطی کا آغاز ہوتا ہے، اور اس بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہوتی ہے، وہ بھی غلطیوں کا مجموعہ ہوا کرتی ہے۔

اب ہم یہاں تجدّد پسندوں کے طریقۂ واردات پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں؛ تاکہ ان کو پہچاننا آسان ہو؛ کیونکہ بسا اوقات ان کی یہ تجدّد پسندی، کفر، اِلحاد اور گمراہی کے عمیق گڑھے تک لے جاتی ہے، مثلاً:

(۱) قرآنِ مجید پر زور دیا جائے، لیکن اس طرح کہ جس ہستی پر قرآن نازل ہوا، اور جن کے ذمّہ اس کی تبیین (وضاحت) تھی، دینِ متین میں اس کے کردار، اور اس کی تبیین (حدیث وسنّت) دونوں کو اہمیّت نہ دی جائے۔

(۲) حدیث وسنّت کو بے اعتبار ٹھہرا دیا جائے۔

(۳) علماء کی تحقیر، اور ان کو گالی دینا؛ کیونکہ ان گمراہ اور ملحدین کے نزدیک، علماء ہی مسلمانوں میں ساری خرابیوں کی جڑ ہیں، اور مسلم مُعاشرے سے ان کا خاتمہ، اور ان کو غیر مؤثر کرنا بہت ضروری ہے۔

(۴) مسلمان اگر اپنے وطن کا دفاع کریں، تب بھی اسے جہاد نہ سمجھنا، بلکہ اسے دہشتگردی قرار دیا جائے۔

(۵) اَسلاف کی بے ادبی۔

(۶) اِجماع کا انکار۔

(۷) دعوتِ دین کے ایک ایسے تصوّر کی حمایت، جو مفاہمت، مسکینی (معذرت خواہانہ انداز) اور گوسفندی پر مبنی ہو، اور جس میں عزیمت، نہی عن المنکَر، جہاد، نفاذِ دین، اور غلبۂ اسلام کا ذکر نہ ہو۔

(۸) شریعت پر عمل کیا جائے، اور فقہ اسلامی کو چھوڑ دیا جائے۔

(۹) تقلیدِ ائمہ کی مذمّت کرکے، لوگوں کو اپنے پیچھے لگایا جائے۔

اس جدّت پسندی اور الحاد فی الدین کی ابتداء، دراصل مخالفتِ تقلید سے ہوئی، اور برصغیر میں ایک تحریک "تحریک ترک تقلید" چلائی گئی۔ اگر علماء ومشائخ اہلِ سنّت، اور امام اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اس تحریک کا راستہ نہ روکتے، تو شرق تا غرب اس گمراہ کن تحریک کی لپیٹ میں آچکے ہوتے، اور برصغیر میں تو حنفی مسلمانوں کا صفایا ہی ہوچکا ہوتا۔ چنانچہ امام احمد رضا اپنے ایک جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "یا معشر المسلمین! یہ فرقۂ غیر مقلدین جو تقلید ائمۂ دین کے دشمن ہیں، اور بے چارے عوام اہل اسلام کے رہزن ہیں، مذاہب اربعہ کو چوراہا بتائیں! ائمۂ ہُدیٰ کو اَحبار ورہبان ٹھہرائیں! سچّے مسلمانوں کو کافر مشرک بنائیں! قرآن وحدیث کی آپ سمجھ رکھنا، ارشاداتِ ائمہ کو جانچنا پرکھنا، ہر عامی جاہل کا کام نہیں، بے راہ چل کر، بیگانہ مچل کر، حرامِ خدا کو حلال کر دیں! حلالِ خدا کو حرام کہیں! ان کا بدعتی، بدمذہب، گمراہ بے ادب ضالّ مضِلّ غوی مبطل ہونا، نہایت جلی واظہر ہے، بلکہ عندالانصاف یہ طائفۂ تالفہ، فِرق اہلِ بدعت میں سے ہے"[1]۔

خلاصہ یہ ہے، کہ ہمیں تجمّد اور تجدّد کا راستہ چھوڑ کر، اعتدال کا راستہ اپنانا چاہیے، ہمیں اسلام کو جدید بنانے کی ضرورت نہیں، ؏

سُونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے ۔۔۔ سونے والو جاگتے رہیّو! چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چُرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں ۔۔۔ تیری گٹھری تاکی ہے، اور تُونے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا! ۔۔۔ ہائے مسافر! دم میں نہ آنا، مَت کیسی متوالی ہے[2]

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الصّلاۃ، باب الامامۃ، رسالہ "النہی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید" ۳۵۹/۵۔

(۲) "حدائق بخشش" حصہ اوّل، ص۱۸۵۔

حقیقت یہ ہے، کہ شرعی اجتہاد محض کوشش کرنے، اور رائے زنی کا نام نہیں، نہ اجتہاد کا مطلب کسی پرانے حکم کو منسوخ کر کے نیا حکم گھڑنا ہے، بلکہ اجتہاد شریعت اسلامیہ میں، کسی فقیہ کا کسی حکمِ شرعی ظنّی کو، استنباط (نتیجہ حاصل) کرنے کے لیے پوری کوشش کرنے کا نام ہے[1]۔

اور کوئی بھی درپیش مسئلہ، جس کا واضح حکمِ شرعی، کتاب وسنّت میں موجود نہ ہو، مآخذِ شریعت کی چھان بین کرکے، نظائر واَمثال پر غور وفکر کے بعد، اس کا حل پیش کرنا "شرعی اجتہاد" کہلاتا ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ پھیلائی گئی ہے، کہ شاید آزادانہ اجتہاد کی حُدود میں، تمام مسلّمات شریعت بھی داخل ہیں، حالانکہ جن مسائل میں نصوصِ قطعیہ موجود ہوں، وہ ہر زمانے میں دائرۂ اجتہاد سے خارج رہے ہیں، اجتہاد صرف ان مسائل تک محدود رہتا ہے، جو نہ منصوص ہوں (یعنی وہ اَحکام جو واضح طور پر قرآن یا حدیث میں بیان نہ کیے گئے ہوں) نہ اِجماعی ہوں (یعنی جن مسائل کے حل اور تشریح پر، ہر زمانے کے علمائے اُمّت متفق نہ ہوں)۔

آسان الفاظ میں یوں سمجھیے، کہ قرآن کریم اور احادیث نبویّہ میں جو اَحکام شرعیہ، واضح ومنصوص بیان ہو چکے، وہ اُمّت کے لیے ہر حال میں واجب الاِطاعت ہیں، وہ مسائل اجتہاد کے دائرے سے بالاتر ہیں۔ ہاں اگر کسی مسئلے میں احادیث مبارکہ کے مابین کچھ تعارُض ہے، یا اس پر قرآن کریم کی دلالتِ قطعی موجود نہیں، نہ علمائے اُمّت کا ایسے مسائل میں کوئی اِجماع موجود ہے، جیسے وہ مسائل جو جدید تمدّن کی پیداوار ہیں، جبکہ سابقہ فقہِ اسلامی کے ذخائر میں بھی، ان کا واضح ذکر نہیں ملتا، نہ نفیًا نہ اِثباتًا۔ یا وہ اجتہادی مسائل ہوں (یعنی وہ عملی اور فُروعی اَحکام، جن میں کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو)، ان میں اجتہاد کی اجازت ہے۔ جدید زمانے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، شریعت اسلامیہ کی رَوشنی میں ان مشکلات کا حل،

---

(١) "التحرير في أصول الفقه" المقالة الثالثة في الاجتهاد، صـ٣٦١. "فواتح الرحموت" خاتمة، ٢/ ٤٠٤. "كتاب التعريفات" باب الألف، صـ١٣.

اجتہادی صلاحیت رکھنے والے، جیّد علمائے کرام کا فریضہ ہے، یہ حضرات قدیم مسائل کی رَوشنی میں، قیاس واجتہاد کے ذریعے، نئے اَحکام کا فیصلہ کرتے ہیں۔

شرائط مجتہد واجتہاد

عہدِ رسالت میں مسائل کا حل، قرآن کریم سے ہوتا، یا پھر فرمان نبوی سے، دَورِ نبوّت کے بعد فتوحاتِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ، نئے نئے مسائل بھی جنم لیتے رہے، جن کے حل کے لیے فقہائے کرام نے، قرآن وسنّت کو سامنے رکھتے ہوئے، قواعد وضوابط مرتَّب کیے، اور نئے مسائل کے "اجتہادی حل" تجویز فرمائے۔ ان میں سے چار ۴ فقہی مذاہب مستقل مدوَّن ہوئے، جو فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ تشریعِ اسلامی کی تاریخ، فقہی دَور کی تکمیل، اور ہر زمانے میں جدید مسائل پر کتابوں کی تصنیف، اس امر کی قطعی دلیل ہے، کہ جن مسائل میں کتاب وسنّت کے نصوص موجود نہیں، ان میں اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے، چنانچہ اُمّت اسی اصول پر کاربند رہی، اور یہی روایت آج تک چلی آرہی ہے۔

دوسری بات کہ جدّت پسندوں کی طرف سے، جو اجتہاد پر اِصرار کیا جاتا ہے، اور جس طرح عام لوگوں کو اجتہاد کی رغبت دلائی جاتی ہے، اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ شاید اجتہاد کوئی عبادت ہے، جس کے لیے لوگوں کو خوب شَوق دلایا جارہا ہے! حالانکہ اجتہاد کوئی مٹھائی نہیں، بلکہ ایک بہت بڑی ذمّہ داری ہے، اور اس کے لیے سخت ترین شرائط ہیں۔ علمائے اصول نے کتب اصول میں اجتہاد کی چند شرائط ذکر کی ہیں، جن کا ایک مجتہد میں پایا جانا بہت ضروری ہے:

(۱) عربی لغت سے اتنی واقفیت ہو، کہ کسی بھی عربی کلام کے معنی بخوبی سمجھ سکے۔

(۲) ان علوم سے واقفیت ہو، جن کے بغیر عربی کلام کے معنی سمجھے نہیں جاسکتے۔

(۳) قرآن کریم، حدیث پاک، اِجماعِ اُمّت اور اُمّت کے اِجماعی واجتہادی مسائل جو پہلے سے طے شدہ ہیں، ان کا مکمل علم ہو۔

(۴) فقہِ اسلامی کی کتب سے واقفیت، اور فہم کتاب وسنّت کے لیے، جن علوم کی ضرورت ہے، ان میں مہارت ہو، خصوصاً علم اصولِ فقہ میں کامل بصیرت ہونا لازم ہے، اس کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں چلا جاسکتا!۔

(۵) ان آیات وروایات کا علم ہو، جن میں اَحکام کا بیان ہے، یہ تقریبًا پانچ سو ۵۰۰ آیات، اور تین ہزار ۳۰۰۰ احادیث ہیں۔

(۶) اجتہاد کے اصول وقواعد، اَحکام شرع کے مَصالح ومقاصد، ماحول، مُعاشرے اور زمانے کے حالات وضروریات کا علم ہو۔

(۷) بالغ نظری اور دقیقہ رَسی کے ساتھ ساتھ، تقوی، خشیتِ الٰہی اور دینِ خداوندی کے ساتھ کامل اِخلاص بھی موجود ہو۔

(۸) ناسخ ومنسوخ کا علم وافر رکھتا ہو۔

(۹) دلائل پر غور وفکر کر کے، اَحکام کے استنباط کا ملکہ (مہارت) بھی ہو[1]۔

یہ چند شرائط ہیں، جن کا ایک مجتہد میں پایا جانا بہت ضروری ہے۔ اب اگر ان شرائط کو سامنے رکھتے ہوئے، موجودہ زمانے کے سیلف میڈ (self made) عظیم مجتہدین، یا مجدّدین ومتجددین کی علمی حالت دیکھی جائے، اور یہ کہ کیا ان میں اجتہاد کی صلاحیت، یا مجتہد کی کوئی شرط پائی بھی جاتی ہے؟! تو تحقیق کرنے سے پتا چلتا ہے، کہ علوم شرعیہ میں رُسوخ ومہارت تو دُور کی بات ہے، ان میں سے کسی نے دین کی باقاعدہ تعلیم بھی حاصل نہیں کی، اکثر صرف بی اے (B.A)، ایم اے (M.A) کر کے، لفظ ڈاکٹر کا سابقہ لگاکر، عینک اور واسکٹ پہن کر، ٹی وی (T.V) پر آبیٹھے ہیں، اور ان کی تحقیق کیا ہے؟ بھان متی کا کنبہ

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے، علّامہ ابن عابدین شامی کا رسالہ "شرح عقود رسم المفتي"، شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا رسالہ "عقد الجِيد في أحكام الاجتهاد والتقليد"، اور امام اہل سنّت امام احمد رضا کا رسالہ "الفضل الموهبي في معنى: إذا صحّ الحديث فهو مذهبي" مطالعہ کیجیے!۔

ہے!! سارے مآخذِ دین اسلام کو سامنے رکھتے ہوئے، نئے مسائل کے حل کے بارے میں، ایک رائے قائم کرنے کی صلاحیت تو درکنار! ان میں سے اکثر اتنی قابلیت بھی نہیں رکھتے، کہ بغیر ترجمہ کے قرآن وحدیث کا مطالعہ بھی کر پائیں، یا دو ۲ سطریں عربی میں صحیح طور پر لکھ بھی سکیں، پھر بھی جرأتِ اختلاف اتنی، کہ فقہائے اُمّت اور صحابۂ کرام کے فہم وشرح کو غلط قرار دیے جاتے ہیں!!۔

فتنۂ غامدیت

ان کے نزدیک اجتہادی کوششیں، صرف فُروعی یا اجتہادی مسائل میں ہی منحصر نہیں، کہ ان کو کسی درجہ میں اختلاف کی اجازت دی جا سکے، بلکہ متفقہ و منصوص مسائل کو بھی، سرے سے اختلافی بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ سارے اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ محض جدّت پسندی، احساس کمتری اور تَن آسانی۔ اس کے لیے مذاہب فقہاء سے چھانٹ چھانٹ کر رُخصتیں تلاش کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی معنوی تحریف (تفسیر بالرائے) کرتے ہیں۔ آخر ان کے اس خود ساختہ اجتہاد کی علمی بنیاد کیا ہے؟ دو ڈھائی سو اردو میں لکھی ہوئی، یا اردو انگریزی میں ترجمہ شدہ کتابیں، چار پانچ ڈکشنریاں، اور ایک بہکا ہوا نفس اور عقلِ مخدوش! ع

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب کہ سکھاتی نہیں مؤمن کو غلامی کے طریق[1]

ان ٹیڈی صاحبان کے ہاں، عموماً ساری جرأت اور اجتہاد کا انحصار، صرف عقل پر ہوتا ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ بلاشبہ عقل نور فروزاں ہے، مگر اس کے لیے ایک خاص دائرہ ہے، عقل ان اُمور کا اِدراک نہیں کر سکتی، جو وحی کی آنکھ سے نظر آتے ہیں، عقل کے لیے یہی فخر کافی ہے، کہ وہ وحی کے بیان کردہ حقائق کا ٹھیک ٹھیک اِدراک کرلے، اور ان حقائق کی بلند حکمتوں، گہری مصلحتوں، اور باریک اَسرار وعِلَل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوجائے۔ جس طرح نصوص وحی کے نہ ہونے کی صورت میں بھی، عقل سے کام نہ لینا

---

(۱) "ضرب کلیم" اجتہاد، ص ۱۴۔

خالص حماقت و کوتاہی ہے، اسی طرح منصوص وحی کے ہوتے ہوئے بھی، عقل کو ہر چیز میں مقدّم رکھنا بڑی گھناؤنی جسارت ہے، صحیح راستہ ان دونوں کے درمیان سے گزرتا ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔

دَورِ حاضر کے فتنوں میں سے ایک فتنۂ غامدیت بھی ہے، مسٹر جاوید احمد غامدی کے جو بھی نظریات ہیں، وہ یقیناً ان کے خود ساختہ ہیں، سلَف صالحین کے ہاں ان کوئی مثال نہیں ملتی!۔

مفتی محمد وسیم اختر مدنی -سلّمہ الباری- تحریر فرماتے ہیں کہ "اسلام کے مختلف اَدوار میں جنم لینے والے بہت سے فتنوں، مثلاً خوارج، روافض، معتزلہ، باطنیہ، بہائیہ، بابیہ، وہابیہ، قادیانیہ، اور منکِرینِ حدیث وغیرہم کی طرح، پاکستان میں چند برس پیشتر، ایک نئے فتنے نے سر اٹھایا ہے، جو جدّت پسندی کی کوکھ سے برآمد ہوا ہے، اور اس نے اسلام کے متوازی ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے، جس کا نام "فتنۂ غامدیت" ہے۔

یہ دورِ حاضر کا ایک جدّت پسند گروہ (Miderbusts) ہے، جس نے مغرب سے مرعوب و متاثر ہو کر، دینِ اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کرنے کے لیے، قرآن وحدیث کے الفاظ کے مَعانی، اور دینی اصطلاحات کے مفاہیم بدلنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں، جدّت پسندی کی آڑ میں، دینی مسلّمات میں تحریف کے فتنے کی ابتداء، دورِ جدید میں سر سید احمد خان علیگڑھی نے کی۔ انگریز سامراج سے اپنی مرعوبانہ ذہنیت کی بنیاد پر، مغربی نظریات کو مسلّمہ حقائق کا درجہ دے کر، وحی کو ان کے مطابق ڈھالنے کے لیے، مَن مانی تاویلات کے شیطانی کام کی ابتداء کا سہرا انہی کے سر ہے!۔

یورپی افکار کی رُو سے، ہر وہ بات جو طبعی قوانین کے خلاف ہو، انہوں نے اسے خلافِ عقل قرار دے کر رَد کر دیا، اور قدرت (نیچریت) کی برتری کا نعرہ لگایا۔ لغتِ عربیہ کی مدد سے، قرآن کریم کی مَن گھڑت تاویلات پیش کیں۔ احادیث کو مشکوک قرار دیا، اور امّت کے اجتماعی مُعاملات اور طرزِ عمل کو، ائمہ ومجتہدین کے ذاتی خیالات واجتہادات کہہ کر نظر انداز کر دیا۔ نتیجے کے طور پر، نیچر ولغت کی بنیاد پر وضع کردہ اصول کے تحت، اسلام کی جو تعبیر وتشکیلِ نَو مسلمانوں کے سامنے آئی، وہ ان کے صدیوں اجتماعی تعامُل سے یکسر بیگانہ تھی۔

پھر ان کی پیروی میں دو ۲ فکری سلسلوں نے، اس فتنے کو پروان چڑھایا، ان میں سے ایک سلسلہ عبد اللہ چکڑالوی اور شیخ اسلم جیراج پوری سے ہوتا ہوا، غلام احمد پرویز، منکرِ حدیث تک پہنچتا ہے، جو اپنے امام سرسید احمد علیگڑھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، لغت پرستی اور انکارِ سنّت کے حوالے سے کافی معروف ہوئے۔

دوسرے سلسلے کے جراثیم حمید الدین فراہی، اور شیخ امین احسن اصلاحی سے گزرتے ہوئے، مسٹر جاوید احمد غامدی میں منتقل ہوئے، فہم سلَف سے منحرف، متجدّد فکر، روشن خیال اور مرعوبیت زدہ طبقے میں "المورد"(۱) نامی ادارہ، فسادِ علم وتحقیق سب میں پیش پیش ہے، جس کے سربراہ مسٹر جاوید احمد غامدی ہیں۔ ہیں۔ انہوں نے اس احتیاط کے پیش نظر، کہ کہیں علماء انہیں بھی سرسید اور پرویز کے ساتھ منسوب نہ کر دیں، لغتِ قرآن کے بجائے، عربی معلّی یعنی عربی محاورے کا نعرہ لگایا، اور انکارِ سنّت کا کھلم کھلا دعوی کرنے کے بجائے، حدیث وسنّت میں فرق کے عنوان سے، اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔

یہ دونوں فکری سلسلے "فتنۂ سرسید" کی شاخیں اور برگ وبار ہیں، اور "نیچریت" کے نمائندہ ہیں۔ اگرچہ غلام احمد پرویز اور مسٹر غامدی کا طریقۂ واردات الگ الگ ہے، تاہم نتیجے کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ دونوں تجدّد، انکارِ حدیث، اِلحاد اور گمراہی کے علمبردار ہیں۔ دونوں اِجماعِ امّت کے مخالف، اور معجزات کے منکِر ہیں۔ یہ دونوں حضرات فاسد تاویلوں کے ذریعے، اسلامی شریعت میں تحریف وتبدیل اور ترمیم وتنسیخ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مسٹر غامدی نے دورِ حاضر میں، تجدّد اور انکارِ حدیث کی نئی بنیاد ڈالی ہے، اور اپنے چند خود ساختہ اصول کو، تحقیق کا نام دے کر، مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی جسارت کی ہے۔

مسٹر غامدی احادیثِ صحیحہ کے انکار کے ساتھ ساتھ، قرآن کریم کی معنوی تحریف کے بھی عادی ہیں، اہلِ علم میں سے ہر وہ شخص، جو ان کی کتب کا مطالعہ کرے گا، بآسانی اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ مسٹر غامدی اپنے حلقۂ احباب میں، بزعم خود "امامت" کے منصب کے قریب تر ہونے کے، شیطانی فریب میں مبتلا

(۱) جاوید احمد غامدی کے ماتحت چلنے والا ایک ادارہ۔

ہیں! اور مسٹر غامدی کے نزدیک، پوری امّت میں سے صرف دو ۲ ہی علماء، ان کے زعم میں ان کے ممدوح ہیں، جن کو وہ "آسمان" کا درجہ دیتے ہیں، باقی علمائے امّت کو "خاک" قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ اپنی کتاب "مقامات" میں لکھتے ہیں کہ "میں نے بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا، اور بہتوں کو سنا، لیکن امین اصلاحی اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا مُعاملہ وہی ہے کہ ع

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت خاک کو آسماں سے کیا نسبت!"[1]

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے، کہ مسٹر غامدی جس اسلام کو پیش کر رہے ہیں، وہ پرویز وسرسید کا اعتزالی اسلام ہے، جس کا وہ دینِ اسلام، جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، اور جو حضراتِ صحابہ وتابعین وعلمائے دین -رضوان اللہ تعالی علیهم أجمعین- کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، اس سے دور کا بھی کوئی تعلّق نہیں ہے!۔

عالمی سرمایہ دارانہ نظام، اور استعماری طاقتوں کے عزائم کے سامنے، دینِ اسلام ہی سب سے بڑی رکاوٹ وہدف ہے، لہذا وہ ایسے افراد کی بھرپور حمایت اور اِعانت کرتے ہیں، جو مسلمانوں میں جدّت کے نام پر، غیر اسلامی افکار کا جواز نکالتے ہیں، اور مسلمانوں کے اِجماعی مُعاملات کو متنازعہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر غامدی اور ان کے مُعاصرین دیگر نام نہاد دانشوروں کو، اہلِ مغرب کی خاص مُعاونت وحمایت حاصل ہے۔ یورپی ممالک کے ٹکڑوں پر پلنے والے، نام نہاد اسلامی وپاکستانی میڈیا کے دروازے، ان حضرات پر کھلے رہتے ہیں؛ تاکہ یہ لوگ، دین سے ہی، خلافِ دین حرکات کی، جھوٹی تاویلات پیش کر کے، عام مسلمانوں کو گمراہ کر سکیں! اور یہ بات اب مخفی نہیں ہے، کہ عالمی استعماری طاقتوں نے، ایک خصوصی کمیشن تشکیل دے کر، کروڑوں ڈالر پر مشتمل، ایک بہت بڑا فنڈ، اس مد میں مختص کر رکھا ہے، یہ کمیشن دینِ اسلام کی، غلط اور من گھڑت تصویر پیش کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

---

(۱) "مقامات" ص۵۲ تا ۵۸۔

مسٹر غامدی اور ان کے نظریات کے بطلان پر وہی دلائل ہیں، جو ان کے پیش رو، سرسید، غلام احمد پرویز وغیرہما کے رد میں، علمائے اسلام نے پیش فرمائے ہیں، اور اس طرح کے متجدّدین کے رد کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے، کہ ان کا پیش کردہ نظریہ اور فکر، سلَف صالحین، صحابۂ کرام وتابعین عظام -رضوان الله تعالى عليهم أجمعين- کے نظریہ اور فکر سے متصادِم ومخالف ہے، اور ہر مسلمان یہ بات بخوبی سمجھتا ہے، کہ حقیقۃً اسلام وہی ہے، جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعے ہم تک پہنچا، اور اس کے مخالف جو بات بھی ہے، وہ سب کچھ ہو سکتی ہے، مگر اسے اسلام کا نام نہیں دیا جاسکتا!"[1]۔

"خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ مسٹر غامدی کے نظریات، اور اس کے دین (غامدیت) کا، اسلامی شریعت سے کوئی تعلق نہیں! وہ اپنے ذاتی نظریات کو، اور یورپی سامراجی ایجنڈے کو، اسلام کے نام پر پیش کر کے، مسلمانوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ ایسے نظریات کا حامل شخص، بدترین معتزلہ، خوارِج، منکِرِ حدیث، قرآن میں معنوی تحریف کرنے والا، قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے والا، خواہش پرست، گمراہ بددِین، اور مسلمانوں کے لیے آستین کا سانپ ہے!۔ مسلمانوں پر لازم ہے، کہ مسٹر غامدی اور اس کے نظریات کو ماننے والوں کا سماجی بائیکاٹ کریں، اور اس کے نظریات پر مبنی کتب اور لٹریچر سے کوسوں دُور رہیں، اور اس کے کسی بھی قسم کے پروگرام کو ہرگز نہ سنیں، اور نہ ہی اسے ٹی وی چینلز پر دیکھیں"[2]۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے رسالے (۱) "أطائب الصيب على أرض الطيّب"[3]، (۲) "النيّر الشّهابي على تدليس الوهابي"[4]، حضرت علّامہ

(۱) "غامدیّت" ص۸ تا۱۱۔

(۲) ایضًا، ص۶۳۔

(۳) "فتاوی رضویہ" ۲۱/۵۱۵ تا ۵۴۵، مطبوعہ "ادارہ اہل سنت" کراچی۔

(۴) ایضًا، ۲۱/۵۴۹ تا ۵۶۰، مطبوعہ "ادارہ اہل سنت" کراچی۔

مفتی جلال الدّین امجدی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "غیر مقلّدوں کے فریب"[۱]، علّامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ علیہ الرحمۃ کی تفسیر (۴) "تبیان القرآن"[۲] مولانا تطہیر احمد رضوی بریلوی کا رسالہ (۵) "تقلید شخصی ضروری ہے"[۳] اور مفتی وسیم اختر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (۶) "غامدیت" کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

۞ ۞ ۞

(۱) مطبوعہ بزم عروج اسلام، کراچی۔
(۲) مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور۔
(۳) مطبوعہ ظہیر بک اسٹور، بریلی شریف۔

(٦٦) غائبانہ نمازِ جنازہ

نمازِ جنازہ دراصل مرنے والے مسلمان کے لیے دعائے مغفرت ہے، غائبانہ نمازِ جنازہ سے مراد ایسا جنازہ ہے، جس میں میّت سامنے موجود نہ ہو۔ مذہبِ حنفی میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں، اور ائمۂ حنفیہ کا اس کے عدمِ جواز پر اِجماع واتفاق بھی ہے؛ کیونکہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک، نمازِ جنازہ کی مختلف شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے، کہ جنازہ سامنے موجود ہو[1]۔

فقہائے حنفیہ نے نمازِ جنازہ کے درست ہونے کے لیے، میّت کے سامنے موجود ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے، کہ مصطفی جانِ رحمت ﷺ سے، کسی صحابی پر غائبانہ جنازہ پڑھنا (اس طَور پر کہ میّت کسی طرح بھی سامنے نہ ہو) ثابت نہیں، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے، جب بھی کسی کا انتقال ہوتا، آپ ﷺ ان کا جنازہ ضرور پڑھا کرتے، لیکن اس کے باوجود، آپ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں، مختلف دُور دراز مقامات پر، کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے وفات پائی، کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت نہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے ان حضرات کا غائبانہ جنازہ پڑھا ہو[2]۔

غائبانہ نمازِ جنازہ، حدیثِ نَبَوی کی رَوشنی میں

وہ احادیث مبارکہ جن میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم پر، بظاہر غائبانہ نماز ادا کرنے کا ذکر آیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

(ا) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «نعَى النبيُّ ﷺ إلَى أصحابِه النّجَاشِي، ثمّ تقدَّم، فصفُّوا خلفَه، فكبّرَ أربعًا»[3] "جب والئ حبشہ حضرت سیّدنا نَجاشی رضی اللہ تعالی عنہ کا وصال ہوا، تو

---

(١) "الدر المختار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، ٥/ ٢٤٩.

(٢) "انوار الفتاوی" عبادات، غائبانہ نمازِ جنازہ کی شرعی حیثیت، ج۱، ص۲۴۷، ۲۴۸.

(٣) "صحيح البخاري" كتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة، ر: ١٣١٨، صـ٢١١.

سرکارِ دو عالم ﷺ نے، صحابۂ کرام کو ان کی وفات کی خبر دی، اور عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ ﷺ نے صفیں بنوائیں، اور چار۴ تکبیروں کے ساتھ ان کا جنازہ پڑھا"۔

(۲) اس روایت سے متعلق "صحیح ابن حِبّان" کی روایت میں صاف تصریح ہے، کہ حضرت سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: «أنبأنا رسولُ الله ﷺ: أنّ أخاكم النّجاشيّ تُوفّي، فقومُوا فصلُّوا عليه، فقام رسولُ الله ﷺ، وصفُّوا خلفَه، وكبّرَ أربعاً وهُم لا يظنّون إلّا أنّ جنازتَه بينَ يدَيه»[۱] "حضور اکرم ﷺ نے ہمیں بتایا، کہ تمھارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے، آؤ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھیں! رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے بھی آپ کے پیچھے صفیں باندھ لیں، پھر آپ ﷺ نے چار۴ تکبیروں کے ساتھ ان کا جنازہ پڑھا، اور تمام صحابۂ کرام کے ذہن میں یہی تھا، کہ حضرت نجاشی کا جنازہ، حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے حاضر ہے"۔

امام ابن حجر عَسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "كشِف لِلنّبي ﷺ عَن سريرِ النّجاشيِّ، حتّى رآه وصلَّى عليه"[۲]. "حضرت نجاشی کا جنازہ، حضور اکرم ﷺ کے لیے ظاہر کر دیا گیا تھا، تب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا، اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھی"۔

مزید آپ رحمہ اللہ محدث ابو عوانہ سے نقل فرماتے ہیں: "فصلّينا خلفَه ونحن لَا نرَى، إلّا أنّ الجنازةَ قُدّامنا"[۳]. "ہم نے مصطفی کریم ﷺ کے پیچھے حضرت نجاشی کا جنازہ پڑھا، اور ہم یہی سمجھتے ہیں کہ جنازہ ہمارے سامنے موجود تھا"۔

---

(۱) "صحيح ابن حِبّان" كتاب الجنائز، فصل في الصّلاة على الجنازة، ذكر البيان بأنّ المصطفى ﷺ نعى إلى الناس ...إلخ، ر: ۳۰۹۲، صـ۵۵۰.

(۲) "فتح الباري" كتاب الجنائز، باب الصفوف علي الجنازة، ر: ۱۳۲۰، ۳/ ۲۱٦.

(۳) المرجع نفسه، ۳/ ۲۱٦، ۲۱۷.

(٣) حضرت سیّدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «أتَى رسولَ الله ﷺ جبريلُ عليه السلام، وهو بتبُوك، فقال: يا محمد! اشهَد جنازةَ معاويةَ بنِ معاويةَ المُزنيّ، فخرَج رسولُ الله ﷺ، ونزل جبريلُ عليه السلام في سبعين ألفاً مِنَ الملائكةِ، فوضع جناحَه الأيمَنَ علَى الجبالِ فتواضعتْ، ووضَع جناحَه الأَيسرَ علَى الأرضِ فتواضعتْ، حتّى نظر إلَى مكّة والمدينةِ، فصلّى عليه رسولُ الله ﷺ وجبريلُ والملائكةُ»[١].

"حضرت سیّدنا جبریل علیہ الصلوۃ والسلام حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں تبوک حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ یارسول اللہ! مُعاویہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ پڑھیے! سرکارِ دو عالَم ﷺ جب نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے، حضرت سیّدنا جبریل علیہ الصلوۃ والسلام بھی ستّر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے، انہوں نے اپنا دایاں پَر پہاڑوں پر رکھا تو پہاڑ جھک گئے، جب بایاں پَر زمین پر رکھا تو وہ بھی جھک گئی، یہاں تک کہ مکّہ ومدینہ سامنے دکھائی دیے، تب رسول اللہ ﷺ، جبریل وملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام نے ان کا جنازہ پڑھا"۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے، جب یہ بات ثابت ہوگئی، کہ جنازہ نبی کریم ﷺ کے سامنے موجود تھا، تو اَب ان احادیث سے غائبانہ نمازِ جنازہ کے جائز ہونے پر دلیل لانا درست نہیں!۔

غائبانہ نمازِ جنازہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلاّمةُ الزرقاني المالكي رحمه الله تعالى: "صلاتُه ﷺ علَى النّجاشِيِّ مِن خصوصيّاتِه، بِرَفعه الأرضَ لَه، وعلِم يومَ موتِه ونعاهُ لأَصحابِه، وخرج معهم فأَمّهم، وصلّى عليهِ قبلَ أن يوَارى"[٢].

"سرکارِ دو عالَم ﷺ نے حضرت نجاشی کی نمازِ جنازہ ادا کی، یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے لیے زمین کو بلند کر دیا گیا تھا، اور آپ ﷺ کو ان کے

---

(١) "المعجم الكبير" باب الصّاد، محمد بن زياد الالهاني، ر: ٧٥٣٧، ٨/ ١١٦.

(٢) "شرح الزرقاني على مختصر الخليل" باب الوقت، فصل في وجوب غسل الميت، فرع، ٢/ ١٩٨.

یوم وفات کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی، اور آپ ﷺ نے بھی اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو اس بارے میں بتا دیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ، ان کی نمازِ جنازہ ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے، قبل اس کے کہ ان کی نعش پوشیدہ ہو جائے"۔

قال الإمام ابن الهمام رحمہ اللہ تعالیٰ: "وشَرطُ صحّتِها: إسلامُ الميّتِ، وطهارَتُه، ووَضْعُه أمامَ المُصَلِّي، فلهذا القَيدِ لا تجوزُ علَى غَائِبٍ"(۱). "نمازِ جنازہ درست ہونے کے لیے شرط ہے، کہ میّت مسلمان ہو، اسے غسل دیا جاچکا ہو یا وہ پاک ہو، اور جنازہ نمازی کے آگے رکھا ہو۔ اسی شرط کے باعث کسی غائب کی نمازِ جنازہ جائز نہیں"۔

قال أيضاً رحمہ اللہ تعالیٰ: "وأمّا صلاتُه عليه الصلاة والسلام علَى النّجاشيِّ، كان إمّا لأنّه رُفِعَ سَرِيرُه لَه حتَّى رآه عليه الصلاة والسلام بحضرَتِه، فتكونُ صلاةُ مَن خلفَه علَى ميّتٍ يراهُ الإمَام"(۲). امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ "مصطفی کریم ﷺ نے حضرت نجاشی کی نمازِ جنازہ، اس لیے ادا کی کہ ان کی میّت کو اٹھا کر آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے سامنے دیکھا، تو حضور ﷺ کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کرنے والے، گویا اس امام کے پیچھے ہیں جس کے سامنے میّت ہے"۔

قال الإمام الغَزّي التُمُرتاشي رحمہ اللہ تعالیٰ: "أنّ أبا حنيفةَ رضي اللہ تعالیٰ عنہ لَا يقولُ بجوازِ الصّلاةِ علَى الغائِبِ"(۳). "امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں"۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہوا، کہ علمائے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک، غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں، لاکھوں صفحات پر مشتمل ذخیرۂ احادیث میں، غائبانہ نمازِ جنازہ کے لیے، صرف دو ۲ واقعات دلیل کے طَور پر پیش کرنا بہت

---

(۱) "فتح القدير" كتاب الصّلاة، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميّت، ۲/ ۸۰.

(۲) المرجع نفسه.

(۳) "فتاوى الإمام الغزّي" كتاب الطهارة والصّلاة والزكاة والصوم، صـ۴.

عجیب ہے! حالانکہ ان دونوں وقعات کی توجیہ ممکن ہے، اور دونوں کو حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ اگر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی عام اجازت ہوتی، تو مصطفی کریم ﷺ ان بے شمار صحابۂ کرام پر، غائبانہ نماز جنازہ نہ چھوڑتے، جن کی وفات مدینۂ منوّرہ سے باہر کہیں دُور دراز مقام پر ہوئی، حالانکہ حضور اکرم ﷺ صحابۂ کرام کی نمازِ جنازہ کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بعد، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی کوئی معمول، غائبانہ نمازِ جنازہ کے بارے میں نہیں ملتا، خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بھی، کسی کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی گئی!۔

فائدہ: امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس موضوع پر، ایک مفصّل اور مدلّل رسالہ ہے، جس میں آپ نے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں، اس رسالے میں آپ نے ۸۶ کتابوں سے ۲۳۰ عبارات ذکر کی ہیں، اور مختلف احادیث پر تحقیق اور فنّی بحث بھی تحریر فرمائی ہے، رسالہ کا نام ہے: (۱) "الهادي الحاجب عن جنازة الغائب"[۱]، نیز علّامہ اشرف آصف جلالی حفظہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف (۲) "غائبانہ جنازہ جائز نہیں"[۲] کا مطالعہ بھی قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۷/۱۸۱تا۲۱۲، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) مطبوعہ صراطِ مستقیم پبلیکیشنز، لاہور۔

(۶۷) ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنا منع ہے

سفر وغیرہ کسی عذر کے سبب، دو ۲ نمازیں ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں، چاہے یوں ہو کہ دوسری کو پہلی کے وقت میں پڑھے، یا یوں کہ پہلی کو اس قدر مؤخّر کرے کہ اس کا وقت جاتا رہے، اور دوسری کے وقت میں دونوں ملا کر پڑھے، دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ مگر اس دوسری صورت میں، پہلی نماز ذمّہ سے ساقط ہوگئی؛ کہ بصورتِ قضا پڑھ لی، اگرچہ نماز قضا کرنے کا گناہِ کبیرہ سر آیا! جبکہ پہلی صورت میں تو دوسری نماز ہوگی ہی نہیں، اور فرض ذمّہ پر باقی رہے گا؛ کیونکہ ابھی اُس کا وقت ہی نہیں ہوا، اور وقت سے پہلے نماز جائز نہیں۔ ہاں اگر عذرِ سفر ومرض وغیرہ میں صورۃً جمع کرے، کہ پہلی کو اس کے آخر وقت میں، اور دوسری کو اس کے اوّل وقت میں پڑھے، کہ حقیقۃً دونوں اپنے اپنے وقت میں واقع ہوں، تب کوئی حرج نہیں[1]۔

قرآن کریم اور حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہے، کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا ہے، شریعتِ اسلامیہ میں یہی مطلوب ہے، لیکن اگر کوئی سفر یا کسی شرعی عُذر کے سبب، دو ۲ نمازوں کو اکٹھا کرنا چاہے، تو اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

فقہائے کرام کی ایک جماعت نے سفر، یا مُوسلادھار بارش، یا آندھی طوفان وغیرہ کے سبب، ظہر وعصر میں جمع تقدیم وجمع تاخیر کی، اور اسی طرح مغرب وعشاء میں جمع تقدیم وجمع تاخیر کی اجازت دی ہے۔ جبکہ فقہائے کرام کی دوسری جماعت نے، احادیثِ نَبَویہ کی رَوشنی میں، جمعِ حقیقی کی اجازت نہیں دی۔ حضرتِ سیّدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہی رائے ہے۔

---

(۱) "الفتاوى الهندية" كتاب الصّلاة، الباب ۱ في المواقيت، الفصل ۱، ۱/ ۵۲. "بہارِ شریعت" نماز کا بیان، اوقاتِ نماز کا بیان، ج۱، حصہ سوم، ص ۴۵۳۔

فقہائے کرام کی یہ جماعت اُن احادیث مبارکہ کو، جن میں دو۲ نمازوں کے جمع کا ذکر ہے، ظاہری جمع پر محمول کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ ظہر کی نماز اس کے آخری وقت میں، اور عصر کی نماز اس کے اوّل وقت میں ادا کی جائے، مثلاً ظہر کا وقت ایک بجے سے پانچ ۵ بجے تک ہے، اور عصر کا وقت پانچ ۵ بجے سے غروبِ آفتاب تک، تو ظہر کو پانچ ۵ بجے سے کچھ دیر قبل، اور عصر کو پانچ ۵ بجے پڑھا جائے، اس صورت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہوگی، لیکن صورت وظاہر کے اعتبار سے دونوں نمازیں اکٹھی ادا ہوں گی، اسی طرح مغرب کی نماز آخری وقت میں، اور عشاء کی نماز اوّل وقت میں ادا کی جائے، اسے جمع ظاہری یا جمع صُوری کہا جاتا ہے۔ اس طرح تمام احادیث پر عمل بھی ہو جائے گا، اور قرآن وحدیث کا اصل مطلوب ومقصود (یعنی وقت پر نماز کی ادائیگی) بھی حاصل ہو جائے گا! نیز میدانِ عرَفات میں جو ظہر کو عصر کے وقت، اور مُزدَلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت پڑھا جاتا ہے، اسے تواتُر کے سبب مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

جمع صُوری

جمع صُوری ایسی جمع ہے، جس میں ایک نماز اپنے آخری وقت میں ادا کی جائے، اور دوسری نماز اپنے اوّل وقت میں، مثلاً جمع بین الظهر والعصر، کہ ظہر کو اس کے آخری وقت میں ادا کیا جائے، پھر جب چند منٹ بعد عصر کا وقت ہو جائے، تب عصر کی نماز ادا کر لی جائے۔ اسی طرح مغرب وعشاء کا مسئلہ بھی ہے۔

اسے جمع صُوری اس لیے کہا جاتا ہے، کہ صورت میں تو یہ جمع نظر آتی ہے، مگر حقیقت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے۔

جمع حقیقی

وہ جمع جس میں ایک نماز کے وقت میں، اس وقت کی نماز کے ساتھ ساتھ، دوسرے وقت کی نماز بھی پڑھ لی جائے، مثلاً جمع بین الظهر والعصر، کہ ظہر کے وقت میں ظہر وعصر دونوں نمازوں کو ملا کر ادا کیا جائے، یا عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھ لیا جائے۔ اسے جمع حقیقی اس لیے کہتے ہیں، کہ یہاں حقیقت میں دو۲ نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرکے پڑھا جاتا ہے۔

جمع تاخیر

یہ ایسی جمع ہے جس میں پہلے وقت کی نماز، مؤخّر کر کے دوسرے وقت کی نماز کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، مثلاً ظہر کی نماز مؤخّر کر کے عصر کے وقت میں پڑھی جائے، چونکہ اس میں ظہر کو عصر تک مؤخّر کیا گیا ہے، لہذا اسے جمع تاخیر کہتے ہیں۔

جمع تقدیم

یہ ایسی جمع ہے جس میں دوسری نماز کو، پہلی نماز کے وقت میں مقدّم کر کے پڑھا جاتا ہے، مثلاً عصر کی نماز مقدّم کر کے ظہر کے وقت میں پڑھی جائے۔ چونکہ اس میں بعد والی نماز مقدّم کر کے اوّل نماز کے وقت میں ادا کی جاتی ہے، لہذا اسے جمع تقدیم کہا جاتا ہے[۱]۔

تمام نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾[۲] "یقیناً نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے"۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وقال مجاهدٌ: أي: فرضاً مؤقّتاً وَقّتهُ اللهُ عليهِم، وقَد جاء بيانُ أوقاتِ الصّلاةِ في الحدِيث"[۳]. "امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں، کہ نماز وقت کی تعیین کے ساتھ فرض ہے، اللہ تعالی نے ہر نماز کا وقت اہلِ ایمان کے لیے مقرّر کر دیا ہے، جس کے اوقات کا مفصّل بیان احادیث مبارکہ میں موجود ہے"۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الصّلاۃ، باب الاوقات، رسالہ "حاجز البحرَين الواقي عن جمع الصّلاتين" ۴/۱۱۰- ۱۱۲، ملخصًا۔

(۲) پ ۵، النساء: ۱۰۳.

(۳) "معالم التنزيل" النساء، تحت الآية: ۱۰۳، ۱/ ۴۷۶.

علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: "أي: مكتوباً مفروضاً موقوتاً محدودَ الأوقاتِ، لا يجوزُ إخرَاجُها عن أوقاتِها في شيءٍ مِنَ الأحوَالِ"(۱). "ہر نماز تعیینِ وقت کے ساتھ فرض ہے، نماز کو اس کا وقت گزار کر ادا کرنا، کسی حال میں جائز نہیں!"۔

(۲) ارشاد باری تعالی ہے: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ﴾(۲) "تمام نمازوں کی حفاظت کرو"۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "يأمرُ اللهُ تعالَى بالمُحافظَةِ علَى الصّلَواتِ في أوقاتِها"(۳). "اللہ تعالی وقت پر نمازوں کو ادا کر کے، ان کی حفاظت کا حکم فرماتا ہے!"۔

(۳) خالقِ کائنات جلّ جلالہ کا فرمانِ عالی شان ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾(٤) "وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں!"۔ مفسّرِ قرآن ابنِ کثیر اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي: على مواقيتها، وأركانها، وواجباتها، ومستحبّاتها"(٥). "یعنی وہ لوگ نماز کے اوقات، ارکان، واجبات اور مستحبات کی حفاظت کرتے ہیں"۔

تمام نمازیں اپنے اپنے وقت پر ادا کرنا، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سوال کیا، کہ اللہ تعالی کو سب سے زیادہ کونسا کام پسند ہے؟ سرکارِ دو عالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «الصّلاةُ علَى وقتِها»(٦) "نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا"۔

---

(١) "روح المعاني" النساء، تحت الآية: ١٠٣، ٣/ ١٣٢.

(٢) پ ٢، البقرة: ٢٣٨.

(٣) "تفسير ابن كثير" البقرة، تحت الآية: ٢٣٨، ١/ ٢٨٥.

(٤) پ٢٩، المعارج: ٣٤.

(٥) "تفسير ابن كثير" المعارج، تحت الآية: ٣٤، ٤/ ٤٣١.

(٦) "صحيح البخاري" كتاب مواقيت الصّلاة، باب فضل الصّلاة لوقتها، ر: ٥٢٧، صـ٩٠.

(۲) حضرت سیّدنا نافع رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کے مؤذّن نے سفر میں جب نماز کے لیے کہا، تو آپ نے فرمایا: «سِرْ سِرْ» حتّى إذا كان قبلَ غيوبِ الشَّفَقِ نزلَ فصلّى المغربَ، ثمّ انْتظر حتّى غابَ الشّفق وصلّى العشاءَ، ثمّ قال: «إنّ رسولَ الله ﷺ كان إذا عجِل به أمرٌ، صنعَ مِثلَ الّذي صنَعْتُ، فسارَ في ذلك اليومِ واللَّيلَةِ مسيرةَ ثلاثٍ»[1].

"چلتے رہو چلتے رہو!" یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے کچھ پہلے، اُتر کر نماز مغرب ادا کی، پھر انتظار فرمایا، یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی، اُس وقت نماز عشاء ادا کی، پھر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی، جب کسی سبب سے جلد سفر طے کرنا ہوتا، تو ایسا ہی کیا کرتے جیسے ابھی میں نے کیا۔ حضرت ابن عمر نے اس ایک دن رات میں، تین ۳ دن رات کا سفر طے کیا"۔

(۳) اسی طرح امامتِ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام والی حدیث، جسے متعدّد صحابۂ کرام نے روایت کیا: قَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «أَمَّني جبريلُ عليه السلام عندَ البيت مرّتَين، فصلّى بي الظُّهرَ حينَ زالتِ الشّمسُ، وكانتْ قدرَ الشّراكِ، وصلّى بي العصرَ حينَ كان ظلُّه مثلَه، وصلّى بي يعني المغربَ حينَ أفطر الصّائمُ، وصلّى بي العشاءَ حينَ غابَ الشَّفقُ، وصلّى بي الفجرَ حينَ حرُم الطّعامُ والشّراب علَى الصّائمِ. فلمّا كان الغدُ، صلّى بي الظهرَ حينَ كان ظلُّه مثلَه، وصلّى بي العصرَ حينَ كان ظلُّه مثلَيه، وصلّى بي المغربَ حينَ أفطر الصّائمُ، وصلّى بي العشاءَ إلى ثُلُثِ اللَّيلِ، وصلّى بي الفجرَ فأسْفرَ، ثمّ التفتَ إليّ فقال: يا محمد! هذا وقتُ الأنبياءِ من قبلِك، والوقتُ ما بين هذَينِ الوقتَينِ»[2].

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب الجمع بين الصّلاتين، ر: ۱۲۱۲، صـ۱۸۱.

(۲) المرجع نفسه، باب في المواقيت، ر: ۳۹۳، صـ۶۸.

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کے پاس دو ٢ بار میری امامت کی، میرے ساتھ نمازِ ظہر پڑھی جب سورج ڈھل چکا، اور سایہ جُوتے کے تسمہ کے برابر ہوگیا، اور میرے ساتھ نمازِ عصر پڑھی جب چیزوں کا سایہ ان کے مثل ہوگیا، اور میرے ساتھ نمازِ مغرب پڑھی جب روزہ اِفطار کیا جاتا ہے، اور میرے ساتھ نمازِ عشاء پڑھی جب شَفَق غائب ہوجاتی ہے، اور میرے ساتھ نمازِ فجر پڑھی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔

جب اگلا دن آیا تو میرے ساتھ نمازِ ظہر پڑھی، جس وقت سایہ ایک مثل ہوگیا، اور میرے ساتھ نمازِ عصر پڑھی جس وقت سایہ دو مثل ہوگیا، اور میرے ساتھ نمازِ مغرب پڑھی جب روزہ دار اِفطار کرتا ہے، اور تہائی رات گزرنے پر نمازِ عشاء میرے ساتھ پڑھی، اور میرے ساتھ نمازِ فجر پڑھی جب خُوب اُجالا ہوگیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوکر کہا کہ "یارسول اللہ! یہ آپ سے پہلے انبیائے کرام کے اوقاتِ نماز ہیں، اور ہر نماز کا وقت ان دو ٢ حدوں کے درمیان ہے"۔

(٤) حضورِ اکرم نورِ مجسّم ﷺ ہمیشہ نماز کو وقت پر ادا فرمایا کرتے، حضرتِ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ غزوۂ اَحزاب میں، ایک روز شدّتِ جنگ کے سبب، حضورِ اکرم سرورِ عالَم ﷺ کی نمازِ عصر فَوت ہوگئی، حضور ﷺ نے غروبِ آفتاب کے بعد اس کی قضا پڑھی، اور کفّار کے خلاف سخت الفاظ میں دعائے ضرر کرتے ہوئے فرمایا: «ملأَ اللهُ عليهم بيوتَهم وقبورَهم ناراً، شغلونا عن صلاةِ الوُسطى، حتّى غابتِ الشّمسُ»[1] "ان کفّار نے ہمیں نمازِ عصر سے مشغول رکھا، ان کے گھروں اور قبروں کو اللہ آگ سے بھر دے!"۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة، ر: ٢٩٣١، صـ٤٨٤.

(۵) حضرت سیّدنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «خمسُ صلواتٍ افْترضهُنَّ اللهُ تعالى، مَن أحسنَ وضوءَهنّ، وصلّاهُنّ لوقتِهِنّ، وأتمَّ ركوعَهنّ وخُشوعَهنّ، كان لَه علَى الله عهدٌ أن يغفرَ لَه، ومَن لم يفعلْ فليس لَه على الله عهدٌ، إن شاءَ غفرَ لَه، وإن شاء عذّبهُ!»[1].

"پانچ ۵ نمازیں اللہ تعالی نے فرض کی ہیں، جو اِن میں اچھی طرح وضو کرے، انہیں ان کے وقت پر ادا کرے، اچھے انداز سے رکوع وخشوع کرے، اس کے لیے اللہ عزّوجلّ کا وعدہ ہے کہ اُسے بخش دے گا، اور جو ایسا نہ کرے، اس کے لیے اللہ تعالی پر کوئی ذمّہ نہیں، چاہے تو اسے بخشے، اور چاہے تو عذاب دے!"۔

دو نمازیں جمع کرنا، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَن جمع بينَ الصّلاتَين مِن غير عُذرٍ، فقَدْ أتى بَاباً من أبوابِ الكبائِر»[2] "جس نے بغیر کسی عذر کے، دو ۲ نمازوں کو جمع کر کے پڑھا، اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا"[3]۔

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب في المحافظة على وقت الصلوات، ر: ٤٢٥، صـ٧٢.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب الصّلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصّلاتين، ر: ١٨٨، صـ٥٢. [قال الإمام الترمذي:] "حسينُ بنُ قَيس، وهو ضَعِيفٌ عند أهل الحديث، ضعّفهُ أحمدُ وغيرُه، والعملُ على هذا عند أهل العلم.

(٣) قال الإمام أحمد رضا رحمه الله: "حديث: «مَن جمع بين الصّلاتَين من غير عذرٍ، فقد أتى باباً من الكبائر» أخرجه الترمذي وقال: حسينٌ ضعّفه أحمدُ وغيره، والعملُ على هذا الحديث عند أهل العلم. فأشار بذلك، إلى أنّ الحديثَ اعتضدَ بقول أهل العلم، وقد صرّحَ غيرُ واحد" ...إلخ ["التّعقّبات على الموضوعات" باب الصّلاة، صـ١٢]. ["الفتاوى الرضوية" كتاب الصّلاة، باب الأوقات، رسالة "منير العين في حكم تقبيل الإبهامين" ٤/ ٣٨١.]

=

(۲) حضرت سیّدنا ابو ذر غِفاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے میرے پاؤں پر ہاتھ مار کر فرمایا: «كيف أنت إذا بقِيتَ في قومٍ يؤخّرونَ الصّلاةَ عَن وقتها؟» قال: ما تأمُر؟ قال: «صَلِّ الصّلاةَ لوقتِها، ثمّ اذهَبْ لحاجتِك، فإن أقِيمَتِ الصّلاةُ وأنتَ فِي المسجدِ فصلِّ»[۱] "جب تم ایسے لوگوں میں رہ جاؤ گے، جو وقت گزار کر نماز پڑھیں گے، وہ وقت کیسا ہوگا؟ میں نے عرض کی کہ آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا، کہ تم وقت پر اپنی نماز ادا کر کے اپنے کام سے نکل جایا کرنا، اور اگر جماعت کھڑی ہوتے وقت تم مسجد میں ہو، تو سب کے ساتھ مل کر نماز ادا کر لیا کرنا!"۔

دو نمازیں جمع کرنا، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام أبو حنيفة رضي الله تعالى عنه: "مَن أرادَ أنْ يجمعَ بَين الصّلاتَين، بمطر أو سفر أو غَيره، فليؤخِّر الأُولى منهُما حتَّى تكونَ في آخِر وقتِها، ويعجِّل الثّانيةَ حَتَّى يصلّيَها في أوّل وقتِها، فيجمع بينهما، فيكون كلُّ وَاحِدٍ منهما في وقتِها"[۲].

=

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ "تعقبات" میں باب الصّلاۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر ہے، جس میں فرمایا کہ "جس نے دو ۲ نمازیں بغیر عذر کے جمع کیں، اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا"۔ اسے امام ترمذی نے روایت کر کے فرمایا کہ "امام احمد وغیرہ نے حسین (راوی) کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے"۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ اس حدیث کو اہلِ علم کے قول سے قوّت حاصل ہوئی، اور اس کی صراحت بہت سے محدّثین نے کی ہے"۔

(۱) "صحيح مسلم" كتاب المساجد ومواضع الصّلاة، باب كراهية تأخير الصّلاة عن وقتها المختار ...إلخ، ر: ١٤٦٨، صـ٢٦١.

(۲) "الحجّة على أهل المدينة" للإمام محمد، باب الجمع بين الصّلاتين، ١/ ١٥٩، ١٦٠.

"جو شخص بارش، سفر یا کسی اَور مجبوری میں، دو۲ نمازیں جمع کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ پہلی کو آخر وقت تک مؤخّر کرے، اور دوسری میں جلدی کر کے، اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرے، اس طرح دونوں کو جمع کر لے، تاہم ہوگی ہر نماز اپنے اپنے وقت ہی میں"۔

قال الإمام محمد ﷫: "لا يُجمَعُ بينَ صلاتَين في وقتٍ واحِدٍ، في حضرٍ ولا سَفرٍ، ما خلا عرفةَ والمزدَلِفة"[١]. امام اعظم کے عظیم شاگردِ رشید، امام محمد بن حسن شیبانی ﷫ فرماتے ہیں کہ "عرَفات ومُزدَلفہ کے سِوا، دو۲ نمازیں ایک وقت میں جمع نہ کی جائیں، چاہے سفر ہو یا حضر"۔

وقال أيضاً: "فليدَع الظُهرَ حتّى يأتيَ آخِرُ وقتها، ويقدِّم العصرَ في أوّل وقتِها، ولا يجمع بينَهما في وقتٍ واحد"[٢]. مزید فرماتے ہیں کہ "کسی بھی مرض وغیرہ کے سبب، ظہر کی نماز اُس کے آخری وقت میں ادا کرے گا، اور نمازِ عصر اوّل وقت میں ادا کرے گا، ان دونوں نمازوں کو ایک وقت میں جمع نہ کرے"۔

قال الإمام قاضي خانْ ﷫: "ولا يجوزُ الجَمعُ بينَ الصّلاتين في وقتٍ واحدٍ بِعُذرٍمَّا عندنا، إلّا صلاةَ الظهر والعصر بِعرَفة، والمَغرِبِ والعِشَاءِ بِمُزدَلِفَة"[٣]. "عرَفات میں نمازِ ظہر وعصر، اور مُزدَلفہ میں نمازِ مغرب وعشاء کے علاوہ، ہمارے نزدیک دو۲ نمازیں ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں، اگرچہ کسی بھی عذر سے ہو"۔

---

(١) "المبسوط" للإمام محمد، كتاب الصّلاة، باب مواقيت الصّلاة، ١/ ١٢٤.

(٢) "كتاب الأصل" كتاب الصّلاة، باب صلاة المريضة في الفريضة، ١/ ١٩٣.

(٣) "فتاوى قاضي خانْ" كتاب الصّلاة، باب الأذان، الجزء ١، صـ٣٦.

قال الإمام السَّرخسي رحمه الله: "إنّ الجمعَ بينهُما كان فِعلًا لا وقتًا، وبِهِ نقولُ"[1].
"دو ۲ نمازیں جمع کرنے سے مراد، جمع صُوری ہے نہ کہ جمع حقیقی، اور مسلکِ حنفی کا یہی موقف ہے"۔

قال العلّامة ابن نجَيم المصري: "منعَ عن الجمعِ بينهُما في وقْتٍ واحدٍ بِسببِ العُذرِ؛ للنُّصُوصِ القَطعِيّةِ بتَعيينِ الأوقاتِ"[2]. "کسی بھی عُذر سے، دو ۲ نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرکے پڑھنے کی اجازت نہیں؛ کیونکہ نصوصِ قطعیّہ نے اوقاتِ نماز معیّن کردیے ہیں"۔

خلاصۂ کلام

قرآنِ مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی، میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ ہمیں بار بار نماز کے اوقات کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے، کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں، کسی بھی عُذر سے ایک وقت میں دو ۲ نمازیں جمع کر کے پڑھنا، علمائے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں، فقہاء نے اُن احادیث (جن میں دو ۲ نمازیں جمع کرنے کا ذکر ہے) کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، کہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ ظہر کی نماز اس کے آخری وقت میں، اور عصر کی نماز اس کے اوّل وقت میں ادا کی جائے، مثلاً ظہر کا وقت ایک بجے سے پانچ ۵ بجے تک ہے، اور عصر کا وقت پانچ ۵ بجے سے غروبِ آفتاب تک، تو ظہر کو پانچ ۵ بجے سے کچھ پہلے، اور عصر کو پانچ ۵ بجے ادا کیا جائے، اس صورت میں ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا ہوگی، لیکن صورت کے اعتبار سے دونوں نمازیں اکٹھی ادا ہوں گی، اس طرح تمام احادیث پر عمل بھی ہو جائے گا، اور قرآن وحدیث کا اصل مطلوب ومقصود (یعنی وقت پر نماز کی ادائیگی) بھی حاصل ہو جائے گا۔

البتہ ظہر وعصر میدانِ عرَفات میں، اور مغرب وعشاء مُزدَلفہ میں جمع کی جائیں گی (بشروطِ معروفہ)، جیساکہ ہم نے آیات واحادیث سے ذکر کیا۔ اور اس حکم میں نہ مسافر کا استثناء ہے نہ مقیم کا، بلکہ

---

(۱) "المبسوط" كتاب الصّلاة، باب مواقيت الصّلاة، الجزء ١، صـ١٤٩.

(۲) "البحر الرائق" كتاب الصّلاة، ١/ ٤٤١.

حکمِ پابندیٔ وقت مطلق ہے، لہذا جس طرح مقیم کے لیے وقت نماز کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح مسافر کے لیے بھی ضروری ہے، واللہ تعالی اعلم۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مفصّل و مدلّل رسالہ ہے، جس میں آپ نے دلائلِ قاہرہ سے ثابت کیا ہے، کہ دو ۲ نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں، یہ رسالہ علمِ حدیث، اور علمِ اسماء الرجال کا بحرِ ذخّار ہے، نیز اس رسالے میں مختلف احادیث پر تحقیقی اور فنّی بحث بھی تحریر فرمائی ہے، رسالہ کا نام ہے: "حاجز البحرَين الواقي عن جمع الصّلاتَين"[1]۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۴/ ۱۰۹ تا ۲۳۶، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(٦٨) نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا

فرض نمازوں کے بعد، اجتماعی طور پر دعا کرنا فرض ولازم نہیں، اسی طرح جو لوگ اسے بدعت قرار دیتے ہیں، وہ بھی راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، بلکہ صالحینِ امّت کے تعامُل، اور فقہائے ملّت کی صراحت کے مطابق، فرض نمازوں کے بعد، اجتماعی طور پر دعا مستحب ومستحسن ہے، جہاں تک شبہ اِلتزام کی بات ہے، تو یقیناً ہر کام میں راہِ اعتدال پر رہنا ضروری ہے، اگر کوئی حاجتمند اجتماعی دعا سے پہلے اٹھنا چاہے، تو اسے ہرگز ملامت نہ کیا جائے، لیکن بالعموم اس دعا کا اہتمام کرنے کو بدعت کہنا بھی سخت غلطی ہے؛ اس لیے کہ کسی بھی نیک عمل پر ہمیشگی اختیار کرنا، اور تسلسل سے اس کا اہتمام کرنا، شریعت کو محبوب وپسند ہے، بلکہ حدیث شریف میں فرمایا: «أَحَبُّ الأعمال إلى الله تعالى، أَدوَمُها وإن قَلَّ» ایسے عمل کو قلیل ہونے کے باوجود بہترین عمل کہا گیا ہے[1]۔

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

متعدّد احادیث مبارکہ میں، فرض نماز کے بعد، دعا کی ترغیب وتعلیم موجود ہے، اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کو دعا کے آداب میں شمار کیا گیا ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے، یہاں صرف تین ۳ حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

(ا) حضرت سیّدنا ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «جوفَ اللّيلِ الآخِرِ، ودُبُرَ الصّلواتِ المكتُوبَاتِ» "رات کے آخری حصّہ کی دعا، اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے"[2]۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم ...إلخ، ر: ١٨٣٠، صـ٣١٨.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب الدّعوات، باب [حديث «ينزل ربنا كلّ ...إلخ] ر: ٣٤٩٩، صـ٧٩٨.

(۲) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: «أنّها رأت النبيَّ يدعو رافعاً يدَيه» "انہوں نے نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے دیکھا" ...الحدیث[1]۔

(۳) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: «إذا دعوْتَ اللهَ فادْعُ بباطِنِ كفَّيْكَ، ولا تَدْعُ بظهورِهما، فإذا فرَغْتَ فامْسَحْ بِهِما وَجْهَكَ»[2] "جب اللہ تعالی سے دعا کرو، تو اپنی ہتھیلیوں کی طرف سے کرو، ہتھیلیوں کی پشت سے دعا نہ کرو! اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ، تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر پھیر لو!"۔

نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی دعا، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام الشّافعي رحمہ اللہ تعالیٰ: "واستحبّ للمصلِّي منفرِداً وللمأموم، أن يُطيلَ الذِكرَ بعد الصّلاة، ويُكثِرِ الدّعاءَ؛ رجاءً الإجابةَ بعد المكتوبة"[3]. "مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے، نماز کے بعد طویل ذکرُ اللہ کرنا، اور کثرت سے دعا کرنا مستحب عمل ہے؛ اس امید پر کہ فرض نمازوں کے بعد دعا قبول ہوتی ہے!"۔

قال الإمام النّوَوي رحمہ اللہ تعالیٰ: "واستحبّ للمصلّي منفرِداً أو مأموماً، أن يطيلَ الذِكرَ بعد الصّلاة، ويُكثِرَ الدّعاءَ"[4]. "مقتدِی اور تنہا نمازی کے لیے، نماز کے بعد دیر تک ذکرُ اللہ، اور کثرت سے دعا کرنا مستحب ہے"۔

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند السيّدة عائشة، ر: ۲۶۲۷۸، ۱۰/ ۱۱٦.

(۲) "سنن ابن ماجه" كتاب إقامة الصّلاة والسنّة فيها، باب من رفع يديه ...إلخ، ر: ۱۱۸۱، صـ۱۹۸.

(۳) "الأمّ" كتاب الصّلاة، باب كلام الإمام وجلوسه بعد السّلام، ۱/ ۱۵۱.

(٤) "المجموع" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مسائل تتعلق بالإشارة بالمسبحة، ۳/ ۳۸۸.

قال العلّامة ابن الحاجّ العبدري الفاسي المالكي ﷀ: "وَالسنّةُ الماضِيَةُ أَنْ لَا يَترِكَ الذِّكْرَ وَالدُّعَاءَ عَقِبَ الصَّلَاة"[1]. "نماز کے بعد ذکرُ اللہ اور دعا سنّتِ قدیمہ ہے، اسے ترک نہ کیا جائے!"۔

خلاصۂ کلام

احادیثِ کریمہ اور اقوالِ علماء کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھاکر، اجتماعی طَور پر دعا کرنا جائز، مستحب اور اچھا عمل ہے، اس امید پر کہ فرض نمازوں کے بعد دعا قبول ہوتی ہے! لهٰذا اس عمل سے روکنا، یا اسے ناجائز وبدعت کہنا سمجھنا، یقیناً حرام ہے، زیادتی ہے!۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی ﷫ کا رسالہ (۱) "التحفة المرغوبة في أفضلية الدّعاء بعد المكتوبة"[2] اور حضرت علّامہ شیخ محمد بن مقبول اَہدَل یمنی ﷫ کا رسالہ (۲) "سُنيّة رفع اليدَين في الدّعاء بعد الصّلوات المكتوبة"[3] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(١) "المَدخَل" فصل كراهة التنفل عقب الجمعة في المسجد، ٢/ ٢٨٠.

(٢) مطبوعة من دار البشائر الإسلامية، بيروت.

(٣) المرجع نفسه.

(٦٩) وعظ وبیان کی بابت شرعی اِصلاحات

جاہل خطیبوں کے سبب دین کا نقصان: ہمارے زمانے میں ایسے خطباء وقرّاء حضرات، جو باقاعدہ مستند عالمِ دین نہیں، دین کے لیے نقصان کا سبب بن رہے ہیں، ایسے افراد کے سبب مُعاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔

وعظ وبیان کی بابت شرعی اِصلاحات، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(١) ہمارا پیارا پروردگار عزّوجلّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾[1] "کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو؟ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو! حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں!"۔

امام حافظ الدّین نسفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "أي: سعةُ الخير والمعروف، ويتناول كلَّ خير، ومنه قولهم: "صدقتَ وبَررتَ". وكان الأحبارُ يأمرون مَن نصحُوه في السِرّ من أقاربهم وغيرهم، باتّباع محمدٍ عليه السلام، ولا يتّبعونه. وقيل: كانوا يأمرون بالصّدقة ولا يتصدّقون، وإذا أَتَوا بالصّدقات ليفرّقوها خانوا فيها. ﴿وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ وتتركونها من البِرّ كالمنسيات. ﴿وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ تبكيتاً، أي: تتلون التوراةَ، وفيها نعتُ محمدٍ عليه السلام، أو فيها الوعيدُ على الخيانة، وتركِ البِرّ، ومخالفةِ القول العمل. ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ أفلا تفطنون لقبيح ما أقدمتُم عليه، حتّى يصدَّكم استقباحُه عن ارتكابه، وهو توبيخٌ عظيم!"[2].

"البرّ ہر خیر اور نیکی کو شامل ہے، اَحبارِ یہود اپنے اَقرباء کو خفیہ نصیحت کرتے، تو اتّباعِ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصیحت کرتے، مگر خود اتّباع نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے، کہ وہ صدقے کا حکم دیتے مگر خود صدقہ نہ کرتے، جب انہیں صدقات تقسیم کے لیے دیے جاتے، تو وہ ان میں بھی خیانت

---

(١) پ١، البقرة: ٤٤.

(٢) "المدارك" البقرة، تحت الآية: ٤٤، ١/ ٥٠.

کرتے۔ (اور اپنے آپ کو بُھول جاتے ہو) تم اپنے نُفوس سے نیکی چھوڑتے ہو، جیسے کوئی بھولی بسری چیزیں ہوتی ہیں۔ (حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو) یہ انہیں بطور ملامت کہا، کہ تم تورات پڑھتے ہو، حالانکہ اس میں حضرت محمد ﷺ کی تعریف موجود ہے۔ اس میں خیانت، ترکِ خیر اور قول وعمل کے تضاد پر وعید ہے۔ (تو کیا تمہیں عقل نہیں!) کیا تم اسے برائی نہیں سمجھتے جس کا تم اِقدام کرتے ہو؟ کہ اس کی قباحت تمہیں اس کے ارتکاب سے باز رکھے! یہ بہت بڑی توبیخ وملامت ہے"۔

علّامہ اسماعیل حقّی رحمہ اللہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "وقد قال عليه السلام: «مُرُوا بِالمعرُوفِ وإنْ لم تعملُوا بِه، وانْهَوا عَنِ المنْكَرِ وإِنْ لم تَنْتَهُوا عنه!»[1]؛ وهذا لأنّه إذا أمرَ به، مع أنّه لا يعمل به، فقد ترك واجباً، وإذا لم يأمر به قد تركَ واجبَين، فالأمرُ بالحَسن حسنٌ، وإن لم يعمل به، ولكن قلّما نفعتْ موعظةُ مَن لم يعظ نفسَه، ومَن أمر بخيرٍ فليكنْ أشدَّ النّاسِ مُسارعةً إليه، ومَن نهَى عن شيءٍ فليكنْ أشدَّ النّاسِ انتهاءً عنه. وهذه الآيةُ -كما ترى- ناعيةٌ على مَن يعظُ غيرَه ولا يعظُ نفسَه، سوءَ صنيعِه وعدم تأثُّره، وإن فعلَه فعلَ الجاهل بالشَّرع، أو الأحمق الخالي عن العقل. والمراد بها: حثُّ الواعظ على تزكية النّفس، والإقبال عليها بالتكميل؛ لتقوّم بالحقّ"[2].

"نیکی کا حکم دو اگرچہ تم خود اس پر عمل نہ کرو! اور بُرائی سے روکو اگرچہ تم خود اس میں مبتلا ہو! جس نے کسی دوسرے کو نیکی کا حکم دیا، اور خود اُس پر عمل نہ کیا، اس نے ایک واجب ترک کیا، اور اگر خود نیکی کا حکم ترک کر بیٹھے، تو اس نے دو۲ واجب چھوڑے۔ اور نیکی کا حکم دینا بھی ایک نیکی ہے، اگرچہ اس امر کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بے عمل واعظ کا اثر بہت کم ہوتا ہے، جو شخص امر بالمعروف کرے، پہلے خود اس پر عمل کرے، اسی طرح جو کسی کو بُرائی سے روکے، اسے چاہیے کہ اس بُرائی سے پہلے خود بچے۔ یہ آیت

---

(١) "شعب الإيمان" باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ر: ٧٥٧٠، ٦/ ٢٥٧٣.

(٢) "روح البيان" البقرة، تحت الآية: ٤٤، ١/ ١٢٣.

واعظِ بے عمل کی مذمّت کر رہی ہے، کہ وہ دوسروں کو بُرائی سے روکتا ہے، لیکن خود اس میں مبتلا رہتا ہے، اور اس کا کردار بتاتا ہے کہ وہ پکا جاہل اور نِرا احمق ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ واعظ کو چاہیے، کہ تزکیۂ نفس میں جدوجہد کرے، اور اپنی تکمیل کے لیے کوئی کسر باقی نہ رکھے؛ تاکہ اس کے ذریعے حق قائم ہو"۔

(۲) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾[1] "اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ بات جس پر خود عمل نہیں کرتے؟!"۔

علّامہ اسماعیل حقّی رحمہ اللہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "معناها: لأيّ شيءٍ تقولون: "نفعل" ما لا تفعلون من الخير والمعروف؟ على أنّ مدارَ التعيير والتوبيخ في الحقيقة عدمُ فعلِهم، وإنّما وجهُه إلى قولهم تنبيهاً على تضاعُف معصيتهم ببيان، أنّ المنكَر ليس تركَ الخيرِ الموعود فقط، بل الوعد به أيضاً، وقد كانوا يحسبونه معروفاً. والتوبيخُ على أن يقولَ الإنسانُ من نفسِه ما لا يفعله من الخير"[2].

"آیت کے معنی یہ ہوئے، کہ تم یہ کیوں کہتے ہو کہ "ہم کرتے ہیں" جو تم نہیں کرتے، نیکی اور دیگر خیر وبھلائی کے کام؟! کیونکہ اس زَجر وتوبیخ کا دار ومدار ان کے اس عدمِ فعل پر ہے، جو زبانی دعوے کے باوجود عملی لحاظ سے خالی ہے۔ اور توبیخ سے مراد یہ ہے، کہ انسان بھلائی کی بات کہہ کر اس پر عمل نہ کرے"۔

(۳) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[3] "وہ جن کے دِلوں میں ٹیڑھاپن ہے، وہ اِشتباہ والی آیات کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈُھونڈھنے کے لیے، اور اس کا ٹھیک پہلو تو اللہ ہی کو

---

(١) پ٢٨، الصف: ٢.

(٢) "روح البيان" الصف، تحت الآية: ٢، ٩/ ٤٩٣.

(٣) پ٣، آل عمران: ٧.

معلوم ہے، اور پختہ علم والے کہتے ہیں، کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب تعالی کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے!"۔

علّامہ بَیضاوی رحمۃ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "فيتَّبِعون مَا تشابهَ منه، فيتعلّقون بظاهره أو بتأويلٍ باطلٍ؛ ابْتِغاءَ الفِتنةِ، طلب أن يفتنوا النّاسَ عن دينِهم بالتشكيك والتلبيس، ومناقَضة المحكَم بالمتشابه، وَابتِغاءَ تَأويله، وطلب أن يؤوِّلوه على ما يشتهونه"[1].

"اللہ تعالی نے فرمایا، کہ یہ لوگ متشابہات کے درپے ہیں، لہذا اُن آیاتِ متشابہات کو ان کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں، یا فتنہ وفساد کی خاطر باطل تاویلات کرتے ہیں؛ یہ کاوِش اس مقصد کے لیے ہوتی ہیں، کہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے، مفہوم کو خلط ملط کر کے، دین کے بارے میں انہیں تشویش میں ڈالیں، اور آیاتِ محکمات (یعنی جن آیات کے معنی قطعی اور واضح ہیں) کو متشابہات کی نقیض (مخالف) ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور تاویل کے درپے ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے، کہ آیاتِ متشابہات کی مَن مانی تاویل کریں"۔

حافظ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: "إنّما يأخذُونَ منه بالمتشابه الّذِي يمكنُهم أنْ يُحَرِّفُوه إلى مقاصدِهِم الفاسدةِ، وينزِلوهُ عليها؛ لاحتمالِ لَفظِه لما يصرِفونه"[2].

"یہ لوگ قرآنِ پاک سے اُن متشابہات کا سہارا لیتے ہیں، جن کے ذریعے ان کو موقع مل جاتا ہے، کہ قرآنی آیات کے معنی میں تحریف کر کے، انہیں اپنے باطل مقاصد پر دلیل بنا کر پیش کریں، اور ان آیات کو فاسد مَعانی پر محمول کریں؛ کیونکہ (متشابہات کے) ظاہری الفاظ میں، باطل معنی کا احتمال بھی موجود ہوتا ہے"۔

---

(١) "أنوار التنزيل" آل عمران، تحت الآية: ٧، ١/ ٢٤٤.

(٢) "تفسير ابن كثير" آل عمران، تحت الآية: ٧، ١/ ٣٣٨.

وعظ وبیان کی بابت شرعی اِصلاحات، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «سيأتي علَى أمّتِي زمانٌ، يكثر القُرّاءُ، ويقِلُّ الفقهاءُ، ويقبَضُ العِلمُ، ويَكثرُ الهَرجُ»[۱] "میری امّت پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا، جس میں قاریٔ قرآن توکثرت سے ہوں گے، مگر قرآن سمجھنے والے علماء کی کمی ہوگی، علم اٹھالیا جائے گا، اور ہر طرف فسادات پھیل جائیں گے!"۔

(۲) اسی طرح واعظین وخطباء حضرات کو چاہیے، کہ وہ موضوع (من گھڑت) روایات ہرگز بیان نہ کریں، اور کوئی عقیدہ یا مسئلہ بنا علم ہرگز بیان نہ کریں، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے رہنمائی ملتی ہے، حضرت سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں، رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «اتّقُوا الحدِيثَ عنِّي إلّا مَا علِمتُم، فمَن كذبَ عليَّ متعمّداً فليتبوّأْ مقعدَهُ مِنَ النّارِ! ومَن قال في القرآنِ برأْيِه، فليتبوّأْ مقعَدَهُ مِنَ النّارِ!»[۲] "میری حدیث بیان کرتے وقت بہت احتیاط کیا کرو! صرف وہی بات کہو جس کا تمہیں پختہ علم ہے؛ کیونکہ جس نے جان بوجھ کر میرے حوالے سے جھوٹ کہا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے! اور جو قرآن کی تفسیر اپنی ذاتی رائے سے کرے، اس کا ٹھکانا بھی جہنم ہے!"۔

(۳) حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ أفتَى بِغَيرِ عِلمٍ، لَعَنَتْهُ مَلائَكةُ السّماءِ والأرضِ!»[۳] "جو بغیر علم فتویٰ دے، اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے!"۔

---

(۱) "المعجم الأوسط" باب الباء، من اسمه بكر، ر: ٣٢٧٧، ٢/ ٢٧٧.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب تفسير القرآن، باب ما جاء في الذي يفسّر القرآن برأيه، ر: ٢٩٥١، صـ٦٦٣. [وقال أبو عيسى:] "هذا حديثٌ حسن".

(٣) "تاريخ دِمشق" حرف الميم، تحت ر: ٦٠٧٧، ٥٢/ ٢٠.

حضرت ابوالبختری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: "دخل عِليُّ بْنُ أبِي طَالِبٍ رضي الله عنه المسجدَ، فإذا رجلٌ يُخَوِّفُ النّاسَ، فقال: ما هذا؟ فقالوا: رجلٌ يُذَكِّرُ النّاسَ، فقال: ليس برجلٍ يُذَكِّرُ النّاس، ولكنّهُ يقول: أنا فُلانُ ابْنُ فُلَانٍ فَاعْرِفُونِي، فأَرْسَلَ إليه: أتعرِفُ النّاسخَ مِنَ المنسُوخِ؟ فقال: لا، قال: فاخرُجْ مِنْ مسجدنَا ولَا تُذَكِّرْ فِيهِ!"[1].

"حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے، تو آپ نے دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو خوفِ خدا دِلا رہا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ لوگ عرض گزار ہوئے کہ یہ شخص لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص لوگوں کو نصیحت نہیں کر رہا، بلکہ نصیحت کے بہانے اپنا تعارف کروا رہا ہے، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا، کہ کیا تمہیں ناسخ ومنسوخ کا علم ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ ہماری مسجد سے نکل جاؤ، اور آئندہ یہاں وعظ مت کرنا!"۔

(۴) حضرت سیّدنا جابر بن سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں: «كنتُ أصلِّي مع رسولِ الله صلى الله عليه وسلم، فكانَتْ صَلاتُه قصداً، وخُطْبَتُهُ قَصْداً»[2] "میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کیا کرتا تھا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ انتہائی معتدل ہوا کرتے تھے"۔

(۵) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «رأيتُ ليلةَ أسرِيَ بِي رِجالاً تقرَضُ شفاهُهم بِمقارِضَ مِنْ نارٍ، فقُلْتُ: مَنْ هؤُلَاءِ ياجِبْرِيل؟ فقال: الخطباءُ مِن أمّتِكَ، يأمُرُونَ النّاسَ بالبِرِّ، وينسَوْنَ أنْفُسَهم، وهُم يتلُونَ الكِتَابَ، أفلا يعقلُون!»[3] "معراج کی شب میں نے کچھ لوگ دیکھے، جن کے ہونٹ آگ کی

---

(۱) "الناسخ والمنسوخ" للنحاس، باب الترغيب في تعلم الناسخ والمنسوخ، صـ۵۷.

(۲) "صحیح مسلم" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب تخفيف الصّلاة والخطبة، ر: ۲۰۰۳، صـ۳٤۷.

(۳) "صحيح ابن حِبّان" كتاب الإسراء، ذكر وصف الخطباء الذين يتكلون على القول ...إلخ، صـ۵۵. و"شعب الإيمان" ۱۲ من شعب الإيمان، وهو باب في نشر العلم، ر: ۱۷۷۸، ۲/ ۷۵۹.

قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی کہ یہ آپ کی امّت کے وہ خطیب ہیں، جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، اور اپنے آپ سے غافل ہیں، حالانکہ یہ لوگ کتابُ اللہ کو بھی پڑھتے ہیں، تو کیا یہ عقل نہیں رکھتے!"۔

(٦) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں: «إنَّ أشدَّ النّاسِ عذاباً يومَ القِيامَةِ، عالِمٌ لم ينفَعْهُ اللهُ بِعِلْمِه!»[1] "قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کو ہوگا، جسے اللہ تعالی نے اس کے علم سے نفع نہیں پہنچایا!"۔

وعظ وبیان کی بابت شرعی اِصلاحات، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام الغزالي رحمه الله تعالى: "... وَفِرْقةٌ أخرى منهم: عَدلُوا عن المنهاجِ الوَاجبِ في الوَعظ، وَهُم وعّاظ أهل هذا الزّمان كافّةً، إلّا مَن عصمَه اللهُ على الندور، فاشتغلوا بالطامّاتِ، والشطحِ، وتلفيق كلماتٍ خارجةٍ عن قانون الشّرع والعقل؛ طلباً للإغراب، وطائفةٌ شغفوا بطيّارات النُكَت، وتسجيع الألفاظ وتلفيقها، فأكثَر همهم بالإسجاع والاستشهاد بأَشْعَار الوِصالِ والفِراق، وغرضُهم أن تكثرَ في مجالستهم الزعقات والتواجُد، ولو على أغراضٍ فاسدة، فهؤلاء شياطين الإنس، ضلُّوا وأضلّوا عن سَواء السّبيل؛ فإنّ الأوّلين وإن لم يصلحوا أنفسَهم، فقد أصلحوا غيرَهم، وصحّحوا كلامَهم ووعظَهم، وأمّا هؤلاء فإنّهم يصدُّون عن سبيل الله، ويجرّون الخَلقَ إلى الغُرور بالله بلفظ الرَّجاء، فيزيدهم كلامُهم جراءةً على المعاصي، ورغبةً في الدّنيا، فما يُفسِده هذا المغرور أكثر مما يصلحه، بل لا يصلح أصلاً، ويُضِلّ خَلقاً كثيراً، ولا يخفى وجهُ كونِه مغروراً"[2].

---

(١) "صحيح ابن حِبّان" كتاب الإسراء، ذكر وصف الخطباء الذين يتّكلون على القول دون العمل ....إلخ، ر: ٥٣، صـ٥٥.

(٢) "إحياء علوم الدين" كتاب الغرور، بيان ذمّ الغرور وحقيقته وأمثلته، ٣/ ٤١٨.

واعظین کی دو ۲ بڑی قسمیں بیان کرتے ہوئے، حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک گروہ کے بعد فرمایا کہ "دوسرا وہ گروہ ہے، جو وعظ ونصیحت کے اصل راستے سے منحرف ہو چکا ہے، اس زمانے کے سارے واعظین اس میں مبتلا ہیں، سِوائے اُن نادِر اہلِ علم کے، جنہیں اللہ تعالی نے شُرورِ نفس سے محفوظ فرما لیا ہے۔ ان واعظین کا ایک گروہ ایسا ہے، جو نکتہ آفرینیاں کرتا ہے، ہم وزن جملہ بازیوں، اور تُک بندیوں سے کام لیتا ہے۔ الغرض ان کی ساری کاوِش معنویت کے بجائے، وزن بندی پر صَرف ہوتی ہے، وہ (عوام میں جوش پیدا کرنے کے لیے) وِصال وفِراق کے اَشعار پڑھتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ ان کی مجالس میں مصنوعی وجد اور نعرے بازی پیدا ہو، چاہے یہ سب کچھ فاسد اَغراض ہی کے لیے کیوں نہ ہو!۔ یہ لوگ انسانی بھیس میں شیاطین ہیں، انہوں نے لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا دیا ہے۔ گزشتہ زمانے کے واعظین میں اگر کوئی ذاتی کمزوری ہوتی بھی تھی، تب بھی کم از کم وہ دوسروں کی اصلاح تو کر دیا کرتے تھے، شریعت کے مطابق وعظ وتذکیر کرتے تھے، لیکن اب تو یہ لوگ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن چکے ہیں، انہوں نے اللہ کی مخلوق کو اللہ کی رحمت کے نام پر، دلفریب امیدیں دِلا کر دھوکا دے رکھا ہے، لہذا ان کا خطاب سننے سے گناہ پر جسارت، اور دنیاوی رغبت بڑھتی ہے، لہذا ان واعظین کا فسادِ اِصلاح کے مقابلے میں زیادہ ہے، بلکہ در حقیقت ان کے وعظ میں اِصلاح تو ہے ہی نہیں! یہ بڑی تعداد میں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور ان کے فریب زدہ ہونے کی وجہ پوشیدہ نہیں!"۔

قال العلّامة علاء الدّين الحَصكفي رحمه الله: "التّذكِيرُ علَى المنابِرِ للوَعْظِ والاتّعاظِ، سنّةُ الأنبِيَاءِ والمرسَلين. ولرِياسَةٍ ومالٍ وقَبُولِ عَامّةٍ، مِنْ ضلالةِ الْيهُودِ والنّصَارَى"[1]. "ممبروں پر وعظ ونصیحت کرنا، انبیاء ومرسَلین علیہم الصلاۃ والسلام کی سنّت مبارکہ ہے، اور اگر حصولِ ریاست، ومال، وشہرت کے لیے ہو، تو یہ کام یہود ونصاری کی گمراہیوں میں سے ہے!"۔

امام اہل سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ "ایک شخص اسلام وایمان وشرع شریف کے اَحکام جانتا ہے، وہ لوگوں کو گناہ سے بچنے کی ہدایت، اس آیت مبارکہ کے وسیلے سے ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ

---

(١) "الدر المختار" كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ٥/ ٢٧١.

الذِّكْرٰى﴾ کر سکتا ہے یا نہیں؟" آپ نے جواب لکھاکہ "اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے، اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں، وہ جتنا سنوارے گا، اس سے زیادہ بگاڑے گا"[1]۔

خلاصۂ کلام

قرآنِ مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں ثابت ہوا، کہ غیر عالم کا وعظ کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ ایسے واعظ سے لوگوں تک اسلام کی صحیح تعلیمات نہیں پہنچ پاتیں، بلکہ لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ہاں البتہ غیر عالِم کسی مستند سنی عالِم کی لکھی ہوئی کتاب سے، حذف وزیادتی اور اپنی طرف سے تشریح کے بغیر، دیکھ کر ہُو بہو پڑھ کر سنا سکتا ہے؛ کیونکہ در حقیقت یہ اس کا وعظ نہیں، بلکہ اُسی سنّی عالِم کا وعظ کہلائے گا، جس نے کتاب لکھی ہے، لیکن اگر وہ اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی یا زیادتی کرتا ہے، تو یہ اس کا اپنا وعظ کہلائے گا، اور یہ کام غیر عالِم کے لیے جائز نہیں۔ نیز دوسروں کی اصلاح کی فکر کے ساتھ ساتھ، ہم پر اپنی اصلاح بھی لازم وضروری ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو قرآن مجید کا صرف ترجمہ، اور کتبِ احادیث کا ترجمہ پڑھ کر، فہمِ قرآن وحدیث کا دعوی کرنے لگتے ہیں، وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں، اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اور آج کل ایسے لوگوں کی بڑی بھرمار ہے۔ اللہ کریم ایسے گمراہ اور گمراہ گروں سے سب کی حفاظت فرمائے، آمین!۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ کا رسالہ "الأدب في الدّين"[2] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والإباحۃ، تعلیم وتعلم، ۱۶/۱۸۹، ۱۹۰۔

(۲) مطبوعة من المكتب الإسلامي لإحياء التراث، القاهرة.

(۷۰) صُلحِ کلّیت

صلحِ کلّی کی تعریف:

صلحِ کلّی وہ ہے، جو سارے مذاہب کو صحیح مانے، اور باطل پرستوں پر جو اَحکامِ شرعیّہ ہیں، انہیں تسلیم نہ کرے، مثلاً یہ کہے کہ مسلمان بھی صحیح راستے پر ہیں، ہندو بھی صحیح راستے پر ہیں، شیعہ بھی صحیح راستے پر ہیں، غیر مقلّدین بھی صحیح راستے پر ہیں، سنّی بھی صحیح راستے پر ہیں[1]۔

صدر الشریعہ حضرت علّامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جو شخص تمام مذاہب کو حق جانتا ہے، وہ گمراہ ولامذہب ہے، اس کے ساتھ میل جول، اٹھنا بیٹھنا، سلام کلام ناجائز ہے"[2]۔

صلحِ کلّیت کی مذمّت، قرآنِ کریم کی روشنی میں

(۱) رب تعالی کا فرمانِ عالی شان ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾[3] "اور ظالموں کی طرف نہ جھکو، ورنہ تمہیں آگ چُھوئے گی!"۔

صدر الاَفاضل علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "کسی کی طرف جھکنا، اس کے ساتھ میل محبت رکھنے کو کہتے ہیں، ابو العالیہ نے کہا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں، کہ ظالموں کے اعمال سے راضی نہ ہو!۔ سدی نے کہا: ان کے ساتھ مُداہنت نہ کرو!۔ قتادہ نے کہا کہ مشرکین سے نہ ملو!"[4]۔

---

(۱) "فتاوی شارح بخاری" فرقہ باطلہ، صلحِ کلّی کسے کہتے ہیں، ۳/۱۵۵۔

(۲) "فتاوی امجدیہ" کتاب الحظر والإباحۃ، ۴/۱۹۔

(۳) پ۱۲، هود: ۱۱۳.

(۴) "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن" سورہ ہود، ص ۳۷۴۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾[1]
"اور جو کہیں تجھے شیطان بھُلادے، تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ!"۔

صدر الاَفاضل علّامہ سیّد محمد نعیم الدّین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "ان کی ہمنشینی ترک کردو! اس آیت سے معلوم ہوا، کہ بے دِینوں کی جس مجلس میں، دِینِ اسلام کا احترام نہ ہو، مسلمان کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں، اس سے ثابت ہوگیا، کہ کفّار اور بے دِینوں کے جلسے، جن میں وہ دینِ اسلام کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، ان میں جانا، سننے کے لیے شرکت کرنا جائز نہیں، اور رَدّ و جواب کے لیے جانا مجالَست نہیں، بلکہ اِظہارِ حق ہے، وہ ممنوع نہیں"[2]۔

(۳) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ﳲ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَاﰳ ﴾[3] "اور یقیناً اللہ تعالی تم پر قرآن میں حکم اُتار چُکا، کہ جب تم سنو کہ خدا کی آیتوں سے اِنکار ہوتا ہے، اور اُن کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، تو اُن لوگوں کے پاس مت بیٹھو! جب تک وہ دوسری باتوں میں مشغول نہ ہوں، اور اگر تم نہیں مانے، اور جس وقت وہ اللہ کی آیات پر اعتراض کر رہے ہیں تم وہاں بیٹھے، توجب تو تم بھی اُنہیں جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالی منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا!"۔

امام حافظ الدّین نَسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "حتى يشرعوا في كلام غير الكفر والاستهزاء بالقرآن، وذلك أنّ المشركين كانوا يخوضون في ذكر القرآن في مجالسهم فيستهزءون به، فنُهي المسلمون عن القعود معهم ماداموا خائضين فيه،

(۱) پ۷، الأنعام: ٦٨.

(۲) "خزائن العرفان في تفسیر القرآن" سورۂ انعام، ص۲۱۹۔

(۳) پ٥، النساء: ١٤٠.

وكان المنافقون بالمدينة يفعلون نحو فعل المشركين بمكّة، فنُهوا أن يقعدوا معهم كما نُهوا عن مجالسة المشركين بمكّة"[1].

"یہاں تک کہ کفر واستہزائے قرآن کے علاوہ، کوئی اَور بات شروع کر دیں، اور اس کی وجہ یہ ہے، کہ مشرکینِ مکّہ قرآنِ مجید کاذکراپنی مجالس میں کر کے اس کا مذاق اڑاتے، لہٰذا مسلمانوں کوان کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیاگیا، جب تک وہ اس برائی میں مشغول رہیں۔ مدینہ منوّرہ میں منافقین نے بھی مشرکینِ مکّہ کا طرزِ عمل اپنایا، اس لیے مسلمانوں کوان کے ساتھ بیٹھنے سے بھی روک دیا گیا، جیسے مشرکینِ مکّہ کے ساتھ بیٹھنے سے منع کیا گیا"۔

(٤) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾[2] "جو ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالی اور آخرت پر، تم انہیں دوستی کرتا نہیں پاؤ گے، اُن لوگوں سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں!"۔

علّامہ اسماعیل حقّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "المرادُ بمَن حادّ اللهَ ورسولَه: المنافقون واليهودُ والفُسّاقُ والظلَمةُ والمبتدعة. فعُلم منه أنّ الفُسّاقَ وأهلَ الظُلم، داخلون فيمَن حادّ اللهَ ورسولَه، أي: خالفَهما وعادَاهما، واستدلّ مالكٌ بهذه الآية على معاداة القَدريّة، وترك مجالستِهم وهُم القائلون"[3]. "﴿مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ سے مراد: منافقین، یہود، فُسّاق، ظالمین اور بدعتی لوگ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا، کہ فاسق، فاجر اور ظالم، یہ سب لوگ

---

(١) "المدارك" النساء، تحت الآية: ١٤٠، ١/ ٢٨٩، ٢٩٠.

(٢) پ٢٨، المجادلة: ٢٢.

(٣) "روح البيان" المجادلة، تحت الآية: ٢٢، ٩/ ٤١٢.

اللہ ورسول کے مخالفین، اور دشمنوں میں داخل ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اسی آیت سے نتیجہ نکالا، کہ "فرقہ قَدَریہ"[1] سے عداوت، اور ان کی مجلس کو ترک کرنا لازم ہے!"۔

صلحِ کلّیت کی مذمّت، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا روایت کرتی ہیں، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَن وَقَّرَ صَاحِبَ بِدعَةٍ، فَقَدْ أعانَ علَى هَدمِ الإِسلَام!»[2] "جو کسی بدمذہب کی تعظیم وتوقیر کرے، اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی!"۔

(۲) حضرت سیّدنا مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَن مشَى إلَى صَاحِبِ بدعةٍ ليوَقّرَه، فقَد أعانَ علَى هَدمِ الإسلَام!»[3] "جو کسی بدمذہب کے پاس اس کی توقیر کے لیے گیا، اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی!"۔

(۳) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إنّ اللهَ اختارنِي واختارَ لِي أصحَاباً، فجعلَهم أصحَابِي، وأصهارِي، وأنصَارِي، وسيأْتِي قومٌ مِن بعدِكم يسُبُّونَهم -أو قال-: ينتَقِصُونَهم، فلا تجالِسُوهم، ولا تؤَاكِلُوهم، ولا تشارِبُوهم، ولا تناكِحُوهم، ولا تصَلُّوا مَعَهم، ولا تُصَلُّوا علَيْهم!»[4].

---

(١) "البيان والتحصيل" لابن رشد المالكي، مجالسة القدريّة والحجّة عليهم، ١٨/ ٢١٠.

(٢) "المعجم الأوسط" باب الميم، ر: ٦٧٧٢، ٥/ ١١٨. و"شعب الإيمان" باب في مباعدة الكفّار والمفسدين والغلظة عليهم، ر: ٩٤٦٤، ٧/ ٣١١٤.

(٣) "المعجم الكبير" باب الميم، من اسمه معاذ، ر: ١٨٨، ٢٠/ ٩٦. و"حلية الأولياء" فمن الطبقة الأولى من التابعين، ٢٢٧- ثور بن يزيد، ر: ٧٩٦٠، ٦/ ١٠١.

(٤) "السنّة" لأبي بكر الخلال، ذكر أصحاب رسول الله، ر: ٧٦٩، ٢/ ٤٨٣.

"اللہ تعالی نے اپنے مقرّب بندوں میں سے میرا انتخاب فرمایا، اور میرے لیے میرے اصحاب کو بھی منتخب فرمایا، جن میں میرے صحابہ بھی ہیں، میرے سسرالی رشتہ دار بھی، اور میرے مددگار بھی۔ تمھارے بعد کچھ لوگ ایسے آئیں گے، جو میرے صحابہ کو بُرا کہیں گے، انہیں گالی دیں گے، ان میں نقص تلاش کریں گے! تو تم نہ ان کے ساتھ بیٹھنا! نہ ان کے ساتھ کھانا پینا! نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا! نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا! نہ ان کے جنازے میں شریک ہونا!"۔

(٤) حضرت سیّدنا عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لا تجالِسُوا أهلَ القدَرِ، ولا تفاتِحُوهم!»[1] "قدَریوں کے پاس مت بیٹھنا! نہ انہیں ابتداءً سلام کرنا! نہ انہیں کسی مُعاملے میں فیصل بنانا!"۔

(٥) حضرت نافع، حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ ان کے پاس ایک شخص نے آکر کہا، کہ فُلاں آپ کو سلام کہتا ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «إنّه بلغَنِي أنّه قَدْ أحدثَ، فإنْ كان قد أحدثَ، فلا تُقرِئه مِنِّي السّلام!»[2] "مجھے پتا چلا ہے کہ اس نے کچھ بدمذہبی (بدعت) اِیجاد کی ہے، اگر ایسا ہے تو اُسے میرا سلام مت کہنا!"۔

(٦) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «يكونُ في آخِرِ الزّمانِ دجّالُون كذّابُون، يأتونكم مِنَ الأحادِيثِ، بما لم تسمَعُوا أنتم ولا آباؤُكم، فإيّاكم وإيّاهم! لا يُضِلُّونكم! ولا يفتِنُونكم!»[3] "آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے، کہ وہ

---

(١) "سنن أبي داود" أوّل كتاب السنّة، باب في القدر، ر: ٤٧١٠، صـ٦٦٦.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب القدر، باب [ما جاء في المكذّبين بالقدر من الوعيد] ر: ٢١٥٢، صـ٤٩٥. [قال أبو عيسى:] "هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريب".

(٣) "صحيح مسلم" مقدّمة الكتاب، باب النّهي عن الرّواية عن الضعفاء ...إلخ، ر: ١٦، صـ٩.

وہ باتیں تمھارے پاس لائیں گے، جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی، نہ تمھارے باپ دادوں نے، تو اُن سے دُور رہو، اور انہیں اپنے سے دُور رکھو!؛ کہ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں! کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں!"۔

(۷) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن ابی اَوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «الخوارِجُ كِلابُ النَّار!»(۱) "خوارج(۲) جہنم کے کتّے ہیں!"۔

(۸) حضرت سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: "بينما نحنُ عندَ رسولِ الله ﷺ، وهو يقسِم قِسماً، أتاه ذُو الخوَيصرَة، وهو رجُلٌ من بني تميمٍ، فقال: يا رسول الله! اعدلْ، فقال: «وَيْلكَ! ومَن يعدِل إذا لم أعدِل؟ قَد خبت وخسِرت إنْ لم أكنْ أَعدِل!» فقال عمرُ: يا رسولَ الله! ائْذنْ لِي فيه فأضْرِبَ عنقَهُ! فقال: «دَعْهُ، فإنّ لَه أصحاباً، يَحْقِرُ أحدُكم صلاتَه مع صلاتِهم، وصيامَه مع صيامِهم، يقرَءُونَ القُرْآنَ لا يجاوِزُ تراقِيَهم، يمرقُونَ مِنَ الدِّينِ كما يمرُقُ السّهْمُ مِنَ الرّمِيّة!»"(۳).

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا، کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالِ (غنیمت) تقسیم فرمارہے تھے، کہ ذوالخویصرہ نامی شخص، جو بنی تمیم سے تھا، اس نے کہا کہ یارسول اللہ انصاف کیجیے!

---

(۱) "سنن ابن ماجه" أبواب السنّة، باب في ذكر الخوارج، ر: ١٧٣، صـ٣٩.

(۲) امام شہرستانی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "كلّ من خرج على الإمام الحقّ، الذي اتفّقت الجماعةُ عليه، يسمّى خارجيّاً، سواءٌ كان الخروجُ في أيّام الصّحابة على الأئمّة الرّاشدين، أو كان بعدَهم على التابعين بإحسانٍ، والأئمّة في كلّ زمان" ["الملل والنحل" مذاهب أهل العالم، الخوارج، الجزء ١ صـ١٠٥]. "ہر وہ شخص جو اہل سنّت وجماعت کے متفقہ امام کے خلاف خروج (بغاوت) کرے، اسے خارجی کہتے ہیں، چاہے یہ خروج صحابۂ کرام کے زمانے میں خلفائے راشدین کے خلاف ہو، یا ان کے بعد تابعین کے خلاف ہو، چاہے کسی بھی زمانے کے ائمۂ اہل سنّت کے خلاف ہو"۔

(۳) "صحيح البخاري" كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ر: ٣٦١٠، صـ٦٠٥، ٦٠٦.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ توہلاک ہو! اگر میں انصاف نہیں کروں گا، تواَور کون انصاف کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، کہ یارسول اللہ مجھے اجازت دیجیے، کہ اس کی گردن اڑادوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں؛ کیونکہ اس کے ساتھی بھی ہیں، کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں، اپنی نمازوں کو حقیر جانوگے! اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر جانوگے! یہ قرآن توکثرت سے پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا! یہ دین سے اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے، جیسے تیر شکار کے آر پار نکل جاتا ہے!"۔

(۹) حضرت سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يخرج ناسٌ مِنْ قِبَلِ المشرِق، ويقرءُونَ القرآنَ لا يجاوِز تراقِيهم، يمرُقُونَ مِنَ الدّين، كما يمرُق السّهمُ مِنَ الرّميّةِ، ثمّ لا يعُودُون فيه، حتَّى يعُود السّهمُ إلَى فوقِه!» قيل: ما سِيماهم؟ قال: «سِيماهم التحليقُ» أو قال: «التّسبِيدُ»[1].

"مشرق کی جانب سے کچھ لوگ نکلیں گے، جو قرآن توپڑھیں گے، مگر قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا! وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار کے آر پار نکل جاتا ہے، اور پھر وہ دین میں واپس نہیں آئیں گے، جب تک تیر اپنی جگہ پر واپس نہ لَوٹ آئے! دریافت کیا گیا کہ ان کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: ان کی نشانی سر منڈانا ہے، یا فرمایا: سر منڈائے رکھنا ہے"۔

صلحِ کلّیت کی مذمّت، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامة الشّاطبي رحمه الله: "فإنّ فِرقةَ النّجاةِ - وهم أهلُ السُنّةِ - مأمُورُونَ بعداوةِ أهلِ البِدَعِ"[2]. "نَجات پانے والی جماعت اہلِ سنّت ہے، انہیں گمراہ لوگوں سے عداوت رکھنے کا حکم ہے!"۔

(١) المرجع نفسه، كتاب التوحيد، باب قراءة الفاجر والمنافق ...إلخ، ر: ٧٥٦٢، صـ١٣٠٥.

(٢) "الاعتصام" الباب ٢ في ذمّ البِدَع ...إلخ، فصل الأوصاف المحذورة ...إلخ، ١/ ١٥٨.

قال الدّارمي: "عن أبي قلابة، وعن الحسنِ البصري، ومحمد بن سِيرِين، أنّهم قالوا: "لا تجالِسوا أهلَ الأهواء!""[1]. "امام دارمی نے ابوقلابہ، حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت کی، ان سب نے فرمایا، کہ بدمذہبوں (غیر سنّی) کے پاس مَت بیٹھو!"۔

قال الإمام ابن حجر المكّي: "أُمِرنا بمهاجَرة أهلِ البِدَع"[2]. "ہمیں بدمذہبوں (غیر سنّی) سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا ہے!"۔

قال الإمام فضَيل بن عياض رحمه الله تعالى: "مَن أحبَّ صاحبَ بدعةٍ، أحبطَ اللهُ عملَه، وأخرجَ نورَ الإيمان من قلبه!"[3]. "جو کسی بدمذہب (غیر سنّی) سے محبت رکھے، اللہ تعالی اس کے اعمال برباد فرمادے گا! اور نورِ ایمان اس کے دل سے نکال لے گا!"۔

قال الإمام القَسطلاني رحمه الله تعالى: إنّ هجرةَ أهل الأهواء والبِدَع دائمةٌ على ممرّ الأوقات، مالم تظهر التَوبةُ والرّجوعُ إلى الحقّ"[4]. "گمراہوں بدمذہبوں (غیر سنّی) سے ترکِ سلام وکلام کا حکم ہمیشہ کے لیے ہے! چاہے کتنی ہی مدّت گزر جائے! جب تک ان کی توبہ، اور ان کا حق کی طرف لَوٹ آنا واضح نہ ہوجائے!"۔

---

(١) "السُّنن الدّارمي" باب اجتناب أهل الأهواء والبدع والخصومة، ر: ٣٩١، ١/ ١٢٠.

(٢) "فتح الإله شرح المشكاة" كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل ٣، تحت ر: ١١٦، ١/ ٤٨٩.

(٣) انظر: "غنية الطالبين" القسم ٢: العقائد والفرق الإسلامية، باب في معرفة الصانع، فصل، ١/ ١٦٥، نقلاً عن فضيل بن عياض.

(٤) "إرشاد السّاري" كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسُد والتدابُر ...إلخ، تحت ر: ٦٠٦٥، ١٣/ ١٠٠.

خلاصۂ کلام

قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علماء کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ بدمذہب وگمراہ لوگوں کی صحبت اختیار کرنا، ان سے میل جول رکھنا، ان سب اُمور سے دینِ اسلام میں منع کیا گیا ہے، لہٰذا ایسا کرنا ناجائز وحرام ہے!۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، امام اہل سنّت امام احمد رضا کے مدلّل ومفصّل رسالے (۱) "فتاوى الحرمَين برَجف ندوة المين"[۱]، (۲) "المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة"[۲] اور حضرت علّامہ صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدّین مُرادآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "ترکِ موالات"[۳] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" ۲۰/۳۴۹تا۳۶۰، مطبوعہ "ادرہ اہل سنّت" کراچی۔

(۲) ایضًا، ۱۱/۴۷۷تا۵۶۸، مطبوعہ "ادرہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) "فتاوی صدر الاَفاضل" ص۲۶۹تا۲۹۲، مطبوعہ مکتبہ برکات مدینہ، کراچی۔

(۷۱) تعویذ اور دَم دُرود کی شرعی حیثیت

عربی زبان میں دَم دُرود، جھاڑ پھونک اور تعویذات کے لیے "الرُّقَی" اور "الرُّقْیَة" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ تعویذ گلے میں لٹکانا جائز ہے، جبکہ وہ تعویذ جائز طریقے پر بنایا گیا ہو، یعنی آیاتِ قرآنیہ، یا اسمائے الٰہیہ، یا دعائے ماثورہ وغیرہ اَذکار واَوراد سے بنایا گیا ہو۔ بعض احادیث مبارکہ میں جو تعویذ سے منع فرمایا گیا ہے، اس سے مراد وہ تعویذات ہیں وجو ناجائز وشیطانی وکفریہ کلمات پر مشتمل ہوں، جیسے زمانۂ جاہلیت میں کفّار کی عادت تھی۔

اسی طرح تعویذات، اور آیات واحادیث ودعاؤں کو، پلیٹ پر لکھ کر مریض کو بہ نیّتِ شفا پلانا بھی جائز ہے۔ حالتِ جَنابت وحیض ونَفاس میں بھی، شرعی تعویذات کو گلے میں لٹکا سکتے ہیں، بازُو پر بھی باندھ سکتے ہیں، جبکہ تعویذ غلاف میں لپٹا ہو[1]۔

تعویذ اور دَم دُرود، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تعالی قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾[2] "اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں، وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شِفا ورحمت ہے، اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے!"۔

امام قُرطبی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اختلَفَ العلماءُ في كونِه شِفاءً علَى قولَيْنِ، أحدُهما: أنّهُ شِفاءٌ للقلُوبِ بزوالِ الجَهلِ عنها، وإزالةِ الرّيبِ، ولكَشْفِ غطاءِ القلبِ مِنْ مرضِ الجَهْلِ لفَهْمِ المعجِزَاتِ، والأمُورِ الدّالّةِ علَى الله تعالَى. الثّاني: شِفاءٌ مِن الأمرَاضِ الظّاهِرَةِ بالرُّقَى والتّعَوُّذِ ونَحوِهِ"[3].

---

(١) "رد المحتار" كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ٥/ ٢٣٢.

(٢) پ١٥، الإسراء: ٨٢.

(٣) "الجامع لأحكام القرآن" الإسراء، تحت الآية: ٨٢، الجزء ١٠، صـ٢٧٥.

"اس کے شِفا ہونے میں علمائے کرام کے دو ۲ مختلف قول ہیں: (۱) ایک یہ کہ یہ شِفا ہے دلوں کے لیے، جَہالت وشکوک وشبہات دُور کرنے، اور معجزات نیز ان اُمور کو سمجھنے کے اعتبار سے، جو اُمور اللہ تعالی کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے، کہ مختلف جسمانی ورُوحانی اَمراض کے لیے، قرآن کریم سے بنایا گیا، تعویذ اور دَم دُرود کرنا بھی باعثِ شِفا ہے"۔

تعویذ اور دَم دُرود، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے: «أنّ النبيَّ ﷺ كان ينفُثُ علَى نفسِهِ -في المرضِ الّذِي ماتَ فيه- بالمعَوِّذَاتِ، فلمّا ثَقُلَ كنتُ أَنْفِثُ عليهِ بهنّ، وأَمسَحُ بيَدِ نفسِهِ لبركَتِها» فسأَلتُ الزُهريَّ: كيف ينفِثُ؟ قَالَ: "كان ينفثُ علَى يدَيْهِ، ثمّ يمسحُ بهما وجهَه"[۱]۔

"نبئ کریم ﷺ مرض مَوت میں معوِّذات (سورۂ اخلاص، فلق وناس) پڑھ کر، اپنے آپ پر دَم فرماتے، جب کمزوری بڑھ گئی، تو وہی کلمات پڑھ کر میں حضور ﷺ پر دَم کیا کرتی، اور میں حصولِ برکت کے لیے، آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو چُھوا کرتی"۔ معمر رحمہ اللہ (راوی) کہتے ہیں، کہ میں نے امام زُہری رحمہ اللہ سے پوچھا، کہ حضور اکرم ﷺ اپنے آپ پر کیسے دَم کیا کرتے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں پر دَم کرکے، چہرۂ اقدس پر پھیر لیا کرتے۔

(۲) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إذا فزِعَ أحدُكم في النّومِ فلْيَقُلْ: "أعوذُ بكَلِمَاتِ الله التّامّاتِ، مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وشرِّ عبادِه، ومِنْ همزَاتِ الشّياطِينِ، وأَنْ يحضرُون" فإنّها لَنْ تضرَّه!» فكان عبدُ الله بْنُ عَمْرٍو، يُلَقِّنُها مَن بلغ مِن ولدِه، ومَنْ لم يبلُغْ منهم كتبَها في صَكٍّ، ثمّ علّقَها في عُنُقِه[۲]۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الطبّ، باب الرقى بالقرآن والمعوّذات، ر: ٥٧٣٥، صـ١٠١٣.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب، ر: ٣٥٢٨، صـ٨٠٤. [وقال الإمام الترمذي]: "هذا حديثٌ حسنٌ غريب".

"رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کوئی نیند میں ڈر جائے تو یہ کلمات کہہ لے: "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ الله التَّامَّاتِ، مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ، وَأَنْ يَحْضُرُونِ!". "میں اللہ تعالی کے کامل وتمام کلمات کے ذریعے، اُس کے غضب وعذاب، بندوں کے شر، شیطانی وساوس، اور ان کے حاضر ہونے سے، اللہ کی پناہ چاہتا ہوں!"، تو یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہما بالغوں کو یہ کلمات سکھاتے یاد کراتے، اور نابالغ بچوں کے لیے کاغذ پر لکھ کر، اُن کے گلے میں تعویذ بنا کر ڈال دیا کرتے تھے"۔

(۳) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، حضور مدنی آقا ﷺ نے فرمایا: «إنّ الرُّقَى، والتّمائِمَ، والتِوَلَةَ شِرْكٌ!» قالتْ: قلتُ: لِمَ تقُولُ هذا؟ والله لقَدْ كانتْ عينِي تقذف، وكنتُ أختلفُ إلى فُلان اليهوديِّ يَرْقِينِي، فإذا رقانِي سكنَتْ، فقال عبدُ الله: إنّما ذلك عملُ الشّيطانِ كان ينخسُها بيدِه، فإذا رقاها كفّ عنها، إنّما كان يكفيكِ أن تقُولِي كما كان رسُولُ الله ﷺ يقُولُ: «أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ! اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي! لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَماً!»[1].

"یقیناً دم کرنا، تعویذ اور جادو کرنا کرانا شرک ہے، حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا، کہ آپ یہ بات کس طرح فرماتے ہیں؟ جبکہ خدا کی قسم! میری آنکھ میں شدید درد تھا، تو میں فُلاں یہودی کے پاس دَم کرانے جاتی، جب وہ دم کرتا تو مجھے آرام وسکون آجاتا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، کہ یہ تو شیطان کا کرتُوت تھا، وہ اپنے ہاتھ سے آنکھ میں چبھن پیدا کرتا تھا، اور جب یہودی جھاڑ پُھونک کرتا، تو شیطان اپنی ایذا رسانی سے رُک جاتا، لہٰذا آرام آجاتا۔ تمھارے لیے وہی کلمات کافی تھے، جو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: «أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ! اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي! لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ،

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب الطبّ، باب في تعليق التمائم، ر: ٣٨٨٣، صـ٥٥٢.

شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَماً!» "اے سب لوگوں کے پروَردگار! میری بیماری دُور فرما! تُو ہی شِفا دینے والا ہے! شفاتوصرف تیری ہی طرف سے ہے! ایسی شفادے جو بیماری کوباقی نہ رہنے دے!"۔

(۴) حضرت سیّدنا عَوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:"كنّا نرقي في الجاهليّة، فقلنا: يا رسولَ الله! كيفَ ترى في ذلك؟ فقال: «اعْرِضُوا عليَّ رقاكم! لا بأْسَ بالرّقَى ما لم يكن شركاً!»"[1] "ہم لوگ دَورِ جاہلیت میں دَم اور تعویذ وغیرہ کیا کرتے تھے، لہذا عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! اس بارے میں کیاارشاد ہے؟ فرمایاکہ جوکچھ پڑھ کردَم کرتے تھے وہ مجھے بتاؤ! اگر اس میں کوئی شرک یاشرکیہ کلمات نہیں، توشرعاً کوئی حرج نہیں!"۔

(۵) حضرت سیّدناانس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:«رخّصَ رسولُ الله ﷺ في الرُّقْيَةِ مِنَ العينِ، والحمَة، والنّمْلَة»[2] "حضورنبیٔ کریم ﷺ نے تین ۳چیزوں کے لیے دَم درود کرنے کی اجازت عطافرمائی ہے: (۱) نظرِبد کے لیے، (۲) بچھووغیرہ کے کاٹے پر، (۳)پھوڑے پھنسی کے مرض میں"۔

(۶) حضرت سیّدناابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:"أنّ رَهْطاً مِنْ أصحابِ رسولِ الله ﷺ انطلقُوا فِي سَفْرَةٍ سافروها، حتّى نزلُوا بحيّ مِنْ أحياءِ العرَبِ، فَاسْتضافوهُمْ فأبَوْا أنْ يضيّفوهم، فلُدِغَ سيّدُ ذلك الحيّ، فسعَوْا لَه بكلّ شيءٍ لا ينفعُه شيءٌ، فقال بعضُهم: لو أتيتم هؤلاءِ الرّهْطَ الّذينَ قَدْ نزلوا بكُم، لعلّه أن يكونَ عندَ بَعضِهم شيءٌ، فأَتَوْهم فقالُوا: يا أيّها الرّهطُ، إنّ سيّدَنا لُدِغَ، فسَعَيْنا لَه بكلّ شيءٍ لا ينفَعُه شيءٌ، فهَلْ عندَ أحدٍ منكم شيءٌ؟ فقال بعضُهم: نعم والله! إنّي لراقٍ، ولكِنْ والله! لقَدِ استضفْناكم فلَمْ تُضَيّفونا، فما أنا براقٍ لكم حتّى تجعَلوا لنا جُعْلاً، فصالحُوهم على

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب السّلام، باب استحباب الرقية من العين ...إلخ، ر: ۵۷۲۳، صـ۹۷۴.

(۲) المرجع نفسه، باب لا بأس بالرّقى ما لم يكن فيه شرك، ر: ۵۷۳۲، صـ۹۷۵. و"سنن أبي داود" كتاب الطبّ، باب في الرّقى، ر: ۳۸۸۶، صـ۵۵۲.

قطيعٍ مِنَ الغنمِ، فانطلقَ فجعلَ يتفل ويقرأ: "الحمدُ لله ربّ العالمين" حتّى لكأنّما نشط مِن عقالٍ، فانطلقَ يَمْشِي ما به قَلبَةٌ، قال: فأوفوْهم جعلَهمُ الّذِي صالَحوهم عليهِ، فقال بعضُهم: اقسِمُوا! فقال الّذِي رقَى: لا تفعلُوا حتّى نأتِيَ رسولَ الله ﷺ فنذكرَ لَه الّذِي كان، فنَنْظرَ ما يأْمرُنا، فقَدِمُوا علَى رسولِ الله ﷺ فذَكَرُوا لَه، فقال: «وما يُدْرِيكَ أنّها رُقْيَةٌ؟ أَصَبتُم! اقْسِمُوا واضْرِبُوا لِي معكم بسَهْمٍ!»"[1].

"حضور نبئ کریم ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے، کچھ حضرات حالت ِسفر میں قبائل عرب میں سے کسی قبیلے کے پاس اترے، تو انہوں نے ان حضرات مقدّسہ کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کردیا، اسی دَوران قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، اور کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا، تو وہ لوگ ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے پاس آکر کہنے لگے، کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے، اور کسی علاج سے اِفاقہ نہیں ہو پارہا! کیا آپ کے پاس کوئی دوا یا دَم کرنے والا ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے فرمایا، کہ چونکہ تم لوگوں نے ہماری ضیافت نہیں کی، لہذا اب ہم اس وقت تک تمھارے لیے کچھ نہیں کریں گے، جب تک تم لوگ ہمارے ساتھ کچھ اُجرت مقرّر نہ کر لو! لہذا انہوں نے اجرت میں کچھ بکریاں دینا منظور کر لیا، تب ایک صحابی ان کے ساتھ گئے، اور ان کے سردار پر "سورۂ فاتحہ" پڑھتے رہے، اور اپنا تھوک بچھو کے کاٹنے کے مقام پر لگاتے رہے، اس سے اس کی تکلیف دُور ہوگئی اور وہ چلنے پھرنے لگا۔ جب وہ بکریاں لے کر آئے تو ان میں سے کسی نے کہا، کہ بکریاں تقسیم کر لی جائیں! تو جن صحابی نے دَم کیا تھا انہوں نے کہا، کہ اُس وقت تک تقسیم مت کرنا، جب تک ہم حضور اقدس ﷺ سے اس بارے میں حکم شرعی پُوچھ نہ لیں! لہذا جب آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے تعجب سے فرمایا، کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ "سورۂ فاتحہ" سے دَم بھی کیا جاتا ہے؟! خیر تم نے ٹھیک کیا! بکریاں لے لو، اور ان میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھو!"۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الطبّ، باب النفث في الرقية، ر: ٥٧٤٩، صـ١٠١٥.

تعویذاور دَم دُرود، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام مالك ﷺ: "لا بأسَ بتعليقِ الكُتُبِ الّتِي فيها أسماءُ الله ﷻ، علَى أعناقِ المرضَى، علَى وجهِ التّبَرّكِ بها"[1]. "مریضوں کے گلے میں تبرک کے طَور پر، اس تحریر کو لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، جس میں اللہ تعالی کے اسمائے مبارکہ لکھے ہوں"۔

قال الحافظ ابن حجر العسقلاني ﷺ: "هذا كلُّه في تعلِيقِ التّمائِمِ وغيرِها، ممّا ليس فيه قرآنٌ ونحوُه، فأمّا ما فيهِ ذكرُ الله فلَا نهيَ فيه؛ فإنّه إنّما يجعلُ للتبرّكِ به، والتّعوُّذِ بأسمائِه"[2]. "وہ تعویذ جو قرآن کریم اور ذکرُاللہ کے علاوہ ہو ممنوع ہے، البتہ جس تعویذ میں اللہ کا ذکر ہو وہ ہرگز ممنوع نہیں؛ کیونکہ اس میں تو تبرک، اور اسماءُ اللہ کے ذریعے اپنی حفاظت مقصود ہے"۔

قال الإمام النّووي ﷺ: "فقَد يظنّ مخالفاً لهذه الأحاديث ولا مخالفة، بَلِ المَدْحُ فِي تَرْكِ الرُّقَى، المُرَادُ بِها الرّقَى الّتِي هي مِنْ كلامِ الكُفّارِ، والرّقَى المجهولة، والتى بغير العربيّة، وما لا يُعرَفُ معناها، فهذه مذمومةٌ لاحتِمالِ أنّ معناها كفرٌ، أو قريبٌ منه، أو مكروهٌ. وأمّا الرّقَى بآيات القرآن وبالأذكار المعروفة، فلا نهيَ فِيهِ، بَل هو سنّةٌ، وقَد نقلُوا بِالإجماعِ علَى جوازِ الرّقَى بِالآيَاتِ وأذكَارِ الله تعالى"[3].

"احادیث مبارکہ میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ جن احادیث میں جھاڑ پھونک (دَم درود وغیرہ) سے منع فرمایا، اس سے مراد وہ دَم ہے، جو کفریہ کلمات پر مشتمل ہو، یا مجہول کلمات سے ہو، یا غیر مفہوم زبان کے کلمات ہوں، یا ان کلمات سے ہو جن کے معنی معلوم نہیں۔ تو ایسی جھاڑ پھونک (تعویذ گنڈے) مذموم ہیں؛ کیونکہ یہاں یہ اندیشہ ہے، کہ وہ معنیٰ کفریہ ہوں، یا قریب بکفر ہو، یا شرعًا ناپسندیدہ ہوں۔ رہی بات ایسے دَم دُرود یا

---

(۱) "الجامع لأحكام القرآن" الإسراء، تحت الآية: ٨٢، الجزء ١٠، صـ٢٧٨.

(۲) "فتح الباري" كتاب الجهاد، باب ما قيل في الجرس ونحوه ...إلخ، تحت ر: ٣٠٠٥، ٦/ ١٦٠.

(۳) "شرح مسلم" للنَّوَوي، كتاب السّلام، باب الطبّ والمرض والرقَى، الجزء ١٤، صـ١٦٩، ملتقطاً.

تعویذات کی، جو قرآنی آیات یا مشہور و معروف اَذکار سے کیا جائے، تو یہ ممنوع نہیں، بلکہ سنّت ہے۔ ائمۂ دین نے آیاتِ قرآنیہ اور اللہ کے ذکر سے، دَم دُرود اور تعویذات کے جائز ہونے پر اِجماع واتفاق نقل کیا ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ کسی بھی جائز کام کے لیے شرعی تعویذ پہننا، یا دَم دُرود کرنا کرانا، قرآنی آیات، اسمائے الٰہیہ وغیرہ اذکار سے ہو تو جائز، بلکہ سنّت ہے۔ لہذا اس اعتقاد ونظریہ کو، کفر وشرک وبدعت وباطل سمجھنا، سراسر ظلم، زیادتی اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلاء کرنے کے مترادِف ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، حضرت علاّمہ مفتی محمد عبد اللہ نعیمی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ "تعویذ کا شرعی حکم "[1] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ جمعیت اشاعت اہل سنّت، کراچی۔

(٧٢) حیلۂ اِسقاط

اِسقاط کے لُغوی معنیٰ ہیں: "گرادینا"۔ اِصطلاحی معنیٰ یہ کہ "میّت کے ذِمّہ جواَحکامِ شرعیّہ رہ گئے ہوں، انہیں اس کے ذِمّہ سے، فدیہ (ایک طرح سے رہ جانے والی عبادات کا کفّارہ) کی ادائیگی کے ذریعے دُور کرنا"۔ مسلمان سے بہت سے شرعی اَحکام عمداً وسَہواً رہ جاتے ہیں، جسے وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکا، اور بعد انتقال اس کی طرف سے کچھ صدقہ وغیرہ دیا جاتا ہے، اس امید پر کہ اللہ تعالی اس صدَقے کی برکت سے، اس میّت کے گناہ مُعاف فرمادے!۔ حیلۂ اِسقاط والے مسئلہ کو شیخِ فانی کے کفّارے پر قیاس کرتے ہوئے، علماء نے اس کا جواز ثابت کیا ہے، اور اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل نہیں، لہٰذا اللہ تعالی سے قوی امید ہے، کہ میّت کی مغفرت فرما دے!۔ یاد رہے کہ حیلۂ اِسقاط ایک مُباح عمل ہے، اسے فرض وواجب سمجھنا حکمِ شریعت سے ناواقفی ہے!۔

حیلۂ اِسقاط، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

حضرتِ سیّدنا ایوب علیہ الصلاۃ والسلام کسی بات پر اپنی زَوجہ محترمہ سے ناراض ہوگئے، اور قسم اٹھالی کہ میں ضرور اسے سَو ١٠٠ ضربیں لگاؤں گا! جب ناراضگی ختم ہوئی تو فکر مند ہوئے، کہ نہ ماروں تو قسم ٹوٹتی ہے، اور اگر ماروں تو اللہ کی اس بندی کا ایسا کوئی قصور نہیں! اب قسم کیسے پوری ہو؟ اس پر اللہ تعالی نے انہیں یوں سکھایا: ﴿وَ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾[1] "اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار لو، اور قسم نہ توڑو! یقیناً ہم نے اسے صابر پایا، کیا ہی اچھا بندہ ہے! یقیناً وہ بہت رجوع لانے والا ہے!"۔

حیلۂ اسقاط، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(ا) حضرتِ سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سُود سے بچنے کی تدبیر (عُرفِ عام میں ہم جسے حیلہ سے تعبیر کرتے ہیں) ارشاد فرمائی، "حضرت بلال نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی

---

(١) پ٢٣، ص: ٤٤.

خدمت میں عمدہ کھجوریں لائے، نبیٔ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: «مِن أين هذا؟» "یہ کہاں سے لائے؟" عرض کی کہ میرے پاس کچھ پرانی کھجوریں تھیں، میں نے دو ۲صاع پرانی کھجوروں کے بدلے ایک صاع عمدہ کھجوریں لے لیں؛ تاکہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرسکوں، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: «أوّه أوّه! عينُ الرّبَا عينُ الرّبَا! لا تفعَلْ! ولكن إذا أردتَ أن تشتريَ، فبعْ التّمْرَ ببيعِ آخَر، ثمّ اشتَرِه!» "اوہ! یہ تو عین سُود ہے! آئندہ ایسا مت کرنا! بلکہ جب خریدنے کا ارادہ ہو، تو پرانی کھجوریں کسی اَور چیز کے عوض فروخت کردو، اور اس چیز یا پیسوں سے عمدہ کھجور خرید لیا کرو!"[1]۔ یعنی دو۲ الگ الگ سودے کرو۔

(۲) حضرتِ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لا يصلّي أحدٌ عَن أحدٍ، ولا يصومُ أحدٌ عَن أحدٍ، ولكن يُطعِم عنه مكانَ كلِّ يَومٍ مُدّاً مِن حنطَة»[2] "کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے، مگر اس کی طرف سے ہر دن کے عِوض، ایک مُد (تقریبًا 839.808گرام) گندم خیرات کردو"[3]۔

حیلۂ اِسقاط، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

حضرت علّامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ "اگر میّت نے کوئی مال ترکہ میں نہ چھوڑا ہو، تو اِسقاط کا آسان طریقہ یہ ہے، کہ حساب لگائے کہ میّت پر کتنی نمازیں اور روزے ہیں؟ اس اندازے سے اس کا وارث قرض لے، اس طرح کہ ایک ایک مہینے، یا ایک ایک سال کے اندازے سے لے، یا میّت کی کُل عمر کا اندازہ کرے، اور پوری عمر میں سے بلوغت کی کم از کم مدّت (جو مَرد کے لیے بارہ ۱۲ سال ہے، اور عورت کے لیے نو ۹ سال ہے) کم کردے، تو ہر مہینے کی نمازوں کا فدیہ نصف غرارہ، یعنی دِمشقی مُد سے پانچ سو ۵۰۰ درہم ہوگا، اور ہر شمسی سال کا کفّارہ چھ ۶ غرارہ (بڑا تھیلا) ہوا، پس وارث اس کی قیمت قرض لے اور فقیر کو دے، پھر فقیر اسے واپس

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الزكاة، باب إذا باع الوكيل شيئاً فاسداً فبيعه مردود، ر: ۲۳۱۲، صـ۳۷۱.

(۲) "السنن الكبرى" للنّسائي، كتاب الصّيام، باب صوم الحي عن الميّت ...إلخ، ر:۲۹۳۰، ۳/ ۵۲۷.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارت، باب الغسل، رسالہ "بارق النور في مقادير ماء الطهور" ۶۲۹/۱۔

ہبہ کر دے، اور وارث ہبہ قبول کرکے اس پر قبضہ لے لے، پھر وہی قیمت اسی فقیر یا دوسرے کو فدیہ میں دے دے، اسی طرح دُہراتا رہے، تو ہر بار ایک سال کا کفّارہ ادا ہوگا۔ اس کے بعد روزہ اور قربانی کے کفّارے کے لیے بھی کرے، پھر قسم کے کفّارے کے لیے بھی اسی طرح کرے۔ لیکن کفّارۂ قسم میں دس ۱۰ مسکینوں کا ہونا ضروری ہے، بخلاف نماز کے فدیہ کے؛ کہ اس میں نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو بھی دے سکتا ہے"[1]۔

طریقۂ اِسقاط آسان الفاظ میں

اِسقاط کا طریقہ یہ ہے، کہ میّت کی عمر معلوم کرکے، اس میں سے نو۹ سال عورت کے لیے، اور بارہ۱۲ سال مَرد کے لیے نابالغی کے نکال دیجیے، باقی جتنے سال بچیں ان میں حساب لگائیے، کہ کتنی مدّت تک وہ (یعنی مرحوم) بے نمازی رہا، یا بے روزہ رہا، یا کتنی نمازیں یا روزے اس کے ذمّے قضا کے باقی ہیں، زیادہ سے زیادہ اندازہ لگا لیجیے، بلکہ چاہیں تو نابالغی کی عمر کے بعد بقیہ تمام عمر کا حساب لگا لیجیے۔

اب فی نماز ایک ایک صدَقۂ فطر خیرات کیجیے، ایک صدَقۂ فطر کی کم از کم مقدار نصف صاع[2] گندم (یعنی تقریبًا 2 کلو)[3]، یا اس کا آٹا، یا اس کی رقم ہے۔ اور ایک دن کی چھ۶ نمازیں ہیں، پانچ۵ فرض اور ایک وِتر واجب۔ مثلاً 2 کلو گیہوں کی رقم 120 روپے ہو، تو ایک دن کی نمازوں کے 720 روپے ہوئے، اور 30 دن کے 21600 روپے، اور بارہ۱۲ ماہ کے تقریبًا 259200 روپے ہوئے۔ اب کسی میّت پر 50 سال کی نَمازیں باقی ہیں، تو فِدیہ ادا کرنے کے لیے 12960000 روپے خیرات کرنے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ ہر شخص اِتنی رقم خیرات کرنے کی استطاعت (طاقت) نہیں رکھتا، اِس کے لیے علمائے کرام نے شرعی حیلہ ارشاد فرمایا ہے، مثلاً وہ 30 دن کی تمام نَمازوں کے فدیے کی نیّت سے، 21600 روپے کسی فقیر کی مِلک کردے، یہ 30 دن کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگیا، اب وہ فقیر یہ رقم دینے والے ہی کو ہبہ کردے (یعنی تحفے

---

(١) "ردّ المحتار" كتاب الصّلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان ...إلخ، ٤/ ٤٥٦، ٤٥٧، ملتقطاً.

(۲) صاع = تقریبًا 4 کلو۔

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الزکاۃ، صدقۂ فطر کا بیان، ۸/۲۰۲۔ و"بہارِ شریعت" صدقۂ فطر کا بیان، حصہ ۵، ۱/۹۳۹۔

میں دیدے)، یہ قبضہ کرنے کے بعد، پھر فقیر کو 30 دن کی نمازوں کے فدیے کی نیّت سے، قبضہ میں دے کر اس کا مالِک بنادے۔ اسی طرح لَوٹ پھیر کرتے رہیں، یوں ساری نَمازوں کا فِدیہ ادا ہو جائے گا۔

30 دن کی رقم کے ذَرِیعے ہی حیلہ کرنا شَرط نہیں، وہ توسمجھانے کے لیے مثال دی ہے، بالفرض 50 سال کے فدیوں کی رقم موجود ہو، تو ایک ہی بار لَوٹ پھیر کرنے میں کام ہو جائے گا۔ نیز فطرے کی رقم کا حساب گیہوں کے موجودہ بھاؤ سے لگانا ہوگا۔ اِسی طرح فی روزہ بھی ایک صَدَقۂ فطر ہے، نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کے بعد، روزوں کا بھی اِسی طریقے سے فِدیہ ادا کر سکتے ہیں۔

غریب و امیر سبھی فِدیے کا شرعی حیلہ کر سکتے ہیں۔ اگر وُرَثاء اپنے مرحومین کے لیے یہ عمل کریں، تو یہ میّت کی زبردست اِمداد ہوگی، اِس طرح مرنے والا بھی -اِنْ شاءاللہ تعالی- فرض کے بوجھ سے آزاد ہو گا، اور وُرَثاء بھی اَجر و ثواب کے مستحق ہوں گے!۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم و احادیث مبارکہ واقوالِ علماء سے یہ بات ثابت ہوئی، کہ حیلۂ اِسقاط جائز ہے، اس کی برکت سے، اللہ تعالی سے قوی امید ہے کہ میّت کی مغفرت فرمادے۔ یاد رہے کہ حیلۂ اِسقاط ایک مُباح عمل ہے، اسے فرض و واجب سمجھنا حکمِ شریعت سے ناواقفی ہے!۔

فائدہ: اس موضوع پر علّامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ کی کتاب (۱) "منّة الجليل لبيان إسقاط ما على الذمّة من كثيرٍ وقليل"[۱]، امام اہل سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا مفصّل اور مدلّل رسالہ (۲) "تفاسير الأحكام لفدية الصّلاة والصّيام"[۲]، حضرت مفتی محمد غلام جان ہزاروی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "القول المحتاط في جواز الحيلة والإسقاط"[۳] اور

---

(۱) "رسائل ابن عابدين" الجزء ۱، صـ۲۰۸- ۲۳۰، مطبوعة: سهيل أكادمي، لاهور.

(۲) "فتاوی رضویہ" ۳۹۴/۸ تا ۴۰۶، مطبوعہ "ادارہ اہل سنّت" کراچی۔

(۳) مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور۔

استاذ مَن حضرت علّامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۴) "غاية الاحتياط في جواز حيلة الإسقاط"[1] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ ر۱۹٦۸ہری پور ہزارہ، "تذکارِ شرف" ص٦۸۔

(۷۳) بیس۲۰ رکعات نمازِ تراویح

تراویح بیس۲۰رکعات پڑھناسنّت ہے، تراویح ترویحہ کی جمع ہے، یعنی اطمینان سے پڑھی جانے والی نماز۔ ہر چار۴ رکعت کے بعد استراحت کوایک ترویحہ کہتے ہیں، پانچ۵ ترویحہ، یعنی بیس۲۰ رکعات تراویح، دس۱۰ اسلاموں کے ساتھ، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نیز امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اور جُمہور علماء اہلِ سنّت وجماعت رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سنّتِ مؤکّدہ ہے۔ بفضلہ تعالی ہم اس کا ثبوت احادیث واقوالِ علماء سے پیش کرتے ہیں:

بیس۲۰ رکعات نمازِ تراویح، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) امام ابو بکر بن ابی شَیبہ علیہ الرحمۃ حضرت سیّدنا ابن عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کرتے ہیں: «أنّ رسولَ الله ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالوِتْر»[۱] "رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رمضان المبارک میں وِتر کے علاوہ، بیس۲۰رکعات تراویح بھی پڑھا کرتے تھے"۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ تعالی علیہ حضرت سیّدنا یزید بن رومان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: «كانَ النّاسُ يقومون فِي زمانِ عمرَ بن الخطّابِ فِي رمَضانَ، بثلاثٍ وعشرين ركعةً»[۲] "لوگ حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دَورِ خلافت میں، ۲۳رکعات (۲۰تراویح+۳وتر)ادا کرتے تھے"۔

(۳) امام بَیہقی علیہ الرحمۃ حضرت سیّدنا ابو عبدالرحمن اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں: "عَن عليٍّ رضي الله عنه قَالَ: "دعا القرّاءَ فِي رمضانَ، فأمر منهم رجلاً يصلِّي بالنّاسِ عشرين ركعةً، قال: وكان عليٌّ رضي الله عنه يوتِرُ بهم"[۳]. "حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلا کر، ان میں سے ایک کو حکم دیا، کہ لوگوں کو بیس۲۰ رکعات تراویح پڑھائے، پھر حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ خود انہیں وِتر پڑھایا کرتے تھے"۔

---

(۱) "المصنَّف" كتاب الصّلوات، ر: ٧٧٧٤، ٢/ ٣٩٤.

(۲)"الموطّأ" كتاب الصّلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ر: ٢٥٤، صـ٧٠.

(۳) "السنن الكبرى" جُماع أبواب صلاة التطوّع، باب ما روي في عدد ركعات ...إلخ، ٢/ ٤٩٦.

بیس۲۰ رکعات نمازِ تراویح، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "وأكثرُ أهل العلم على ما رُوي عن عمر، وعليٍّ، وغيرهما من أصحاب النّبي صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عشرين ركعةً، وهو قول الثَوري، وابن المبارك، والشّافعي"(۱). "اکثر اہلِ علم کا مسلک وہی ہے، جو حضرت سیّدنا عمر، حضرت سیّدنا علی اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے منقول ہے کہ "تراویح بیس۲۰ رکعات ہے"، حضرت سیّدنا سفیان ثَوری، سیّدنا عبداللہ بن مبارک اور سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے"۔

امام نوَوی رحمہ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "اعلم أنّ صلاةَ التراويح سُنّةٌ باتفاق العلماء، وهي عشرون ركعةً"(۲). "جان لو کہ نمازِ تراویح کے سنّت ہونے پر، تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے، اور یہ بیس۲۰ رکعات ہیں"۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "التراويحُ وهي عشرون ركعةً، وكيفيتُها مشهورةٌ، وهي سنّةٌ مؤكَّدة"(۳). "تراویح بیس۲۰رکعات ہیں، جن کا طریقہ معروف ومشہور ہے، اور یہ سنّتِ مؤکَّدہ ہے"۔

"غنیۃ الطالبین" میں ہے: "وهي عشرون ركعة"(٤) "تراویح بیس۲۰رکعات ہیں"۔

خلاصۂ کلام

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام سے یہ رَوشن وواضح ہوگیا، کہ نمازِ تراویح کی تعداد رکعات بیس۲۰ ہے، نیز ائمۂ اربعہ کے نزدیک بھی، نمازِ تراویح کی رکعات بیس۲۰ ہی ہیں، جو لوگ نمازِ تراویح کی آٹھ۸ رکعات کے قائل وعامل ہیں، وہ امّتِ محمدیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں انتشار وتفرقہ کا باعث بن رہے ہیں، لہٰذا انہیں چاہیے کے اپنے اس فعل سے باز آئیں!۔

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب الصوم، باب ما جاء في قيام شهر رمضان، تحت ر: ٨٠٦، صـ٢٠١.

(٢) "الأذكار" كتاب الأذكار في صلوات مخصوصة، باب أذكار صلاة التراويح، صـ٣١٠.

(٣) "إحياء علوم الدّين" كتاب أسرار الصّلاة ومهماتها، الباب ٧، القسم ٣، ١/ ٢٣٧.

(٤) "الغنية لطالبي طريق الحقّ" مجلس في فضائل شهر رمضان، فصل في صلاة التراويح، ٢/ ٢٥.

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے، حضرت نور العارفین سیّد شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "تحقیق التراویح"[۱]، حکیم الامّت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "لمعات المصابیح علی رکعات التراویح"[۲] اور غزالئ زماں حضرت علّامہ سیّد احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "کتاب التراویح"[۳] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔

(۲) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۳) مطبوعہ اسلامی کتاب خانہ، ملتان۔

(۷۴) خواتین کی نماز

خواتین کی نماز کا طریقہ، مَردوں کی نماز سے جُدا ہونا، احادیث اور آثارِ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ مَردوں کا نماز میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک، جسم کا چُھپانا کافی ہے[1] (یعنی فرض ادا ہوجائے گا، مگر واجب کا ترک ہوگا)۔ مگر خواتین کے لیے دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ کے علاوہ، پورا جسم چھپانا فرض ہے[2]۔ مَردوں کی نماز ننگے سر بھی ہو جاتی ہے[3]، جبکہ خواتین کی نماز سَر اور بال چُھپائے بغیر ادا ہی نہیں ہوتی[4]۔

بعض حضرات کے نزدیک مَردوں اور خواتین کی نماز میں کوئی فرق نہیں، حقیقت میں ان کا یہ کہنا بلا دلیل ہے؛ اس لیے کہ ان کی یہ بات احادیث مبارکہ کو نہ سمجھنے کی بنا پر ہے، علمائے حنفیہ کے نزدیک مَردوں اور خواتین کی نماز میں چند وُجوہ سے فرق ہے۔ بنیادی طور پر فرق کی وجہ یہ ہے، کہ شریعت اسلام میں خواتین کے پردے کو، ہر مقام پر مدِ نظر رکھا گیا ہے، لہذا جہاں جہاں خواتین کی بے پردگی کا اندیشہ ہوا، وہاں وہاں مَردوں اور خواتین کی نماز میں فرق کر دیا گیا۔

علمائے حنفیہ کا مذہب -بفضلہ تعالی- احادیث سے ثابت ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

خواتین کی نماز، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

عورت کا ننگے سر نماز ادا کرنا

(۱) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، سرکارِ اَبد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد

---

(١) "سنن الدارقُطني" كتاب الصّلاة، باب الأمر بتعليم الصّلوات ...إلخ، ر: ٨٧٩، ١/ ٣١٧، ٣١٨.

(٢) "الدر المختار" كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ٣/ ١٧.

(٣) "المحيط البرهاني" كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل ٤ في الصّلاة والتسبيح ...إلخ، ٦/ ٣٧.

(٤) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب المرأة تصلّي بغير خمار، ر: ٦٤١، صـ١٠٣.

فرمایا: «لا تقبَلُ صلاةُ الحائِضِ إلّا بخِمار!»[١] "بالغہ عورت کی نماز بغیر سر ڈھانپے قبول نہیں ہوتی!"۔

عورت تکبیر تحریمہ میں اپنے ہاتھ سینہ (چھاتی) تک اٹھائے

(٢) حضرت سیّدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: «یا وائلُ بْنَ حُجْر! إذا صلّیْتَ فاجْعَلْ یدَیْكَ حذاءَ أُذُنَیْكَ، والمرأةُ تجعَلُ یدَیْها حذاءَ ثَدْیَیْها!»[٢] "اے وائل بن حُجر! جب نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، اور عورت اپنے دونوں ہاتھ سینے تک اٹھائے!"۔

(٣) حضرت سیّدنا عطاء بن ابی رُباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، کہ کیا عورت بھی تکبیر تحریمہ کہتے وقت، مَردوں کی طرح ہاتھوں سے اشارہ کرے گی؟ ارشاد فرمایا: «لا ترفَعُ بذلكَ یدَیْها كالرِّجال!» وأشارَ فخفضَ یدَیْهِ جدّاً، وجمعهُما إلیه، وقال: «إنّ للمَرْأةِ هَیْئَةً لیسَتْ للرَّجُلِ!»[٣] "عورت تکبیرِ تحریمہ کے وقت مَردوں کی طرح ہاتھ نہ اٹھائے!"۔ پھر حضرت عطاء نے اشارہ کرکے بتایا، جس میں ہاتھوں کو بہت تھوڑا سا اٹھایا، اور دونوں ہاتھوں کو ملا لیا، پھر فرمایا کہ "نماز میں عورت کی ہیئت (صورت) مَرد جیسی نہیں!"۔

(٤) حضرت سیّدنا عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «تجمَعُ المرأةُ یدَیْها في قیامِها ما اسْتطاعَتْ!»[٤] "عورت نماز میں کھڑے ہوتے وقت جہاں تک ممکن ہو، اپنے ہاتھوں کو جسم سے چمٹا کر رکھے!"۔

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب الصلاة، باب المرأة تصلي بغیر خمار، ر: ٦٤١، صـ١٠٣. و"سنن الترمذي" أبواب الصلاة، باب ما جاء لا تقبل صلاة المرأة الحائض إلّا بخمار، ر: ٣٧٧، صـ١٠١. [قال أبو عیسی]: "حدیثُ عائشةَ حدیثٌ حَسَن".

(٢) "المعجم الكبیر" باب الواو، أمّ یحیی بنت عبد الجبّار بن وائل بن حجر، ر: ٢٨، ٢٢/ ٢٠.

(٣) "المصنَّف" لعبد الرزّاق، كتاب الصّلاة، باب تكبیر المرأة بیدیها ...إلخ، ر: ٥٠٦٦، ٣/ ١٣٧.

(٤) المرجع نفسه، ر: ٥٠٦٧، ٣/ ١٣٧.

عورت زمین سے مل کر سجدہ کرے

(۵) حضرت سیّدنا عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «تجتَمِعُ المرأَةُ إذا ركعَتْ، ترفَعُ يدَيْها إلى بطنِها، وتجتمعُ ما اسْتطَاعَتْ، فإذا سجدَتْ فلْتَضُمّ يدَيْها إليها، وتضُمّ بطْنَها وصدرَها إلى فخذَيْها، وتجتمِعُ ما استطاعَت!»(۱) "رکوع کرتے وقت جتنا ممکن ہو، عورت اپنا جسم سمیٹ لے، اور اپنے ہاتھوں کو پیٹ سے چمٹا لے، اور جب سجدہ کرے تو جہاں تک ممکن ہو، اپنے ہاتھوں کو پیٹ سے چمٹائے رکھے، اور پیٹ کو سینے اور رانوں سے ملائے رکھے!"۔

(۶) حضرت سیّدنا یزید بن ابی حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو۲ عورتوں کے پاس سے گزرے، جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «إذا سجَدتُما فضمّا بعضَ اللّحمِ إلَى الأرضِ؛ فإنّ المَرْأةَ ليسَتْ في ذلك كالرّجُلِ!»(۲) "جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے چمٹالیا کرو؛ کیونکہ اس مُعاملے میں خواتین کا حکم، مَردوں کی طرح نہیں!"۔

---

(۱) المرجع السابق، ر: ۵۰۶۹، ۳/ ۱۳۷.

(۲) "مراسيل أبي داود" كتاب الصلاة، باب ما جاء فيمن نام عن الصلاة، ر: ۸۱، صـ۱۳۰.

فائدہ: اس روایت سے اُس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا، کہ امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ، وَلاَ يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الكَلْبِ!» ["صحيح البخاري" كتاب الأذان، باب لا يفترش ذراعيه في السّجود، ر: ۸۲۲، صـ۱۳۳] "سجدوں میں اعتدال رکھو، اور تم میں سے کوئی اپنی کلائیاں، کتّے کی طرح نہ بچھائے!"۔ لہٰذا ہماری پیش کردہ روایت سے ثابت ہوا، کہ عورت کے لیے جسم کا کچھ حصہ، زمین سے چمٹانے کا حکم خود حدیث نبوی ہی سے ثابت ہے، جبکہ "صحیح البخاری" کی اس روایت کا تعلق صرف مَردوں کے ساتھ ہے!۔

(٧) حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إذا جلستِ المَرْأةُ في الصّلاةِ، وضعَتْ فخِذَها علَى فخذِها الأخرَى، وإذا سجَدتْ ألصَقَتْ بَطْنَها في فَخِذَيْها كأسْتَرِ ما يكون لَها، وأنّ الله تعالى ينظرُ إلَيها ويقول: يا ملائكتي أُشْهِدُكم أنّي قد غَفَرْتُ لها!»[1] "جب عورت نماز میں بیٹھے، تو اپنی ران دوسری ران پر رکھ لے، اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چمٹا لے، اس طور پر کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔ یقیناً اللہ تعالی ایسی عورت کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھ کر فرماتا ہے، کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اس بات پر، کہ میں نے اس عورت کی بخشش کر دی ہے!"۔

فائدہ: حضرت سیّدنا یزید بن ابی حبیب، اور حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہم کی روایت کردہ احادیث سے معلوم ہوا، کہ عورت کو چاہیے کہ سجدہ کرتے ہوئے اپنے جسم کو سمیٹ لے۔ بعض ناسمجھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ حنفیوں نے عورتوں کو سجدہ کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے، اس طرح سجدہ کرنے سے تو کتّے کی طرح کی ہیئت بن جاتی ہے۔ اس کا جواب ہماری نقل کردہ احادیث میں موجود ہے، کہ اس کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے دیا ہے!۔

خواتین کی نماز، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال العلّامة ابن عابدين الشّامي رحمہ اللہ تعالی: "أنّها تُخالِفُ الرّجلَ في عشرٍ، وقَدْ زدْتُ أكثر مِن ضعفِها: (١) ترفعُ يدَيْها حِذَاءَ مَنْكِبَيْها، (٢) ولا تخرِجُ يدَيها مِن كُمَّيْها، (٣) وتضعُ الكفَّ علَى الكفّ تحتَ ثَدْيِها، (٤) وتَنْحَنِي في الرّكوعِ قليلاً، (٥) ولا تعقد ولا تفرّجُ فيه أصَابِعَها، بل تَضُمّها وتضعُ يدَيها علَى رُكبَتَيها، (٦) ولا تَحْنِي ركبَتَيْها،

---

(١) "السنن الكبرى" للبَيهقي، جُماع أبواب الصّلاة، باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسّجود، ٢/ ٢٢٣.

(۷) وتنضَمُّ في ركوعها وسجودها، (۸) وتفترِشُ ذراعَيها، (۹) وتتورّكُ في التّشهّدِ (۱۰) وتضعُ فيه يدَيها تبلُغُ رءُوسُ أصابِعِها رُكبتَيها، (۱۱) وتضُمُّ فِيه أصابِعَها، (۱۲) وإذا نابَها شيءٌ في صلاتِها تصَفّقُ ولا تسَبّحُ، (۱۳) ولا تؤُمّ الرّجلَ، (۱٤) وتُكْرَهُ جماعتهُنّ، (۱٥) ويَقفُ الإمامُ وسطهُنّ، (۱٦) ويكرَه حُضورُها الجَماعَةَ، (۱۷) وتؤَخّرُ مع الرّجالِ، (۱۸) ولا جمعَةَ عليْها، لكِنْ تنعقد بها، (۱۹) ولا عيد، (۲۰) ولا تكبِيرَ تشريق، (۲۱) ولا يستَحبُّ أنْ تُسفِرَ بالفَجْرِ، (۲۲) ولا تَجهرُ في الجهرِيّةِ"[1].

"مسائلِ نماز میں خواتین کا مُعاملہ، دس ۱۰ باتوں میں مَردوں سے مختلف ہے، اور مزید مسائل کا اضافہ میں نے کیا ہے:

(۱) عورت تکبیر تحریم کے وقت، صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھائے گی۔

(۲) آستینوں سے باہر ہاتھ نہیں نکالے گی۔

(۳) سینے کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھے گی۔

(۴) رکوع میں مَردوں سے کم جھکے گی۔

(۵) انگلیوں کو موڑے گی نہیں، نہ انگلیاں زیادہ پھیلائے گی، بلکہ ملا کر رکھے گی، اور ہاتھ گھٹنوں کے اوپر رکھے گی۔

(۶) گھٹنوں میں خم نہیں لائے گی۔

(۷) رکوع و سجود میں گھٹنوں کو ملائے گی۔

(۸) سجدے میں بازو زمین پر پھیلائے گی۔

(۹) التحیات کے وقت دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بیٹھے گی۔

(۱۰) بیٹھتے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کے کنارے گھٹنوں سے ملائے گی۔

---

(۱) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۳/ ۳٤٥.

(۱۱) اور انگلیاں ملائے رکھے گی۔

(۱۲) اگر اس کو نماز میں کچھ پیش آئے (مثلاً کوئی سامنے سے گزرے، یا کوئی آواز دے) تو آگاہ کرنے کے لیے تالی بجائے گی، مَردوں کی طرح "سبحان اللہ "نہیں کہے گی۔

(۱۳) مَردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔

(۱۴) صرف عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے۔

(۱۵) لیکن اگر جماعت کریں، تو ان کی امام، صَف کے درمیان میں کھڑی ہوگی، نہ کہ آگے۔

(۱۶) عورت کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

(۱۷) اگر مَردوں کے ہمراہ باجماعت نماز ادا کریں، تو مَردوں سے پیچھے کھڑی ہوں۔

(۱۸) عورت پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، اگر پڑھے گی تو ادا ہو جائے گی۔

(۱۹) عورت پر نمازِ عید واجب نہیں، اگر پڑھے گی تو ہو جائے گی۔

(۲۰) عورت پر تکبیراتِ تشریق نہیں۔

(۲۱) صبح کی نماز رَوشن کر کے پڑھنا عورت کے لیے مستحب نہیں۔

(۲۲) جہری نمازوں میں جہری قراءت نہیں کرے گی"۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک، خواتین کی نماز مَردوں کی نماز سے کچھ مختلف ہے؛ کیونکہ دینِ اسلام نے خواتین کو پردے کا حکم دیا ہے، اور خواتین کی نماز کا طریقہ، جو فقہائے حنفیہ نے بیان کیا ہے، اس میں ان کے لیے پردے کا اہتمام زیادہ ہے۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، حضرت علّامہ فقیہ اعظم مفتی محمد شریف کوٹلوی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) علیہ الرحمۃ کی تالیف (۱) "مستورات کی نماز"[۱] اور حضرت علّامہ عبد الرزاق بُھترالوی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۲) "مرد اور عورت کی نماز میں فرق"[۲] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ سیالکوٹ پریس۔

(۲) مطبوعہ مکتبہ امام احمد رضا، راولپنڈی۔

(٧٥) عورت کی امامت کا حکم

کسی خاتون کا دیگر خواتین کی امامت کرانا، چاہے پنجگانہ نمازیں ہوں، یا جمعہ ہو، یا عیدَین ہوں، چاہے نمازِ تراویح ہو، یا نفل کی جماعت ہو، سب مکروہِ تحریمی اور گناہ ہے۔

عورت کی امامت، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(ا) حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ألا لَا تؤُمَّنَّ امْرأَةٌ رجلاً!»[1] ...إلخ. "خبردار! کوئی عورت کسی مرد کی امامت ہرگز نہ کرے!"۔

(٢) حضرت سیّدنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لنْ يُفلِحَ قومٌ ولّوا أمرَهم امْرأةً!»[2] "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جو عورت کو اپنا حاکم (امام) بنالے!"۔

ائمۂ مالکیہ کا حدیثِ پاک سے استدلال

ائمۂ مالکیہ نے اس حدیثِ پاک سے، عورت کی امامت کے عدمِ جواز پر دلیل لی ہے، چنانچہ امام خلیل بن اسحاق مالکی مصری (متوفّی ٧٧٦ھ) فرماتے ہیں: "روى أبو داود حديثاً في جواز إمامة المرأة، ولم يأخذ به أكثرُ العلماء، ورأَوا الإمامةَ مِن باب الولاية، وثبتَ عنه ﷺ أنّه قال: «لَن يُفلِحَ قومٌ ولَّوْا أَمرَهم امرأةً!»"[3].

"عورت کی امامت کے جواز میں، امام ابوداود نے ایک حدیث نقل کی ہے، لیکن اکثر علمائے امّت نے اسے قابلِ استدلال وعمل نہیں جانا؛ ان کی رائے یہ ہے، کہ امامت کا تعلّق بابِ ولایت (حکومت) سے ہے، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جو عورت کو اپنا حاکم بنالے!"۔

---

(١) "سنن ابن ماجه" كتاب إقامة الصّلاة والسنة فيها، باب في فرض الجمعة، ر: ١٠٨١، صـ١٨٢.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى وقيصر، ر: ٤٤٢٥، صـ٧٥٣.

(٣) "التوضيح في شرح المختصر" كتاب الصّلاة، شروط الإمامة، ١/ ٤٥٦، ملتقطاً.

امام احمد بن غانم شہاب الدین اَزہری مالکی (متوفّٰی ١١٢٦ھ) فرماتے ہیں: "(ولا) يصِحُّ أن (تؤُمَّ المرأةُ في فرِيضَةٍ ولا نافِلةٍ، لا رجالاً ولا نساءً)؛ لخبر: «لَن يُفْلِحَ قومٌ ولَّوْا أَمْرَهم امْرأةً!» وسواءٌ عُدِمَت الرّجالُ أو وُجِدَتْ"[1]. "خاتون کی امامت جائز نہیں، نہ مَردوں کی امامت کرے نہ خواتین کی، نہ فرائض میں نہ نوافل میں؛ کیونکہ حدیثِ پاک میں فرمایا کہ "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جو عورت کو اپنا حاکم (امام) بنالے!"، اب چاہے اس جماعت میں مرد موجود ہوں یا نہ ہوں، عورت کی امامت جائز نہیں!"۔

ائمۂ شافعیہ کا حدیث پاک سے استدلال

ائمۂ شافعیہ نے بھی اس حدیث پاک کو عورت کی امامت کے، غیر جائز ہونے پر دلیل بنایا ہے، چنانچہ امام کمال الدین محمد بن موسی دمیری شافعی (متوفّٰی ٨٠٨ھ) تحریر فرماتے ہیں: "أمّا امتناعُ قدوةِ الرّجل بالمرأة؛ لقوله ﷺ: «لَن يُفْلِحَ قومٌ ولَّوْا أَمْرَهم امْرأةً!»"[2] "عورت مرد کی امامت نہیں کر سکتی؛ کیونکہ نبئ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جو عورت کو اپنا حاکم (امام) بنالے!"۔

امام ابو بکر بن محمد حسینی حصنی تقی الدین شافعی (متوفّٰی ٨٢٩ھ) فرماتے ہیں: "لا يَصحّ اقتِدَاءُ الرّجل بالمَرأةِ، وَاحْتجَّ بَعضُهم بقوله ﷺ: «لَن يُفْلِحَ قومٌ ولَّوْا أَمْرَهم امْرأةً!»؛ وَلأنّ المَرأةَ عَورَةٌ، وَفي إمامتِها بالرّجالِ فِتنَةٌ"[3]. "مرد کا (نماز) میں عورت کی اقتداء کرنا جائز نہیں، بعض علمائے کرام نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے دلیل لی ہے کہ "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جو عورت کو اپنا حاکم (امام) بنالے"؛ اور اس لیے بھی کہ عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، اور اگر عورت مَردوں کی امامت کرے، تو یہ چیز باعث فتنہ ہے"۔

امام شمس الدین محمد بن احمد شربینی شافعی (متوفّٰی ٩٧٧ھ) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "ولا يَصحّ أَنْ (يأتمَّ) ذَكَرٌ (رجلٌ) (بـ) أُنْثَى (امْرَأةٍ)؛ لقَوْله ﷺ «لَن يُفْلِحَ قومٌ ولَّوْا أَمْرَهم

---

(١) "الفواكه الدوّاني شرح رسالة ابن أبي زيد القيرانوي" باب في الإمامة، ١/ ٣١٧.

(٢) "النجم الوهّاج في شرح المنهاج" كتاب الصّلاة، فصل، ٢/ ٣٥١، ملتقطاً.

(٣) "كفاية الأخبار في حلّ غاية الاختصار" كتاب الصّلاة، باب صلاة الجماعة، صـ١٣١، ملتقطاً.

امْرأةً!»"(۱) "کسی مرد کے لیے جائز نہیں ہے، کہ کسی عورت کی (نماز میں) اقتداء کرے؛ اس لیے کہ حضور تاجدارِ رسالت ﷺ نے فرمایا، کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جو عورت کو اپنا حاکم (امام) بنالے!"۔

خواتین کی نماز کے لیے افضل مقام

(۳) حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «صلاةُ المَرْأةِ في بيتِها، أفضلُ مِن صلاتِها في حُجرَتِها، وصلاتُها في مخدَعِها، أفضلُ مِن صلاتِها في بيتِها»(۲) "خاتون کی گھر میں پڑھی ہوئی نماز افضل ہے، اس نماز سے جو وہ کھلے صحن میں پڑھے، اور اس کی اندرونی کوٹھری میں پڑھی ہوئی نماز افضل ہے، اس نماز سے جو وہ گھر میں پڑھے"۔

(۴) حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ اَبد قرار ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إنّ أحَبَّ صلاةٍ تصَلِّيها المَرْأةُ إلَى الله، في أشَدِّ مكانٍ في بيتِها ظلمَةً!»(۳) "اللہ تعالی کے ہاں، عورت کی وہ نماز سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، جو گھر میں ایسی جگہ پڑھی جائے، جہاں زیادہ تاریکی (اندھیرا) ہو"۔

(۵) حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وأقرَبُ ما تكونُ مِنْ وجهِ ربِّها، وهي في قَعْرِ بيتِها!»(٤) "عورت کے لیے سب سے زیادہ، اللہ عزّوجلّ کا قرب اس نماز میں ہے، جو نماز گھر کے تہہ خانے (یعنی انتہائی پوشیدہ اور تاریک مقام) میں ہو"۔

---

(١) "الإقناع في حلّ ألفاظ أبي شجاع" كتاب الصّلاة، فصل في صلاة الجماعة، ١/ ١٦٧، ملتقطاً.

(٢) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب التشديد في ذلك، ر: ٥٧٠، صـ٩٤.

(٣) "صحيح ابن خزَيمة" كتاب الإمامة في الصّلاة، باب اختيار صلاة المرأة ...إلخ، ر: ١٦٩١، ٢/ ٨١٦.

(٤) "صحيح ابن خزَيمة" كتاب الإمامة في الصّلاة، باب اختيار صلاة المرأة ...إلخ، ر: ١٦٨٥، ٢/ ٨١٣. و"صحيح ابن حِبّان" كتاب الحظر والإباحة، ذكر الإخبار ...إلخ، ر: ٥٥٦٩، صـ٩٦٤.

عورت کی امامت، اقوالِ علماء کی روشنی میں

قال الإمام برهان الدّين المَرغيناني رحمه الله: "ويُكْرَه للنّساءِ أنْ يصلّينَ وحدَهُنّ الجماعةَ؛ لأنّها لا تَخْلُو عن ارتكابِ محرَّمٍ، وهو قيامُ الإمام وسطَ الصَفّ، فيُكرَه كالعُراة"(١).
"خواتین کے لیے مکروہ ہے، کہ تنہا خواتین جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں؛ کیونکہ یہ فعل ارتکابِ حرام سے خالی نہیں، کہ اس صورت میں انہیں، اپنی امام صاحبہ کو صَف کے درمیان میں کھڑا کرنا ہوگا، اور یہ جائز نہیں"۔

قال الإمام السَّرخسي رحمه الله: "إنّ المرأةَ لا تصلحُ لإمامةِ الرّجال"(٢). "خاتون مَردوں کی امامت نہیں کرا سکتی!"۔

قال الإمام ابن الهمام رحمه الله: "واستَلْزَمَ ما ذُكِرَ أنّ جماعةَ النّساءِ تُكْرَهُ كراهةَ تحرِيم"(٣).
"مؤلفِ کتاب "ہدایہ" نے جو کچھ کلام کیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ خواتین کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے"۔

قال العلّامةُ أبو بكر بن علي الحدّادي رحمه الله: "(ويُكرَهُ للنّساءِ أنْ يصلِّينَ وحدَهُنّ جماعةً) يعني بغير رجالٍ، وسواءٌ في ذلك الفرائضُ والنّوافلُ والتّراويحُ"(٤). "تنہا خواتین کا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہے، چاہے فرض نماز ہو، یا نفل، یا تراویح، سب کا ایک ہی حکم ہے!"۔

قال العلّامةُ السيّد الطحطاوي رحمه الله: "(وكُرِهَ جماعةُ النّساءِ) تَحرِيماً؛ للزُومِ أحَدِ المحظورَينِ: (١) قِيامِ الإمامِ في الصفِّ الأوّلِ، وهو مكروهٌ، (٢) أو تقدُّمِ الإمام، وهو أيضاً مكروهٌ في حقِّهنّ"(٥).

---

(١) "الهداية" كتاب الصّلاة، باب الإمامة، الجزء ١، صـ٧٠.

(٢) "مبسوط السرخسي" كتاب الصّلاة، باب الحدث في الصّلاة، الجزء ١، صـ١٨٠.

(٣) "فتح القدير" كتاب الصّلاة، باب الإمامة، ١/ ٣٠٦.

(٤) "الجوهرة النيّرة" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، الجزء ١، صـ٧٧.

(٥) "حاشية الطحطاوي على المراقي" كتاب الصّلاة، باب الإمامة، فصل في بيان الأحقّ بالإمامة، صـ٣٠٤.

"تنہا خواتین کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے؛ کیونکہ اس سے دو ۲ ممنوع چیزوں میں سے ایک ضرور صادر ہوگی: (ا) ایک یہ کہ جب خاتون امام ہوگی، تو اسے پہلی صَف کے درمیان میں کھڑے رہنا ہوگا، اور یہ مکروہ ہے، (۲) یا وہ خاتون امامت کی جگہ کھڑی ہوگی، تو یہ بھی ان کے حق میں مکروہ ہے"۔

قال الإمام المالك رحمه الله تعالى: "لا تؤُمُّ المرأةُ!"[١]. "خاتون امامت نہیں کرا سکتی!"۔

قال الإمامُ علي بن أحمد الصّعيدي العَدَويّ المالكيّ رحمه الله تعالى: "لا تَصِحُّ إمامةُ المرأَةِ، سواءٌ أمَّت رجَالاً أوْ نساءً، في فَرِيضَةٍ أَو نَافلَةٍ"[٢]. "خاتون کی امامت درست نہیں، نہ مَردوں کی امامت کرے نہ خواتین کی، نہ فرائض میں نہ نوافل میں!"۔

قال الإمام ابن قُدامة الحنبلي الدِّمشقي رحمه الله تعالى: "لا تصِحُّ إمَامَةُ المرأة بالرّجال"[٣]. "عورت کا مَردوں کی امامت کرنا دُرست نہیں ہے"۔

قال علاءُ الدين أبو الحسن علي بن سليمان الدِّمشقي الصّالحي الحنبلي رحمه الله تعالى: "(ولا تصِحُّ إمامةُ المرأَةِ لِلرّجُلِ) هذا الصّحيحُ من المذهَبِ"[٤]. "عورت کا مَردوں کی امامت کرنا دُرست نہیں ہے، یہی قول مذہب حنبلی میں صحیح ہے"۔

قال زينُ الدّين المُنَجَّى بن عثمان الحنبلي رحمه الله تعالى: "أمّا كَون إمامةِ المرأة للرّجال لا تصحُّ؛ فلأنّ النبيَّ صلى الله تعالى عليه وسلم قال: «لا تؤُمّنَّ امْرأةٌ رجلاً!»"[٥] "بہرحال عورت مَردوں کی امامت کرے یہ دُرست نہیں؛ اس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خبردار! کوئی عورت کسی مرد کی امامت ہرگز نہ کرے!"۔

---

(١) "المدوَّنة" كتاب الصّلاة، الصّلاة خلف السكران والصبي ...إلخ، ١/ ١٧٧.

(٢) "شرح مختصر الخليل" للخرشي، باب الوقت المختار، فصل صلاة الجماعة، ٢/ ٢٢.

(٣) "عمدة الفقه" كتاب الصلاة، باب الإمامة، صـ٢٩.

(٤) "الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف" كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة، ٢/ ٢٦٤.

(٥) "الممتع في شرح المقنع" كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة، ١/ ٤٧٤.

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ تنہا خواتین کی نماز باجماعت جائز نہیں، بلکہ مکروہِ تحریمی ہے، اگرچہ نمازِ تراویح و نفل کی جماعت ہو۔ البتہ مرد امام کی امامت میں، مقتدی کی حیثیت سے، خواتین کی نماز درست ہے، جبکہ دیگر اُمور شرعیہ کی بھی پاسداری رہے۔ بہرحال عورت کا اس کے گھر، اور گھر کی بھی بند کوٹھری میں نماز، باہر نکل کر مسجد میں پڑھنے سے بہت افضل واعلی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، مفتی محمد خان صاحب علیہ الرحمۃ کی تالیف "عورت کی امامت کا مسئلہ"[1] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(۱) مطبوعہ حجاز پبلی کیشنز، لاہور۔

(٧٦) حنفی مسلک میں سجدۂ سَہو کا طریقہ

سجدۂ سَہو کی تعریف

لغت میں سَہو کے معنی ہیں: کچھ بھول جانا، یا غفلت[١]۔ واجباتِ نماز میں سے جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے، یا نماز کے فرائض میں سے کسی فرض میں تاخیر ہو جائے، تو اس کی تلافی کے لیے سجدۂ سَہو واجب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آخری رکعت میں "التحیات" کے بعد، دائیں طرف سلام پھیر کر دو ٢ سجدے کرے، پھر دوبارہ تشہد، درود شریف اور دعا پڑھ کر نماز مکمل کرے[٢]۔

سجدۂ سَہو کا طریقہ، حدیثِ نَبوی کی رَوشنی میں

(ا) امام الائمہ حضرت سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: أنّ رسولَ الله ﷺ صلَّى صلاةً، إمّا الظّهْرَ وإمّا العصرَ، فزادَ أو نقصَ، فلمّا فرغَ وسلّمَ، فقيلَ: أَ حدثَ في الصّلاةِ شيءٌ أم نسيتَ؟ قال: «إنّي أنسَى كما تنسونَ، فإذَا نَسِيتُ فذكِّرُونِي! ثمّ حوّلَ وجهَه إلَى القبلَةِ، فسجد سجدتَينِ وتشهّدَ فيها، ثمّ سلَّم عَن يمِينِه وعَن شِمالِه»[٣].

"رحمتِ عالمیان ﷺ نے نمازِ ظہر یا عصر ادا فرمائی، آپ نے اس میں کچھ کمی یا زیادتی فرمائی، حضور اکرم ﷺ سے عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا نماز سے متعلق کوئی نیا حکم آیا ہے؟ یا آپ بھول

---

(١) "مختار الصِّحاح" باب السين، صـ١٩٤.

(٢) "رد المحتار" كتاب الصّلاة، باب سجود السهو، ٤/ ٤٦٩.

(٣) "مسند الإمام أبي حنيفة مع شرح ملّا علي القاري" كتاب الصّلاة، صـ٢٨. و"صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، ر: ٤٠١، صـ٧٠، ٧١. و"صحيح مسلم" كتاب الصّلاة، باب السهو في الصّلاة والسّجود له، ر: ١٢٨٧، صـ٢٣٢.

گئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں بھی کبھی بھول جاتا ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو! تو جب میں بھول جاؤں، تو مجھے یاد دلا دیا کرو!" پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنا چہرۂ انور قبلہ رخ کیا، اور دو ۲ سجدے سہو کے ادا فرمائے، اس کے بعد تشہد پڑھا، پھر دائیں بائیں سلام پھیرا"۔

(۲) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «إذا شكَّ أحدُكم في صلاتِه، فلم يَدْرِ أ ثلاثاً صلّى أم أربعاً، فليتحرَّ فلينظُرْ أفضلَ ظنِّه، فإن كان أكبَرُ ظنِّه أنّها ثلاثاً، قامَ فأضافَ إليها الرَّابعةَ، ثمّ تشهّدَ، فسلّمَ وسجد سجدَتَي السَّهْوِ، وإن كان أَفْضَلُ ظنِّه أنّه صلّى أربعاً، تشهّدَ ثمّ سلَّم، ثمّ سجد سجدَتَي السَّهْو»[1].

"جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے، اور معلوم نہ ہو کہ تین ۳ رکعتیں پڑھیں یا چار ۴، تو غور وفکر کرے، اور اپنے غالب گمان کو دیکھے، اگر غالب گمان یہ ہے کہ تین ۳ پڑھیں، تو چوتھی رکعت ملائے، پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے، اور دو ۲ سجدے کرے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ چار ۴ رکعت پڑھیں، تشہد پڑھ کر سلام پھیرے، پھر دو ۲ سجدے کرے"۔

(۳) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما روایت کرتے ہیں: أنّ رسولَ الله ﷺ صلّى للنّاسِ ركعتَين، فسَها فسلَّم، فقال له ذو اليَدَين: "أ نَقصتِ الصّلاةُ يا رسولَ الله! قال: «لا» فصلّى ركعتَين أُخرَيَين، ثمّ سلّم، ثمّ سجد سجدَتَي السَّهْو، ثمّ سلّم"[2].

"رسولِ کریم ﷺ نے چار ۴ رکعات والی نماز میں، صحابۂ کرام کو دو ۲ رکعتیں پڑھائیں، اور باقی دو ۲ بھول گئے، حضرت ذوالیدَین نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! کیا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں"، پھر آپ ﷺ نے مزید دو ۲ رکعات پڑھ کر سلام پھیرا، پھر دو ۲ سجدے کیے اور سلام پھیرا"۔

---

(١) "كتاب الآثار" باب السهو في الصّلاة، ر: ١٧٤، صـ٣٥.

(٢) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصلاة، باب الكلام في الصّلاة ...إلخ، ر: ٢٥١٦، ١/ ٥٧٠.

(۴) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "صلّى بنا رسولُ الله ﷺ إحدى صلاتَي العَشيّ: الظّهرَ أو العصرَ، وأكثرُ ظنّي أنّه ذكَر الظّهرَ، فصلّى الرّكعتَين، ثمّ قام إلى خشبةٍ في مقدَّمِ المسجدِ، فوضع يدَيه علَيها، إحداهما على الأُخرى، يُعرَفُ في وجهه الغَضَبُ. قال: وخرَج سرَعانُ النّاسِ فقالوا: أ قصَرتِ الصّلاة، وفي النّاسِ أبو بكر، وعمرُ رضي الله تعالى عنهما، فهابَاه أن يكلّماه، فقام رجلٌ طوِيلُ اليدَين، كان رسولُ الله ﷺ سمّاه ذَا اليدَينِ، فقال: يا رسولَ الله! أ نسيتَ أمْ قَصُرَتِ الصّلاةُ؟ فَقَالَ: «لم أَنْسَ ولم تَقْصُرِ الصّلاةُ» قال: بَلْ نسيتَ يا رسولَ الله! فأقبلَ علَى القومِ فقال: «أ صدق ذُو اليدَينِ؟» فقالوا: نعم، فجاء فصلّى بنا الرّكعتَين الباقيتَين، ثمّ سلّم، ثمّ كبّر، ثمّ سجد مِثلَ سجُودِه أو أَطوَلَ، ثمّ رفع رأسَه فكبّر، وسجد مِثلَ سجودِه أو أطوَلَ، ثمّ رفع رأسَه وكبّر"[1].

"سرکار اَبد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں (ظہر یا عصر) کی نماز پڑھائی، اور غالب گمان یہ ہے کہ (حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر کا ذکر کیا) دو۲ رکعت پڑھائیں، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اگلے حصے میں ایک لکڑی کی طرف تشریف لے گئے، اس پر اپنے ہاتھ اس طرح رکھے، کہ ایک ہاتھ دوسرے پر تھا، اور آپ کے چہرۂ انور سے جلال (غضب) ظاہر ہو رہا تھا۔ جلدی جانے والے لوگ مسجد سے نکل گئے، تب لوگ آپس میں کہنے لگے کہ کیا نماز کم ہوگئی؟! ان میں سیّدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے، مگر انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے میں خوف محسوس کیا۔ ایک صحابی جن کا نام سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذو الیدَین رکھا تھا، وہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: یارسولَ اللہ! کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ میں بھولا اور نہ ہی نماز کم ہوئی!" انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ آپ نے نسیان فرمایا! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: "کیا ذو الیدَین سچ

---

(١) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الصّلاة، باب الكلام في الصّلاة ...إلخ، ر: ٢٥٢٥، ١/ ٥٧٠.

کہتے ہیں؟" لوگوں نے عرض کی: جی ہاں یار سول اللہ! تب حضور اکرم ﷺ نے ہمیں باقی دو ۲ رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا، پھر تکبیر کہہ کر عام سجدے کی طرح یاکچھ لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا، اور تکبیر کہی، اور عام سجدے کی طرح یا اس سے کچھ لمبا سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی"۔

(۵) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، سرکارِ دوعالَم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَن شكّ في صلاتِه، فليَسْجُدْ سجدتَيْنِ بَعْدَما يسلِّمُ»[۱] "جس کو اپنی نماز میں شک پڑ جائے، وہ سلام پھیرنے کے بعد، دو ۲ سجدے کرے!"۔

(۶) حضرت سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «أنّ النبيَّ ﷺ صلّى بهم فسَها، فسجدَ سجدتَينِ، ثمّ تشهّدَ، ثمّ سلّمَ»[۲] "حضور نبئ کریم ﷺ نے نماز پڑھائی، جس میں بھول واقع ہوئی، چنانچہ دو ۲ سجدے سہو کے کیے، اور پھر تشہد کے بعد سلام پھیر دیا"۔

سجدۂ سَہو کا طریقہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

في كتاب "الأصل" للإمام محمد بن الحسن الشّيباني رحمه الله تعالى: "قلتُ: وكلُّ مَن وجب عليهِ سجدتا السَّهْوِ، فإنّما يسجُدُهما بعدَ التّسْليمِ، ويتشهّدُ فيهما، ويسلّم؟ قال: نعم"[۳].

"ابوسلیمان جوزجانی روایت کرتے ہیں، کہ میں نے امام محمد سے دریافت کیا کہ "جس پر سجدۂ سہو واجب ہو، کیا وہ سلام پھیرنے کے بعد دو ۲ سجدے کرے، اور تشہد (التحیات) پڑھ کر دوبارہ سلام پھیرے؟ فرمایا: جی ہاں"۔

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الصّلاة، باب من قال بعد التسليم، ر: ۱۰۳۳، صـ۱۵۷. و"سنن النَّسائي" كتاب السهو، باب التحري، ر: ۱۲٤٥، الجزء ۳، صـ۳۱. و"صحيح ابن خزَيمة" كتاب الصلاة، جُماع أبواب السهو في الصلاة، ر: ۱۰۲۲، ۱/ ٥۰٤.

(۲) "سنن الترمذي" أبواب الصّلاة، باب ما جاء في التشهّد في سجدتي السّهو، ر: ۳۹٥، صـ۱۰٦. [قال الإمام الترمذي:] "هذا حديثٌ حَسَنٌ غريب".

(۳) "الأصل" كتاب الصّلاة، باب السّهو في الصلاة وما يقطعها، ۱/ ۱۹۳.

قال الإمام أحمد بن محمد القدوري رحمہ اللہ تعالیٰ: "سجودُ السّهوِ واجبٌ في الزّيادةِ والنّقصان بعد السّلامِ، ثمّ يسجدُ سجدتَين، ثمّ يتشهّدُ ويسلّمُ"[1]. "زیادتی اور کمی کی صورت میں، سجودِ سَہو واجب ہے، سلام کے بعد دو ۲ سجدے کرے، پھر تشہد (التحیات) پڑھے، اور سلام پھیر دے"۔

قال الإمام أبو البركات عبد الله بن أحمد حافظ الدّين النَّسَفي رحمہ اللہ تعالیٰ: "يَجِبُ بعدَ السّلامِ سجدتان، بتشهُّدٍ وتسلِيمٍ، بتَركِ واجِبٍ"[2]. "کسی واجب کے ترک ہونے کی صورت میں، سلام پھیرنے کے بعد، دو ۲ سجدے تشہد (التحیات) اور سلام کے ساتھ واجب ہیں"۔

خلاصۂ کلام

احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ اگر نماز میں واجباتِ نماز میں سے کوئی واجب چُھوٹ جائے، تو سجدۂ سَہو واجب ہے۔

(١) "مختصر القدوري" كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو، صـ٣٤.

(٢) "كنز الدقائق" كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو، صـ٣٨.

(۷۷) طلاقِ ثلاثہ

طلاقِ ثلاثہ سے متعلق امّتِ مسلمہ کا اِجماع واتفاق ہے، کہ بیک وقت تین ۳ طلاقیں، جو ایک کلمہ یا متفرق کلمات سے دی جائیں، نافذ ہوں گی، یہ طلاق بائن (مغلّظ) واقع ہوگی، جس میں خاوند اپنی اہلیہ کی طرف رجوع کے اختیار سے محروم ہو جاتا ہے[1]۔ حضرت سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک، ایک مجلس میں دی گئی تین ۳ طلاقیں، یا ایک طُہر (پاکی کے ایّام) میں دی جانے والی تین ۳ طلاقیں، تین ۳ ہی نافذ ہوں گی، اگرچہ ایسا کرنا ان کے نزدیک بدعت وگناہ ہے۔

دیگر ائمۂ کرام میں سے حضرت سیّدنا امام مالک علیہ الرحمۃ نے بھی بیک وقت دی جانے والی، تین ۳ طلاقوں کو نافذ ولازم قرار دیا ہے، نیز انہوں نے بھی اسے بدعت وگناہ قرار دیا ہے۔

البتہ حضرت سیّدنا امام شافعی علیہ الرحمۃ بیک وقت دی جانے والی، تین ۳ طلاقوں کو نافذ ولازم تو قرار دیتے ہیں، لیکن وہ بیک وقت تین ۳ طلاقیں دینے والے کو گنہگار نہیں کہتے، وہ اس طریقے کو صرف خلافِ مستحب تصوّر کرتے ہیں۔

جبکہ طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں حضرت سیّدنا امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے دو ۲ قول ہیں: **ایک** قول میں وہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مُوافق ہیں، اور **دوسرے** قول میں وہ مذہبِ حنفی کے مُوافق ہیں۔

---

(۱) اگر عورت غیر مدخولہ ہے (وہ عورت جس سے ہمبستری نہ کی گئی ہو)، تو اگر کہا: تجھے تین طلاقیں، تو تین ۳ واقع ہوں گی۔ اور اگر کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، یا کہا: تجھے طلاق طلاق طلاق، یا کہا: تجھے طلاق ہے، ایک اور ایک اور ایک۔ تو ان سب صورتوں میں ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی، باقی لَغو وبے کار ہیں۔ یعنی چند لفظوں سے طلاق دینے میں، صرف پہلے لفظ سے واقع ہوگی، اور باقی کے لیے محل نہ رہے گا۔ اور مَوطُوءۃ (وہ عورت جس سے ہمبستری کی جاچکی ہو) میں بہرحال تین ۳ طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

بعض متحدثین (نوپید) حضرات اس مسئلہ میں، اِجماعِ امّت کی مخالفت کرتے ہیں، جس کی وجہ ہمیں سمجھ نہیں آتی، دعوی حدیث دانی کا، اور ذخیرۂ احادیث ہی سے نابلدی کا شکار نظر آتے ہیں!۔

اب ہم بیک وقت، ایک ہی مجلس میں دی گئی، تین ۳ طلاقوں کے نافذ ہونے کا ثبوت، قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ علماء سے پیش کرتے ہیں:

طلاقِ ثلاثہ، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

(ا) ربِ ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾[1] "طلاقِ رَجعی دو ۲ بار ہے، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے، یا حُسنِ سُلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے"۔

امام حافظ الدین نَسفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ، اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "الطلاق مرّتان، أي: الطلاقُ الرّجعي مرّتان؛ لأنّه لا رجعةَ بعد الثالث ﴿فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ﴾ برجعة، والمعنى: فالواجبُ عليكم إمساكٌ بمعروف، ﴿اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾ بأن لا يراجعَها حتّى تبيّن بالعدّة، وقيل: بأن لا يطلّقَها الثالثةَ في الطُهر الثالث"[2].

"طلاقِ رَجعی دوبار ہے؛ کیونکہ تیسری طلاق کے بعد کوئی رجوع نہیں، ﴿فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ﴾ پھر دستور کے مُوافق رکھنا ہے، یعنی رُجوع کر کے، (مطلب یہ ہے کہ تم پر دستور کے مُوافق روکے رکھنا لازم ہے) ﴿اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ﴾ (یاحسن سُلوک کے ساتھ رخصت کر دے) یعنی اس سے رُجوع نہ کرے، یہاں تک کہ عدّت سے بائنہ (جُدا) ہو جائے"۔ اور ایک قول یہ ہے کہ "اسے تیسرے طُہر (پاکی کے ایّام) میں تیسری طلاق نہ دے"۔

---

(١) پ٢، البقرة: ٢٢٩.

(٢) "المدارك" البقرة، تحت الآية: ٢٢٩، ١/١٢٨.

(٢) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ﴾[1] "پھر اگر تیسری طلاق بھی دے دے، تو یہ عورت اس کے لیے حلال نہیں، جب تک کسی اَور خاوند سے نکاح نہ کرلے"۔

امام حافظ الدین نَسَفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "﴿فَإِنۡ طَلَّقَهَا﴾ مرّةً ثالثةً بعد المرّتَين، فإن قلتَ: الخلعُ طلاقٌ عندنا، وكذا عند الشّافعي رحمه الله تعالى في قول، فكأنّ هذه تطليقةٌ رابعة. قلتُ: الخلعُ طلاقٌ ببدلٍ، فيكون طلقةً ثالثةً، وهذا بيانٌ لتلك، أي: فإن طلّقها الثالثةَ ببدلٍ، فحكمُ التحليل كذا ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ﴾ من بعد التطليقة الثالثة ﴿حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ﴾ حتّى يتزوجَ غيرَه"[2].

"﴿فَإِنۡ طَلَّقَهَا﴾ (تو اگر اس نے عورت کو طلاق دے دی) یعنی تیسری بار، دوبار کے بعد ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ﴾ (تو اَب اس کے بعد وہ اس مرد کے لیے حلال نہیں) یعنی تیسری طلاق کے بعد، ﴿حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ﴾ (جب تک شوہرِ ثانی کے نکاح میں نہ آئے) یعنی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے"۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "﴿فَإِنۡ طَلَّقَهَا﴾ الزّوجُ بعدَ الثِنتَينِ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ﴾ بعدَ الطّلْقةِ الثّالثةِ ﴿حَتَّىٰ تَنكِحَ﴾ تتزوّج ﴿زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ﴾ ويطأَها"[3]. "(اس نے طلاق دی) یعنی شوہر نے دو ٢ طلاقیں دینے کے بعد، تیسری طلاق بھی دے دی، (تو اَب اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے)، تیسری طلاق کے بعد، جب تک کہ وہ عورت کسی اَور سے نکاح نہ کرلے، اور وہ اس سے صحبت بھی کرے"۔

---

(١) پ٢، البقرة: ٢٣٠.

(٢) "المدارك" البقرة، تحت الآية: ٢٢٩، ١/ ١٢٨.

(٣) "تفسير الجلالين" البقرة، صـ٣٥.

طلاقِ ثلاثہ، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) امام ابو داوَد علیہ الرحمۃ حضرت سیّدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کرتے ہیں: «أنّ زوجَها طلّقَها ثلاثاً، فلم يجعل لها النبيُّ ﷺ نفقةً ولا سُكنى» کہ "ان کے شوہر نے انہیں تین ۳ طلاقیں دیں، لہٰذا نبئ کریم ﷺ نے ان کے لیے نفقہ ورہائش کا حکم نہیں دیا"[۱]۔

(۲) حضرت سیّدنا محمود بن لبید رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: "رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا، کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین ۳ طلاقیں، ایک ہی بار اکٹھی دے دی ہیں، آپ ﷺ یہ سُن کر جلال میں کھڑے ہوگئے، اور فرمایا: " «أَ يُلْعَبُ بكتابِ الله وأنا بينَ أَظْهُرِكم!» "کیا وہ کتابُ اللہ کے ساتھ کھلواڑ ہوگا، حالانکہ ابھی میں تمہارے درمیان موجود ہوں!"[۲]۔

(۳) حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: "كان عمرُ إذا أُتِيَ برجُلٍ قد طلّق امْرأتَه ثلاثاً في مجلِسٍ، أوجعَه ضَرْباً، وفرّق بينهُما"[۳]. "حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جب کوئی شخص لایا جاتا، جس نے اپنی بیوی کو تین ۳ طلاقیں ایک ہی مجلس دی ہوتیں، تو آپ اسے سخت سزا دیتے، اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دیتے"۔

(۴) صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا اِجماع واتفاق ہے، کہ تین ۳ طلاقیں ایک ساتھ دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہیں، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: "إنْ طلّقَها ثلاثاً، فلا تحلُّ لَه

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الطلاق، باب نفقة المبتوتة، ر: ۲۲۸۸، صـ۳۳۲.

(۲) "سنن النَّسائي" كتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ر: ۳۳۹۸، الجزء ۵، صـ۱٤۲، ۱٤۳.

(۳) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الطلاق، باب من رخص للرجل ...إلخ، ر: ۱۸۰۸۹، ۵/ ۱۱.

حتّى تَنْكِحَ زوْجاً غيرَه". "اگر کسی نے اپنی بیوی کو یکبارگی، تین ۳ طلاقیں دے دیں، تو وہ عورت اس مَرد کے لیے حلال نہیں ہو سکتی، جب تک کسی دوسرے مَرد سے نکاح نہ کرلے"[1]۔

(۵) کسی نے حضرت سیّدنا ابن عباس، حضرت سیّدنا ابوہریرہ اور حضرت سیّدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، غیر مدخول بہا (یعنی ایسی عورت جس سے ابھی ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں) کو تین ۳ طلاقیں ایک ساتھ دینے کے بارے میں پوچھا، تو ان تمام حضرات نے فرمایا: «حُرّمتْ عليك» وہ تم پر حرام ہو چکی[2]۔

(۶) حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کسی نے غیر مدخول بہا (یعنی ایسی عورت جس سے ابھی ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں) کو ایک ساتھ، تین ۳ طلاقیں دینے کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: «إنّها لا تحلّ له حتّى تنكحَ زوجاً غيرَه» یہ عورت اس مرد کے لیے، اُس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی، جب تک وہ کسی دوسرے مَرد سے شادی نہ کرلے[3]۔

طلاقِ ثلاثہ، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال الإمام البخاري رحمه الله تعالى: "وقال أهلُ العِلمِ: إذا طلّق ثلاثاً، فقد حرمَتْ عليهِ"[4]. "اہلِ علم نے فرمایا، کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو تین ۳ طلاقیں دے دیں، تو وہ بیوی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے"۔

قال الإمام أبو الحسن رحمه الله تعالى: "اتّفق أئمّةُ الفتوى على لُزوم إيقاع الطلاق الثلاث، في كلمةٍ واحدة، فإنّ ذلك عندهم مخالفٌ للسُنّة، وهو قول جُمهور السّلَف، والخلافُ في ذلك شذوذٌ، وإنّما تعلّق به أهلُ البدَع"[5]. "ایک لفظ سے دی گئی تین ۳ طلاقوں

---

(۱) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الطلاق، باب الرّجل يطلّق امرأته ثلاثاً معاً، ۲/ ۴۲۱.

(۲) "السنن الكبرى" كتاب الرّجعة، باب نكاح المطلقة ثلاثاً، الجزء ۷، صـ۳۷٦.

(۳) "شرح مَعاني الآثار" كتاب الطلاق، ۲/ ۴۲۲.

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الطلاق، باب من قال لامرأته: أنت عليّ حرام، صـ۹٤۰.

(٥) "شرح صحيح البخاري" لابن بطال، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث ...إلخ، ۷/ ۳۹۰.

کے، لازماً واقع ہونے پر ائمۂ فتویٰ متفق ہیں، اور ایسا کرنا ان کے نزدیک سنّت کے خلاف ہے، اور اس کا خلاف (یعنی تین ۳ سے ایک مراد لینا) شُذوذ (حق سے دُور) ہے، اور اس میں مبتلا بدعتی لوگ ہیں"۔

قال الإمام أبو الوليد ابن رُشد المالكي رحمه الله تعالى: "القول بأنّ المطلّقةَ ثلاثاً بكلمةٍ واحدة، لا تحلّ لمطلِّقها إلّا بعد زوج، مما أجمعَ عليه فقهاءُ الأمصار، ولم يختلفوا فيه"(۱). "یہ قول کہ "جس عورت کو ایک لفظ سے تین ۳ طلاقیں دے چکا ہو، وہ اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی، جب تک کہ دوسرے شَوہر کے پاس نہ رہ چکی ہو"، اس قول پر تمام فقہاء کا اِجماع واتفاق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں"۔

قال الإمام النّوَوي رحمه الله تعالى: "وقد اختلفَ العلماءُ فيمَن قال لامرأتِه: أنتِ طالقٌ ثلاثاً، فقال الشّافعيُّ ومالكٌ وأبو حنيفة وأحمدُ، وجماهير العلماء من السّلَفِ والخلَفِ: يقَع الثّلاثَ"(۲). امام نووی رحمہ اللہ ایک مجلس میں دی گئی، تین ۳ طلاقوں کے بارے میں، ائمۂ اربعہ کا نظریہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے، جو اپنی بیوی سے کہے کہ "میں تجھے تین ۳ طلاقیں دیتا ہوں"۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور جُمہور علمائے سلَف و خلَف، اس بات پر متفق ہیں، کہ ایک وقت میں دی گئی تینوں طلاقیں، تین واقع ہو جاتی ہیں"۔

قال الإمامُ أبو بكر الجصّاص رحمه الله تعالى: "فالكتَابُ والسّنّةُ وإجماعُ السّلَفِ، تُوجِب إيقاعَ الثّلاثِ معاً، وإنْ كانَتْ معصيةً"(۳). "کتاب اللہ، وسنّت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور اِجماعِ سلَف سے ثابت ہے، کہ ایک ساتھ تین ۳ طلاقیں، لازماً تین ۳ واقع ہوتی ہیں، اگرچہ یہ گناہ ہے"۔

قال الإمامُ السرخسي رحمه الله تعالى: "وقال الشّافعيُّ رحمه الله تعالى: لا أعرِفُ في الجَمعِ بِدعةً، ولا في التّفرِيق سنّةً، بل الكلُّ مباحٌ، ورُبّما يقولُ: إيقاعُ الثّلاثِ جملةً سنّةٌ، حتَّى إذا قال

---

(۱) "فتاوى ابن رشد" رقم السؤال: ۵۰۱، ۳/ ۱۳۹۷.

(۲) "المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجّاج" كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، الجزء ۱۰، صـ۷۰.

(۳) "أحكام القرآن" باب عدد الطلاق، ذكر الحجاج لإيقاع الطلاق الثلاث معاً، ۲/ ۸۵.

لامرأتِه: أنتِ طالق ثلاثاً للسُنّة، وقع الكلُّ في الحال عندَه. قال: وبالاتفاق لَو نوَى وُقوعَ الثّلاثِ جملةً، يقَعُ جملةً ولَو لم يكن سنّةً؛ لما عملت نيّتَه؛ لأنّ النيّةَ بخلافِ الملفوظِ باطلٌ، واستدلّ في ذلك بحديثِ العجلانيّ؛ فإنّه لما لاعَنَ امرأتَه قال: كذبتُ عليها يا رسولَ الله! إن أمسكتُها، فهي طالقٌ ثلاثاً، ولم يُنكِر علَيه رسولُ الله ﷺ إيقاعَ الثلاث جملةً[1].

"حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، کہ میں نہیں سمجھتا کہ تین ۳ طلاقیں ایک ساتھ دینا بدعت ہے، اور نہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں، کہ ان کو الگ الگ دینا سنّت ہے، بلکہ ہر طرح طلاق دینا مُباح ہے۔ جبکہ بسااوقات فرماتے ہیں، کہ تین ۳ طلاقوں کو جمع کر کے دینا سنّت ہے، حتی کہ جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تمہیں سنّت کے مطابق تین ۳ طلاقیں ہیں"، تو امام شافعی نزدیک تینوں فوراً واقع ہوجائیں گی۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ اگر وہ اکٹھی تین ۳ طلاقوں کی نیّت کرے، تو تینوں اکٹھی واقع ہوجاتی ہیں؛ کیونکہ الفاظ کے خلاف نیّت باطل ہے۔ امام شافعی کی دلیل حدیث عجلانی ہے، جس میں انہوں اپنی زوجہ سے لعان کیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں اسے روکے رکھتا ہوں، تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت رکھی، لہذا اسے تین ۳ طلاقیں ہیں"۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ایک جملہ سے تین ۳ طلاقیں واقع ہونے پر انکار نہیں فرمایا"۔

اس کے بعد امام سَرَخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اَور بھی دلائل ذکر کیے، اور اخیر میں اس حدیث کا پہلا جواب دیتے ہوئے، اور فقہائے حنفیہ کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأنّ ابْنَ عمرَ رضي الله تعالى عنه لَمَّا طلّقَ امْرأتَه في حالةِ الحَيضِ، أمرَه رسولُ الله ﷺ أن يراجِعَها فقال: أرأيتَ لَو طلّقْتُها ثلاثاً، أ كانَت تحِلُّ لِي؟ فقال ﷺ «لا، بَانَتْ مِنْك وهي معصيةٌ». وبهذه الآثار تبيَّنَ أنّه إنّما تركَ الإنكارَ علَى العَجْلاني في ذلك الوقت؛ شفقةً عليه لعلمِه أنّه لشدّةِ الغضبِ، رُبّما لا يقبَلُ قولَه فيكفر، فأخّر الإنكارَ إلَى وقتٍ آخَر. وأنكرَ عليه في قولِه: «اذْهَبْ فلا سَبِيلَ لَك علَيْها!». أو كراهة إيقاعِ الثّلاثِ لِمَا فيهِ مِن

(١) "المبسوط" كتاب الطلاق، الجزء ٦، صـ٤.

سدِّ بابِ التّلافي من غيرِ حاجةٍ، وذلك غيرُ موجودٍ في حقِّ العَجلاني؛ لأنّ بابَ التّلافي بين المتلاعِنَين مُنسَدٌّ، مادامَا مُصِرَّيْن على اللِّعَان، والعَجلانِيُّ كان مُصِرّاً علَى اللِّعَان"[1].

"حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نے، جب اپنی زَوجہ کو حالتِ حیض میں طلاق دی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے انہیں رجوع کا حکم دیا، انہوں نے عرض کی، کہ اگر میں اسے تین ۳ طلاقیں دے دوں، تو کیا پھر بھی رجوع کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا، بَانَتْ مِنْك» "نہیں، بلکہ تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اور تین ۳ طلاقیں ایک ساتھ دینا گناہ ہے"۔ ان احادیث سے ظاہر ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ تعالی عنہ کو تین ۳ طلاقیں دینے سے؛ اس لیے نہیں روکا کہ وہ اُس وقت سخت غصہ میں تھے، اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو علم تھا، کہ اس وقت وہ آپ کی بات نہ مان کر، دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں گے! لہٰذا آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اَز رُوئے شفقت، انکار کو کسی اَور وقت کے لیے مؤخّر کر دیا۔

دوسرا جواب یہ ہے، کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ «اذْهَبْ فَلَا سَبِيلَ لَكَ علَيْها!» "جاؤ تمہارا اس عورت پر کوئی اختیار نہیں!"، تو یہی آپ کی طرف سے انکار تھا۔

تیسرا جواب یہ ہے، کہ تین ۳ طلاقیں بیک وقت دینا، اس وقت مکروہ ہے، جب بلا ضرورت ہو، اور ان کی تلافی وتدارُک ممکن ہو، جبکہ حضرت عویمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حق میں یہ وجہ متحقق نہیں تھی؛ کیونکہ جو میاں بیوی آپس میں لِعان پر مُصِر ہوں، ان کی طلاق کا تدارُک نہیں ہو سکتا، اور حضرت عویمر عجلانی لِعان پر مُصِر تھے"[2]۔

محقق علی الاِطلاق ابن ہُمام، متعدّد احادیثِ مبارکہ کی رَوشنی میں، تین ۳ طلاقوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "جُمہور صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمۂ مسلمین اس بات پر متفق ہیں، کہ تین ۳ طلاقیں

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الطلاق، باب من جوّز طلاق الثلاث ...إلخ، ر: ٥٢٥٩، صـ٩٣٩. و"سنن الدارقُطني" كتاب الطلاق والخلع والإيلاء وغيره، ر: ٣٩٦٩، الجزء ٤، صـ٣٦. و"مبسوط السرخسي" كتاب الطلاق، الجزء ٦، صـ٥، ٦.

(٢) "المبسوط" كتاب الطلاق، الجزء ٦، صـ٥، ٦.

بیک وقت دینے سے، تین ۳ہی واقع ہوتی ہیں، اور ان کے دلائل "مصنَّفِ ابن ابی شَیبہ "اور "دار قُطنی" میں، حدیث ابن عمر سے گزر چکے ہیں"[1]۔

خلاصۂ کلام

قرآن کریم، حدیث پاک اور اقوالِ علماء سے ثابت ہوا، کہ ایک مجلس میں دی گئی تین ۳طلاقیں، یا ایک لفظ سے دی گئی تین ۳ طلاقیں، تین ۳ شمار ہوتی ہیں، اس سے بیوی شَوہر پر حرام ہو جاتی ہے، اور بغیر حلالۂ شرعیہ کے شَوہرِ اوّل کے لیے حلال نہیں ہو سکتی!۔

فائدہ: جانشینِ مفتئ اعظم، فقیہِ اسلام حضور تاج الشریعۃ، علّامہ مفتی اختر رضا خان علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۱) "تین طلاقوں کا شرعی حکم "[2]، علّامہ یاسین اختر مصباحی حفظہ اللہ تعالیٰ صاحب کا رسالہ (۲) "تین طلاق کا شرعی حکم "[3]، حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ کا رسالہ (۳) "تلاق الاَدِلۃ فی حکم الطلاق الثلاثۃ "[4]محقق مسائل جدیدہ، استاذ مَن مفتی محمد نظام الدّین رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ صاحب کا رسالہ (۴) "تین طلاق کا شرعی حکم "[5]، علّامہ مفتی محمد ابراہیم صاحب قادری رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ (سکھر والے) کا رسالہ (۵) "تین طلاقوں کی شرعی حیثیت "[6]، استاذ مَن، فقیہِ العصر مفتی ابوبکر صدیق شاذلی حفظہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ (۶) "اکھٹی تین طلاق کا شرعی حکم "[7]، علّامہ مفتی محمد الیاس رضوی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب

---

(۱) "فتح القدير" كتاب الطلاق، ۳/ ۳۳۰.

(۲) مطبوعہ سنّی دنیا، بریلی شریف۔

(۳) مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور۔

(۴) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات۔

(۵) مطبوعہ مکتبہ برہان ملّت، مبارکپور اعظم گڑھ۔

(۶) مطبوعہ نوریہ رضویہ، سکھر۔

(۷) مطبوعہ صدیقی پبلیشرز، کراچی۔

(٧) "شریعتِ اسلامی اور تین طلاقیں"[1] اور علاّمہ مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ
(٨) "طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم"[2] کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(١) مطبوعہ ادارہ الفکر فاؤنڈیشن، کراچی۔

(٢) مطبوعہ مکتبہ برکات مدینہ، کراچی۔

(۷۸) اسلام میں کوئی دن اور مہینہ منحوس نہیں

ماہ وسال رات ودن اور وقت، ہر ایک کا خالق اللہ تعالی ہے، اور اللہ عزّوجلّ نے کسی دن یا کسی وقت کو منحوس نہیں بنایا ہے۔ ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے، اور اس قسم کے دیگر کاموں سے بھی پرہیز کرتے ہیں، سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ ۱۳ تاریخیں شدید منحوس تصوّر کی جاتی ہیں، ان ایّام کو "تیرہ تیزی" بھی کہتے ہیں۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، حدیث پاک میں فرمایا: «لاَ صَفَرَ!»(۱) "صفر کوئی چیز نہیں!" یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔ اسی طرح ذی القعدہ کے مہینے کو بھی بہت سے لوگ بُرا جانتے ہیں، اسے خالی کا مہینہ کہتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ نیز ہر ماہ کی ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ کو بھی منحوس جانتے ہیں، یہ سب بھی لغو وفضول باتیں ہیں۔

اسی طرح قمر در عقرب، یعنی چاند جب برجِ عقرب میں ہوتا ہے، تب سفر کرنے کو بُرا جانتے ہیں، اور نجومی لوگ اسے منحوس بتاتے ہیں۔ جب چاند برجِ اسد میں ہوتا ہے، تو کپڑے قطع کرانے اور سلوانے کو بھی بُرا جانتے ہیں۔ ایسی باتوں کو ہرگز نہ مانا جائے، یہ باتیں خلافِ شریعتِ اسلام اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔

نجومی لوگوں کی ایسی باتیں، جن میں ستاروں کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں، کہ فُلاں ستارہ طلوع کرے گا، تو فُلاں کام ہوگا۔ یہ سب بھی خلافِ شریعتِ اسلام ہے، حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: «أنّ رسولَ الله ﷺ نهى عَنِ النّظر في النُّجوم»(۲) "حضور نبی کریم ﷺ نے ستاروں میں دیکھنے سے منع فرمایا"(۳)۔

ماہ صفر کے آخری بدھ کو، برِصغیر پاک وہند وغیرہ میں، خوب منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر وتفریح وشکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں، نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں، اور

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الطب، باب الطيرة، ر: ٥٧٥٤، صـ١٠١٦.

(۲) "المعجم الأوسط" باب الميم، من اسمه موسى، ر: ٨١٨٢، ٦/ ١١١.

(۳) یعنی اس مقصد کے لیے دیکھنا، کہ کس ستارے کی وجہ سے بارش ہوگی، اس کے علاوہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا، اور بیرونِ مدینہ طیّبہ سَیر کو تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں، حضور اکرم ﷺ کا مرض شدّت اختیار کر گیا تھا، لہذا یہ سب باتیں خلافِ واقع ہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں اُترتی ہیں، اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، یہ سب بے ثبوت وبے اصل ہیں[1]۔

نحوست وبدشگونی، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تعالی کا ارشادِ پاک ہے: ﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ﴾[2] "وہ لوگ مسلمانوں سے بولے، کہ ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں!"۔

امام حافظ الدین نَسَفی رحمہ اللہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: "تشاءمنا بكم!؛ وذلك أنّهم كرهوا دينَهم، ونفرتْ منه نفوسُهم، وعادةُ الجهّال أن يتيمّنوا بكلّ شيءٍ مالُوا إليه، وقبلتْه طباعُهم، ويتشاءموا بما نفروا عنه وكرهوه، فإن أصابهم بلاءٌ أو نعمةٌ قالوا: بشؤمِ هذا وبركة ذلك، وقيل: حبس عنهم المطر"[3].

"یعنی انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ "ہم تم سے بدشگونی لیتے ہیں!" اور اس کی وجہ یہ تھی، کہ انہوں نے ان کے دینِ اسلام کو بُرا خیال کیا، اور ان کے نفوس اس دین سے نفرت کرنے لگے۔ جہلاء کی یہی عادت ہے، کہ ہر ایسی چیز سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں، جس کی طرف ان کا جھکاؤ ہو، اور جس چیز کو ان کی طبعیتیں قبول کرتی ہیں۔ اور جس چیز سے نفرت ہو، اسے منحوس قرار دیتے ہیں، ناپسند کرتے ہیں۔

(۱) "بہارِ شریعت" عیادت وعلاج کا بیان، ج۳، حصہ ۱۶، ص۶۵۹۔

(۲) پ۲۲، یس: ۱۸.

(۳) "المدارك" يس، تحت الآية: ۱۸، ۲/ ۳۹۶.

پھر اگر انہیں کوئی مصیبت یا نعمت حاصل ہو، تو کہتے ہیں کہ یہ فُلاں چیز کی نحوست سے ہے، یا یہ فُلاں چیز کی برکت سے حاصل ہوا۔ ایک قول یہ بھی ہے، کہ ان سے بارش روک لی گئی تھی"۔

نحوست وبدشگونی، حدیثِ نبوی کی روشنی میں

(۱) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لا عَدْوَى، ولا طِيَرَةَ، ولا هَامَةَ، ولا صَفَرَ!»[۱] "کوئی بیماری متعدّی نہیں، اور نہ بدفالی کوئی چیز ہے، اور نہ ہامہ ہے، نہ صفر!"۔

فقیہِ اعظم ہند، صدر الشریعۃ حضرت علّامہ امجد علی اعظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ہامہ سے مراد اُلّو ہے، زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب اس سے متعلق مختلف قسم کے خیالات رکھتے تھے، اور اب بھی لوگ اسے منحوس سمجھتے ہیں۔ ماہِ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں، حدیثِ پاک میں فرمایا، کہ یہ کوئی چیز نہیں"[۲]۔

محدّثینِ کرام فرماتے ہیں کہ "عرب والوں کا دستور تھا، کہ لڑائی (جنگ) کے لیے کبھی محرّم کے مہینے کو صفر سے بدل دیتے۔ کچھ لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، اس حدیث میں اس بات کی نفی فرمائی گئی ہے"[۳]۔

(۲) حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: «يُؤذِينِي ابنُ آدمَ يسبُّ الدَّهْرَ وأنا الدَّهْرُ، بِيدِي الأمرُ، أُقَلِّبُ اللّيلَ والنّهارَ!»[٤] "ابنِ آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، کہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ زمانے کا خالق تو میں ہی ہوں! میرے ہی قبضۂ قدرت میں تمام اُمور ہیں، میں ہی رات ودن کو گردش دیتا ہوں!"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الطبّ، باب الجذام، ر: ٥٧٠٧، صـ١٠٠٩.

(۲) "بہارِ شریعت" عیادت وعلاج کا بیان، ج۳، حصہ ۱۶، ص ۵۰۲۔

(۳) "نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری" کتاب طب، ۸/۲۵۴، بتصرف"۔

(٤) "صحيح البخاري" كتاب تفسير القرآن، باب ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ ...الآية، ر: ٤٨٢٦، صـ٨٥٤.

(۳) حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مدنی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لا طِيَرَةَ، وخيرُها الفَأْلُ!» قالوا: وما الفأْلُ؟ قال: «الكَلِمَةُ الصّالحةُ يسمَعُها أحدُكم»[۱] "بدفالی کوئی چیز نہیں، اور فال اچھی چیز ہے "لوگوں نے عرض کی کہ فال کیا چیز ہے؟ فرمایا: اچھی بات جو تم سنو"۔

صدر الشریعۃ حضرت علّامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یعنی کہیں جاتے وقت، یا کسی کام کا ارادہ کرتے وقت، کسی کی زبان سے اگر اچھا کلمہ نکل گیا، تو یہ فالِ حَسَن ہے"[۲]۔

نحوست وبد شگونی، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلّامة الشّامي رحمه الله تعالى: "وسُئل ما يكون السؤالُ عن النحس والسعد، وعن الأيّام واللّيالي التي تصلح لنحو السّفر والانتقال، ما يكون جوابه؟" (أجاب:) "مَن يسأل عن النحس وما بعده، لا يجاب إلّا بالإعراض عنه، وتسفيهِ ما فعله، ويبيّن له قُبحه، وأنّ ذلك من سنّة اليهود، لا من هَدي المسلمين المتوكّلين على خالقِهم وبارئِهم، الذين لا يحسبون، وعلى ربّهم يتوكّلون"[۳].

"علّامہ حامد آفندی رحمۃ اللہ علیہ سے سُوال کیا گیا، کہ کیا بعض ایّام منحوس یا مبارک ہوتے ہیں، جو سفر اور دیگر کاموں کے لیے بہتر مانے جاتے ہیں؟ توانہوں نے فرمایا، کہ جو شخص ایسا سوال کرے، اسے جواب ہی نہ دیا جائے، بلکہ ایسے افعال کو جہالت سے تعبیر کیا جائے، ان کی مذمت بیان کی جائے، کہ ایسے تصوّرات یہود کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں، جو اللہ تعالی پر توکُّل کرتے ہیں!"۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الطبّ، باب الطيرة، ر: ٥٧٥٤، صـ١٠١٦.

(۲) "بہار شریعت" عیادت وعلاج کا بیان، ج۳، حصہ۱۶، ص۵۰۲۔

(۳) "العقود الدرّية في تنقيح الفتاوى الحامديّة" مسائل وفوائد شتّى من الحظر والإباحة، ٢/ ٣٦٧.

قال العلّامة الزرقاني رحمه الله: "قال البيضاوي: هو نفيٌ لِمَا يُتوهَّمُ أنّ شهرَ صفرٍ تكثرُ فيه الدّواهِي"[1]. "علّامہ بیضاوی نے فرمایا، کہ (حدیثِ پاک میں جو فرمایا کہ "صفر کوئی چیز نہیں") اس سے ماہِ صفر میں بکثرت بلاؤں سے متعلق، توہّمات کی نفی کی گئی ہے"۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "ماہِ صفر المظفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن حضور ﷺ کی صحتیابي کا کوئی ثبوت ہے، بلکہ مرضِ اقدس جس میں وصال شریف ہوا، اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے"[2]۔

خلاصۂ کلام

قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ کوئی دن اور مہینہ منحوس نہیں، لہٰذا اس قسم کی بدشگونی سے بچ کر اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ہاں کچھ دن اور راتیں فضیلت والی ضرور ہیں، جیسا کہ ماہ ذی الحجہ کی دس ۱۰ راتیں، لیلۃ القدر، لیلۃ المولد النبوی، شبِ براءت اور یومِ جمعہ وغیرہ۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، شیخ عبد الحق محدّث دہلوی علیہ الرحمہ کی کتاب "ما ثبت من السُنّة في أيام السّنَة"[3] "بابِ ماہِ صفر کا بیان" کا مطالعہ قارئین کے لیے بہت مفید رہے گا۔

(١) "شرح الزرقاني على الموطأ" كتاب الجامع، باب عيادة المريض والطيرة، ٤/ ٣٣٣.

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والاباحۃ، رسالہ "رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران والمؤاساة الفقراء" ۱۶/۷۴۔

(۳) مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ سوادِ اعظم، موچی گیٹ، لاہور۔

(۷۹) اسلام اور شاعری

شعر کی تعریف

"الشِّعر في اللُّغة: العلمُ. وفي الاصطلاح: كلامٌ مقفّى موزونٌ على سبيل القصد"[1]. "شعر کالُغوی معنی جاننا ہے، اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں: ارادی طَور پر وزن وقافیے کے سانچے میں ڈھلا ہوا کلام"۔

شعر وشاعری، قرآنِ کریم کی رَوشنی میں

اللہ تعالی قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾[2]. "شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، کیا تم نے نہ دیکھا، کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور وہ بات کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے، سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، اور بکثرت اللہ کی یاد کی، اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور عنقریب ظالم جان لیں گے، کہ کس کروَٹ پر پلٹا کھائیں گے!"۔

امام قُرطبی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "حتّى يفضِّلوا أجبَنَ النّاس علَى عنتَرَةٍ، وأشحّهم على حاتِمٍ، وإنْ يبهتوا البريءَ ويفسّقوا التّقيَّ، وأنْ يفرِطُوا في القول بما لم يفعلْه المرءُ"[3]. "یہ شاعر لوگ نہایت بُزدل آدمی کو، انتہائی دلیر سے افضل بتاتے ہیں،

---

(۱) "التعريفات" باب الشين، صـ۱۰۷. و"المعجم الوسيط" باب الشين، الجزء ۱ صـ٤٨٤. و"فیروز اللغات" ص۸۹۱۔

(۲) پ۱۹، الشعراء: ۲۲٤- ۲۲۷.

(۳) "الجامع لأحكام القرآن" الشعراء، تحت الآية: ۲۲٦، الجزء ۱۳، صـ۱۳٤.

نہایت کنجوس کو انتہائی سخی سے بڑھا دیتے ہیں، نہایت نیک آدمی پر بہتان باندھتے ہیں، اور اسے فاسق ثابت کرتے ہیں، کسی کی شان بیان کرتے وقت اِفراط اور مبالغے سے کام لیتے ہیں، جس کا وہ اہل نہیں ہوتا!"۔

امام بغَوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "قال أهلُ التّفسِير: أرادَ شُعَراءَ الكُفَّارِ، الّذين كانوا يَهْجُونَ رسولَ الله ﷺ"[1]. "مفسّرین کرام نے فرمایا، کہ اس آیت مبارکہ میں وہ کافر شُعراء مراد ہیں، جو حضور نبئ کریم ﷺ کی ہجو (توہین) کیا کرتے تھے"۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں: "أي: لم يُشْغِلْهم الشّعرُ عَن الإكثارِ في الذِّكْرِ، ويكونَ أكثرُ أشعارِهم في الذِّكرِ والتوحيدِ والثّناءِ على الله، وَالحَثّ علَى طاعَتِه"[2]. "وہ شاعر مستثنیٰ ہیں، جنہیں ان کی شاعری، اللہ کے ذکر کی کثرت سے نہیں روکتی، بلکہ ان کے اکثر شعر، اللہ کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں، یعنی وہ اللہ کی توحید وثناء اور اس کی اطاعت کے بارے میں لکھتے ہیں"۔

شعر وشاعری، حدیثِ نبوی کی رَوشنی میں

(۱) حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور نبئ کریم ﷺ سے شعر کے بارے میں سوال ہوا، تو ارشاد فرمایا: «هو كلامٌ، فحَسَنُهُ حَسنٌ، وقَبِيحُهُ قَبِيحٌ»[3] "یعنی شعر بھی ایک کلام ہے، اس میں جتنی اچھی بات ہے اُتنا اچھا ہے، اور جتنی بُرائی ہے اتنا بُرا ہے"۔

(۲) حضرت سیّدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «إنّ مِنَ الشِّعرِ حِكمَةً!»[4] "یقیناً بعض اَشعار میں حکمت کی باتیں بھی ہوتی ہیں!"۔

---

(۱) "معالم التنزيل" الشعراء، تحت الآية: ۲۲٤، ۳/ ۳۰۳.

(۲) "التفسير المَظهري" الشعراء، تحت الآية: ۲۲۷، ۷/ ۹۷.

(۳) "مسند أبي يعلى" مسند عائشة، ر: ٤۷٥۸، ٤/ ۸۱.

(٤) "صحيح البخاري" كتاب الأدب، باب ما يجوز من الشعر ...إلخ، ر: ٦۱٤٥، صـ۱۰۷۱.

(۳) حضرت سیّدنا شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں، کہ ایک روز میں مدنی آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: «هل معك مِن شِعرِ أميّةَ ابْنِ أبِي الصَّلْتِ شيءٌ؟» قلتُ: نعم، قال: «هِيهْ» فأنشَدتُه بيتاً، فقال: «هِيهْ» ثمّ أنشَدتُهُ بيتاً، فقال: «هِيهْ» حتَّى أنشَدتُه مِئَةَ بيتٍ[1]. "کیا تمہیں اُمیہ بن ابی الصلت کے اَشعار میں سے کچھ یاد ہے؟ میں نے عرض کی: جی حضور! آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سناؤ! میں نے ایک شعر سنایا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَور سناؤ! میں نے ایک اَور سنایا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَور سناؤ! یہاں تک کہ میں نے ایک سو اَشعار سنا دیے!"۔

(۴) حضرت سیّدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے، حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! شعر وشاعری سے متعلق آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: «المؤمنُ يجاهِدُ بسَيفِه ولسانِه!»[2] "مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے، اور اپنی زبان سے بھی!"۔

علّامہ عبد الرؤوف مُناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں: "«إنّ المؤمن يجاهد بسَيفِه» الكفّارَ «ولسانِه» الكفّارَ وغيرَهم من المُلحِدين والفِرق الزّائغة، بإقامة الحجّة ونصب البراهين وغير ذلك. أو أراد بالجِهاد باللِّسان هجوَ الكفرِ وأهلِه، ومقصودُ الحديث: أنّ المؤمنَ شأنُه ذلك، فلا ينبغي أن يقتصرَ على جِهاد أعداءِ الله بالسِّنان، بل يضمّ إليه الجهاد باللِّسان"[3].

"(مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے) کفّار کے خلاف (اور اپنی زبان سے بھی) کفّار ودیگر ملحدین اور گمراہ فرقوں کا، دلائل وبراہین سے رَد کرتا ہے۔ یا زبان سے جہاد کرنا یہ ہے، کہ کفر اور کفّار

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الشعر، باب في إنشاد الأشعار ...إلخ، ر: ٥٨٨٥، صـ١٠٠٠.

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند المكّيين، بقية حديث كعب بن مالك الأنصاري، ر: ١٥٧٨٥، ٥/ ٣٥٠. و"الاستيعاب في معرفة الأصحاب" حرف الكاف، باب كعب، تحت ر: ٢٢٠٥ كعب بن مالك بن أبي كعب، ٣/ ١٣٢٥.

(۳) "فيض القدير" حرف الهمزة، تحت ر: ٢١٠٤، ٢/ ٣٨٦.

وغیرہ کی بُرائی بیان کی جائے، اور مقصودِ حدیث یہ ہے، کہ مؤمن اللہ کے دشمنوں سے صرف تلوار ہی سے جہاد نہیں کرتا، بلکہ زبان سے بھی ان کارَد کرتا ہے"۔

شعر وشاعری، اقوالِ علماء کی رَوشنی میں

قال العلاّمة علي القاريﷺ: "إنّ مِنَ الشّعْرِ كلاماً نافعاً يمنَعُ عَنِ السّفَهِ والجَهْلِ، وهو ما نَظّمَهُ الشّعَرَاءُ مِنَ المَوَاعِظِ والأمثَالِ الّتِي ينتَفِعُ بِه النّاسُ؛ فإنّ الشِّعْرَ كلامٌ، فحَسنُهُ كحَسَنِ الكلام"[1]. "یقیناً بعض اَشعار بہت مفید کلام پر مشتمل ہوتے ہیں، جن کے ذریعے جہالت وبے وقوفی دُور ہوتی ہے، اور یہ وہ اَشعار ہیں، جنہیں شعراء نصیحتوں اور ضربُ الاَمثال سے منظوم کرتے ہیں، ان سے عموماً لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے، تو شعر بھی ایک کلام ہے، لہٰذا اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے"۔

قال العلاّمة الشّاميﷺ: "إنّ مجرَّدَ إيهَامِ المَعنَى المُحَالِ كَافٍ فِي المَنعِ عَنْ التّلفّظِ بهذا الكلامِ، وإن احتملَ مَعنًى صَحِيحاً"[2]. "کسی کلام سے محال (ناممکن) معنی کا وَہم پیدا ہونا، اُس کلام کے پڑھنے کی ممانعت کے لیے کافی ہے، اگرچہ وہ کلام کسی صحیح معنی کا بھی احتمال رکھتا ہو"۔

امام اہل سنّت امام احمد رضا ﷫ فرماتے ہیں کہ "وہ پڑھنا سننا جو مُنکَراتِ شرعیہ پر مشتمل ہو، ناجائز ہے، جیسے رِوایاتِ باطلہ، وحکایاتِ مَوضوعہ (من گھڑت)، واَشعار خلافِ شرع، خصوصاً جن میں توہینِ انبیاء وملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام ہو، کہ آج کل کے جاہل نعت گویوں کے کلام میں، یہ بلائے عظیم بکثرت ہے، حالانکہ وہ صریح کلمۂ کفر ہے"[3]۔

---

(١) "مرقاة المفاتيح" كتاب الأدب، باب البيان والشعر، تحت ر: ٤٧٨٤، ٨/ ٥٣٨.

(٢) "رد المحتار" كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ٥/ ٢٥٣.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاِباحۃ، مجالس ومحافل، ۲۲/۲۳-۷۷۔ (رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

خلاصۂ کلام

قرآنِ مجید، احادیث مبارکہ اور اقوالِ علمائے کرام کی رَوشنی میں یہ بات ثابت ہوئی، کہ ایسے اَشعار جو اَحکامِ شریعت کے خلاف نہ ہوں، پند ونصیحت، یا حمد ونعت، یا بزرگانِ دین کی منقبت، یا حکمت ودانش پر مشتمل ہوں، اُن کا پڑھنا سننا جائز ہے۔

ایک اِصلاحی پہلو

اچھے شاعروں کی حَوصلہ اَفزائی، اور خلافِ شرع لکھنے والوں کی خرابی بیان کرنا بہت ضروری ہے۔ شاعری اگر جائز طریقے سے کی جائے، تب بھی اس قدر احتیاط لازم ہے، کہ اسے اپنے اوپر اتنا غالب نہ کر لیا جائے، کہ اللہ تعالی کی یاد، حصولِ علم، تلاوتِ قرآنِ پاک وغیرہ دیگر اہم معاملات میں خلل کا باعث بنے۔ اسی طرح وہ اَشعار جو اسلام اور نظریاتِ اہل سنّت کے خلاف ہوں، ان کا پڑھنا بھی جائز نہیں۔

فائدہ: اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے، ڈاکٹر محمد عبد الرحمن اَہدل کی کتاب "الشعر في ضوء الشريعة الإسلامية"[1] کا مطالعہ قارئین کے لیے مفید ہے۔

(١) مطبوعة من الجامعة الإسلامية، المدينة المنوّرة.

فہارس علمیّہ

فہرست آیاتِ قرآنیہ

آیت	پارہ	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ
لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	٢٨	المجادلة	٢٢	١٧٠، ٦٤٧
وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا	٢٨	الحشر	٧	١٤٢، ٢٨٤
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	٢٨	الحشر	١٠	٤٦٨
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	٢٨	الحشر	٢٣	١٣٣
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	٢٨	الممتحنة	١٢	٤٥٢
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ	٢٨	الصف	٢	٦٣٨
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ	٢٨	التحريم	٤	١٠٢، ٢٩٤
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ	٢٩	القلم	٤	٢٠٠
مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ	٢٩	القلم	١٢	٥٣٥

فہرست احادیث وآثار

ماخذومراجع

ـ الأجوبة المرضية فيما سُئل السخاوي عنه من الأحاديث، السَّخاوي (ت٩٠٢هـ)، تحقيق محمد إسحاق، مكّة المكرّمة، مصر: دار الراية للنشر والتوزيع ١٤١٨هـ، ط١.

ـ احسن الوعاء لآداب الدعاء، نقی علی خان (ت ۱۲۹۷ھ)، کراچی: مکتبۃ المدینۃ۔

ـ احکامِ شریعت، امام احمد رضا (ت ۱۳۴۰ھ)، لاہور: شبیر برادرز ۱۹۸۴م ط۱۔

ـ أحكام القرآن، الجصّاص (ت٣٧٠هـ)، تحقيق محمد صادق القمحاوي، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٠٥هـ.

ـ إحياء علوم الدِّين، الغزالي (ت٥٠٥هـ)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٦هـ، ط١.

ـ اَخبار الاَخیار، عبد الحق محدّث دہلوی (ت ۱۰۵۲ھ)، لاہور: نوریّہ رضویّہ کمپنی۔

ـ الأدب المفرَد، محمد بن إسماعيل البخاري (ت٢٥٦هـ)، تحقيق عادل سعد، مكّة المكرّمة: مكتبة نزار مصطفى البابي ١٤٢٥هـ، ط١.

ـ اِذاقۃ الآثام لمانعِ عمل المولد والقیام، نقی علی خان (ت ۱۲۹۷ھ)، تحقیق محمد اسلم رضا میمن تحسینی، کراچی: ادارۂ اہل سنّت۔

ـ الأذكار من كلام سيّد الأبرار، النَّوَوي (ت٦٧٦هـ)، تحقيق محمد غسّان نصوح عزقول، جدّة: دار المنهاج ١٤٢٥هـ، ط١.

ـ إرشاد السّاري لشرح صحيح البخاري، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤٢١هـ.

ـ ازواجِ مطہّرات، شکیل الرحمن مصباحی، مبارکپور: الجامعۃ الاشرفیہ۔

ـ الأسماء والصفات، البَيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق الشيخ عماد الدين أحمد حيدر، بيروت: دار الكتب العربي ١٤١٥هـ، ط٢.

ـ الأشباه والنظائر، ابن نجَيم (ت٩٧٠هـ)، تحقيق الدكتور محمّد مطيع الحافظ، دِمشق: دار الفكر ١٤٢٠هـ.

ـ أطيَب النغم، الشاهْ ولي الله الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، دهلي: مطبع مجتبائي ١٣٠٨هـ.

_ الاستيعاب، ابن عبد البرّ (ت٤٦٣هـ)، تحقيق علي محمد البجاوي، بيروت: دار الجيل ١٤١٢هـ، ط١.

_ اشعّۃ اللمعات فی شرح المشکاۃ، شیخ عبدالحق محدِّث دہلوی (ت ۱۰۵۲ھ)، نَوَلکِشَور: مطبع نامی۔

_ الإصابة في تمييز الصحابة، ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢هـ)، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٥هـ، ط١.

_ الأصل = المبسوط، الإمام محمد بن الحسن الشيباني (ت١٨٩هـ)، تحقيق: د. محمد بوينوكالن، بيروت: دار ابن حزم ١٤٣٣هـ، ط١.

_ اصلاح عقائد واعمال، مفتی منیب الرحمن، منجانب علماء ومشائخ اہل سنت وجماعت۔

_ اصول الرَّشاد لقمع مَبانی الفساد، نقی علی خان (ت۱۲۹۷ھ)، تحقیق محمد اسلم رضا میمن تحسینی، کراچی: ادارۂ اَہل سنّت ۱۴۳۰ھ، ط۲۔

_ الاعتصام، الشاطبي (ت٧٩٠هـ)، تحقيق سليم بن عيد الهلالي، السعودية: دار ابن عفّان ١٤١٢هـ، ط١.

_ الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف وأصحاب الحديث، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق أحمد عصام الكاتب، بيروت: دار الآفاق الجديدة ١٤٠١هـ، ط١.

_ الإعلام بقواطع الإسلام، ابن حجر المكّي (ت٩٧٤هـ)، إستانبول: مكتبة الحقيقة ١٤٢٦هـ.

_ الاقتصاد في الاعتقاد، الغزالي (ت٥٠٥هـ)، تحقيق عبد الله محمد الخليلي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٤هـ، ط١.

_ الإقناع في حلّ ألفاظ أبي شجاع، الخطيب الشَّربيني (ت٩٧٧هـ)، تحقيق مكتب البحوث والدراسات - دار الفكر، بيروت: دار الفكر.

_ انوار الفتاوی، مفتی محمد اسماعیل نورانی، لاہور: فرید بک اسٹال ۱۴۲۸ھ، ط۱۔

_ الإكليل في استنباط التنزيل، السيوطي (ت٩١١هـ)، تحقيق سيف الدين عبد القادر الكاتب، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠١هـ.

_ إكمال المعلم بفوائد مسلِم، القاضي عياض (ت٥٤٤هـ)، تحقيق الدكتور يحيى إسماعيل، المنصورة: دار الوفاء ١٤١٩هـ، ط١.

_ الأمّ، للإمام محمد بن إدريس الشافعي (ت٢٠٤هـ)، بيروت: دار المعرفة ١٤١٠هـ.

ـ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، شاہ ولی اللہ دہلوی (ت۱۱۷۶ھ)، لائل پور: کتب خانہ علویہ رضویہ۔
ـ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الحنبلي (ت٨٨٥هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي، ط٢.
ـ آئینۂ قیامت، مولانا حسن رضا خان (ت۱۳۲۶ھ)، کراچی: مکتبۃ المدینہ ۱۴۲۷۔
ـ الباعث على إنكار البدَع والحوادث، أبو شامّة (ت٦٦٥هـ)، تحقيق عثمان أحمد عنبر، القاهرة: دار الهدى ١٣٩٨هـ، ط١.
ـ البحر الرائق، ابن نجَيم المصري الحنفي (ت٩٧٠هـ)، تحقيق الشيخ زكريّا عميرات، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٨هـ، ط١.
ـ بدائع الصنائع، الكاساني (ت٥٨٧هـ)، تحقيق محمد عدنان بن ياسين درويش، بشاوَر: المكتبة الحقّانية.
ـ البداية والنِّهاية، ابن كثير (ت٧٧٤هـ) بيروت: مكتبة المعارف.
ـ البناية في شرح الهداية، العيني (ت٨٥٥هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١١هـ، ط٢.
ـ بہارِ شریعت، مفتی امجد علی اعظمی (ت۱۳۶۷ھ)، کراچی: مکتبۃ المدینہ ۱۴۲۹ھ۔
ـ بهجة الأسرار ومعدن الأنوار، الشطنوفي (ت٧١٣هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٣هـ، ط١.
ـ تاريخ بغداد، الخطيب البغدادي (ت٤٦٣هـ)، تحقيق صدقي جميل العطار، بيروت: دار الفكر ١٤٢٤هـ، ط١.
ـ تاريخ الخلفاء، السيوطي (ت٩١١هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش، القاهرة: مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤٢٥هـ، ط١.
ـ تاريخ دِمشق، ابن عساكر (ت٥٧١هـ)، تحقيق علي شيري، بيروت: دار الفكر ١٤١٩هـ، ط١.
ـ تاريخ الطَبَري، الطبري (ت٣١٠هـ)، بيروت: دار التراث ١٣٨٧هـ، ط٢.
ـ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الزَّيلعي (ت٧٤٣هـ)، مصر: المطبعة الأميريّة ١٣١٥هـ، ط٣.
ـ تحرير الأصول، ابن الهمام (ت٨٦١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٧هـ، ط١.
ـ تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين من كلام سيّد المرسَلين، الشَّوكاني (ت١٢٥٠هـ)، بيروت: دار القلم ١٩٩٨م، ط١.

_ تخريج إحياء علوم الدِّين، العراقي (ت٨٠٦هـ)، (مطبوع هامش إحياء علوم الدين)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٦هـ، ط١.

_ التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة، القُرطبي (ت٦٧١هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٤هـ، ط١.

_ تصانیف امام احمد رضا، مولانا عبد المبین نعمانی، مبارکپور اعظم گڑھ: رضا اکیڈمی ۱۴۲۵ھ۔

_ تطهير الجنان واللسان، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، (مطبوع مع الصواعق المحرقة) تحقيق: عبد الوهّاب عبد اللطيف، ملتان: مكتبه مجيديه ١٤١٠هـ، ط٣.

_ التعريفات، السيّد شريف الجُرجاني (ت٨١٦هـ)، تحقيق إبراهيم الأبياري، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤٢٣هـ.

_ التعقبات على الموضوعات، السيوطي (ت٩١١هـ)، تحقيق عامر أحمد حيدر، بيروت: دار الجنان ١٤١١هـ، ط١.

_ تفسير ابن أبي حاتم، ابن أبي حاتم الرازي (ت٣٢٧هـ)، تحقيق: أسعد من الطيّب، الرياض: مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤١٧هـ، ط١.

_ تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، محمد بن مصطفى العمادي (ت٩٨٢هـ)، تحقيق: الشيخ محمد صبحي حسن حلاق، بيروت: دار الفكر ١٤٢١هـ، ط١.

_ تفسير الألوسي = روح المعاني في تفسير القرآن العظيم، شهاب الدّين الألوسي (ت ١٢٧٠هـ)، تحقيق: علي عبد الباري عطية، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٥هـ، ط١.

_ التفسيرات الأحمديّة، مُلّا جِيوَن (ت١١٣٠هـ)، پشاور: مكتبة حقّانية.

_ تفسير البيضاوي = أنوار التنزيل وأسرار التأويل، البيضاوي (ت٩٨٥هـ)، تحقيق: الدكتور. محمد أحمد الأطرش، بيروت: دار الرشيد ١٤٢١هـ، ط١.

_ تفسير الجلالَين، المحلّي (ت ٨٦٤هـ)، و السيوطي (ت٩١١هـ)، أعظم جَره: مجلس البركات الجامعة الأشرفية ١٤٢٧هـ.

_ تفسير روح البيان، إسماعيل حقّي (ت ١١٢٧هـ)، بيروت: دار الفكر.

_ تفسیر فتح العزیز = تفسیر عزیزی، عبد العزیز دہلوی (ت۱۲۳۹ھ)، پشاور: قدیمی کتب خانہ و کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی۔

_ تفسير القرآن العظيم، ابن كثير (ت٧٧٤هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢١هـ.

_ التفسير الكبير = مفاتيح الغيب، فخر الدّين الرّازي (ت٦٠٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٧هـ، ط٢.

_ التفسير المَظهري، قاضي ثناء الله المَظهري (ت١٢٢٥هـ)، تحقيق أحمد عزو عناية، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٥هـ، ط١.

_ تفہیم المسائل، مفتی منیب الرحمن، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز ۲۰۱۷م، ط۱۔

_ تکمیل الایمان، عبدالحق محدّث دہلوی (ت۱۰۵۲ھ)، کراچی: الرحیم اکیڈمی۔

_ التوضيح في شرح المختصر، خليل بن إسحاق المالكي المصري (ت٧٧٦هـ)، تحقيق د. أحمد بن عبد الكريم نجب، دِمشق: مركز نجيبويه للمخطوطات وخدمة التراث ١٤٢٩هـ، ط١.

_ التوضيح لشرح الجامع الصحيح، ابن الملقّن (ت٨٠٤هـ)، تحقيق دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث، دِمشق: دار النوادر ١٤٢٩هـ، ط١.

_ تهذيب اللغة، محمد بن أحمد الهَروي (ت٣٧٠هـ)، تحقيق محمد عوض مرعب، بيروت: دار إحياء التراث العربي ٢٠٠١م، ط١.

_ التيسير بشرح الجامع الصغير، المُناوي (ت١٠٣١هـ)، تحقيق دكتور مصطفى محمّد الذَهبي، القاهرة: دار الحديث ١٤٢١هـ، ط١.

_ جامع البيان عن تأويل آي القرآن، ابن جرير الطَبَري (ت٣١٠هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٥هـ.

_ جامع الرُّموز، القُهُستاني (ت٩٥٥هـ)، كراتشي: أيج أيم سعيد كمبني.

_ الجامع لأحكام القرآن، القُرطبي (ت٦٧١هـ)، تحقيق عبد الرزّاق المهدي، كوئته: المكتبة الرشيديّة.

_ الجامع الوجيز، حافظ الدّين البزازي (ت٨٢٧هـ)، (هامش الهندية) بشاور: المكتبة الحقانية.

_ جاءالحق، احمدیار خان نعیمی (ت۱۳۹۱ھ)، گجرات: نعیمی کتب خانہ۔

_ جدّ الممتار على ردّ المحتار، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ)، تحقيق محمد أسلم رضا الميمني، أبوظبي: دار الفقيه ١٤٣٤هـ.ط١.

_ الجزء المفقود من الجزء الأوّل من المصنَّف، عبد الرزّاق (ت٢١١هـ)، تحقيق عيسى بن عبد الله بن محمد المانع الحَميري، لاهور: مؤسسة الشرف ١٤٢٥هـ، ط٢.

_ جمع الوسائل في شرح الشمائل، علي القاري (ت١٠١٤هـ)، ملتان: إدارة تأليفات أشرفية.

_ جواهر البحار في فضائل المختار، النبهاني (ت١٣٥٠هـ)، بيروت.

_ الجوهر المنظَّم، الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، مصر: المطبعة الخيريّة ١٣٣١هـ، ط١.

_ الجوهرة النيّرة شرح مختصر القدوري، الحدّادي البغدادي (ت في حدود ٨٠٠هـ)، القاهرة: المطبعة العامرة ١٣١٦هـ.

_ حاشية الصاوي على تفسير الجلالَين، الصاوي (ت١٢٤١هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٥هـ، ط١.

_ حاشية الطحطاوي على الدرّ المختار، السيّد أحمد الطحطاوي (ت١٢٣١هـ)، مصر: دار الطباعة العامرة ١٢٦٨هـ.

_ حاشية محيي الدّين شيخ زاده على تفسير البيضاوي، شيخ زاده (ت٩٥١هـ)، تحقيق محمد عبد القادر شاهين، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط١.

_ الحاوي للفتاوي، السّيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ.

_ الحبائك في أخبار الملائك، السيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠٥هـ، ط١.

_ الحجّة على أهل المدينة، الإمام محمد بن الحسن الشَّيباني (ت١٨٩هـ)، بيروت: عالم الكتب ١٤٠٣هـ، ط٣.

_ حدائق بخشش، امام احمد رضا (ت۱۳۴۰ھ)، کراچی: مکتبۃ المدینہ۔

_ الحديقة النديّة شرح الطريقة المحمّديّة، النابلُسي (ت١١٤٣هـ)، أولنمشدر: المطبعة العامرة ١٢٩٠هـ.

_ حلبة المجلّي وبغية المهتدي، ابن أمير حاج، (ت٨٧٩هـ)، تحقيق أحمد بن محمد الغلاييني، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٣٦هـ. ط١.

_ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، أبو نعَيم الأصفهاني (ت٤٣٠هـ)، تحقيق مصطفى عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلميّة.

_ حياة الأنبياء، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق د. أحمد بن عطية الغامدي،المدينة المنوّرة: مكتبة العلوم والحكم ١٤١٤هـ.ط١.

_ حیاتِ اعلی حضرت، ظفر الدین بہاری (ت ۱۳۸۲ھ)، بمبئ: رضا اکیڈمی ۱۴۲۴ھ۔

_ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، نعیم الدین مراد آبادی (ت ۱۳۶۷ھ)، مبارکپور اعظم گڑھ: الجامعۃ الاشرفیہ۔

_ الخصائص الكبرى، السيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٢هـ، ط٢.

_ خطباتِ کاظمی، سیّد احمد سعید کاظمی (ت ۱۴۰۶ھ)، ملتان: کاظمی پبلی کیشنز۔

_ خلاصة الفتاوى، طاهر بن أحمد البخاري (ت٥٤٢هـ)، كوئته: المكتبة الرشيدية ١٤١٤هـ، ط٣.

_ الخلافيات بين الإمامين الشافعي وأبي حنيفة وأصحابه، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق فريق البحث العلمي بشركة الرّوضة، القاهرة: الروضة للنشر والتوزيع ١٤٣٦هـ، ط١.

_ الخيرات الحِسان، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، دِمشق: دار الهدى والرَّشاد ١٤٢٨هـ، ط١.

_ الدرّ الثمين في مبشّرات النّبي الأمين، الشّاهْ ولي الله الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، کراچی: میر محمد کتب خانہ۔

_ الدرّ المختار شرح تنوير الأبصار، الحصكفي (ت١٠٨٨هـ)، تحقيق الدكتور حسام الدّين فَرفور، دِمشق: دار الثقافة والتراث ١٤٢١هـ، ط١، وبيروت: دار إحياء التراث العربي.

_ الدرّ المنثور في التفسير المأثور، السيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ.

_ الدر المنضود في الصّلاة والسّلام على صاحب المقام المحمود، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، جدّة: دار المنهاج ١٤٢٦هـ، ط١.

_ درّة الناصحين في الوعظ والإرشاد، عثمان بن حسن الخوبري (من علماء القرن الثالث عشرة)، القاهرة: دار إحياء الكتب العربية.

_ دلائل النبوّة، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق عبد المعطي قلعجي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٣٣هـ، ط٢.

_ دلائل النبوّة، أبو نعَيم الأصبهاني (ت٤٣٠ﻫ)، تحقيق محمد روّاس قلعجي، بيروت: دار النفائس ١٤٠٦ﻫ، ط٢.

_ الديباج على صحيح مسلم بن الحجّاج، السيوطي (ت٩١١ﻫ)، تحقيق أبو إسحاق الحويني الأثري، المملكة العربية السعودية: دار ابن عفّان للنشر والتوزيع ١٤١٦ﻫ، ط١.

_ الدَّولة المكيّة بالمادّة الغَيبية، الإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠ﻫ)، لاهور: مؤسسة الرضا ١٤٢٢ﻫ، ط١.

_ ديوان حسّان بن ثابت، حسّان بن ثابت (ت٦٠ﻫ)، تحقيق الأستاذ عبد أ مهنا، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٥ﻫ، ط٤.

_ ذوقِ نعت، مولانا حسن رضاخان (ت۱۳۲۶ھ)، لاہور: انجمن حزب الاَحناف۔

_ ذیل المدعا لاحسن الوعا، امام احمد رضا (ت۱۳۴۰ھ)، کراچی: مکتبۃ المدینہ۔

_ ردّ المحتار على الدرّ المختار، ابن عابدين (ت١٢٥٢ﻫ)، تحقيق الدكتور حسام الدين بن محمّد صالح فَرفور، دِمشق: دار الثقافة والتراث ١٤٢١ﻫ، ط١، وبولاق: دار الطباعة المصريّة.

_ الرّسالة القشَيرية، القشَيري (ت٤٥٦ﻫ)، بيروت: مؤسسة الكتب الثقافية ١٤٢٠ﻫ، ط١.

_ الزُّهد، الإمام أحمد (ت٢٤١ﻫ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٠ﻫ، ط١.

_ الزُّهد والرقائق، ابن المبارك (ت١٨١ﻫ)، تحقيق حبيب الرحمن الأعظمي، بيروت: دار الكتب العلمية.

_ سامانِ بخشش، مفتی مصطفی رضاخان (ت۱۴۰۲ھ)، بنارس: آل انڈیا اسلامک مشن ۱۳۹۹ھ۔

_ سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، محمد بن يوسف الشّامي (ت٩٤٢ﻫ)، تحقيق الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٤ﻫ، ط١.

_ السراج المنير في شرح الجامع الصغير، العزيزي (ت١٠٧٠ﻫ)، مصر: مطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده، ١٣٧٧ﻫ، ط٣.

_ سر الشہادتین، عبدالعزیز محدّث دہلوی (ت۱۲۳۹ھ)، لکھنؤ: نَوَلکِشور۔

_ السّنة، أبو بكر الخلال (ت٣١١ﻫ)، تحقيق عطية الزهراني، الرياض: دار الراية ١٤١٠ﻫ، ط١.

_ سنن الترمذي، محمد بن عيسى (ت٢٧٩ﻫ)، الرياض: دار السلام ١٤٢٠ﻫ، ط١.

_ سنن الدارقطني، علي بن عمر الدارقطني (ت٣٨٥هـ)، تحقيق الشيخ مجدي حسن، ملتان: نشر السنّة ١٤٢٠هـ.

_ سنن الدارمي، الدارمي (ت٢٥٥هـ)، تحقيق فواز أحمد زمرلي، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤٠٧هـ، ط١.

_ سنن أبي داود، سليمان بن الأشعَث (ت٢٧٥هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤٢٠هـ، ط١.

_ السنن الكبرى، البَيهقي (ت٤٥٨هـ)، بيروت: دار الفكر.

_ السنن الكبرى، النَّسائي (ت٣٠٣هـ)، تحقيق د. عبد الغفّار سليمان البنداري، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١١هـ، ط١.

_ سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد (ت٢٧٥هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢١هـ، ط١.

_ سنن النَّسائي، أحمد بن شعيب (ت٣٠٣هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤٢٥هـ.

_ *سوانح کربلا، علّامہ نعیم الدین مراد آبادی (ت۱۳۶۷ھ)، کراچی: مکتبۃ المدینہ ۱۴۲۹ھ۔*

_ السيرة الحلبية = إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون، نورد الدّين الحلَبي (ت١٠٤٤هـ)، تحقيق عبد الله محمد الخليلي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٢هـ، ط١.

_ شرح الزرقاني على مختصر خليل، عبد الباقي بن يوسف بن أحمد الزرقاني (ت١٠٩٩هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٢هـ، ط١.

_ شرح الزرقاني على الموطأ، محمد بن عبد الباقي الزرقاني (ت١١٢٢هـ)، بيروت: دار الجيل.

_ شرح تنقيح الفصول في علم الأصول، أبو العباس شهاب الدّين أحمد القرافي (ت٦٨٤هـ) تحقيق طه عبد الرؤوف سعد، بيروت: شركة الطباعة الفنية المتحدة ١٣٩٣هـ، ط١.

_ شرح الشفا، علي القاري (ت١٠١٤هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط٢.

_ شرح الصحيح البخاري، ابن بطال (ت٤٤٩هـ)، الرياض: مكتبة الرُّشد ١٤٢٣هـ، ط٢.

_ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور، السيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤١٤هـ ط٢.

_ شرح العقائد النَّسَفية، التفتازاني (ت٧٩٢هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، دِمشق: مكتبة دار البيروتي ١٤١١هـ.

_ الشرح الكبير على مختصر الخليل، أحمد دردير المالكي (ت١٢٠١هـ)، بيروت: دار الفكر.

_ شرح مختصر خليل، محمد بن عبد الله الخرشي المالكي (ت١١٠١هـ)، بيروت: دار الفكر.

_ شرح مختصر الطحاوي، أبو بكر الجصّاص (ت٣٧٠هـ)، تحقيق عصمة الله عناية الله محمد، بيروت: دار البشائر الإسلامية ١٤٣١هـ، ط١.

_ شرح مسند أبي حنيفة، ملّا علي القاري (ت١٠١٤هـ)، تحقيق: الشيخ خليل محييُ الدين الميس، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠٥هـ، ط١.

_ شرح مشكل الآثار، الطحاوي (ت٣٢١هـ)، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، بيروت: مؤسسة الرسالة ١٤١٥هـ، ط١.

_ شرح معاني الآثار، الطحاوي (ت٣٢١هـ)، تحقيق إبراهيم شمس الدين، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٢هـ، ط١.

_ شرح المقاصد، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، تحقيق الدكتور عبد الرحمن عميرة، منشورات الشريف الرضي ١٤٠٩هـ، ط١.

_ شرح المواهب اللّدُنية، الزرقاني (ت١١٢٢هـ)، تحقيق محمد عبد العزيز الخالدي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٧هـ، ط١.

_ شُعب الإيمان، البَيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمّد العدل، بيروت: دار الفكر ١٤٢٤هـ ط١.

_ الشفا بتعريف حقوق المصطفى، قاضي عياض (ت٥٤٤هـ)، تحقيق عبد السلام محمد أمين، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٢هـ، ط٢.

_ شفا السقام في زيارة خير الأنام، تقي الدين السُّبكي (ت٧٥٦هـ)، حيدرآباد الدكن: دائرة المعارف العثمانية ١٤٠٢هـ، ط٣.

_ شفاء الفؤاد بزيارة خير العباد، محمد بن علوي المالكي (ت١٤٢٥هـ)، القاهرة، بيروت: المكتبة العالمية ٢٠٠٢م، ط١.

_ شمائل النبي = شمائل الترمذي، أبو عيسى محمد بن سورة الترمذي (ت٢٧٩هـ)، ملتان: إدارة تأليفات أشرفيّة، مطبوع مع شرح ملّا علي القاري.

_ شواهد الحقّ في الاستغاثة بسيّد الخَلق، النبهاني (ت١٣٥٠هـ)، غجرات: مركز أهل السنّة بركات رضا ١٤٢٥هـ، ط١.

_ الصارم المسلول على مَن أنكرَ التسميةَ بعبد النّبي وعبد الرّسول، الشيخ عابد السِّندي (ت١٢٥٧هـ)، كراتشي: المكتبة المجدديّة النعيميّة ١٤٢٨هـ، ط١.

_ صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل (ت٢٥٦هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ، ط٢.

_ صحيح ابن حِبّان، أبو حاتم محمد بن حِبّان (ت٣٥٤هـ)، بيروت: بيت الأفكار الدوليّة ٢٠٠٤م.

_ صحيح ابن خزَيمة، أبو بكر محمد بن إسحاق (ت٣١١هـ)، تحقيق الدكتور محمّد مصطفى الأعظمي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٢٤هـ، ط٢.

_ صحيح مسلم، مسلم بن الحجّاج (ت٢٦١هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ، ط١.

_ الصواعق المحرقة في الردّ على أهل البِدَعِ والزندقة، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، تحقيق: عبد الوهّاب عبد اللطيف، ملتان: مكتبه مجيديّه ١٤١٠هـ، ط٣.

_ ضرب کلیم، محمد اقبال (ت١٣٣٨ھ)، لاہور: شائع کردہ ڈاکٹر محمد اقبال ١٣٦٩، ط١۔

_ الطبقات الكبرى، ابن سعد (ت٢٣٠هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط١.

_ العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية، الإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ)، تحقيق: د. المفتي محمد أسلم رضا الميمني، كراتشي: دار أهل السنّة ٢٠١٧م، ط١. ومؤسسة الرضا: لاهور.

_ عقد الجِيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، الشاهْ ولي الله الدهلوي (ت١١٨٠هـ)، تحقيق محبّ الدّين الخطيب، القاهرة: المطبعة السلفية ١٣٨٥هـ، ط١.

_ العقود الدرّية في تنقيح الفتاوى الحامديّة، ابن عابدين الشّامي (ت١٢٥٢هـ)، مصر: المطبعة الميمنية ١٤٠٦هـ.

_ العقيدة الطحاويّة، الطحاوي (ت٣٤١هـ)، بيروت: دار ابن حزم ١٤١٦هـ، ط١.

_ عمدة الفقه، ابن قدامة المقدسي (ت٦٢٠هـ)، تحقيق أحمد محمد عزوز، بيروت: المكتبة العصريّة ١٤٢٥هـ.

_ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، العيني (ت٨٥٥هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٨هـ، ط١.

_ عمل اليوم والليلة، ابن السنّي (ت٤٦٣هـ)، تحقيق حامد أحمد الطاهر، القاهرة: المكتب الثقافي للنشر والتوزيع ١٤٢٥هـ، ط١.

_ عوارف المعارف، شهاب الدّين السُّهروَردي (ت٦٣٢هـ)، (مطبوع مع إحياء علوم الدين)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٦هـ، ط١.

_ غامدیت، مفتی وسیم اختر، کراچی: المکتبۃ الشاذلیہ ۱۳۶۹، ط۱۔

_ غاية المقصد في زوائد المسند، الهيثمي (ت٨٠٧هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢١هـ، ط١.

_ غنية ذوي الأحكام في بغية درر الحكّام، الشُّرُنبُلالي (ت١٠٦٩هـ)، (هامش درر الحكّام)، إستانبول.

_ الغنية لطالبي طريق الحقّ، عبد القادر الجيلاني (ت٥٦١هـ)، تحقيق أبو عبد الرحمن صلاح بن محمد بن عويضة، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٧هـ، ط١.

_ غنية المتملّي في شرح منية المصلّي، إبراهيم الحلَبي (ت٩٥٦هـ)، لاهور: سهيل أكادمي.

_ غیاث اللغات، محمد غیاث الدین (ت۱۱۶۱ھ)، کوئٹہ: مکتبہ حبیبیہ۔

_ السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ، امام احمد رضا (ت۱۳۴۰ھ)، فیصل آباد: مکتبہ نوریہ رضویہ ۲۰۰۴م۔

_ فتاوى الإمام الغزّي، التُّمُرتاشي (ت١٠٠٤هـ)، بريلي: مطبع أهل السنّة والجماعة ١٣٣٢هـ.

_ فتاوى ابن رُشد، ابن رشد القُرطبي المالكي (ت٥٢٠هـ)، تحقيق د. المختار بن الطاهر، بيروت: دار الغرب الإسلامي ١٤٠٧هـ، ط١.

_ فتاوی امجدیہ، امجد علی اعظمی (ت۱۳۶۷ھ)، کراچی: مکتبہ رضویہ۔

_ الفتاوى البزّازية = الجامع الوجيز

_ الفتاوى الحديثيّة، ابن حجر الهيثمي (ت٩٧٤هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٩هـ، ط١.

_ الفتاوى الخانية، قاضي خانْ (ت٥٩٢هـ)، بشاور: المكتبة الحقانيّة.

_ فتاوی رشیدیہ، رشید احمد گنگوہی (ت۱۳۲۳ھ)، کراچی: میر محمد کتب خانہ۔

_ فتاوی شارح بخاری، مفتی شریف الحق امجدی (ت۱۴۲۱ھ)، کراچی: مکتبہ برکات مدینہ ۱۴۳۳ھ۔

_ فتاوی عزیزیہ، عبد العزیز محدّث دہلوی (ت۱۲۳۹ھ)، پشاور: رحمن گل پبلشرز۔

ـ الفتاوى الكبرى، ابن تيمية (ت٧٢٨هـ)، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٠٨هـ، ط١.

ـ الفتاوى الهنديّة، الشيخ نظام (ت١١٦١هـ) وجماعة من علماء الهند الأعلام، بشاور: المكتبة الحقّانية.

ـ فتاوی یورپ، مفتی عبد الواحد، لاہور: شبیر برادرز۔

ـ فتح الإله في شرح المشكاة، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، تحقيق الشيخ أحمد فريد المزيدي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٣٦هـ، ط١.

ـ فتح الباري بشرح صحيح البخاري، العسقلاني (ت٨٥٢هـ)، القاهرة: دار الحديث ١٤٢٤هـ.

ـ فتح القدير للعاجز الفقير، ابن الهمام (ت٨٦١هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي.

ـ الفتح المبين بشرح الأربعين، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، مصر: دار إحياء الكتب العربيّة.

ـ الفَرق بين الفِرق، عبد القاهر البغدادي، (ت٤٢٩هـ)، تحقيق محمد زاهد بن الحسن الكَوثري، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٩٨٦م، ط١.

ـ فضائلِ صحابہ واہلِ بیت، علّامہ شاہ تراب الحق قادری (ت۱۴۳۸ھ)، لاہور: زاویہ پبلشرز ۲۰۰۹ط۱۔

ـ الفقه الأكبر، الإمام أبي حنيفة، (ت١٥٠هـ)، بيروت: دار البشائر الإسلامية، ١٤١٩هـ، ط١، مطبوع مع الشرح.

ـ الفقيه والمتفقّه، الخطيب البغدادي (ت٤٦٣هـ)، السعوديّة: دار ابن الجوزي ١٤٢١هـ، ط٢.

ـ فوز المؤمنين بشفاعة الشافعين، فضل رسول بدایونی (ت۱۲۸۹ھ)، کراچی: مکتبہ برکات المدینہ۔

ـ فواتح الرَّحموت، بحر العلوم عبد العلي اللكنوي (ت١٢٢٥هـ)، اللكنؤ: نَوَلْكِشور.

ـ الفواكه الدوّاني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني، أحمد بن غانم الأزهري المالكي (ت١١٢٦هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٥هـ.

ـ فیروز اللغات، مولوی فیروز الدین، لاہور: فیروز سنز ۲۰۰۵م، ط۱۔

ـ فيض القدير، المُناوي (ت١٠٣١هـ)، مصر: المكتبة التجارية الكبرى ١٣٥٦هـ، ط١.

ـ فيوض الحرمين، شاهْ ولي الله المحدّث الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، دهلي: المطبع الأحمدي ١٣٠٨هـ.

ـ القاموس المحيط، الفيروزآبادي (ت١١٧هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٥هـ، ط١.

_ القاموس الوحيد، وحيد الزمان قاسمي (ت١٣٤٩ هـ)، لاهور: إدارة الإسلامية.

_ قواعد التصوّف، أحمد زرّوق (ت٨٩٩هـ)، تحقيق محمود بيروتي، دمشق: دار البيروتي ١٤٢٤هـ، ط١.

_ القول الجميل في بيان سواء السبيل، الشاهْ ولي الله الدهلوي، (ت١١٧٦هـ)، لاهور: مكتبة رحمانية.

_ الكامل في التاريخ، ابن الأثير الجزري (ت٦٣٠هـ)، بيروت: دار الفكر ١٣٩٨هـ.

_ الكامل في ضعفاء الرجال، ابن عدي (ت٣٦٥هـ)، تحقيق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٨هـ، ط١.

_ الكرامات، محمد بن علوي المالكي (ت١٤٢٥هـ).

_ كتاب الآثار، الإمام محمد بن الحسن الشَّيباني (ت١٨٩هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ١٤١١هـ، ط٣.

_ كتاب السنّة، ابن أبي عاصم (ت٢٨٧هـ)، تحقيق: محمد ناصر الألباني، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٠٠هـ، ط١.

_ كتاب العين، الفراهيدي البصري، (ت١٧٠هـ)، تحقيق د: مهدي المخزومي، بيروت: دار الهلال.

_ كشف الأستار عن زوائد البزّار، الهيثمي (ت٨٠٧هـ)، تحقيق حبيب الرحمن الأعظمي، بيروت: مؤسسة الرّسالة ١٣٩٩هـ، ط١.

_ كشّاف اصطلاحات الفُنون والعلوم، محمد علي التهانوي (كان حيّاً ١١٥٨هـ)، تحقيق د. علي دحروج، بيروت: مكتبة لبنان ١٩٩٦م، ط١.

_ كفاية الأخيار في حلّ غاية الاختصار، أبو بكر بن محمد الحسيني الحصني الشافعي (ت٨٢٩هـ)، تحقيق علي عبد الحميد بلطجي ومحمد وهبي سليمان، دمشق: دار الخير ١٩٩٤م، ط١.

_ کلیات اقبال، محمد اقبال (ت۱۹۳۸م)، لاہور: اقبال اکیڈمی ۱۹۹۰۔

_ كنز الدقائق، أبو البركات النَّسَفي (ت٧١٣هـ)، دهلي: المطبع المجتبائي.

_ كنز العمّال في سنن الأقوال والأفعال، المتّقي الهندي (ت٩٧٥هـ)، تحقيق محمود عمر الدمياطي، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٤هـ.

_ الكواكب الدرّية في مدح خير البريّة، البُوصِيري (ت٦٩٥هـ)، حضرموت: دار الفقهية للنشر والتوزيع ١٤٢٠هـ ط١.

_ لُباب التأويل في معاني التنزيل، الخازن (ت٧٤١هـ)، بشاور: مكتبة فاروقية.

_ لطائف الإشارات = تفسير القشَيري، القشيري (ت٤٦٥هـ)، تحقيق إبراهيم البسيوني، مصر: الهيئة المصرية العامة للكتاب، ط٣.

_ لواقح الأنوار القدسية في بيان المعهود المحمديّة، الشَّعراني (ت٩٧٣هـ)، بيروت: دار إحياء التراث.

_ المبسوط، السَّرخسي (ت٤٨٣هـ)، بيروت: دار المعرفة ١٤٠٩هـ.

_ مجمع الأنهُر، داماد أفندي (ت١٠٧٨هـ)، تحقيق خليل عمران المنصور، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٩هـ، ط١.

_ مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، الفَتني (ت٩٨٦هـ)، المدينة المنوّرة: مكتبة دار الإيمان ١٤١٥هـ، ط٣.

_ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، الهيثمي (ت٨٠٧هـ)، تحقيق محمد عبد القادر أحمد عطا، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢٢هـ، ط١.

_ المجموع شرح المهذَّب، أبو زكريا النَّووي (ت٦٧٦هـ)، بيروت: دار الفكر ٢٠١٠م.

_ المحيط البرهاني، برهان الدّين (ت ٦١٦هـ)، تحقيق الشيخ أحمد عزّو عناية، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٤هـ.

_ مختار الصحاح، الرازي (ت٦٦٦هـ)، تحقيق محمد حلّاق، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٨هـ ط١.

_ مختصر القدوري، أحمد بن محمد القدوري (ت٤٤٨هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ١٤٢٢هـ، ط١.

_ مدارج النبوّت، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (ت ۱۰۵۲ھ)، لاہور: نوریّہ رضویہ پبلشنگ کمپنی ۱۹۹۷م، ط۲۔

_ مدارك التنزيل وحقائق التأويل، النَّسَفي (ت٧١٠هـ)، تحقيق الشيخ زكريّا عميرات، پشاور: مكتبة القرآن والسنّة.

_ المدخل، ابن الحاجّ العبدري (ت٧٣٧هـ)، بيروت: دار الفكر.

_ المدوَّنة، الإمام مالك بن أنس (ت١٧٩هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٥هـ، ط١.

_ المراسيل، أبو داود السجستاني (ت٢٧٥هـ)، تحقيق يوسف عبد الرحمن المرعشلي، بيروت: دار المعرفة ١٤٠٦هـ، ط١.

_ مراقي الفلاح، الشُّرُنبُلالي (ت١٠٦٩هـ)، كوئته: المكتبة العربية.

_ *مرآة التصانيف، حافظ عبد الستار چشتی، لاہور: مکتبہ قادریہ۔*

_ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، القاري (ت١٠١٤هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٢هـ.

_ المسامرة بشرح المسايرة، ابن أبي شريف (ت٩٠٦هـ)، (طبع مع متنه)، مصر: مطبعة السعادة.

_ المسايرة في العقائد المنجية في الآخرة، ابن الهمام (ت٨٦١هـ)، (طبع مع شرحه)، مصر: مطبعة السعادة.

_ المستخرج من كُتب النَّاس للتَّذكرة والمستطرف من أحوال الرِّجال للمعرفة، ابن مندة (ت٤٧٠هـ)، تحقيق عامر حسن صبري التميمي، البحرين: إدارة الشؤون الدينية.

_ المستدرَك على الصحيحَين، الحاكم (ت٤٠٥هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمد، مكّة المكرّمة: مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤٢٠هـ، ط١.

_ المستطرف في كلّ فنّ مستظرف، الأبشيهي (ت٨٥٢هـ)، تحقيق د. مفيد محمد قميحة، پشاور: حافظ كتب خانه.

_ المسلك المتقسّط في المنسك المتوسّط، القاري (ت١٠١٤هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ١٤٢٥هـ، ط٢.

_ مسلَّم الثبوت، محبُّ الله بن عبد الشكور (ت١١١٩هـ)، اللكنؤ: نَوَلْكِشور، مع فواتح الرَّحموت.

_ مسند الإمام أبي حنيفة، الإمام أبو حنيفة (ت١٥٠هـ)، رواية أبي نعيم الأصفهاني (ت٤٣٠هـ)، تحقيق نظر محمد الفاريابي، الرياض: مكتبة الكوثر ١٤١٥هـ، ط١.

_ المسند، أحمد بن حنبل (ت٢٤١هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط٢.

_ مسند البزّار، أبو بكر أحمد بن عمرو (ت٢٩٢هـ)، تحقيق د. محفوظ الرحمن زين الله، بيروت: مؤسّسة علوم القرآن ١٤٠٩هـ، ط١.

_ مسند أبي يعلى، أحمد بن علي المُوصلي (ت٣٠٧هـ)، تحقيق ظهير الدين عبد الرحمن، بيروت: دار الفكر ١٤٢٢هـ، ط١.

_ مشكاة المصابيح، الخطيب التبريزي (ت٧٤٩هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحام، بيروت: دار الفكر ١٤١١هـ، ط١.

_ المصنَّف، ابن أبي شَيبة (ت٢٣٥هـ)، تحقيق كمال يوسف الحوت، الرياض: مكتبة الرشد ١٤٠٩هـ، ط١.

_ المصنَّف، عبد الرزاق الصَنعاني (ت٢١١هـ)، تحقيق حبيب الرحمن الأعظمي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٠٣هـ، ط٢.

_ معالم التنزيل، البغَوي (ت٥١٦هـ)، تحقيق خالد عبد الرحمن العك، بيروت: دار المعرفة ١٤٢٣هـ، ط٥.

_ المعتقَد المنتقَد، فضل الرّسول البَدايُوني (ت١٢٨٩هـ)، تحقيق المفتي محمد أسلم رضا الميمني، مصر: دار الهجرة الأولى ١٤٤٠هـ، ط٢.

_ المعتمَد المستند بناء نجاة الأبد، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ)، تحقيق المفتي محمد أسلم رضا الميمني، مصر: دار الهجرة الأولى ١٤٤٠هـ، ط٢(مطبوع مع المعتقد المنتقد).

_ المعجم الأوسط، الطَبَراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، بيروت: دار الفكر ١٤٢٠هـ، ط١.

_ معجم الصحابة، ابن قانع (ت٣٥١هـ)، تحقيق: صلاح بن سالم المصراتي، المدينة المنوّرة: مكتبة الغرباء الأثرية ١٤١٨هـ، ط١.

_ المعجم الكبير، الطَبَراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق حمدي عبد المجيد السلَفي، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٢هـ، ط٢.

_ المعجم لابن المقرئ، ابن المقرئ (ت٣٨١هـ)، تحقيق أبي عبد الحمن عادل بن سعد، الرياض: مكتبة الرُّشد ١٤٢٩هـ، ط١.

ـ المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية (إبراهيم مصطفى، أحمد الزيات، حامد عبد القادر، محمد النجار)، إستانبول: دار الدعوة.

ـ معرفة الصحابة، أبو نعَيم الأصبهاني (ت٤٣٠هـ)، تحقيق: عادل بن يوسف العزازي، الرياض: دار الوطن للنشر ١٤١٩هـ، ط١.

ـ المقاصد الحسنة، السخاوي (ت٩٠٢هـ)، تحقيق محمد عثمان الخشت، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤٢٥هـ، ط١.

ـ مقالاتِ کاظمی، سیّد احمد سعید کاظمی (ت۱۴۰۶ھ)، ملتان: کاظمی پبلی کیشنز۔

ـ ملتقى الأبحر، إبرهيم الحلَبي (ت٩٥٦هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط١.

ـ الملفوظ، مفتیٔ اعظم ہند (ت۱۴۰۲ھ)، ممبئی: رضا اکیڈمی ۱۴۲۷ھ، ط۲۔

ـ ملک العلماء، ساحل شہسرامی، کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۴۲۷ھ۔

ـ الممتع في شرح المقنع، زين الدين المُنَجَّى بن عثمان الحنبلي (ت٦٩٥هـ)، تحقيق عبد الملك بن عبد الله دُهيش، مكّة المكرمة: مكتبة الأسدي، ١٤٢٤هـ، ط٣.

ـ المنتقى شرح الموطأ، الباجي (ت٤٩٤هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية، ١٤٢٠هـ، ط١.

ـ منح الجليل شرح مختصر خليل، محمد بن أحمد المالكي (ت١٢٩٩هـ)، بيروت: دار الفكر.

ـ منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، ملّا علي القاري (ت١٠١٤هـ)، بيروت: دار البشائر الإسلامية، ١٤١٩هـ، ط١.

ـ المنهاج لشرح صحيح مسلم بن الحجّاج، النَّوَوي (ت٦٧٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي، ط٤.

ـ المواهب اللدنيّة بالمنح المحمّديّة، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، تحقيق صالح أحمد الشامي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤٢٥هـ، ط٢.

ـ الموسوعة اليوسفيّة في بيان أدلة الصوفية، يوسف خطّار محمد، دِمشق: مطبعة نضر ١٩٩٩م، ط٢.

ـ موضح القرآن، شاہ عبد القادر دہلوی (ت۱۲۳۰ھ)، لاہور: پاک کمپنی۔

_ الموضوعات الكبرى، القاري (ت١٠١٤هـ)، تحقيق أبو هاجر محمّد السعيد بن بسيوني زغلول، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٤هـ.

_ الموطأ، الإمام مالك (ت١٧٩هـ)، تحقيق نجيب ماجدي، بيروت: المكتبة العصرية ١٤٢٣هـ.

_ الناسخ والمنسوخ، أبو جعفر النحاس (ت٣٣٨هـ)، الكويت: مكتبة الفلاح ١٤٠٨هـ، ط١.

_ النبراس، عبد العزيز البرهاروي (ت١٢٣٩هـ)، لاهور: المكتبة الرضوية ١٣٩٧هـ، ط١.

_ النتف في الفتاوى، أبو الحس السغدي (ت٤٦١هـ)، تحقيق د. صلاح الدّين الناهي، بيروت: مؤسسة الرسالة ١٤٠٤هـ، ط٣.

_ النجم الوهّاج في شرح المنهاج، محمد بن موسى الدَّمِيري الشّافعي (ت٨٠٨هـ)، تحقيق لجنة علمية، جدة: دار المهاج ١٤٢٥هـ، ط١.

_ *نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری، مفتی شریف الحق امجدی (ت۱۴۲۱ھ)، کراچی: برکاتی پبلیشرز۔*

_ نسيم الرياض، الخَفاجي (ت١٠٦٩هـ)، تحقيق محمد عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤٢١هـ، ط١.

_ نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرّسول، الحكيم الترمذي (ت٣١٨هـ)، تحقيق عبد الحميد محمد الدرويش، دِمشق ١٤٢٥هـ، ط١.

_ نور الإيضاح ونجاة الأرواح، الشُّرُنبُلالي (ت١٠٦٩هـ)، كراتشي: مكتبة بركات مدينة.

_ *نور العرفان، مفتی احمد یار خان نعیمی (ت۱۳۹۱ھ)، لاہور: پیر بھائی کمپنی۔*

_ نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، الشَّوكاني (ت١٢٥٠هـ)، تحقيق رائد بن صبري، بيروت: بيت الأفكار الدولية ٢٠٠٤م.

_ *واللہ آپ زندہ ہیں، مفتی محمد عباس رضوی، لاہور: مرکز تحقیقات اسلامیہ۔*

_ الهداية شرح بداية المبتدئ، المَرغيناني (ت٥٩٣هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم.

_ هداية المريد لجوهر التوحيد، برهان الدين اللقاني (ت١٠٤١ﻫ)، تحقيق مروان حسين عبد الصالحين البجاوي، القاهرة: دار البصائر ١٤٣٠ﻫ، ط١..

_ همعات، الشاهْ ولي الله الدهلوي (ت١١٧٦ﻫ)، حيدرآباد: أكادمية الشاهْ ولي الله الدهلوي.

_ یکروزہ، اسماعیل دہلوی (ت ۱۲۴۶ھ)، ملتان: فاروقی کتب خانہ۔

_ اليواقيت والجواهر في بيان عقائد الأكابر، عبد الوهّاب الشَّعراني (ت٩٧٣ﻫ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٨ﻫ، ط١.

فہرس الفہارس

ادارۂ اہلِ سنّت کی مطبوعات

١. شرح عقود رسم المفتي: للإمام ابن عابدين الشّامي.

٢. أجلى الإعلام أنّ الفتوى مطلقاً على قول الإمام: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣. الفضل الموهبي في معنى إذا صحّ الحديث فهو مذهبي: للإمام أحمد رضا خانْ.

٤. جدّ الممتار على ردّ المحتار: للإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) (سبع مجلّدات).

٥. حياة الإمام أحمد رضا: د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني.

٦. تحسين الوصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ(بالأوردية والعربية): د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني.

٧. تحسين الوصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ (بالإنكليزية): د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني.

٨. إقامة القيامة على طاعِن القيام لنبي تهامة (بالأورديّة): للإمام أحمد رضا.

٩. حُسام الحرمَين على منحر الكفر والمَين: للإمام أحمد رضا خانْ.

١٠. جليُّ الصَّوْت لنَهي الدَّعْوة أمَامَ موت (بالأورديّة): للإمام أحمد رضا خانْ.

١١. مقدّمة الجامع الرّضوي في اعتبار الحديث الضعيف: للعلاّمة ظفر الدّين المحدِّث البِهاري.

١٢. "معارف رضا" المجلّة السَّنَوية العربيّة ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م (العدد السّادس).

١٣. رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران ومؤاساة الفقراء: للإمام أحمد رضا خانْ.

١٤. أعجب الإمداد في مكفِّرات حقوق العباد: للإمام أحمد رضا خانْ.

١٥. صفائح اللُجَين في كون تصافُح بكفَّي اليدَين: للإمام أحمد رضا خانْ.

١٦. أنوار المنّان في توحيد القرآن: للإمام أحمد رضا خانْ.

١٧. إذاقة الأثام لمانعِي عملِ المولد والقيام (بالأوردية): للعلاّمة المفتي نقي علي خانْ.

١٨. أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد (ضوابط لمعرفة البدَع والمنكَرات) (بالأوردية والعربية): للعلاّمة المفتي نقي علي خانْ.

١٩. قَوارع القَهّار على المجسِّمة الفُجّار: للإمام أحمد رضا خانْ (بالعربية).

٢٠. المعتقَد المنتقَد: للإمام فضل الرّسول القادري البَدَايُوني، مع حاشية قيّمة مسمّاة: المعتمَد المستند بناء نجاة الأبد: للإمام أحمد رضا خانْ.

٢١. قواعد أصوليّة لفهم الآيات القرآنيّة والأحاديث النبويّة (ضوابط لمعرفة البدَع والمنكَرات) (بالعربية والأودرية): د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني.

٢٢. قواعد أصوليّة لفهم الآيات القرآنيّة والأحاديث النبويّة (ضوابط لمعرفة البدَع والمنكَرات) (بالإنكليزية): د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني.

٢٣. العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية: للإمام أحمد رضا خانْ (٢٢ مجلداً).

٢٤. نظم العقائد النَّسَفية، (النّظم العربي): المفتي الشيخ إبراهيم علي الحمدُو العمر الحلَبي، (النّظم الأوردو): للشّيخ محمد سلمان الفريدي المصباحي الهندي.

٢٥. كنز الإيمان في ترجمة القرآن: للإمام أحمد رضا خانْ، مع تفسير خزائن العرفان: لصدر الأفاضل السيّد محمد نعيم الدّين المرادآبادي.

٢٦. الإجازات المتينة لعلماء بكّة والمدينة: للإمام أحمد رضا خانْ.

٢٧. الظَفر لقول زُفر: للإمام أحمد رضا خانْ.

٢٨. شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر: للإمام أحمد رضا خانْ.

٢٩. صيقل الرَّين عن أحكام مجاوَرة الحرمَين: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٠. الجبل الثانوي على كلية التهانوي: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣١. كفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهم: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٢. هاديُ الأُضحِية بالشاء الهنديّة: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٣. الصافية الموحية لحكم جلد الأُضحِية: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٤. الكشفُ شافيا حكم فونوجرافيا: للإمام أحمد رضا خانْ

٣٥. الزُّلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى (في أفضلية سيّدنا أبي بكر ﷺ): للإمام أحمد رضا.

٣٦. "القول النَّجيح لإحقاق الحقّ الصّريح" مع حاشية "السعي المشكور في إبداء الحقّ المهجور": للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٧. إنباء الحي أنّ كلامَه المصونَ تبيانٌ لكلِّ شيء (مجلّدان): للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٨. الدَّولة المكّية بالمادّة الغَيبيّة: للإمام أحمد رضا خانْ.

٣٩. الأمن والعُلى لناعتي المصطفى بدافع البلاء (مترجَم بالعربية): للإمام أحمد رضا خانْ.

٤٠. فتاوى الحرمين برجف ندوة المين: للإمام أحمد رضا خانْ.

۴۱. اسلامی عقائد و مسائل (اردو): ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی۔

٤٢. عظمتِ صحابہ و اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اردو): ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی۔

٤٣. قائدِ ملّت اسلامیہ علّامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حیات، خدمات اور سیاسی جدوجہد (اردو): مفتی عبد الرشید ہمایوں المدنی۔

عنقریب شائع ہونے والی کتب ورسائل

١. منير العين في حكم تقبيل الإبهامَين (مترجَم بالعربية): للإمام أحمد رضا خانْ.

٢. تحقيقاتِ إمامِ علم وفن: للعلّامة الشيخ خواجه مظفَّر حسَين الرّضوي (بالأوردية).

٣. عقائدوكلام (اردو): للإمام أحمد رضا خانْ (ت ١٣٤٠هـ).

٤. تلخيص فتاوى رضوية (اردو): للإمام أحمد رضا خانْ (ت ١٣٤٠هـ) (ستّ مجلّدات).